صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

سلسلۂ دار المصنفین

(۳۸)

مقالاتِ شبلی

(مذہبی)

جلد اوّل

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

کے

تمام مذہبی مضامین کا مجموعہ جس کو مختلف رسالوں اور اخبارون سے یکجا کیا گیا ہے

باہتمام محمد اویس وارثی

در مطبع معارف اعظم گڈھ طبع شد

سنہ ۱۳۴۹ھ
۱۹۳۰ء

صُحُفًا مُطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

سلسلۂ دار المصنفین

(٣٨)

مقالاتِ شبلی

(مذہبی)

جلد اوّل

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

کے

تمام مذہبی مضامین کا مجموعہ جس کو مختلف رسالوں اور اخبارون سے یکجا کیا گیا ہے

باہتمام محمد اویس ورثی

در مطبع معارف اعظم گڈھ طبع شد

١٣٤٩ھ

سنہ ١٩٣٠ء

مذہبی، تاریخی، علمی، ادبی، تنقیدی، تعلیمی، قومی، سیاسی اور آخری جلد اون کے خطبات اور تقریرون کے مجموعہ پر مشتمل ہوگی،

پیش نظر جلد اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے، بقیہ جلدین آیندہ بہ ترتیب شایع ہوتی رہینگی،

وَمَا توفیقی اِلّا باللہ،

سید سلیمان ندوی، ناظم دار المصنفین
اعظم گڈھ،

۲۷ شعبان سنہ ۱۳۴۵ھ

تاریخِ ترتیبِ قرآن

قرآن مجید کا نزول اور جمع و ترتیب

رسول اللہ صلعم کی عمر جس قدر زیادہ ہوتی جاتی تھی، اُسی قدر دنیوی تعلقات سے آپ کا جی ہٹتا جاتا تھا اور جستجوے حق آپ کو بے تاب کیے دیتی تھی، یہان تک کہ آپ آبادی چھوڑ کر پہاڑ اور صحراءین پھرنے لگے، مکہ سے منا کو جاتے ہوئے بائین ہاتھ تین میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جس کو حرا کہتے ہین، اس مین ایک غار تھا رسول اللہ صلعم نے معمول کر لیا کہ کئی کئی دن تک متصل اس مین رہتے، اور مراقبہ و مجاہدہ کرتے کھانا گھر سے پکوا کر ساتھ لاتے جب ہو چکتا تو گھر کو واپس جاتے، دو تین دن وہان ٹھہرتے اور پھر واپس آجاتے، اس طرح پورا ایک مہینہ[1] گذر گیا اور اتفاق یہ کہ یہ رمضان کا مہینہ اور آپ کی عمر کا چالیسوان سال تھا، اخیر دفعہ آپ اسی غار مین تشریف رکھتے تھے کہ آپ کو فرشتۂ یزدانی نظر آیا، اس نے آپ سے کہا کہ "پڑھ" آپ نے فرمایا کہ مین پڑھا ہوا نہین ہون، فرشتہ نے آپ کو زور سے بغل مین بھینچا، پھر چھوڑ کر کہا کہ پڑھ آپ نے پھر وہی جواب دیا، اس طرح تین بار اتفاق ہوا، تیسری دفعہ کے بعد فرشتہ نے یہ آیتین خود پڑھین اور آپ سے پڑھنے کی فرمایش کی:-

اقرأ باسم ربک الذی خلق خلق	خدا کے نام سے پڑھ جس نے خلقت پیدا کی جس نے انسان
الانسان من علق، اقرأ وربک الاکرم	کو لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھ، اور تیرا خدا، بڑا کریم ہے،

[1] عینی جلد اول (صفحہ ۶۷) بہ حوالہ سیرۃ ابن اسحاق،

ابن[1] اسحق کی روایت مین ہے کہ یہ واقعہ خواب مین واقع ہوا یعنی فرشتہ کا آنا اور آپ کو دبانا آنحضرت صلعم نے خواب مین دیکھا،

آپ اس واقعہ کے بعد گھر مین آئے آپ کا دل دھڑک رہا تھا حضرت خدیجہ رضؓ سے کہا کہ مجھکو کچھ اڑھادو، دیر کے بعد جب سکون ہوا تو آپ نے تمام واقعات حضرت خدیجہ رضؓ سے بیان فرمائے، اور کہا کہ مجھ کو ڈر ہے (دیکھئے کیا ہوتا ہے) خدیجہ رضؓ نے کہا آپ مطمئن رہئے خدا ہرگز آپ کو خوار نہ کریگا، آپ صلہ رحم کرتے ہین، ناداروں کی خبر لیتے ہین، مہمانون کی مہمان نوازی کرتے ہین، یہ کہکر خدیجہ رضؓ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لو گئین، ورقہ حضرت خدیجہ رضؓ کے چچیرے بھائی تھے، جاہلیت مین عیسائی ہو گئے تھے اور چونکہ عبرانی زبان جانتے تھے، عبری زبان مین انجیل کا ترجمہ کیا کرتے تھے، آپ نے ورقہ کے سامنے سب ماجرا بیان کیا، ورقہ نے کہا یہ وہی ناموس (رازدار) ہے جو موسی پر نازل ہوا تھا، کاش مین جوان ہوتا کہ جب قوم آپ کو نکالنا چاہتی تو مین آپ کے کام آسکتا، آپ نے پوچھا کہ کیا یہ بھی ہوگا، ورقہ نے کہا ہمیشہ ایسی حالتون مین لوگ دشمن بنجاتے ہین،

اس کے بعد تین برس تک آپ پر کوئی وحی نہین آئی[2] ایک دن آپ نے آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی آنکھ اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو حرا مین نظر آیا تھا، آسمان اور زمین کے بیچ مین ایک کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا، آپ پر رعب طاری ہوا، اسی حالت مین گھر واپس آئے، اور فرمایا کہ مجھ کو کچھ اڑھادو اس وقت یہ آیتین آپ پر نازل ہوئین:-

یاایھا المدثر قم فانذر وربک — اے کپڑون مین لپٹے ہوئے اٹھ لوگون کو ڈرا، خدا کی بڑائی

---

[1] عینی شرح بخاری مطبوعہ قسطنطنیہ جلد اول ص ۴۳ سطر ۳، ۵۲ یہ پوری تفصیل قریباً حرف بحرف بخاری کے پہلے ہی صفحہ مین ہے، محدثانہ طریقہ سے اس حدیث مین لحاظ کے قابل یہ بات ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ اس وقت تک آنحضرت صلعم سے عقد نکاح مین نہین آئی تھین بلکہ پیدا ہی نہین ہوئی تھین اس لئے یہ حدیث کسی اور سے سنی ہوگی، لیکن انھون نے راوی کا نام نہین بتایا اس قسم کی حدیث کو محدثین کی اصطلاح مین مرسل کہتے ہین، لیکن محدثین کا یہ مذہب ہے کہ صحابی جب کوئی حدیث بے سند بیان کرتا ہے تو وہ معتبر ہوتی ہے کیونکہ اس نے آخر کسی صحابی سے سنا ہوگا، اور صحابہ سب ثقہ ہین،

[2] عینی جلد اول صفحہ ۴۷، بحوالہ ابن اسحاق و تاریخ احمد بن حنبل،

فکبر وثیابک فطھر والرجز فاھجر　　　کپڑے پاک کر ڈال اور ناپاکی سے الگ ہو جا،

اس کے بعد وحی کا سلسلہ برابر جاری رہا، وحی کا نزول اکثر تو کسی خاص واقعہ اور ضرورت کے پیش آنے پر ہوتا تھا، اور کبھی یون بھی ہوتا تھا اکثر دو دو تین تین چار چار آیتین ایک ساتھ اترتی تھین کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ دس دس آیتین ایک ساتھ اترین[1] جب کوئی آیت اترتی تھی تو آپ کسی پڑھے لکھے صحابی کو بلوا کر وہ آیت لکھوا دیتے تھے[2] اس زمانہ مین جن چیزون سے کاغذ کا کام لیا جاتا تھا حسب ذیل تھین :-

عسیب، کھجور کی شاخ جس سے پتے کو الگ کر لیتے تھے،

لخفہ، پتھر کی پتلی تختیان،

کتف، اونٹ یا بکری کی چوڑی ہڈیان،

ادیم، چمڑا،

قتب، پالان کی لکڑی،

چنانچہ کاغذ کے علاوہ ان تمام چیزون پر قرآن مجید لکھا جاتا تھا،

قرآن مجید کی جمع و ترتیب کے متعلق جو روایتین منقول ہین، ان سے یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ تک قرآن مجید کی سورتون اور آیتون مین کوئی ترتیب نہ تھی، وجوہ ذیل سے اس شبہہ کی تائید ہوتی ہے،

۱- عموماً روایتون مین ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین جب قرآن جمع کیا جانے لگا تو کھجور کے تختون، ٹھیکرون، اور ہڈیون، پر قرآن کی جو آیتین لکھی ہوئی ملتی تھین، ان کو جمع کرتے تھے اور ان سے نقل لیتے تھے، اگر سورتین مرتب ہو چکی ہوتین تو اس ریزہ چینی کی کیا ضرورت تھی،

---

[1] اتقان نوع سادس عشر، [2] اتقان نوع ۱۰ بحوالہ ترمذی ونسائی وغیرہ،

ترمذی اور نسائی وغیرہ مین روایت ہو کہ عبداللہ بن عباس رضؓ نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ آپ نے سورۂ براۃ کو انفال کے بعد کیون رکھا اور دونون مین بسم اللہ کے ذریعہ سے حد فاصل کیون نہین قایم کی؟ حضرت عثمان رضؓ نے کہا "سورۂ انفال مدینہ مین سب سے پہلے اتری تھی، اور سورۂ براۃ سب سے اخیر سورہ ہے، لیکن دونون کے واقعات ملتے جلتے ہین، اس لئے مین سمجھا کہ دونون ایک ہی سورہ ہین، لیکن چونکہ آنحضرت صلعم نے اس کے متعلق کوئی تصریح نہین فرمائی تھی، اس لئے مین نے دونون کو پاس پاس لکھا، اور بیچ مین بسم اللہ نہین لکھی"

اس روایت سے اس قدر قطعی ثابت ہے کہ سورۂ براۃ اور سورۂ انفال کا الگ الگ مستقل سورہ ہونا مشتبہ اور مشکوک ہے،

ابو داؤد نے روایت کی ہے، کہ حارث بن خزیمہ نے دو آیتین پیش کین کہ مین نے اُن کو آنحضرت صلعم کی زبان سے سنا تھا حضرت عمرؓ نے تصدیق کی اور کہا کہ اگر تین آیتین ہوتین تو ایک مستقل سورہ ہو جاتی، اس لئے اب یہ کرنا چاہئے، کہ جو سورہ سب سے اخیر مین اتری ہو، اس کے آخر مین یہ آیتین شامل کر دی جائین[1] اس روایت سے صاف ظاہر ہے، کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ تک سورتین مرتب نہین ہو چکی تھین،

چونکہ یہ ایک مہتم بالشان بحث ہے اس لئے ہم کسی قدر تفصیل سے اس کو لکھنا چاہتے ہین،

واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی سورہ نازل ہونی شروع ہوتی تھی تو دو دو چار چار آیتین موقع بہ موقع اترتی تھین، آنحضرت صلعم ان آیتون کو اسی سورہ مین داخل کراتے جاتے تھے، جب ایک سورہ ختم ہو جاتی، تو علیحدہ نام سے موسوم ہو جاتی تھی، اور دوسری سورہ شروع ہوتی تھی، کبھی ایک ساتھ دو سورتین نازل ہونی شروع ہوتین، اور آنحضرت صلعم دونون سورتون

[1] اتقان ذکر جمع و ترتیب قرآن،

ترمذی اور نسائی وغیرہ مین روایت ہو کہ عبد اللہ بن عباس رضؓ نے حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ آپ نے سورۂ براۃ کو انفال کے بعد کیون رکھا اور دونون مین بسم اللہ کے ذریعہ سے حد فاصل کیون نہین قایم کی؟ حضرت عثمان رضؓ نے کہا "سورۂ انفال مدینہ مین سب سے پہلے اتری تھی، اور سورۂ براۃ سب اخیر سورہ ہے، لیکن دونون کے واقعات ملتے جلتے ہین، اس لئے مین سمجھا کہ دونون ایک ہی سورۃ ہین، لیکن چونکہ آنحضرت صلعم نے اس کے متعلق کوئی تصریح نہین فرمائی تھی، اس لئے مین نے دونون کو پاس پاس لکھا، اور بیچ مین بسم اللہ نہین لکھی"،

اس روایت سے اس قدر قطعی ثابت ہے کہ سورۂ براۃ اور سورۂ انفال کا الگ الگ مستقل سورۂ ہونا مشتبہ اور مشکوک ہے،

ابو داؤد نے روایت کی ہے، کہ حارث بن خزیمہ نے دو آیتین پیش کین کہ مین نے اُن کو آنحضرت صلعم کی زبان سے سنا تھا حضرت عمرؓ نے تصدیق کی اور کہا کہ اگر تین آیتین ہوتین تو ایک مستقل سورہ ہو جاتی، اس لئے اب یہ کرنا چاہئے، کہ جو سورۃ سب سے اخیر مین اتری ہو، اس کے آخر مین یہ آیتین شامل کر دی جائین[1]، اس روایت سے صاف ظاہر ہے، کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ تک سورتین مرتب نہین ہو چکی تھین،

چونکہ یہ ایک مہتم بالشان بحث ہے اس لئے ہم کسی قدر تفصیل سے اس کو لکھنا چاہتے ہین،

واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی سورہ نازل ہونی شروع ہوتی تھی تو دو دو چار چار آیتین موقع بموقع اترتی تھین، آنحضرت صلعم ان آیتون کو اسی سورہ مین داخل کراتے جاتے تھے، جب ایک سورہ ختم ہو جاتی، تو علیحدہ نام سے موسوم ہو جاتی تھی، اور دوسری سورہ شروع ہوتی تھی، کبھی ایک ساتھ دو سورتین نازل ہونی شروع ہوتین، اور آنحضرت صلعم دونون سورتون

[1] اتقان ذکر جمع و ترتیب قرآن،

انھا تذکرۃ فمن شاء ذکرہ فی صحف	قرآن مجید نصیحت نامہ ہے، سو جس کا جی چاہے، اس کو پڑھے،
مکرمۃ مرفوعۃ مطھرۃ بایدی	وہ ایسے صحیفون مین لکھا ہوا ہے، جو محترم ہین، بلند پایہ ہین،
سفرۃ کرام بررۃ ،	پاک ہین اور ایسے کاتبون کے ہاتھ مین ہین جو بزرگ اور نیک
(سورۂ عبس)	کردار ہین،

خوش اعتقادون کا خیال ہے کہ صحیفہ سے لوح محفوظ اور سفرہ سے فرشتے مراد ہین یعنی قرآن مجید لوح محفوظ مین ہے، اور لوح محفوظ فرشتون کے ہاتھ مین ہے، لیکن یہ صحیح نہین، اس قدر تمام مفسرون کے نزدیک مسلم ہے، کہ سفرہ کے معنی کاتب یا سفیر کے ہین، یہ ظاہر ہے کہ لوح محفوظ فرشتون کا لکھا ہوا نہین ہے، بلکہ اس پر جو لکھا ہے خود دست قدرت نے لکھا ہے، اس لئے یہ تو مراد نہین ہو سکتا کہ لوح محفوظ ان فرشتون کے ہاتھ مین ہے جنھون نے اس کو لکھا ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ لوح محفوظ کے حامل جو فرشتے ہین ان کو لکھنا آتا ہے، لیکن کسی روایت مین کہین آسمانی فرشتون کے لکھنے کا ذکر نہین آیا ہے، نہ کسی چیز کے حامل ہونے کے لئے فن کتابت کی ضرورت ہے،

سفرۃ کے معنی اگر سفیر کے لئے جائین تو یہ ظاہر ہے کہ جو ملائکہ سفرائے وحی ہین (حضرت جبرئیلؑ وغیرہ) لوح محفوظ ان کے ہاتھ مین نہین، نہ وہ لوح محفوظ کے حامل ہین، وہ انبیا کو زبانی وحی پہونچاتے ہین، لوح محفوظ کے اوراق لیکر نہین آتے،

غرض یہ ہے، اور صاف معنی یہی ہین، کہ قرآن مجید صحیفون مین لکھا ہوا ہے اور یہ صحیفے برگزیدہ اور پاک لوگون یعنی صحابہ کے ہاتھ مین ہین، تفسیر کبیر مین ہے:-

والسفرۃ الکرام البررۃ ھم اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، وقیل ھم القراء	سفرائے کرام آنحضرت صلعم کے صحابہ ہین، اور بعض لوگون نے کہا ہے، کہ حفاظ قرآن مراد ہین،

انھا تذکرۃ فمن شاء ذکرہ فی صحف	قرآن مجید نصیحت نامہ ہے، سو جس کا جی چاہے، اس کو پڑھے،
مکرمۃ مرفوعۃ مطہرۃ بایدی	وہ ایسے صحیفون مین لکھا ہوا ہے، جو محترم ہین، بلند پایہ ہین،
سفرۃ کرام بررۃ ،	پاک ہین اور ایسے کاتبون کے ہاتھ مین ہین جو بزرگ اور نیک
(سورۂ عبس)	کردار ہین،

خوش اعتقادون کا خیال ہے کہ صحیفہ سے لوح محفوظ اور سفرہ سے فرشتے مراد ہین یعنی قرآن مجید لوح محفوظ مین ہے، اور لوح محفوظ فرشتون کے ہاتھ مین ہے، لیکن یہ صحیح نہین، اس قدر تمام مفسرون کے نزدیک مسلم ہے، کہ سفرہ کے معنی کاتب یا سفیر کے ہین، یہ ظاہر ہے کہ لوح محفوظ فرشتون کا لکھا ہوا نہین ہے، بلکہ اس پر جو لکھا ہے خود دست قدرت نے لکھا ہے، اس لئے یہ تو مراد نہین ہو سکتا کہ لوح محفوظ ان فرشتون کے ہاتھ مین ہے جنھون نے اس کو لکھا ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ لوح محفوظ کے حامل جو فرشتے ہین ان کو لکھنا آتا ہے، لیکن کسی روایت مین کہین آسمانی فرشتون کے لکھنے کا ذکر نہین آیا ہے، نہ کسی چیز کے حامل ہونے کے لئے فن کتابت کی ضرورت ہے،

سفرۃ کے معنی اگر سفیر کے لئے جائین تو یہ ظاہر ہے کہ جو ملائکہ سفرائے وحی ہین (حضرت جبرئیلؑ وغیرہ) لوح محفوظ ان کے ہاتھ مین نہین، نہ وہ لوح محفوظ کے حامل ہین، وہ انبیا کو زبانی وحی پہونچاتے ہین، لوح محفوظ کے اوراق لیکر نہین آتے،

غرض یہ ہے، اور صاف معنی یہی ہین، کہ قرآن مجید صحیفون مین لکھا ہوا ہے اور یہ صحیفے برگزیدہ اور پاک لوگون یعنی صحابہ کے ہاتھ مین ہین، تفسیر کبیر مین ہے:-

والسفرۃ الکرام البررۃ ھم اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم، وقیل ھم القراء	سفرائے کرام آنحضرت صلعم کے صحابہ ہین، اور بعض لوگون نے کہا ہے، کہ حفاظ قرآن مراد ہین،

سفرۃ کرام بررۃ، نیکوکار بزرگ لوگون کے ہاتھ مین ہین،

آیات مذکورۂ بالا سے ثابت ہوتا ہے، کہ

۱- قرآن مجید کے اجزا آنحضرت صلعم کے زمانہ مین قلم بند کئے گئے تھے،

۲- یہ اجزا چمڑے یا اور کسی قسم کے کاغذ پر لکھے گئے تھے،

۳- ان کی حفاظت کا خاص اہتمام تھا، اور بغیر طہارت کے لوگ ان کو ہاتھ نہین لگانے پاتے تھے،

با اینہمہ یہ نہین ہوا کہ یہ اجزا اس طرح مرتب ہوگئے تھے کہ ایک آیت بھی چھوٹنے نہ پائی ہو، چونکہ وحی کا سلسلہ وفات تک جاری رہا، اور یہ اجزا ہر وقت ساتھ نہین رہتے تھے، اس لئے یہ بھی ہوا کہ بعض آیتین جو اترین وہ کسی پرچہ یا ہڈی وغیرہ پر لکھ لی گئین، اور اس مجموعہ مین نہ شامل ہوسکین، الگ کسی پرچہ یا ہڈی وغیرہ پر لکھی رہ گئین،

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانہ مین ایک ایک پرزہ اور ہڈی وغیرہ جو جمع کین استقصا اور احتیاط کی غرض سے کین، اس کا یہ مطلب نہین کہ قرآن مجید اس وقت تک صرف انھین پرزون پر تحریر تھا، حارث محاسبی لکھتے ہین :-

کتابۃ القرآن لیست بمحدثۃ فانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یامر بکتابتہ ولکنہ کان مفرقا فی الرقاع والاکتاف والعسب فانما امر الصدیق بنسخہا من مکان الی مکان مجتمعا (اتقان)	قرآن مجید کی کتابت کچھ نئی بات نہ تھی خود آنحضرت صلعم نے قرآن کے قلم بند کرنے کا حکم دیا تھا، لیکن آنحضرت صلعم کے زمانہ مین مختلف چیزون یعنی کاغذ، شانہ کی ہڈی کھجور کے تختہ پر لکھا ہوا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے حکم دیا کہ سب ایک جا جمع کر دیا جائے،

غرض آنحضرت صلعم کے زمانہ مین جس حد تک تدوین ہو چکی تھی اسیقدر تھی، حضرت ابوبکرؓ نے

اپنے زمانۂ خلافت مین حضرت عمرؓ کی تحریک سے قرآن کے تمام اجزا یکجا لکھوائے جس کی تفصیلی کیفیت حسب ذیل ہے :-

سنہ نبوت مین جو حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا پہلا سال تھا حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور کہا کہ یمامہ کی لڑائی مین اکثر حفاظ قرآن شہید ہوئے، اگر اور لڑائیون مین اسی طرح حفاظ شہید ہوئے تو قرآن کا بہت سا حصہ جاتا رہے گا، حضرت ابوبکرؓ نے کہا مین وہ کام کیونکر کرون جو رسول اللہ صلعم نے نہین کیا، حضرت عمرؓ نے کہا لیکن یہ اچھا کام ہے، غرض حضرت عمرؓ کے بار بار کہنے سے حضرت ابوبکرؓ کے ذہن مین بھی اس کی مصلحت آگئی، انھون نے زید بن ثابتؓ کو جو کاتب وحی تھے، بلا کر اس کام پر مامور کیا، انھون نے بھی پہلے عذر کیا، لیکن بالآخر وہ بھی متفق ہوئے اور جہان جہان قرآن مجید کسی چیز پر لکھا ملتا تھا، سب کو یکجا کرنا شروع کیا،

اختلافِ مصاحف اور قرأت

حضرت عثمانؓ نے جس طرح قرآن مجید کو ترتیب دیا بعض صحابہ نے اس کے خلاف ترتیب دی تھی، اور وہ اپنی اسی ترتیب پر قایم رہے، یہان تک کہ جب حضرت عثمانؓ کا حکم پہونچا کہ ان کی ترتیب کے خلاف جو نسخے پائے جائین ضایع کر دیے جائین، تو ان لوگون نے اس حکم کی اطاعت نہین کی، اور بڑے استقلال سے ان کے حکم کو رد کیا، ان مصاحف کی تفصیل حسب ذیل ہے :-

مصحف عبد اللہ بن مسعود ؛ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ان چار صحابہ مین ہین جن کی نسبت

---

[1] بخاری کی روایت مین یہی لفظ ہے، لیکن یہ امر تمام محدثین اور مورخین کے نزدیک مسلم ہے، کہ قرآن مجید کل کا کل قلم بند ہو چکا تھا بعض [illegible] کا ذکر ہے کہ وہ لکھنے [illegible] گئی تھین، اور بعض صحابہ کو زبانی یاد تھین [illegible] قرآن مجید کا [illegible]

آنحضرت صلعم نے حکم دیا تھا کہ لوگ ان سے قرآن مجید سیکھیں، انھون نے اپنے اجتہاد کے موافق سورتون کی ترتیب کی تھی، جو حضرت عثمانؓ کی ترتیب کے مخالف تھی، فتح الباری شرح بخاری میں ہے۔

وان فیہ دلالۃ علی ان تالیف مصحف ابن مسعود علی غیر تالیف العثمانی (جلد ۹ صفحہ ۳۰)

نسائی اور ابو داؤد میں روایت ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ نے منبر پر چڑھ کر کہا وہ تم لوگ مجھکو یہ کیونکر حکم دیتے ہو کہ میں زید بن ثابتؓ کی قرأت کے موافق قرآن پڑھون، میں نے تو خود آنحضرت صلعم کی زبان سے سیکھا ہے،

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس کی ترتیب بھی ترتیب نزول کے موافق نہ تھی[1]، ابن الندیم نے اس کی ترتیب حسب ذیل بیان کی ہے؛-

بقرہ، نساء، آل عمران، المص، انعام، مائدہ، یونس، براۃ، نحل، ہود، یوسف، بنی اسرائیل، انبیاء، مومنون، شعراء، صافات، احزاب، قصص، نور، انفال، مریم، عنکبوت، روم، الخ،

(کتاب الفہرست میں اخیر تک کی تمام سورتین لکھدی ہیں)

ابن الندیم نے لکھا ہے کہ مین نے ابن مسعود کے متعدد قرآن دیکھے لیکن ان میں دو بھی باہم متفق نہ تھے[2]،

مصحف علی، یہ مصحف حضرت علی نے ترتیب دیا تھا اور اسمین نزول کی ترتیب ملحوظ رکھی تھی یعنی جو آیتین اور سورتین جس ترتیب سے اتری تھیں وہی ترتیب قائم رکھی تھی، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں،

ویقال ان مصحف علی کان علی ترتیب النزول اولہ اقرء ثم المدثر ثم ن والقلم، ثم المزمل ثم تبت ثم التکویر ثم سبح وھکذا الی اخر المکی ثم المدنی (جلد ۹ صفحہ ۳۸)

ابن الندیم کتاب الفہرست میں لکھتے ہیں کہ میں نے ابو یعلی حمزۃ الحسنی کے پاس ایک

---

[1] فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۳۸، [2] کتاب الفہرست صفحہ ۲۶،

قرآن دیکھا تھا جو ان کے خاندان مین متوارث چلا آتا تھا، اور حضرت علیؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا،
ابن الندیم کا زمانہ چوتھی صدی ہی ہے، اس لئے اس زمانہ تک اس نسخہ کا موجود ہونا ثابت ہے،

مصحف ابی بن کعب، اس مصحف کا ذکر بھی حافظ ابن حجر اور سیوطی نے جا بجا کیا ہے،
ابن الندیم نے کتاب الفہرست مین لکھا ہے کہ بصرہ سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر ایک گاؤن تھا
جس کو قریۃ الانصار کہتے تھے ابی بن کعب نے یہین بیٹھکر قرآن کی ترتیب کی تھی،۱ اس کے بعد
ابن الندیم نے تمام سورتون کا نام ان کی ترتیب کے موافق لکھا ہے، اور لکھا ہے کہ ان کے
قرآن مین کل آیتین ۶۲۱۰ ہین،

مصحف عائشہ، صحیح بخاری باب تالیف القرآن مین ہے کہ عراق سے ایک شخص حضرت
عائشہؓ کے پاس آیا، اور کہا کہ ام المومنین! آپ اپنا قرآن لائیے تو مین اپنا نسخہ درست کر لون،
کیونکہ لوگ قرآن کو بے ترتیب پڑھتے ہین، حضرت عائشہؓ نے کہا کسی سورۃ کے پہلے پیچھے پڑھنے
مین کیا حرج ہے، (یعنی سورتون مین کوئی خاص ترتیب ضروری نہین)

اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے اپنا نسخہ نکالا اور عراقی نے اس کے موافق آیتین درست کرلین
(صحیح بخاری) ممکن ہے یہ وہی قرآن ہو جو حضرت ابو بکرؓ نے مرتب کرایا تھا،

مصاحف کے اس اختلاف اور بعض غیر مستند روایتون سے جو بڑی بڑی کتابون مین
مذکور ہین، لوگون کو یہ شبہہ ہوا ہے کہ قرآن مجید بھی توریت اور انجیل کی طرح بہت کچھ ادل بدل
گیا ہے، ان شبہہ کرنے والون کے دلائل یہ ہین:-

ا۔ حضرت ابو بکرؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، ابیؓ وغیرہ کے مصاحف مین جو اختلاف تھا وہ صرف ترتیب
سور کی بنا پر نہین ہو سکتا تھا، سورتون کی ترتیب کوئی امر اہم نہ تھا جس کی بنا پر عبد اللہ بن مسعودؓ

۱ کتاب الفہرست ص ۲۸،

اس قدر جان بازی پر آمادہ ہو جاتے،

۲- تمام اہلِ روایت متفقاً لکھتے ہین کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کے قرآن مین دو سورتین (معوذتین) نہ تھین،

حافظ ابن حجر شرح بخاری مین لکھتے ہین،

قد صح عن ابن مسعود انکار ذلک فاخرج احمد و ابن حبان عنه انه کان لا یکتب المعوذتین فی مصحفه،

(احمد بزار، طبرانی وغیرہ محدثین نے بسند صحیح روایت کی ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ جس قرآن مین یہ دونون سورتین پاتے تھے مٹا دیتے تھے[1])

۳- طبری اور بیہقی نے بعض ایسی سورتین روایت کی ہین جو موجودہ قرآن مین مطلق نہین ہین[2]، مثلاً:- اللھم انا نستعینک ونستغفرک ونثنی علیک ولا نکفرک ونخلع ونترک من یفجرک اللھم ایاک نعبد ولک نصلی ونسجد والیک نسعی ونحفد نرجو رحمتک ونخشی نقمتک ان عذابک بالکافرین ملحق،

۴- شیعہ جو مسلمانون مین ایک گروہ اعظم ہے، اس بات کا قائل ہے کہ قرآن مین بہت کچھ حذف و اسقاط ہوا ہے،

۵- قرأتون کے اختلافات جو منقول ہین، ان مین ایسے اختلافات ہین جو معمولی اختلاف نہین بلکہ لفظ کے لفظ اور بعض جگہ جملے کے جملے بدل گئے ہین،

ان واقعات نے عیسائیون کو موقع دیا ہے، کہ وہ تحریف انجیل کی ندامت اس الزامی

---

[1] اتقان معرفۃ متواتر و مشہور الخ،

[2] اتقان معرفۃ متواتر و مشہور صفحہ ۷۶ مطبوعہ مصر مطبع میمینہ ۱۳۱۷ھ،

جوابات شائقین۔

سب سے پہلے ہم کو شیعون کے الزام کی طرف متوجہ ہونا چاہیے حقیقت یہ ہے کہ شیعون کی حالت اور ان کی روایت قرآن مجید کے محفوظ رہنے کی سب سے بڑی دلیل ہے، شیعہ وہ فرقہ ہے جو خلفائے ثلثہ کو سرے سے (نعوذ باللہ) کافر سمجھتا ہے، اور ان لوگون کے ہاتھ سے جو کام انجام پایا ہو، اس پر کبھی اعتبار نہین کر سکتا، یہ مسلم ہے کہ جامع قرآن حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ اور اس کو بزور حکومت شایع کرنے والے حضرت عثمانؓ تھے، یہ بھی مسلم ہے کہ حضرت علیؓ نے قرآن مجید مرتب کیا تھا جس کی ترتیب بالکل مختلف تھی، خود سنیون مین سے طبرانی اور بیہقی وغیرہ محدثین نے یہ روایتین نقل کین (جیساکہ ابھی اوپر نقل ہو چکین) کہ بعض سورتین قرآن مجید سے نکل گیئن اور بعض سورتون کی بہت سی آیتین جاتی رہین، باینہمہ شیعون نے کیا کہا؟ علامہ طبرسی جو مشہور اور مستند شیعی مفسر ہین، تفسیر مجمع البیان مین لکھتے ہین:۔

ومن ذلك الكلام في زيادة القرآن ونقصانه	انھین مین سے ایک بحث یہ ہے کہ قرآن مجید مین حذف یا
فانه لا يليق بالتفسير فاما الزيادة فمجمع على	اضافہ ہوا ہے، یا نہین؟ یہ بحث فن تفسیر سے متعلق نہین
بطلانه واما النقصان منه فقد روى جماعة من اصحابنا	یہ امر کہ قرآن مین کچھ اضافہ ہو گیا ہے، سب کے نزدیک باطل
وقوم من حشوية العامة ان في القرآن تغيرا	ہے، باقی نقصان تو ہمارے فرقہ مین سے ایک گروہ نے اور
ونقصانا والصحيح من مذهب اصحابنا خلافه وهو	سنیون مین حشویہؔ نے روایت کی ہے کہ قرآن مین تغیر
الذى نصره المرتضى قدس الله روحه و	اور نقصان ہو گیا ہے، لیکن ہمارے فرقہ کا صحیح مذہب
استوفى الكلام فيه غاية الاستيفاء في	اس کے خلاف ہے، اور سید مرتضیٰ نے اسی کی تائید
جواب المسائل الطرابلسيات وذكر في مواضع	کی ہے، اور مسائل طرابلسیات کے جواب مین اس پر

ؔ حشویہ سے یہ لوگ کم درجہ کے محدثین کو مراد لیتے ہین،

ان العلم بصحة نقل القرآن كالعلم بالبلدان
والحوادث الكبار والوقائع العظام و
الكتب المشهورة واشعار العرب المسطورة
فان العناية اشتدت والدواعي
توفرت على نقله وحراسته وبلغت الى حد
لم يبلغه فيما ذكرناه لان القرآن معجزة النبوة
ومأخذ العلوم الشرعية والاحكام الدينية
وعلماء المسلمين قد بلغوا في حفظه وحمايته
الغاية حتى عرفوا كل شئ اختلف فيه من اعرابه
وقراءته وحروفه وآياته فكيف يجوز ان
يكون مغيراً او منقوصاً مع العناية الصادقة
والضبط الشديد ××× وقال ايضاً
ان القرآن كان على عهد رسول الله مجموعاً
مؤلفاً على ما هو عليه الآن واستدل على
ذلك بان القرآن كان يدرس ويحفظ جميعه
في ذلك الزمان حتى عين على جماعة من
الصحابة في حفظهم له وانه كان يعرض
على النبي ويتلى عليه وان جماعة من الصحابة
مثل عبد الله بن مسعود وابي بن كعب وغيرهما

نہایت مفصل بحث کی ہے، سید مرتضی نے متعدد موقعون
پر لکھا ہے، کہ قرآن کے صحت کا علم ایسا ہی ہے جیسا شہرون
کا علم اور بڑے بڑے واقعات اور مشہور کتابون اور
عرب کے مدون اشعار کا علم، کیونکہ قرآن کی نقل
اور حفاظت کے اسباب نہایت کثرت سے تھے اور
اس حد تک پہونچے تھے کہ اور کسی چیز کے لئے نہین گئے
اس لئے کہ قرآن نبوت کا معجزہ اور علوم شرعیہ اور احکام دینیہ
کا ماخذ ہے، اور علمائے اسلام نے اس کی حفاظت اور
حمایت مین انتہا درجہ کی کوشش کی یہان تک کہ قرآن
کے اعراب، قرأت، حروف آیات کے اختلافات تک
انھون نے محفوظ رکھے، اس لئے کیونکر قیاس ہو سکتا
ہے کہ اس احتیاط شدید کے ہوتے اسمین نقصان یا تغیر آگیا ہے
سید مرتضی نے یہ بھی کہا ہے کہ قرآن مجید آنحضرت صلعم
کے زمانہ مین ایسا ہی مکتوب اور مرتب تھا جیسا اب ہے اور اسکی
دلیل یہ ہے کہ قرآن اس زمانہ مین پڑھا جاتا تھا اور لوگ
اس کو حفظ کرتے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کو سناتے تھے، اور متعدد صحابہ مثلاً عبد اللہ ابن
مسعودؓ، اور ابی بن کعبؓ، وغیرہ نے قرآن کو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چند بار ختم کیا تھا

سید مرتضیٰ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جو امامیہ یا حشویہ اس کے مخالف ہین انکی مخالفت قابلِ اعتبار نہین کیونکہ اس مین جن لوگون نے خلاف کیا ہے وہ اہل حدیث مین سے ایک گروہ ہے، اور انھون نے ضعیف روائتین نقل کی ہین،

ختم القرآن على النبي عدة ختمات وكل ذلك يدل بادنى تامل على انه كان مجموعاً مرتباً غير مبتور ولا مبثوث وذكر ان من خالف في ذلك من الامامية والحشوية لايعتد بخلافهم فان الخلاف في ذلك مضاف الى قوم من اصحاب الحديث نقلوا اخباراً ضعيفة ظنوا صحتها[۱]

طبرانی اور بیہقی وغیرہ نے جو روایتین نقل کی ہین، جنمین دعاے قنوت کو قرآن کی سورتون مین داخل کیا ہے سرتاپا خرافات اور لغو ہین، حیرت ہے کہ ایسے معزز محدثین، اس قسم کی جھوٹی حدیثین کیونکر اپنی کتابون مین نقل کرتے تھے، اور جلال الدین سیوطی تو حاطب اللیل ہین ہی، ان کو کسی قسم کی روایت سے کیا دریغ ہے،

طبرانی کی روایت مین یہ راوی ہین، عباد بن یعقوب الاسدی، یحییٰ بن یعلی اسلمی، ابن لھیعہ، ابو ہبیرہ، عبد اللہ بن زریر الغافقی، ان کی کیفیت یہ ہے کہ عباد بن یعقوب گو رواۃ بخاری مین ہین لیکن جیساکہ میزان الاعتدال[۲] ذہبی مین ہے "غالی شیعہ، اور رؤس بدعت" سے ہین، اور یہ اصول حدیث مین طے ہو چکا ہے، کہ بدمذہب شخص جب کوئی ایسی روایت کرے جس سے اس کے مذہب کو تقویت پہونچتی ہو تو نامعتبر ہوگی، یہ ظاہر ہے کہ اس روایت سے ان غالی شیعون کے دعوی کی تائید ہوتی ہے، جو قرآن مین حذف و اضافہ کے قائل ہین، یحییٰ بن اسلمی مضطرب الحدیث ہین، اور حاتم نے ان کو ضعیف کہا ہے، ابن لھیعہ بھی ضعیف الحدیث ہین،

بیہقی کی روایت مین عبد الملک بن جریج ہین، ان کو ذہبی نے اگرچہ نامور ثقات مین لکھا ہے، لیکن ساتھ ہی لکھا ہے کہ مدلس تھے، اور مدلس کی روایت عنعنہ کے ذریعہ سے ناقابل اعتبار

---

[۱] تفسیر مجمع البیان طبع ایران جلد اول صفحہ ۴ [۲] میزان الاعتدال،

ہوتی ہے، ذہبی کی تصریح سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ یہ حضرت بھی شیعہ تھے، کیونکہ آپ نے ۹۰ عورتون سے متعہ کیا تھا، امام احمد حنبل کہتے ہین، کہ ابن جریج نے جو مرسل روایتین کی ہین ان مین بعض محض جعلی ہین، بیہقی کے دوسرے راوی عبید بن عمیر ہین، اور ان کو میزان الاعتدال مین مجہول لکھا ہے اسی طرح مستدرک وغیرہ کی یہ روایتین کہ سورہ براءہ پہلے سورہ بقرہ کی برابر تھی سب جھوٹ اور افترا ہین، مستدرک کے مصنف نیم شیعہ تھے، اس لئے اس قسم کی روایتون مین ان کو مزہ آتا ہوگا، علامہ ذہبی ان کی نسبت میزان الاعتدال مین لکھتے ہین، یصحح فی مستدرکہ احادیث ساقطة ویکثر من ذلك ثم ھو شیعی مشھور یعنی وہ اکثر ساقط الاعتبار حدیثین نقل کرتے ہین، اور مشہور شیعی ہین،

عبد اللہؓ بن مسعودؓ کا معوذتین سے انکار کرنا، اگرچہ شہرت پکڑ گیا، ہے، اور حافظ ابن حجر کو روایت پرستی کی بنا پر اس کی صحت پر اصرار ہے، لیکن اور تمام محققین اس کو افترائے محض سمجھتے ہین، امام نووی نے شرح مہذب مین لکھا ہے کہ، عبد اللہ بن مسعودؓ کی طرف، اس قول کی نسبت صحیح نہین، علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی نسبت یہ اتہام ہے، چنانچہ یہ تمام اقوال سیوطی نے اتقان بحث متواتر و مشہور مین نقل کئے ہین، لیکن اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ سورتین انکے نزدیک داخل قرآن نہ تھین تو اس سے قرآن مجید کے تواتر اور قطعیت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ اس سے صرف اس قدر نتیجہ نکل سکتا ہے، کہ انھون نے یہ سورتین آنحضرت صلعم سے نہین سنی تھین، اور اپنے سماع کے سوا وہ اورون کے سماع کو قطعی نہین سمجھتے تھے، ان کو تو بڑی شکایت یہ بھی تھی، کہ ان کے ہوتے قرآن مجید زید بن ثابتؓ سے کیون لکھوایا گیا، چنانچہ صحیح ترمذی مین روایت ہے کہ مسلمانو! مین تو قرآن کی کتابت سے معزول کیا گیا، اور وہ شخص (زید بن ثابتؓ) مقرر کیا گیا، کہ جب مین اسلام لایا تو وہ ایک کافر کے صلب مین تھا، ابن ابی داؤد مین ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ

کہتے تھے کہ میں نے آنحضرت صلعم کی زبان سے ستر سورتیں سیکھیں، اور زید بن ثابت بچے تھے لیکن جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن ثابتؓ کو کاتب وحی مقرر فرمایا تھا تو کسی کو ان کی قابلیت کے انکار کا کیا حق ہے،

اس تمام بحث میں یہ مسئلہ البتہ مہتم بالشان ہے کہ اختلاف قراۃ کیا چیز ہے؟ اور ان میں جو اختلافات ہیں وہ کس حد تک ہیں، اور ان کا اثر کہاں تک پہونچتا ہے،

عرب کے مختلف قبائل میں الفاظ مخارج حروف، اعراب، اور ان میں اختلاف تھا مثلاً ایک قبیلہ حتی کو عتی کہتا تھا کوئی علامت مضارع کو فتحہ کی بجائے کسرہ سے پڑھتا تھا، کسی قبیلہ میں مالک کو ملک کہتے تھے، اس طرح کے کثرت سے اختلافات تھے اور چونکہ ہر قبیلہ اپنے لب و لہجہ پر مجبور تھا اس لئے وہ اپنی ہی زبان کے موافق الفاظ ادا کر سکتے تھے، اسی بنا پر آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا کہ نزل القران علی سبعۃ احرف یعنی قرآن سات حرفوں پر اترا ہے، محدثین نے تصریح کی ہے کہ سات سے عدد مخصوص مراد نہیں، بلکہ کثرت مراد ہے، یہ اختلافات قرات جس نوع کے تھے ان کا اندازہ تفصیل ذیل سے ہو گا،

چند اختلافات متعلق سورۂ فرقان

قرات مشہور	قرات غیر مشہور
نزل الفرقان	انزل الفرقان
علی عبدہٖ	علی عبیدہٖ
تکون لہ جنۃ	یکون لہ جنۃ
ضَیِّقاً	ضَیْقاً
مقرّنین	مقرنون

قرأت مشہور	قرأت غیر مشہور
مایعبدون من دون اللہ	مایعبدون من دوننا
سراجا	سرجا
قرۃ اعین	قرات اعین
سُجّدا	سجودا
لما تامرنا	لما تامرنا بہ
یجزون الغرفۃ	یجزون الجنۃ
فقد کذّبتم	فقد کذب الکافرون

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (جلد ۹ صفحہ ۲۰) مین اس قسم کے تمام اختلافات کا استقصا کیا ہے، ان مین سے زیادہ تر بلکہ قریب کل صرف اعراب یا اختلاف لغۃ کا فرق ہے، شاذونادر مترادف الفاظ کا اختلاف ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ ان اختلافات سے اصل معنی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے، عرب مین سینکڑون قبیلے تھے، اور ان کا لب ولہجہ مختلف تھا، صحابہ نے قرآن زبانی سیکھا تھا، لکھے ہوئے اجزا بہت کم تھے، عجم کے اختلاط سے لب ولہجہ مین اور تغیر ہوا، ان سب حالات کے ساتھ اس قدر اختلاف کا ہونا ضروری تھا، اور شارع نے خود اس مین مسامحت کی، لیکن اس سے اس دعوی کا زور مطلق نہین گھٹ سکتا، کہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف محفوظ ہے، اور آج تک دنیا مین کوئی کتاب اس طرح محفوظ اور غیر محرف نہین رہی، اعلان عام کیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآن مجید کا کوئی ٹکڑا ہو، لیکر آئے، اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا، اس پر دو اور ون کی بھی شہادت لیجاتی کہ انھون نے آنحضرت صلعم کے زمانہ مین ان کو قلمبند دیکھا تھا[1]، ایسے صحابہ

[1] ابو داؤد۔

قرأت غیر مشہور	قرأت مشہور
ما یعبدون من دوننا	ما یعبدون من دون اللہ
سرجا	سراجا
قرات اعین	قرۃ اعین
سجودا	سُجّدا
لما تامرنا بہ	لما تامرنا
یجزون الجنۃ	یجزون الغرفۃ
فقد کذب الکافرون	فقد کذّبتم

حافظ ابن حجر نے فتح الباری (جلد ۹ صفحہ ۲۰) مین اس قسم کے تمام اختلافات کا استقصا کیا ہے، ان مین سے زیادہ تر بلکہ قریب کل صرف اعراب یا اختلاف لغۃ کا فرق ہے، شاذونادر مترادف الفاظ کا اختلاف ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ ان اختلافات سے اصل معنی پر کیا اثر پڑ سکتا ہے، عرب مین سینکڑون قبیلے تھے، اور ان کا لب ولہجہ مختلف تھا، صحابہ نے قرآن زبانی سیکھا تھا، لکھے ہوئے اجزا بہت کم تھے، عجم کے اختلاط سے لب ولہجہ مین اور تغیر ہوا، ان سب حالات کے ساتھ اس قدر اختلاف کا ہونا ضروری تھا، اور شارع نے خود اس مین مسامحت کی، لیکن اس سے اس دعوی کا زور مطلق نہین گھٹ سکتا، کہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف محفوظ ہے، اور آج تک دنیا مین کوئی کتاب اس طرح محفوظ اور غیر محرف نہین رہی، اعلان عام کیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآن مجید کا کوئی ٹکڑا ہو، لیکر آئے، اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا، اس پر دو اور دو[1] کی بھی شہادت لیجاتی کہ انھون نے آنحضرت صلعم کے زمانہ مین ان کو قلمبند دیکھا تھا، ایسے صحابہ

[1] ابو داؤد،

آیا، تو اُس نے حضرت حفصہؓ سے یہ نسخہ مانگ بھیجا، انھون نے انکار کیا، ان کے مرنے کے بعد مروان نے عبد اللہ بن عمرؓ سے بجبر منگوا کر اسکو چاک کر ڈالا چنانچہ فتح الباری (جلد ۹ صفحہ ۱۱) مین بہ سند صحیح یہ واقعہ نقل کیا ہے، بنو امیہ کے جو احسانات اسلام پر ہین، ان مین ایک یہ بھی احسان عظیم ہے ×

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت مین قرآن مجید کے حفظ و اشاعت کا نہایت اہتمام کیا، تمام ممالک مفتوحہ مین قرآن مجید کا درس جاری کیا، اور معلمون اور قاریون کی تنخواہین مقرر کین[1]، خانہ بدوش بدویون مین قرآن کی جبری تعلیم جاری کی، پھر ایک شخص کو جس کا نام ابو سفیان تھا چند آدمیون کے ساتھ مامور کیا، کہ قبائل مین پھر کر ایک ایک شخص کا امتحان لے، اور جس کو قرآن مجید کی کوئی آیت یاد نہ ہو اس کو سزا دے[2]، صحابہ مین سے پانچ بزرگ تھے جو مشہور حفاظ قرآن تھے، معاذ بن جبلؓ، عبادہ بن صامتؓ، ابی بن کعبؓ، ابو ایوبؓ، ابو الدرداؓ، حضرت عمرؓ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ شام کے مسلمانون کو جا کر قرآن کی تعلیم دیجئے، ابو ایوبؓ اور ابی بن کعبؓ نے بیماری اور ضعف کی وجہ سے معذوری ظاہر کی، باقی تین صاحبون نے خوشی سے منظور کیا، یہ لوگ پہلے حمص گئے، وہان تعلیم جاری ہوگئی تو عبادہ نے وہین قیام کیا، اور ابو درداء دمشق کو اور معاذ بن جبلؓ بیت المقدس کو روانہ ہوگئے، علامہ ذہبی نے طبقات القراء مین لکھا ہے کہ ابو درداؓ کی تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ نماز صبح کے بعد جامع مسجد مین بیٹھ جاتے تھے، قرآن پڑھنے والے کثرت سے جمع ہوتے تھے، دس دس آدمیون کی ٹکڑیان کر دی جاتی تھین، اور ہر ٹکڑی پر ایک قاری مقرر کیا جاتا تھا، جو شخص پورے قرآن کا حافظ ہو جاتا تھا ابو درداؓ اس کو اپنا شاگرد خاص بناتے تھے، ایک دن شمار کرایا تو معلوم ہوا کہ سولہ سو طالب العلم اس وقت حلقۂ درس مین حاضر ہین،

حضرت عمرؓ نے اشاعت قرآن کے لئے اور بہت سی تدبیرین اختیار کین عمال کو لکھ بھیجا

---

[1] سیرۃ العمرین لابن جوزی [2] آغانی جزو ۱۶ صفحہ ۵۸ اصابہ مین بھی یہ واقعہ منقول ہے اسکا پورا تفصیل طبقات ابن سعد مینا ہے، کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۱۸ مین ابن سعد کی یہ روایت مذکور ہے،

کہ جو لوگ قرآن سیکھیں، ان کی تنخواہیں مقرر کر دی جائیں[1]، ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہ تھا، حفاظ کی تعداد بھی ہزاروں سے متجاوز ہو گئی، حضرت عمرؓ نے جب فوجی افسروں کو خط لکھا کہ حفاظِ قرآن کو میرے پاس بھیجدو کہ میں اُن کو تعلیم قرآن کے لیے جابجا بھیجوں تو سعد وقاصؓ نے جواب میں لکھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حافظ موجود ہیں[2]،

باانیہمہ چونکہ قرآن کے نسخے بہت شایع کیے گئے تھے، ادھر اسلام روز بروز دور دراز ممالک میں پھیلتا جاتا تھا، اور نئی نئی قومیں اسلام میں داخل ہوتی جاتی تھیں، اس لیے الفاظ کے اعراب تلفظ، وجوہ قرأت میں اختلاف ہوتا گیا، اور یہ اختلاف برابر بڑھتا گیا، یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں لوگوں نے ان سے آکر شکایت کی کہ قرآن کی خبر لیجیے، ورنہ اس کی حالت بھی توریت اور انجیل کی حالت ہو جائے گی حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ کا مرتب شدہ قرآن حضرت حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی) کے پاس تھا، حضرت عثمانؓ نے ان کے ہاں سے منگوا بھیجا، اور زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، سعید بن العاصؓ، عبدالرحمن بن حارثؓ سے چار نسخے نقل کرا لیے، اور مختلف صوبوں میں بھیجے[3]، یہ کام ۲۵ھ میں انجام پذیر ہوا، ابن ابی داؤد کی روایت ہے کہ ۱۲ شخص کتابت کے کام پر مقرر کیے گئے تھے،

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت عثمانؓ کا نام جامع القرآن مشہور ہو گیا ہے، حالانکہ ان کو قرآن مجید کے جمع و ترتیب میں کوئی دخل نہیں، انھوں نے جو کچھ کیا وہ صرف یہ تھا کہ حضرت ابوبکرؓ کے نسخہ کی چند نقلیں کرائیں اور مختلف صوبوں میں بھیجدیں، کہ ان کے موافق قرآن پڑھا جائے، اتنا البتہ کیا کہ اس وقت تک قرآن مجید مختلف قراءتوں میں پڑھا جاتا تھا، (اس کی تفصیل آگے آئے گی) حضرت عثمانؓ نے قرأت مشہورہ کے موافق قرآن لکھوا کر باقی قراءتوں کے موافق

---

[1] کنز العمال [2] ایضاً جلد اول صفحہ ۲۱۷، [3] بعض حدیث کی کتابوں میں ہے کہ سات نسخے نقل کرائے تھے،

جہان کہین جو اجزا ملے وہ چاک کر دیئے، یا جلا ڈالے،

حضرت عثمان رضؓ کے نسبت یہ روایت مشہور ہے کہ قرآن کے متفرق و مختلف اجزا ان کے حکم سے جلا دیئے گئے، روایت کے الفاظ مین "یحرق" (حاے حطی) سے بیان کیا جاتا ہے مگر حافظ ابن حجر عسقلانی بڑے وثوق اور تصریح کے ساتھ لکھتے ہین، کہ "فی روایۃ الاکثر" "ان یخرق" بالخاء المعجمۃ وھو اثبت (یعنی اکثر روایتون مین "یحرق" کی جگہ جس سے جلانے کا ثبوت دیا جاتا ہے "یخرق" خاے نخذ سے وارد ہے، جس کے معنی یہ ہین کہ حضرت عثمان رضؓ نے حکم دیا کہ قرآن کے غیر مرتب نسخے خرقہ کی طرح لپیٹ کر رکھدیئے جائین، یعنی اب ان سے کام نہ لیا جائے (ملاحظہ ہو فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۷)

اسکے ساتھ یہ بھی کیا کہ حضرت ابوبکر رضؓ کے زمانہ مین سورتون مین باہم کوئی ترتیب نہ تھی، بلکہ بلا لحاظ تقدیم و تاخیر تمام سورتین الگ الگ لکھوا کر یکجا رکھوا دی گئی تھین حضرت عثمان رضؓ نے سورتون کے مطول و مختصر ہونے کی بنا پر ترتیب دیدی کہ وہی آج موجود ہے، اتقان مین ہے،

قال الحارث المحاسبی المشہور عند الناس ان	حارث محاسبی کہتے ہین کہ لوگون مین مشہور ہے کہ حضرت
جامع القرآن عثمان ولیس کذلک، انما	عثمان رضؓ جامع قرآن ہین لیکن ایسا نہین ہے، حضرت عثمان رضؓ
حمل عثمان الناس علی القراءۃ بوجہ واحد	نے صرف یہ کیا کہ لوگون کو ایک خاص قراۃ پر مجبور کیا،

عینی شرح بخاری مین ہے، (جلد ۹ ص ۳۰۶)

ان الصحف ھی الاوراق المحررۃ التی جمع فیہا	صحیفہ ان اوراق کا نام ہے، جو حضرت ابوبکر رضؓ کے زمانہ مین لکھے
القرآن فی عہد ابی بکر و کانت سوراً مفرقۃ	گئے تھے، یہ متفرق سورتین تھین جن کی آیتین مرتب تھین لیکن
کل سورۃ مرتبۃ بآیاتہا علی حدۃ لکن لم یرتب	خود سورتون مین باہم کوئی ترتیب نہ تھی، پھر جب ان کی نقل
بعضہا اثر بعض فلما نسخت و رتب بعضہا	لی گئی، اور سورتین آگے پیچھے رکھی گئین تو اس کا نام مصحف

اتر بعض صار مصحفا و لیکن مصحفا الا فی عہد عثمانؓ ہو ا اور یہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین ہوا،

حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف نقل کرا کے، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بصرہ کوفہ، دمشق مین بھجوائے تھے، مدت تک موجود تھے، چنانچہ ان کی تفصیل جیسا کہ مقری نے نفخ الطیب مین لکھی ہے (جلد اول صفحہ ۲۸۳ مطبوعہ مصر) حسب ذیل ہے :-

دمشق، اس مصحف کو ابو القاسم سبتی نے ۶۵۷ھ مین جامع دمشق کی مقصورہ مین دیکھا، عبد الملک کا بیان ہے کہ مین نے اس کو ۶۵۷ھ مین دیکھا، یہ مصحف میرے سفر قسطنطنیہ کے زمانے تک دمشق مین موجود تھا، کئی برس ہوئے جب سلطان عبد الحمید خان کے زمانہ مین جامع مسجد جل گئی، تو یہ مصحف بھی جل گیا،

مدینہ منورہ، اس مصحف کا بھی ۶۵۷ھ تک پتہ چلتا ہے، اس نسخہ کی پشت پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی،

ھذا ما اجمع علیہ جماعة من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منھم زید بن ثابت و عبد اللہ ابن الزبیر و سعید بن العاصی (اس کے بعد اور صحابہ کا نام تھا)

مکہ معظمہ، یہ بھی ۶۵۷ھ تک موجود تھا،

بصرہ یا کوفہ، یہ قرآن معلوم نہین کس زمانہ مین قرطبہ پہونچا، پھر عبد المومن اس کو قرطبہ سے اپنے دار السلطنت مین بڑے تزک و احتشام سے لایا، ۶۴۶ھ مین وہ معتضد کے قبضہ مین آیا اس کے بعد ابو الحسن نے جب تلمسان فتح کیا تو یہ نسخہ اس کے قبضہ مین آیا، اس کے مرنے پر پرتگیز مین پہونچا، وہان سے ایک تاجر نے کسی طرح اسکو حاصل کیا، اور ۷۴۵ھ مین شہر فاس مین لایا چنانچہ مدت تک خزانہ شاہی مین موجود تھا،

علامہ مقریزی نے کتاب الخطط مین جہان قاضی فاضل (سلطان صلاح الدین کا وزیر

اثر بعض صار مصحفا ولم یکن مصحفا الا فی عہد عثمان رضی اللہ عنہ ہوا اور یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ مین ہوا،

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف نقل کرا کے، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بصرہ کوفہ، دمشق مین بھجوائے تھے، مدت تک موجود تھے، چنانچہ ان کی تفصیل جیسا کہ مقری نے نفح الطیب مین لکھی ہے (جلد اول صفحہ ٢٨٣ مطبوعہ مصر) حسب ذیل ہے :-

دمشق ، اس مصحف کو ابو القاسم سبتی نے سنہ ٦٥٧ھ مین جامع دمشق کی مقصورہ مین دیکھا، عبد الملک کا بیان ہے کہ مین نے اس کو سنہ ٣٥ھ مین دیکھا، یہ مصحف میرے سفر قسطنطنیہ کے زمانہ تک دمشق مین موجود تھا، کئی برس ہوئے جب سلطان عبد الحمید خان کے زمانہ مین جامع مسجد جل گئی، تو یہ مصحف بھی جل گیا،

مدینہ منورہ ، اس مصحف کا بھی سنہ ٣٥ھ تک پتہ چلتا ہے، اس نسخہ کی پشت پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی،

ھذا ما اجمع علیہ جماعۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منھم زید بن ثابت و عبد اللہ ابن الزبیر و سعید بن العاص (اس کے بعد اور صحابہ کا نام تھا)

مکہ معظمہ ، یہ بھی سنہ ٣٥ھ تک موجود تھا،

بصرہ یا کوفہ ، یہ قرآن معلوم نہین کس زمانہ مین قرطبہ پہونچا، پھر عبد المومن اس کو قرطبہ سے اپنے دار السلطنت مین بڑے تزک و احتشام سے لایا، سنہ ٥٤ھ مین وہ معتضد کے قبضہ مین آیا اس کے بعد ابو الحسن نے جب تلمسان فتح کیا تو یہ نسخہ اس کے قبضہ مین آیا، اس کے مرنے پر پرتگیز مین پہونچا، وہان سے ایک تاجر نے کسی طرح اسکو حاصل کیا، اور سنہ ٧٤٥ھ مین شہر فاس مین لایا چنانچہ مدت تک خزانہ شاہی مین موجود تھا،

علامہ مقریزی نے کتاب الخطط مین جہان قاضی فاضل (سلطان صلاح الدین کا وزیر

علوم القرآن

اس امر سے زیادہ کیا چیز حیرت انگیز ہو سکتی ہے، کہ مذہب اسلام کی روح و روان جو کچھ کہو، قرآن ہے، تاہم آج کل مسلمانون کو جس قدر قرآن کے ساتھ بے اعتنائی ہے، کسی چیز سے نہین، عربی کے موجودہ درس مین ہر علم و فن کی کتابین کثرت سے داخل ہین، لیکن فن تفسیر کی صرف دو کتابین پڑھائی جاتی ہین، جلالین اور بیضاوی، جن مین سے پہلی اس قدر مختصر ہے کہ اس کے الفاظ و حروف قرآن مجید کے الفاظ و حروف کے برابر برابر ہین، اور دوسری گو چندان مختصر نہین، لیکن اس کے صرف ڈھائی پارے درس مین داخل ہین، جو کتاب کا پانچوان حصہ بھی نہین،

منطق و فلسفہ کی مدت تحصیل پانچ برس ہے، اور اور علوم پر بھی ایک معتد بہ زمانہ صرف ہوتا ہے، لیکن قرآن مجید اور تفسیر کی تحصیل کے لئے پورا سال بھر گوارا نہین کیا جاتا، عربی علوم و فنون کی کتابین کثرت سے چھپ چھپ کر شایع ہو رہی ہین، اور خصوصاً فن حدیث کا سرمایہ تو اس قدر وجود مین آگیا ہے، کہ اگلون کے وہم و خیال مین بھی نہ تھا، لیکن قرآن مجید کے متعلق دو ایک معمولی درسی تفسیرون کے سوا، آج تک کوئی کتاب شایع نہین ہوئی، یہ تو ظاہری بے پروائی کی کیفیت ہے، معنوی حیثیت سے دیکھو تو اس سے بھی زیادہ افسوس ناک حالت ہے، تمام مسلمانون کے نزدیک قرآن مجید کا معجزہ ہونا اس کی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ہے، لیکن کیا ہمارے علما اس دعوی کو ثابت کر سکتے ہین، اگر ان سے پوچھا جائے کہ قرآن مجید کی انشا پردازی کی کیا خصوصیات ہین، قرآن مجید نے بلاغت کے کیا کیا نئے اسلوب پیدا کئے،

اثر بعض صار مصحفا ولم یکن مصحفا الا فی عہد عثمانؓ ہوا اور یہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین ہوا،

حضرت عثمانؓ نے جو مصاحف نقل کرا کے، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بصرہ کوفہ، ومشق مین بھجوائے تھے، مدت تک موجود تھے، چنانچہ ان کی تفصیل جیسا کہ مقری نے نفح الطیب مین لکھی ہے (جلد اول صفحہ ۲۸۳ مطبوعہ مصر) حسب ذیل ہے :-

دمشق، اس مصحف کو ابو القاسم سبتی نے سنہ ۶۵۷ھ مین جامع دمشق کی مقصورہ مین دیکھا، عبد الملک کا بیان ہے کہ مین نے اس کو سنہ ۷۳۵ھ مین دیکھا، یہ مصحف میرے سفر قسطنطنیہ کے زمانہ تک دمشق مین موجود تھا، کئی برس ہوئے جب سلطان عبد الحمید خان کے زمانہ مین جامع مسجد جل گئی، تو یہ مصحف بھی جل گیا،

مدینہ منورہ، اس مصحف کا بھی سنہ ۷۳۵ھ تک پتہ چلتا ہے، اس نسخہ کی پشت پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی،

ھذا ما اجمع علیہ جماعۃ من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منھم زید بن ثابت و عبد اللہ ابن الزبیر و سعید بن العاص (اس کے بعد اور صحابہ کا نام تھا)

مکہ معظمہ، یہ بھی سنہ ۷۳۵ھ تک موجود تھا،

بصرہ یا کوفہ، یہ قرآن معلوم نہین کس زمانہ مین قرطبہ پہونچا، پھر عبد المومن اس کو قرطبہ سے اپنے دار السلطنت مین بڑے تزک و احتشام سے لایا، سنہ ۶۴۶ھ مین وہ معتضد کے قبضہ مین آیا اس کے بعد ابو الحسن نے جب تلمسان فتح کیا تو یہ نسخہ اس کے قبضہ مین آیا، اس کے مرنے پر پرتگیز مین پہونچا، وہان سے ایک تاجر نے کسی طرح اسکو حاصل کیا، اور سنہ ۷۴۵ھ مین شہر فاس مین لایا چنانچہ مدت تک خزانہ شاہی مین موجود تھا،

علامہ مقریزی نے کتاب الخطط مین جہان قاضی فاضل (سلطان صلاح الدین کا وزیر

علوم القرآن

اس امر سے زیادہ کیا چیز حیرت انگیز ہو سکتی ہے، کہ مذہب اسلام کی روح و روان جو کچھ کہو، قرآن ہے، تاہم آج کل مسلمانون کو جس قدر قرآن کے ساتھ بے اعتنائی ہے، کسی چیز سے نہین، عربی کے موجودہ درس مین ہر علم و فن کی کتابین کثرت سے داخل ہین، لیکن فن تفسیر کی صرف دو کتابین پڑھائی جاتی ہین، جلالین اور بیضاوی، جن مین سے پہلی اس قدر مختصر ہے کہ اس کے الفاظ و حروف قرآن مجید کے الفاظ و حروف کے برابر برابر ہین، اور دوسری گو چندان مختصر نہین، لیکن اس کے صرف ڈھائی پارے درس مین داخل ہین، جو کتاب کا پانچوان حصہ بھی نہین،

منطق و فلسفہ کی مدت تحصیل پانچ برس ہے، اور اور علوم پر بھی ایک معتد بہ زمانہ صرف ہوتا ہے، لیکن قرآن مجید اور تفسیر کی تحصیل کے لئے پورا سال بھر گوارا نہین کیا جاتا، عربی علوم و فنون کی کتابین کثرت سے چھپ چھپ کر شایع ہو رہی ہین، اور خصوصاً فن حدیث کا سرمایہ تو اس قدر وجود مین آگیا ہے، کہ اگلون کے وہم و خیال مین بھی نہ تھا، لیکن قرآن مجید کے متعلق دو ایک معمولی درسی تفسیرون کے سوا، آج تک کوئی کتاب شایع نہین ہوئی، یہ تو ظاہری بے پروائی کی کیفیت ہے، معنوی حیثیت سے دیکھو تو اس سے بھی زیادہ افسوسناک حالت ہے، تمام مسلمانون کے نزدیک قرآن مجید کا معجزہ ہونا اس کی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے ہے، لیکن کیا ہمارے علما اس دعوی کو ثابت کر سکتے ہین، اگر ان سے پوچھا جائے کہ قرآن مجید کی انشاپردازی کی کیا خصوصیات ہین، قرآن مجید نے بلاغت کے کیا کیا نئے اسلوب پیدا کئے،

کسی نے امثال قرآنی کو یکجا کیا، کسی نے آیات مکررہ کے نکات بیان کئے، اس قسم کے مضامین کی تعداد ۸۰ کے قریب پہونچی، اور قریباً ہر ایک پر الگ الگ مستقل تصنیفین لکھی گئین[1]، ان مضامین مین سے بعض بعض پر تمام بڑے بڑے ائمۂ فن نے طبع آزمائیان کین، اور ہزارون کتابین تیار ہوگئین،

یہ تصنیفات اگرچہ بے شمار ہین، لیکن ان سب کو چھ قسمون پر تقسیم کیا جا سکتا ہے،

(۱) فقہی، جس مین صرف ان آیتون کو یکجا کیا ہے، جن سے کوئی فقہی مسئلہ مستنبط ہوتا ہے، مثلاً احکام القرآن اسمٰعیل بن اسحٰق، احکام القرآن ابوبکر رازی، احکام القرآن قاضی یحیی بن اکثم،

(۲) ادبی، ان تصنیفات مین قرآن مجید کا فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے معجز اور بے نظیر ہونا ثابت کیا ہے، اسی سلسلہ مین وہ تصنیفات بھی داخل ہین، جو قرآن مجید کی حقیقۃ و مجاز، تشبیہات و استعارات، مکررات، وجوہ ترتیب، صنائع و بدائع وغیرہ وغیرہ پر لکھی گئین،

(۳) تاریخی، قرآن مجید مین انبیاے سابقین اور بزرگون کے جو قصے مذکور ہین انکی تفصیل اور مزید حالات،

(۴) نحوی، جس مین قرآن مجید کے نحوی مسائل سے بحث کی ہے، مثلاً اعراب القرآن رازی وغیرہ،

(۵) لغوی، یعنی قرآن مجید کے الفاظ مفردہ کے معانی اور ان کی تحقیق مثلاً لغات القرآن ابوعبیدہ وغیرہ،

(۶) کلامی، جن آیتون سے عقاید کے مسائل مستنبط ہوتے ہین، ان پر بحث،

ان مضامین مین سے فقہی مباحث پر جو کچھ لکھا گیا، اس پر اضافہ کی بہت کم گنجایش ہے جسکی وجہ یہ ہے، کہ اس بحث پر بڑے بڑے ائمۂ فن نے طبع آزمایان کین، اور چونکہ شروع ہی سے

---

[1] دیکھو اتقان فی علوم القرآن کا دیباچہ،

ان مسائل کے متعلق الگ الگ فرقے بن گئے تھے کسی فریق نے تدقیق وتحقیق کا دقیقہ اٹھا نہین رکھا، امام شافعی، قاضی یحییٰ بن اکثم، (استاد ترمذی) ابوبکر رازی جس پایہ کے لوگ تھے، سب کو معلوم ہے، ابوبکر رازی کی تصنیف آج بھی موجود ہے، اور ہماری نظر سے گذر چکی ہے، اسی طرح لغات قرآن اور مسائل نحویہ پر جو کچھ لکھا گیا، اس سے بڑھکر نہین لکھا جا سکتا،

فصاحت وبلاغت کے متعلق نہایت کثرت سے کتابین لکھی گیئن، جو اعجاز القرآن کے نام سے مشہور ہین، ان مین فصاحت وبلاغت کے تمام اقسام سے بحث کی ہے، سب سے پہلے غالباً جاحظ المتوفی ۲۵۵ھ نے اس موضوع پر لکھا، پھر محمدؐ بن یزید واسطی، عبد القادر جرجانی، رمانی، خطابی، زملکانی، امام رازی، ابن سراقہ، قاضی ابوبکر باقلانی نے بسیط اور مفصل کتابین لکھین، یہ کتابین آج بالکل ناپید ہین،

مین نے قسطنطنیہ اور مصر کے تمام کتب خانے دیکھے، لیکن ایک کتاب کا بھی پتہ نہ لگا، البتہ قاضی باقلانی کی تصنیف موجود ہے، اس کا نسخہ مین نے خدیو کے کتبخانہ سے لکھوا کر منگوایا تھا، اور اب وہ چھپ بھی گئی ہے، اس کتاب کی نسبت ابن العربیؒ کا قول ہے، کہ اس بحث پر کوئی کتاب اس درجہ کی تصنیف نہین ہوئی، ابن العربی کی رائے پر اگر اعتماد کیا جائے تو اسلاف کی علمی حالت پر سخت افسوس ہوگا، کیونکہ باقلانی کی کتاب گو انشاپردازی کے لحاظ سے بلند رتبہ ہے، لیکن اصل مضمون کی حیثیت سے محض ایک ملایانہ تصنیف ہے،

عبد القاہر جرجانی جو فن بلاغت کا موجد ہے، اس کی اعجاز القرآن ہم نے نہین دیکھی، لیکن اس کی دو کتابین دلائل الاعجاز اور اسرار البلاغہ جو خاص فن بلاغت مین ہین ہمارے پیش نظر ہین، ان کتابون مین اس نے جو نکتہ آفرینیان کی ہین، وہ حیرت انگیز ہین، اور اس لئے

[1] اتقان بحث اعجاز القرآن،

قیاس ہو سکتا ہے، کہ قرآن مجید پر اس نے جو کچھ لکھا ہوگا، بے مثل ہوگا، اسی طرح جاحظ کی تصنیف بھی بے نظیر ہوگی، لیکن چونکہ پانچ چھ سو برس سے قوم کا علمی مذاق بالکل پست ہوگیا ہے، اس لئے لوگ ابن العربی، با قلانی ہی کی تصنیف کو بہترین تصانیف قرار دیتے ہین،

اعجاز القرآن کے سلسلہ کے علاوہ اور بہت سی تصنیفات ہین، جن مین انشا پردازی کی خاص خاص قسمون سے بحث کی ہے، مثلاً ابن ابی الاصبع نے قرآن مجید کے صنائع و بدایع پر مستقل کتاب لکھی، عز الدین بن عبد السلام نے قرآن کے مجازات کو یکجا کیا، ابو الحسن ماوردی نے قرآن کی ضرب المثلین جمع کین، اور ان کی خوبیان دکھائین، علامہ سیوطی نے سورتون کے طریق ابتدا پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام الخواطر السوانح فی اسرار الفواتح ہے، ابن القیم نے کتاب التبیان اس بحث پر لکھی، کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید مین کثرت سے قسمین کیون کھائین ہین،

قصص اور حقایق اشیار کے متعلق تصنیفات کا جو سرمایہ ہے، وہ درحقیقت شرم کا باعث ہے، اور افسوس اور سخت افسوس ہے کہ تفسیر کے اجزا مین سے جو حصہ سب سے زیادہ عوام مین مقبول اور متداول ہے، اور رسلسلہ پہ سلسلہ تمام اسلامی لٹریچر مین سرایت کر گیا ہے، وہ یہی حصہ ہے، انبیا اور صلحاے سابقین کے افسانے جو یہودیون مین پھیلے ہوئے تھے، وہ نہایت مبالغہ آمیز اور دور از کار تھے، قرآن مجید مین نہایت اجمال کے ساتھ صرف ان واقعات کو بیان کیا گیا، جو فی نفسہ صحیح تھے، اور جن سے طبائع پر کوئی اخلاقی عمدہ اثر پڑتا تھا، ہمارے مفسرون نے قرآن مجید کو ایک متن قرار دیا، اور اس کی شرح مین وہ تمام بیہودہ افسانے شامل کر دیئے، جن کے سامنے بوستان خیال، کی بھی کچھ حقیقت نہین، حقایق اشیاء کے متعلق جو کچھ قرآن مجید مین مذکور تھا، اسکے ساتھ بھی یہی سلوک کیا گیا، چاہ بابل، کوہ قاف، سکندر ذوالقرنین، یاجوج ماجوج وغیرہ وغیرہ کی نسبت جو، روائتین مسلمانون مین پھیلی ہین، وہ انھین تفسیرون کی بدولت ہین، علامہ

ابن خلدون نے اس کے متعلق مقدمہ تاریخ مین نہایت محققانہ مضمون لکھا ہے، ہم اس کی عبارت اس موقع پر بقدر ضرورت نقل کرتے ہین :-

وقد جمع المتقدمون فی ذلک واوعوا الا ان کتبهم ومنقولاتهم تشتمل علی الغث والسمین والمقبول والمردود، والسبب فی ذلک ان العرب لم یکونوا اهل کتاب ولا علم وانما غلبت علیهم البداوة والامیة، واذا تشوقوا الی معرفة شیء مما تشوق الیه النفوس البشریة فی اسباب المکونات وبدء الخلیقة واسرار الوجود فانما یسألون عنه اهل الکتاب قبلهم ویستفیدونه منهم وهم اهل التوراة من الیهود ومن تبع دینهم من النصاری، واهل التوراة الذین بین العرب یومئذ بادیة مثلهم ولا یعرفون من ذلک الا ما تعرفه العامة من اهل الکتاب -- فلما اسلموا بقوا علی ما کان عندهم مما لا تعلق له بالاحکام التی یحتاطون لها مثل اخبار بدء الخلیقة وما یرجع الی الحدثان والملاحم وامثال ذلک وهؤلاء مثل کعب الاحبار ووهب بن منبه وعبد الله بن سلام وامثالهم فامتلأت

اور اس باب مین متقدمین نے بڑا ذخیرہ جمع کیا، لیکن انکی تصنیفات اور روایتون مین نیک و بد مقبول و مردود، سب کچھ شامل ہے، اس کی وجہ یہ ہے، کہ اہل عرب لکھے پڑھے نہ تھے، اور ان پر بالکل بدویت اور جہالت غالب تھی اور جب انکو ان اشیاء کی دریافت کا شوق ہوتا تھا، جو طبائع بشری کا اقتضا ہے، مثلاً آفرینش عالم کے اسباب، دنیا کی ابتدا، وجود کے اسرار، تو ان باتون کو وہ لوگ یہودیون سے دریافت کرتے تھے یا ان عیسائیون سے جو یہودیون کے مقلد تھے، اور اس زمانہ کے یہود ایسے ہی جاہل تھے جیسے بادیہ نشین عرب، ان کو صرف وہی معلومات تھین جو عوام اہل کتاب کو ہوتی ہین، پھر جب یہ لوگ اسلام لائے تو ان امور کے متعلق جو احکام شرعی سے تعلق نہین رکھتے تھے، مثلاً دنیا کا آغاز، واقعات قدیمہ، اور قصص انبیا، ان کے خیالات وہی رہے، جو پہلے سے تھے، ان اسلام لانے والون مین کعب احبار وہب بن منبہ، عبد اللہ بن سلام وغیرہ تھے، اس لئے تمام تفسیرین ان کی روایتون سے بھر گئین، اور اس قسم کے امور مین مفسرین سہل انکاری کرتے ہین، اس لئے ان

التفاسیر من المنقولات عندهم، وتساهل المفسرون فی مثل ذلك وملؤا كتب التفسیر من هذه المنقولات واصلها كما قلنا عن اهل التوراة الذین یسكنون البادیة ولا تحقیق عندهم بمعرفة ما ینقلونه من ذلك الا انهم بعد صیتهم وعظمت اقدارهم لما كانوا علیه من المقامات فی الدین والملة فتلقیت

لوگون نے تفسیر کی کتابون کو انھین روایتون سے بھر دیا اور جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہین ان روایتون کا ماخذ وہی توراۃ والے تھے، جو صحرا نشین تھے، اور ان کو ان روایتون کے متعلق کچھ تحقیق حاصل نہ تھی، لیکن چونکہ مذہبًا ان لوگون کا پایہ بلند تھا، اور قوم مین ان کو شہرت اور عظمت حاصل تھی، اس لئے وہ روایتین قبول عام پا گئین،

علامہ ابن خلدون نے جو کچھ لکھا محدثانہ تحقیق بھی تمام تر اسی کی تائید کرتی ہے، انبیاء سابقین اور زمین و آسمان وغیرہ کی آفرینش کے متعلق جو کچھ تفسیرون مین مذکور ہے، وہ عمومًا قدماء مفسرین سے ماخوذ ہے، یعنی مجاہد، سدی، ضحاک، مقاتل بن سلیمان کلبی، ان مین سے تین مقدم الذکر نے صحابہ کا زمانہ پایا تھا، اور ان سے روایتین حاصل کی تھین، مقاتل نے ۱۵۰ھ مین وفات پائی، کلبی بھی اسی دور کے مفسر ہین، نقلی مضامین کے متعلق آج جس قدر تفسیرین ہین سب انھین بزرگون سے ماخوذ ہین، امام شافعیؒ کا قول ہے کہ فن تفسیر مین تمام لوگ مقاتل کے وظیفہ خوار ہین،[2] سدی کی نسبت جلال الدین سیوطی نے کتاب الارشاد سے نقل کیا ہے کہ امثل التفاسیر تفسیر السدی یعنی تمام تفسیرون مین سدی کی تفسیر سب سے اچھی ہے، امام طبری کی تفسیر کے متعلق تمام علماء کا اتفاق ہے، کہ صحت و تنقید مین لاجواب ہے، لیکن یہ تفسیر بھی زیادہ تر سدی اور ضحاک سے ماخوذ ہے، چنانچہ جلال الدین سیوطی نے اتقان باب ہشتاد و دہم مین تصریح کی ہے،

ان بزرگون کا یہ حال ہے کہ مجاہد کی تفسیر کی نسبت جب لوگون نے امام اعمش سے دریافت کیا کہ اس مین غلطیان کیون پائی جاتی ہین، تو انھون نے جواب دیا کہ وہ اہل کتاب سے

---

[1] مقدمہ ابن خلدون باب علوم القرآن، [2] میزان الاعتدال ذہبی،

ماخوذ ہے، ضحاک کی نسبت محدثین نے تصریح کی ہے، کہ ابن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ وغیرہ سے
انھون نے جو روایتین کی ہین، سب مخدوش ہین، یعنی ان کی صحت مین کلام ہے، اس کے ساتھ
یحیی بن سعید قطان نے جو اسماء الرجال کے امام ہین تصریح کی ہے کہ ضحاک میرے نزدیک
ضعیف الروایۃ ہین، سدی کا یہ حال ہے کہ امام شعبی سے کسی نے کہا کہ سدی کو قرآن کے علم
کا حصہ ملا ہے، تو انھون نے کہا کہ قرآن کے جہل کا حصہ ملا ہے، مقاتل کی نسبت وکیع کا قول
ہے کہ کذاب تھا، محدث نسائی فرماتے ہین کہ مقاتل جھوٹ بولا کرتا تھا، عبد اللہ بن المبارک
فرماتے ہین کہ مقاتل کی تفسیر بہت اچھی تھی کاش وہ ثقہ بھی ہوتا، جوزجانی نے لکھا ہے کہ مقاتل
نہایت دلیر دجال تھا، محدث ابن حبان نے لکھا ہے کہ مقاتل قرآن مجید کے متعلق یہود و نصاری
سے وہ باتین سیکھا کرتا تھا جو ان کی روایتون کے مطابق ہوتی تھین، کلبی کی نسبت تو عام
اتفاق ہے، کہ ان کی تفسیر دیکھنے کے قابل نہین، امام احمد بن حنبل، دار قطنی، امام بخاری، جوزجانی
ابن معین سبنے تصریح کی ہے، کہ وہ ناقابل اعتبار تھا، ابن حبان کا قول ہے کہ کلبی کا کذب و
دروغ اس قدر ظاہر ہے، کہ اس مین کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہینؔ[1]، ایک ضمنی تذکرہ مین
ان بزرگون کی اس قدر پردہ دری شاید موزون نہ تھی لیکن ان لوگون نے اسلام کو جس قدر
نقصان پہونچایا ہے، اس کا کم سے کم یہی صلہ تھا انھین حضرات کی روایتین ہین، جن سے
تفسیر کبیر، کشاف، بیضاوی، اور اور سیکڑون ہزارون کتابین مالا مال ہین مسلمانون
مین آج جو عجائب پرستی، زود اعتقادی، اور غلط خیالی ایک خاصہ بن گئی ہے، انھین کی
روایات اور منقولات کی بدولت ہے،

---

[1] ان لوگون کے یہ اقوال میزان الاعتدال ذہبی سے ماخوذ ہین،

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہو کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہوسکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعویٰ خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے؟ خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

مختلف اوصاف بیان کئے ہین، مثلاً:-

والقرآن الحکیم،	قسم ہے قرآن کی جو کہ حکیم ہے،
والقرآن ذی الذکر،	اور قرآن کی جو ناصح ہے،
کتاب احکمت آیاتہ،	ایسی کتاب ہے جس کی آیتین مضبوط ہین،
کتاب ینطق بالحق،	ایسی کتاب ہے جو سچ بولتی ہے،
کتاب مبین،	روشن کتاب ہے،
بینات من الھدی،	رہنمائی کے لئے دلائل ہین،
ھدی للمتقین،	پرہیزگارون کی رہنما ہے،
جعلناہ نورا نھدی بہ من نشاء	ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ جسکو چاہتے ہین اسکے ذریعہ سے راستہ دکھاتے ہین،
ھدی ورحمۃ للمحسنین،	وہ نیک آدمیون کے لئے ہدایت اور رحمت ہے،
تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم	اس سے اُن لوگون کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہین جو اپنے خدا سے ڈرتے ہین،
کتاب فصلت آیاتہ قرآنا عربیا لقوم یعلمون،	ایسی کتاب ہے جسکی آیتین کھول کر بیان کی گئی ہین عربی کا قرآن ہے
بشیرا و نذیرا،	خوشخبری دینے والا ہے اور ڈرانے والا ہے،
یھدی الی الحق والی صراط مستقیم،	حق کی طرف اور سیدھے راستہ کی طرف راہ دکھاتا ہے،
تذکرۃ لمن یخشیٰ،	ڈرنے والے کے لئے نصیحت ہے،

غور کرو، قرآن مجید کی فضیلت کے بیان مین اس کو ناصح، رہنما، بشیر، نذیر، نور، حکیم، واضح کتاب کہا، لیکن فصاحت و بلاغت کا کہین نام تک نہین آیا، اور وہی چیز چھوڑ دی گئی جو (لوگون کے نزدیک) مدار اعجاز ہے، کیا ہدایت اور حکمت کے لحاظ سے کوئی کتاب قرآن کا جواب ہو سکتی ہے، اگر نہین ہو سکتی تو یہ اوصاف کیون معجزہ نہ ہون، اور وہ وصف معجزہ ہو جسکا ذکر تک قرآن مین نہین

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورة من مثله

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا،
سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہی
کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ
قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے
لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن
لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم
کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام
الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا
کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ
بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی
سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعویٰ خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس
سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا
تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے، خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

ایک دوسرا شخص کہتا ہے، کہ مین پیغمبر ہون، لوگ پوچھتے ہین کہ کیون؟ وہ فرماتے ہین کہ مین جس قسم کی ہدایت اور لوگون کا تزکیۂ نفس کر سکتا ہون، کوئی بشر نہین کر سکتا، اب اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو یہی دعوی براہ راست معجزہ بھی ہے، اور خاصۂ نبوت بھی، معجزہ اس لئے ہے کہ جو چیز کوئی اور بشر نہ پیش کر سکے، وہ معجزہ ہوگی، اور خاصہ نبوت اس لئے کہ تزکیۂ نفس ہی کا نام پیغمبری ہے اس کو ایک اور صاف مثال مین سمجھو، ایک شخص کہتا ہے کہ مین فارسی زبان جانتا ہون اور دلیل یہ پیش کرتا ہون، کہ مین ایرانی ہون، اور ایرانی ضرور فارسی جانتا ہوگا، اس کے مقابلہ مین ایک دوسرا شخص یہی دعوی کرتا ہے لیکن دعویٰ کو فارسی ہی زبان مین ادا کرتا ہے کہ من فارسی را خیلے خوب می دانم، یہ دعوی، دعویٰ بھی ہے، اور دلیل بھی،

قرآن مجید اگر فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے معجزہ قرار دیا جائے تو ایسا معجزہ ہوگا جو نبوت کا خاصہ نہین کیونکہ انشاپردازی لازمہ نبوت نہین، لیکن اگر قرآن مجید کو تزکیۂ نفس اور موعظت وحکمت کے لحاظ سے معجزہ کہا جائے تو یہ معجزہ بھی ہوگا اور خاصہ نبوت بھی، ھذا ھو الحق فماذا بعد الحق الا الضلال،

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا،
سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہی
کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہوجاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ
قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے
لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن
لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم
کا اتفاق ہوگیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام
الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا
کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ
بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی
سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعویٰ خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس
سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا
تو جابجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے، ؟ خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

قسم نہین کھاتے، ایران مین مثل ہے "کہ گفتی باور نمودم، مکرر گفتی در شک افتادم، قسم خوردی دروغ دانستم"

مفسرین نے اس شبہہ کے عجیب عجیب جواب دیئے ہین،

(۱) قسم کھانا، عرب کا عام طریقہ تھا اور حرز زبان بن گیا تھا، اس لئے جو کلام عرب کی زبان مین نازل ہوگا، وہ اس سے بری نہین ہوسکتا،

(۲) آنحضرت صلعم جب عقائد اسلام کی صحت پر قرآن مجید کی آیتین پیش کرتے تھے، تو کفار کہتے تھے کہ یہ باتین درحقیقت غلط ہین، لیکن یہ قرآن کا عام فریب استدلال اور زور عبارت ہے کہ غلط کو صحیح ثابت کر دیتا ہے، اس شبہہ کے رفع کرنے کا اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہ تھا، کہ قسم کھا کر ان کو یقین دلایا جائے،

(۳) جن چیزون، مثلاً انجیر اور زیتون وغیرہ کو تم بے حقیقت سمجھتے ہو، درحقیقت عظیم الشان چیزین ہین، چنانچہ امام رازی وغیرہ نے فلسفیانہ دلائل سے زیتون اور انجیر کی خوبیان ثابت کی ہین،

یہ اور اسی قسم کے جوابات مخالف کو تو بالکل مطمئن نہین کرسکتے، اور موافق کے لئے اعتراض وجواب کی سرے سے ضرورت ہی نہین، اس کو کلام الٰہی کے آگے چون وچرا سے غرض کیا

مصرع مجھے تو خوب ہے کہ جو کچھ کہو بجا کہئے،

مولوی حمید الدین صاحب جنکا ذکر الندوہ کے ایک پرچہ مین ایک خاص تقریب سے آچکا ہے، قرآن مجید کے حقایق واسرار پر جو کتاب عربی زبان مین لکھ رہے ہین، اس کے بعض اجزا آج کل ہم کو ہاتھ آئے، ان مین اس مسئلہ پر بھی بحث تھی انھون نے جو کچھ لکھا ہے، نہایت محققانہ اور ادیبانہ لکھا ہے، اس لئے ہم اس کا خلاصہ اس موقع

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہوسکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعتہً اختلاف پیدا ہوجاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہوسکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتادیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہوگیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہوسکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعویٰ خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لاسکتا تو جابجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے؟ خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

اس طرح کی ہزاروں مثالین ہین،

ان چیزون کی شہادت پیش کرنے کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ یہ چیزین زبان حال سے شہادت دے رہی ہین یعنی اگر ان کو بولنے کی قوت ہوتی تو بول اٹھتین، کہ ہان یہ واقعہ سچ ہے،

چونکہ اس طریقہ ادا سے واقعہ کا یقین دلانا مقصود ہوتا ہے، اس لئے یہ طریقہ، رفتہ رفتہ قسم کے معنی مین مستعمل ہونے لگا یعنی کسی کی گواہی پیش کرنی، اور قسم کھانا ایک چیز ہوگئی،

عمرو معدیکرب کا شعر ہے،

اللہ یعلم ما ترکت قتالھم — خدا جانتا ہے کہ مین نے لڑنا نہین چھوڑا،

یہان "خدا جانتا ہے" کا لفظ قسم کے معنون مین آیا ہے یعنی خدا کی قسم مین نے لڑنا نہین چھوڑا،

ہماری زبان مین عام طور پر قسم کے موقع پر کہتے ہین "اللہ جانتا ہے، خدا شاہد ہے، خدا گواہ ہے" خود قرآن مجید مین گواہی کا لفظ قسم کے معنی مین مستعمل ہوا ہے، مثلاً ویدرؤ عنھا

العذاب ان تشھد اربع شھادات باللہ انہ من الکاذبین،

قالوا نشھد انک لرسول اللہ واللہ یعلم انک لرسولہ واللہ یشھد ان المنافقین

لکاذبون۔ اتخذوا ایمانھم جنۃ، پچھلی آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے،

"منافقین کہتے ہین کہ ہم گواہی دیتے ہین کہ بیشک تو خدا کا رسول ہے، اور خدا جانتا ہے کہ بیشک تو خدا کا رسول ہے، لیکن خدا گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہین، منافقون نے اپنی قسم کو سپر بنا لیا ہے، دیکھو اس آیت مین منافقین کی زبان سے جو لفظ نقل کیا وہ صرف یہ تھا کہ "ہم تمھارے پیغمبر ہونے کی گواہی دیتے ہین" پھر آگے چل کر فرمایا کہ منافقین اپنی قسم کو سپر بناتے ہین، حالانکہ منافقین نے قسم کا کوئی لفظ استعمال نہین کیا تھا بلکہ صرف گواہی دینے کا لفظ استعمال کیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اسی گواہی کو خدا نے قسم قرار دیا،

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعویٰ خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے، خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

نشانیان ہین،

ان فی خلق السموات والارض واختلاف	آسمان اور زمین کی پیدایش مین اور رات دن کے ادل بدل ہین
اللیل والنهار والفلک التی تجری فی البحر	اور جہاز مین جو لوگون کے فائدہ کی چیزون کو لے کر دریا مین چلتے
بما ینفع الناس وما انزل الله من	ہین، اور آسمان سے جو پانی اتارا ہے، کہ جس سے مردہ زمین
السماء من ماء فاحیی به الارض	کو زندہ کر دیتا ہے، اور تمام چارپائے جو پھیلا دیئے ہین
من بعد موتها وبث فیها من کل دابة	اس مین اور ہواؤن کے چلنے مین اور بادل مین جو
وتصریف الریاح والسحاب المسخر بین	آسمان اور زمین کے بیچ مین مسخر ہے، جاننے والون کے
السماء والارض لآیات لقوم یعلمون	لئے نشانیان ہین،

اسی طرح قرآن مین نہایت کثرت سے تمام مظاہر قدرت کی نسبت نشانیون کا لفظ استعمال کیا ہے، اب غور کرو یہی چیزین جن کو اکثر موقعون پر نشانیان بتایا ہے، انھین چیزون کی جابجا قسم بھی کھائی ہے، جس کے صاف یہ معنی ہین کہ یہ چیزین خدا کی قدرت کی گواہی دے رہی ہین، اور قسم کا صحیح استعمال یہی ہے،

ایک بڑی غلطی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے، کہ عربی زبان مین قسم کے قریب المعنی اور جو الفاظ ہین ان مین لوگ امتیاز نہین کرتے عربی زبان مین اس قسم کے تین لفظ ہین، قسم **یمین، حلف**، عام لوگ ان سب الفاظ کو ہم معنی سمجھتے ہین، اور اس وجہ سے عظیم الشان غلطیان پیدا ہوتی ہین، حالانکہ ان سب الفاظ کے مفہوم الگ الگ ہین،

قسم کے معنی تو وہی ہین جو گذر چکے، یعنی کسی واقعہ کی صحت کے لئے شہادت پیش کرنی، قرآن مین جو قسمین مذکور ہین سب کے یہی معنی ہین کہ جن چیزون کی قسم کھائی ہے، وہ خدا کے ثبوت پر اس کے عظمت و شان پر، اس کی وسعت قدرت پر زبان حال سے گواہی دیرہی

اعجازِ قرآن

فأتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشا پردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعویٰ خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے؟ خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

ہین، چنانچہ سورۂ فجر مین صاف تصریح ہے، ھل فی ذالك قسم لذی حجر،

یمین کے لفظی معنی ہاتھ کے ہین، یہ لفظ عموماً معاہدات کی توثیق کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور جس چیز پر یہ لفظ آتا ہے، اس کو ضامن دینا مقصود ہوتا ہے، لغت کی کتابون مین ہے،

ان الیمین اصلها ضرب الیمین من المتعاقدین — معاہدہ کرنے والے جو ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہین یہ لفظ اسی سے نکلا ہے

امراء القیس کہتا ہے،

فقلت یمین الله ابرح قاعدا — ولو قطعوا راسی لدیك واوصالی

مین نے کہا خدا کا ذمہ کہ مین یہان سے نہ ٹلونگا — گو یہ لوگ میرا سر اور میرا بند بند تیرے آگے کاٹ ڈالین

یہ لفظ جب خدا کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے تو قسم کے ہم معنی ہوتا ہے، اس لئے یہ لفظ قرآن مجید مین خدا کی زبان سے کہین نہین مستعمل ہوا ہے،

حلف یہ لفظ دونون پچھلے لفظون سے زیادہ وسیع ہے لیکن اس کے مفہوم مین ذلت اور دنارت داخل ہے، اور اس کا استعمال بالکل اسی حیثیت سے ہوتا ہے، جس طرح آج کل عوام قسم کھاتے ہین،

نابغہ ذبیانی ایک مشہور شاعر گذرا ہے، اس کی نسبت لوگون نے **نعمان بن منذر** سے کہدیا تھا کہ وہ آپ کی بیوی پر عاشق ہے، بادشاہ سخت ناراض ہوگیا، اور نابغہ کو سزا دینی چاہی، نابغہ کو خبر ہوئی تو متعدد قصیدے معذرت مین لکھے، جنمین نہایت ذلیل اور عاجزانہ طریقہ سے اس جرم سے برائت ظاہر کی، اس قصیدہ کا ایک شعر ہے،

حلفت فلم اترك لنفسك ریبة — ولیس وراء الله للمرء مذهب

مین قسم کھاکر کہتا ہون تاکہ تیرے دل مین کچھ شبہ نہ رہ جائے — اور خدا سے بڑھکر انسان کے لئے اور کیا ہے،

اس شعر مین نابغہ نے **حلف** کا استعمال کیا ہے، اور اسی لئے وہ ذلیل الطبع اور پست ہمت

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہوسکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہوجاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہوسکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتادیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہوگیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہوسکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعویٰ خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لاسکتا تو جابجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے؟ خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

یا اس درجہ سے آگے نہین بڑھ سکتے،

(۲) جس چیز کو ہم ارادہ اور اختیار کہتے ہین یہ بھی مجبوری کی ایک صورت ہے، فرض کرو ایک شخص فطرۃً نفس پرست ہے، اس کو یہ موقع ہات آیا کہ تنہائی ہے، ایک دل فریب صورت سامنے ہے، اس کی طرف سے خود استدعا ہے، اس حالت مین یہ شخص اگر بدکاری کا ارادہ کرتا ہے، تو یہ ارادہ اس کے اختیار کی چیز نہین، عام طور پر لوگ کہا کرتے ہین کہ خواہش اور ارادہ ہماری اختیاری باتین ہین، لیکن یہ ایک دقیق غلطی ہے، کسی کام کی خواہش کے جب تمام اسباب جمع ہو جائین گے، تو ممکن نہین کہ خواہش نہ پیدا ہو، اس لئے خواہش خود بھی ایک مجبوری کی بات ہے، ہمارا کسی چیز کو اختیار کرنا بھی دراصل ہمارے اختیار مین نہین،

جو شخص کسی کام پر مجبور ہے، یعنی وہ فعل اس سے مجبوراً سرزد ہوتا ہے، اس کی نسبت اس پر کچھ الزام نہین عاید کیا جا سکتا، کسی شخص کے ہاتھ مین اگر رعشہ ہو، اور وہ لکھ نہ سکے تو کوئی شخص اس کو نہ لکھنے پر ملامت نہین کر سکتا،

ان مقدمات کے ثابت ہونے کے بعد، اب فلسفہ سے یہ پوچھنا چاہئے کہ انسان مختار ہے یا مجبور، یا دوسرے لفظون مین یون کہو کہ انسان جو نیکی یا بدی کرتا ہے، تو یہ اس کا اختیاری فعل ہے، یا اضطراری؟ اگر انسان خود مختار ہے تو مذکورۂ بالا مقدمات کا جن سے قطعاً ثابت ہوتا ہے، کہ انسان کا کوئی فعل اختیاری نہین، کیا جواب ہے، اور اگر مجبور ہے تو پھر کسی شخص کو کسی قسم کا الزام کیونکر دیا جا سکتا ہے، بدچلن شریر، دنی الطبع مفسدانگیز اشخاص کو ہم کس بنا پر برا کہہ سکتے ہین،

مذہب مین ہمیشہ سے دو فرقے ہوتے چلے آئے ہین، جبریہ، قدریہ، عام خیال یہ ہے کہ یہ الفاظ اسلام نے پیدا کئے ہین، آج کل یوروپین قومین مسلمانون کے تنزل کی

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعتہً اختلاف پیدا ہوجاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہوگیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعوی خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے، خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

ڈومینک فرقہ کی سفارش بھی کی لیکن پوپ نے کچھ فیصلہ نہ کیا، اور یہ اجازت دی کہ دونون فرقے آزادی سے اپنے اپنے خیالات شایع کرین،

بنیس بالکل جبر کا قائل تھا، وہ کہا کرتا تھا کہ خدا براہ راست، تمام چیزون کی علت ہے، اور جو کچھ ہوتا ہے اس کے حکم سے ہوتا ہے لیکن چونکہ اس سے بھی انکار نہین کیا جا سکتا تھا کہ انسان مین ایک قوت اختیاری پائی جاتی ہے، اس لئے بنیس کے جانشینون نے یہ قرار دیا کہ خدا انسان مین ارادہ پیدا کرتا ہے، اور ارادہ خود مختار ہے، اس لئے انسان اپنے ارادہ مین بالکل آزاد ہے،

بالآخر ایک تیسرا مذہب ایجاد ہوا یعنی یہ کہ خدا بھی فاعل مختار ہے، اور انسان بھی، اس مذہب کا مدون **بوسویہ** تھا اب تک اس مسئلہ کے متعلق صرف دو لفظ استعمال کئے جاتے تھے، تقدیر اور اختیار، بوسویہ نے تیسرا لفظ **تقدیر معلق** ایجاد کیا **بوسویہ** نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی جسمین اُس نے انسان کا خود مختار ہونا ثابت کیا، وہ کہتا ہے کہ ایک سچی بات دوسری سچی بات کو مٹا نہین سکتی، اس سے ہرگز انکار نہین ہو سکتا کہ خدا فاعل مطلق ہے لیکن اس سے بھی انکار نہین کیا جا سکتا کہ انسان کو بھی اپنے افعال کا اختیار حاصل ہے، بے شبہہ ان دونون باتون مین تناقض نظر آتا ہے، لیکن اس مین عقل کو دخل نہین دینا چاہئے، کیونکہ یہ مسئلہ عقل انسانی کی حد سے باہر ہے، اس سلسلہ کے دونون سرے ہات مین لینے چاہئین، لیکن جو کڑی ان دونون سرون کو باہم ملاتی ہے، وہ ہماری سمجھ سے باہر ہے[1] (دیکھو رسالہ الاسلام مصنفہ پروفیسر ہنری دی کاستری فرانسیسی، مترجمہ

---

[1] امام رازی نے مطالب عالیہ مین بالکل یہی تقریر کی ہے، لیکن امام صاحب، بوسویہ سے پہلے تھے اس لئے اسکو توارد سمجھنا چاہئے، اور اگر سرقہ ہو تو بوسویہ اس جرم کا مجرم ہوگا نہ امام رازی،

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام میں یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہیں ہو سکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس میں متفق اللفظ ہیں، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن میں پیشین گوئیاں ہیں، اور یہ بشر کا کام نہیں کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگوں کے مخفی ارادوں کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس راز کشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت میں قرآن کا جواب نہیں ہو سکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہیں کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعوی خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہیں لا سکتا تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے؟ خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

جن آیتون سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو کچھ اختیار نہین،

لیس لک من الامر شی، — تجھ کو کام مین کچھ اختیار نہین،

قل کل من عند اللہ، — کہدے کہ سب خدا کی طرف سے ہے،

وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ — اور تم کسی بات کی خواہش نہین کر سکتے جب تک خدا نہ چاہے

واللہ خلقکم وما تعملون، — اور خدا نے تمکو بھی پیدا کیا ہے اور تمھارے اعمال کو بھی،

اللہ خالق کل شیٔ — خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے،

وان تصبھم حسنۃ یقولوا ھذہ من عند اللہ — اور انکو کچھ بھلائی پہونچتی ہی تو کہتے ہن کہ یہ خدا کی طرف سے ہے

وان تصبھم سیئۃ یقولوا ھذہ من عندک — اور برائی پہونچتی ہی تو کہتے ہین کہ یہ تیری طرف سے ہے کہدے کہ یہ

قل کل من عند اللہ — سب خدا کی طرف سے ہے،

جن آیتون سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا ہی لوگون کو گمراہ کرتا ہے اور ان سے برائی کراتا ہے،

یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا — خدا اس سے بہتون کو گمراہ کرتا ہی اور بہتون کو ہدایت دیتا ہے

ویضل اللہ الظالمین — اور خدا ظالمون کو گمراہ کرتا ہے،

کذالک یضل اللہ من ھو مسرف مرتاب — اسی طرح خدا اس شخص کو گمراہ کرتا ہی جو حد سے بڑھ جاتا ہی

واذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا — اور جب ہم کسی گاؤن کو خراب کرنا چاہتے

ففسقوا فیھا، — ہین، تو وہان کے دولتمندون کو حکم دیتے ہین، تب وہ گناہ کرتے ہین،

جن آیتون سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کافرون اور فاسقون کو ہدایت کرنا نہین چاہتا
یا ان کو ہدایت نہین کرتا،

اللہ لا یھدی القوم الکافرین — خدا کافرون کو ہدایت نہین کرتا،

اعجازِ قرآن

فاتوابسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہوسکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہو کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہوسکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعویٰ خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے، ؟ خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

ولکن حق القول منی لاملأن جہنم من الجنۃ والناس اجمعین۔ — لیکن ہماری یہ بات طے ہو گئی ہے کہ ہم دوزخ کو آدمیون اور جنون سے بھر دینگے،

ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعا — اور اگر تیرا خدا چاہتا تو دنیا مین جس قدر آدمی ہین سب ایمان لاتے،

ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس — اور ہم نے بہت سے آدمی اور جن دوزخ کے لئے پیدا کئے،

وہ آیتین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا ہی نے شیاطین اور بدکارون کو اس کام پر مقرر کیا ہے، کہ وہ لوگون کو گمراہ کرین،

الم تر انا ارسلنا الشیاطین علی الکافرین تؤزھم ازا — تو نے نہین دیکھا کہ ہم نے شیطانون کو کافرون پر مقرر کیا،

وجعلناھم ائمۃ یدعون الی النار — اور ہم نے انکو پیشوا بنایا ہو کہ لوگون کو آگ (دوزخ) کیطرف بلائین،

آیات مذکورہ بالا کے مقابلہ مین حسب ذیل آیتون سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کسی کو گمراہ نہین کرتا، گمراہ کرنا شیطان کا کام ہے، انسان اپنے افعال کا آپ ذمہ دار ہے،

یرید الشیطن ان یضلھم ضلالا بعیدا — شیطان چاہتا ہے کہ انکو بہت زیادہ گمراہ کردے،

من ضل فانما یضل علیھا، — جو شخص گمراہ ہوتا ہی، تو اپنے کئے سے ہوتا ہی،

ولقد اضل منکم جبلا کثیرا افلم تکونوا تعقلون، ۵ — شیطان نے تم مین سے اکثرون کو گمراہ کیا تو کیا تم کو عقل نہ تھی،

ان اللہ لا یظلم الناس شیئا ولکن الناس انفسھم یظلمون، — خدا لوگون پر مطلق ظلم نہین کرتا، لیکن لوگ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہین،

لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت — انسان کو جو کچھ نفع وضرر پہونچتا ہے اپنے فعل کی بدولت پہنچتا ہے

اولما اصابتکم مصیبۃ قد اصبتم مثلیھا قلتم انی ھذا قل ھو من عند انفسکم — کیا جب تم پر کوئی ایسی ہی مصیبت آئی جیسے پہلے بھی پہنچ چکی ہے، تو تم کہتے ہو کہ یہ کہان سے آئی کہدو کہ یہ تمھاری ہی

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیائے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا،
سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہے
کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ
قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے
لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن
لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم
کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام
الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا
کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ
بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی
سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعوی خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس
سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا
تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے، خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

اُن تمام آیتون کی تاویل کی ہے، جس سے انسان کا مختار ہونا ثابت ہوتا ہی،

ایک نکتہ یہان، خاص طرح پر یاد رکھنے کے قابل ہے، تم نے دیکھ لیا کہ آیتین دونون قسم کی موجود ہین، اور ہر قسم کی آیت اپنے مفہوم پر گویا نص قطعی ہی، اس لئے اگر صرف نصوص قرآنی پر نظر ہو، تو جبر و قدر، دونون مذہب مین سے جون سا چاہے، انسان اختیار کر سکتا ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ دونون قسم کی آیتین بظاہر، اس قدر مساوی الدرجہ ہین کہ انسان کسی پہلو کو چھوڑ نہین سکتا، باوجود اس کے دو مخالف گروہ جو پیدا ہوئے، اور دونون نے اپنے فریق مخالف کو کافر قرار دیا، اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ یہ در اصل اُس اختلافِ طبائع کا اثر ہے، جو انسان کے مختلف افراد مین پایا جاتا ہے، بعض آدمی بالطبع کاہل، پست ہمت، ضعیف الارادہ ہوتے ہین، اس لئے اُن کا میلانِ طبع وہ سہارے ڈھونڈھتا ہے، جن سے انسان کا مجبور و لاچار ہونا ثابت ہے، بخلاف اس کے جو اشخاص فطرۃً عالی حوصلہ، بلند ہمت، راسخ العزم قوی الارادہ ہوتے ہین، ان کی نگاہین اُن باتون پر پڑتی ہین، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان تمام دنیا کا حکمران ہے، اور اپنے عزم اور ارادہ سے چاہے تو تمام عالم کے مرقعہ کو دفعۃً الٹ پلٹ کر دے،

سب سے پہلے اس پر غور کرنا چاہئے کہ قرآن مجید کی مختلف آیتون مین بظاہر جو تعارض معلوم ہوتا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے،

(۱) قرآن مجید مین جہان جہان خدا کی مشیت یا حکم اور ارادہ کا ذکر ہے، اسکی دو قسمین ہین
فطری اور **شرعی**، خدا نے جن چیزون کی جو فطرت بنائی ہے اس کو بھی حکم اور ارادہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے،

انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ — اس کا حال یہ ہی کہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہی تو اس سے

اعجاز قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہوسکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہوجاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہوسکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہوگیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہوسکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعویٰ خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے؟ خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

محدث ابن القیم نے اپنی کتاب شفاء العلیل (مطبوعہ مصر صفحہ ۲۰۰) مین ایک خاص باب باندھاہے، جس کی سرخی یہ ہے،

الباب التاسع والعشرون	انتیسوان باب اس بیان مین کہ خدا
فی انقسام القضاء والحکم و	کا فیصلہ، حکم، ارادہ، کتابت، امر، اجازت
الارادۃ والکتابۃ والامر والاذن	کسی چیز کو مقرر کرنا، بات کرنا،
والجعل والکلمات والبعث والارسال	سمجھنا، حرام کرنا، پیدا کرنا ان سب کی دو قسمین
والتحریم والانشاء الی کونی متعلق بخلقہ	ہین، ایک کونی (فطری) جو فطرت سے متعلق ہی، اور
والی دینی متعلق بامرہ	دوسری شرعی جو احکام سے متعلق ہے،

محدث موصوف نے اس باب مین قرآن مجید کی ان تمام آیتون کا استقصا کیا ہے، جن مین یہ الفاظ (ارادہ، حکم وغیرہ) فطرت اور اصل خلقت کے معنی مین آئے ہین، چنانچہ ہم نے جو آیتین اوپر نقل کین، بجز اخیر آیت کے باقی تمام محدث موصوف نے بھی نقل کی ہین، اور بتایا ہے کہ ان سے صرف فطری اور خلقی حالت مراد ہے،

جن آیتون مین یہ مذکور ہے، کہ خدا بدکارون کو برائی کا حکم دیتا ہے، اس سے فطری حالت مراد ہے، اور جن آیتون مین یہ مضمون ہے کہ خدا کسی شخص کو برائی کا حکم نہین دیتا اس سے شرعی حکم مراد ہے، اس بنا پر ان دونون آیتون مین کسی طرح کا تعارض نہین باقی یہ امر کہ خدا نے ایسی فطرت کیون بنائی جس سے برائی سرزد ہو، اس کا جواب آگے آئے گا،

(۲) خدا نے تمام عالم مین علۃ و معلول کا سلسلہ قایم کیا ہے، **اشاعرہ** گو اس اصول کے منکر ہین، لیکن ان کے سوا تمام حنفیہ اور محدثین وغیرہ اسی کے قایل ہین، محدث ابن القیم

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا،
سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہی
کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ
قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے
لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن
لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم
کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام
الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا
کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ
بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی
سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعویٰ خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس
سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا
تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے؟ خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

سلسلۂ اسباب کے لحاظ سے ہے، انسان مین خدا نے ارادہ اور خواہش کی قوت پیدا کی ہے، یہ خواہش انسان کو کام کرنے پر آمادہ کرتی ہے، اور اس کام کا سبب ہوتی ہے لیکن چونکہ یہ تمام سلسلۂ اسباب خود خدا کا قایم کیا ہوا ہے، اس لئے یہ کہنا بھی صحیح ہے، کہ افعال انسانی کی علت خدا ہی ہے، اسی بنا پر قرآن مجید مین کہا ہے کہ

لاتشاؤن الا ان یشاء اللہ، تم کسی چیز کی خواہش نہین کرسکتے جب تک کہ خدا نہ چاہے'

اس آیت کا یہ مطلب ہے، کہ اگر خدا نے انسان کی فطرت مین خواہش کی قوت نہ رکھی ہوتی، اور خدا انسان کا صاحب ارادہ ہونا نہ چاہتا تو انسان مین خواہش کا مادہ ہی نہ ہوتا، اس بنا پر یہ کہنا بالکل صحیح ہے، کہ خدا نہ چاہتا تو انسان کسی چیز کو چاہ بھی نہین سکتا،

ان دونون پہلوؤن کی تصریح کرنے کی ضرورت یہ تھی کہ اسلام سے پہلے افعال انسانی کی نسبت دو خیال تھے ایک یہ کہ خدا کوئی چیز نہین، انسان خود بخود سلسلۂ فطرت کے اقتضا سے پیدا ہوا، اور ہر قسم کی قوتین خود بخود اس کے ساتھ ساتھ پیدا ہوئین، انھین قوتون کی بنا پر اس سے افعال صادر ہوتے ہین، اور ان افعال کا وہ خود خالق ہے،

اس کے مقابل دوسرا فرقہ تھا جس کا یہ مذہب تھا، کہ انسان مجبور محض ہے، وہ خود کچھ نہین کرتا، اور نہ کرسکتا، بلکہ اس سے خدا کراتا ہے،

اسلام نے ان دونون خیالون کو غلط ثابت کرنا چاہا، اس لئے ضرور تھا کہ جہان وہ یہ بتائے کہ انسان اپنے افعال کا خالق ہے، اور اپنے ہر فعل کا ذمہ دار ہے، ساتھ ہی یہ بھی بتائے کہ انسان خود بخود نہین پیدا ہوا، بلکہ اس کو، اور اس مین جس قدر قوتین موجود ہین، سب خدا نے پیدا کین، اس بنا پر یہ کہنا صحیح ہے کہ کل من عند اللہ یعنی سب خدا کی طرف سے ہے،

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہوسکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہی کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہوجاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہوسکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہوگیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہوسکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعویٰ خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لاسکتا تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے، خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

(۴) خدا نے تمام اشیاء کو خاص خاص فطرت پر پیدا کیا ہے، اور کوئی چیز اپنی فطرت سے بدل نہین سکتی یعنی جس چیز کی جو فطرت ہے ضرور اس سے ظہور مین آئیگی، اس کو قرآن مجید مین مختلف طریقون سے بیان کیا ہے،

لا تبدیل لخلق اللہ،	خدا کی خلقت مین تبدیلی نہین،
ما تری فی خلق الرحمن من تفاوت،	تو خدا کی خلقت مین ناہمواری نہ دیکھے گا،
ربنا الذی اعطی کل شیٔ خلقہ ثم ھدیٰ،	ہمارا خدا وہ ہے جس نے ہر شے کو پیدا کیا، پھر اسکو راستہ دکھایا
لن تجد لسنۃ اللہ تحویلا،	تو خدا کے طریقہ اور عادت مین ادل بدل نہ پائے گا،
لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا،	تو خدا کے طریقے اور عادت مین تبدیلی نہ پائے گا،
انا کل شیٔ خلقناہ بقدر،	ہم نے ہر چیز کو ایک اندازہ خاص سے پیدا کیا،

قرآن مجید مین جا بجا یہ جو بیان کیا ہے، کہ اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دیدیتے، ہم چاہتے تو تمام دنیا کا ایک ہی مذہب ہوتا، اس سے یہ مطلب نہین کہ موجودہ فطرت کے ساتھ ہر شخص ہدایت پا سکتا، اور تمام دنیا کا ایک مذہب ہو جاتا، کیونکہ آیات مذکورۂ بالا سے ثابت ہوا کہ خدا نے جس چیز کی جو فطرت بنادی ہے اس کے خلاف نہین ہو سکتا، اس لئے موجودہ حالت مین انسانی فطرت کا جو اقتضا ہے، یعنی مختلف العقیدہ اور مختلف الافعال ہونا یہ بدل نہین سکتا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم اگر چاہتے تو انسانون کی جو فطرت ہے، اس کے خلاف دوسری فطرت پر اس کو بناتے اور اس حالت مین سب کا ایک مذہب پر ہونا ممکن تھا،

غرض قرآن مجید مین یہ مسئلہ قطعی طور پر بیان کیا گیا ہے، کہ تمام چیزین اپنی اپنی فطرت کے موافق کام کر رہی ہین، اور جس کی فطرت کا جو اثر ہے، اس سے خواہ مخواہ ظہور مین آتا ہے، اسکے ساتھ (جیسا کہ اوپر گذر چکا) تمام عالم مین علۃ و معلول اور سبب و مسبب کا سلسلہ بھی قایم ہے،

اعجاز قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیائے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا،
سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہی
کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ
قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے
لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن
لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم
کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام
الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زور تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا
کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ
بحث و نزاع، یہ اختلاف آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی
سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعوی خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس
سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا
تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے، خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

غرض یہ سب اسی قانون فطرت کے سلسلہ مین داخل ہے، انسان کی فطرت ایسی بنائی گئی ہے کہ وہ نیکی اور بدی کرتا ہے، اور نیکی و بدی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس سے انسان کی روح کو آرام اور تکلیف پہونچتی ہے، اسی کا نام عذاب و ثواب ہے، قرآن مجید مین اسی نکتہ کو یون ادا کیا ہے، ویستعجلونک بالعذاب و ان جھنم لمحیطۃ بالکفرین، یعنی کفار تجھسے کہتے ہین کہ عذاب جلدی لاؤ حالانکہ دوزخ ان کو ہر طرف سے چھائے ہوئے ہے،

(۵) اوپر کی تقریر سے اس بحث کے متعلق اگرچہ اور شبہات رفع ہوگئے لیکن اصلی گرہ اب تک نہین کھلی، تمام اعتراضات اس مرکز پر آکر جمع ہوتے ہین، کہ پھر خدا نے ایسی فطرت ہی کیون بنائی، جس سے برائی سرزد ہو، کیا یہ ممکن نہ تھا کہ انسان فطرۃً ایسا بنایا جاتا کہ اس سے برائی سرزد ہی نہ ہوتی،

اس عقدہ کے حل کرنے کے لئے اسبات پر غور کرو کہ اگر ایک چیز مین بہت سے فائدے ہون اور کچھ نقصان بھی ہو، تو تم کیا کروگے ؟ کیا اس کو بالکل چھوڑ دوگے، یا اس بنا پر اختیار کروگے کہ گو تھوڑا سا نقصان ہے، لیکن فائدے بہت زیادہ ہین، تمام دنیا کا کاروبار اسی اصول پر چل رہا ہے، اولاد سے زیادہ انسان کو کیا چیز عزیز ہے لیکن اولاد کی پرورش اور پرداخت مین کن کن مصیبتون کا سامنا ہے، خود انسان کی زندگی جو اس کو سب سے زیادہ عزیز ہے کس قدر مصائب سے بھری ہوئی ہے، تاہم اُن مسرتون اور خوشیون کے مقابلہ مین جو انسان کو زندگی کی وجہ سے یا اولاد سے حاصل ہوتی ہین، یہ تکلیفین ناقابل اعتنا ہین، آگ سے ہمارے سیکڑون کام نکلتے ہین، کیا ہم اس کو اس بنا پر چھوڑ سکتے ہین، کہ اس سے کبھی کبھی ہمارے کپڑون مین آگ بھی لگ جاتی ہے،

انسان کی فطرت کے متعلق چار احتمال پیدا ہوسکتے تھے، اوّلؔ ایسا انسان بنایا جاتا جو ہمہ تن

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہی کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعوی خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے، خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

نسبۃ الی مصالحھا وکذالک المطر والریاح والحر والبرد وبالجملۃ فعناصر ھذا العالم السفلی خیرھا ممتزج بشرھا ولکن الخیر غالب[1]

ہوا گرمی، سردی، سب کا یہی حال ہے، غرض عالم سفلی میں جس قدر عناصر ہیں ان میں نفع اور نقصان دونوں ملے ہوئے ہیں، لیکن نفع کا پلہ بھاری ہے،

تمام تقریر کا حاصل یہ ہے کہ عالم سلسلۂ اسباب پر قائم ہے، سبب کے ساتھ مسبب کا وجود ضروری ہے، سلسلہ اسباب خدا نے پیدا کیا ہے، انسان کا ارادہ اور خواہش بھی منجملہ اسباب کے ہے، اس بنا پر انسان اپنے افعال کا سبب اور خالق ہے، لیکن علۃ العلل ہونے کے لحاظ سے ان افعال کا خالق بھی خدا ہی ہے، انسان جو افعال کرتا ہے، اپنی فطرت کے لحاظ سے کرتا ہے، اور ان افعال کے جو لازمی نتائج ہیں یعنی عذاب و ثواب وہ خود بخود اسی سلسلۂ اسباب کے بنا پر وجود میں آتے ہیں انسان کی فطرت میں خدا نے برائی کا مادہ بھی رکھا ہے، اور ایسا کرنا حکمت کا اقتضا تھا، ان اصول کے سمجھنے کے بعد تمام اعتراضات رفع ہو جاتے ہیں، اور یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید نے اس بحث کو ہر پہلو کے لحاظ سے فیصل کر دیا ہے،

---

[1] شفاء العلیل ص ۱۰۴،

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہی کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعویٰ خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے، ؟ خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

کے بعد آسانی سے یہ فیصلہ ہوسکے گا کہ وہ مسودات کس زمانہ کے ہین؟ اور ان کی صحت پر کہان تک اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ اعتبار کے کیا وجوہ ہین؟ قدامت کی کیا کیا شہادتین ہین؟ کس قسم کے اختلافات ہین، ؟ ان مسودات پر عیسائیون کا دستِ تصرف کہان تک پہونچا ہے؟

تاہم جس قدر اس آرٹیکل کے متعلق ابھی سے بحث کیجا سکتی ہے اس کے لئے سب سے پہلے اسکے مندرجہ بیانات کا خلاصہ لکھدینا چاہیے، اور وہ حسب ذیل ہے،

(۱) جو حصص قرآن مجید کے دستیاب ہوئے ہین، ان پر علاوہ قرآن کے اور تحریرین بھی ہین، جن کی تفصیل یہ ہے، کہ قدیم زمانہ مین جب سامان نوشت وخواند کمیاب تھے، تو اکثر پرانی قلمی کتابون پر جو بیکار سمجھ لیجایا کرتی تھین، دوسری ضروری تحریرون کا اندراج ہوجایا کرتا تھا، اور اس طور پر ایک ہی وقت مین مختلف کتابین موجود ہوتی تھین، ٹائمز کی عبارت اگرچہ صاف نہین ہے لیکن اس سے مترشح ہوتا ہے کہ کیمبرج کے مذکورہ اوراق مین تین مختلف کتابین مختلف زمانہ کی لکھی ہوئی موجود ہین، ان مین سب سے قدیم تحریر جیسا کہ ٹائمز سے مستنبط ہوتا ہے، پروتی وینجلیم، اور ٹرنی زٹیس میری کی عبارات ہین جو سریانی زبان مین ہین، دوسری عبارت جو دراصل مذکورۂ بالا تحریر کے بعد اور اس کے اوپر لکھی گئی ہے، قرآن شریف کی عبارت ہے، تیسری تحریر جو اس کے بعد کی ہے، وہ عیسائی مقدسین کی بعض تحریرون کا اقتباس ہے، اور یہ عبارت بھی عربی زبان مین ہے، اسطور پر گویا ایک سطح پر تلے اوپر تین مختلف تحریرین موجود ہین جو ایک دوسرے کو کسی قدر ڈھکے ہوئے ہین، اور اس طرح اوپر کی تحریر کی وجہ سے نیچے کی عبارت دھندلی پڑگئی ہے،

(۲) ان مسودات کو ٹائمز ساتوین صدی کے آخر یا آٹھوین صدی کی ابتدا

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعوی خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے، خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

جن کی نسبت یہ ظاہر کیا جاتا ہے، کہ آنحضرت صلعم نے عیسائیون کے لیے لکھی ہین، اور وہ بعینہٖ محفوظ ہین، ان تحریرون کے فوٹو شایع کیے گئے ہین، اور ان کا اصلی مخرج عیسائیون کی قدیم خانقاہین یا گرجا بیان کیے گئے ہین، ان مین سے ایک تحریر بھی اصلی اور واقعی نہین ہے، اور فن حدیث کا معمولی صاحب مذاق بھی ان کے جعلی ہونے کو بیک نظر معلوم کر سکتا ہے، تاہم یورپ کے مستشرقین ان کو صحیح اور اصلی نوشتہ خیال کرتے ہین،

(۲) جو آیت اختلاف کے ثبوت مین پیش کی ہے، افسوس ہے کہ اصلی عربی عبارت نقل نہین کی ہے، بلکہ اس کا ترجمہ لکھا ہے، یعنی جب کہ حرم کے گرد ہم جھکے، قرآن مجید مین جو الفاظ ہین اس کا ترجمہ یہ ہے، "جس کو ہم نے برکت دی"، اس بنا پر ڈاکٹر منگانا یہ دعوی کرتے ہین کہ مفروضہ قرآن موجودہ قرآن سے مختلف ہے، ڈاکٹر صاحب اگر اصل عربی عبارت نقل کرتے تو ہم آسانی سے اس کی نسبت کوئی راے قایم کر سکتے تھے، تاہم یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے قرآن مجید مین "بارکنا" کا جو لفظ ہے اس کا ترجمہ غلط کیا ہے، قرآن مجید کی رسم خط مین "بٰرکنا" کا لفظ بغیر الف کے لکھا جاتا ہے یعنی "برکنا"، قدیم زمانہ مین قرآن مجید پر زیر و زبر مد وغیرہ نہین ہوتے تھے، زیر و زبر لکھنا حجاج بن یوسف کے زمانہ سے شروع ہوا ہے، اس لئے ممکن ہے کہ کسی قدیم نسخے مین "بارکنا" کا لفظ اس طرح لکھا ہو کہ اس پر الف ممدودہ نہ ہو اور اس لئے ڈاکٹر صاحب نے اسکو "برکنا" پڑھا ہو جس کے معنی بیٹھنے اور لیٹنے اور جھکنے کے ہو سکتے ہین، اور اس بنا پر بجائے برکت کے اس کا ترجمہ جھکنا کر دیا،

(۳) جو شخص یہ دعوی کرتا ہے کہ اوراق مذکورہ کا ماخذ حضرت زید بن ثابت رض کے زمانہ سے پہلے کا ہے، وہ اس کے ثبوت مین کیا دلائل پیش کر سکتا ہے، ؟ کیا ان اوراق

اعجاز قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہی کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہوجاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہوسکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہوگیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہوسکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعویٰ خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے، خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

اترین جو لوگ اسلام کے حلقہ مین داخل ہوتے تھے ان کا پہلا کام قرآن مجید کی نازل شدہ آیتون اور سورتون کا محفوظ رکھنا ہوتا تھا، کثرت سے ایسے صحابہ تھے جن کو پورا قرآن محفوظ تھا، جنگ یمامہ مین جو صحابہ شہید ہوئے ان مین ستر ایسے تھے جن کو پورا قرآن مجید یاد تھا، حضرت عبد اللہ بن مسعود کا بیان ہے، کہ مین نے ستر سورتین خود رسول اللہ صلعم سے سیکھی تھین،

قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا سب سے بڑھکر ثواب کا کام ہے، بخاری مین روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "تم مین وہ شخص رتبہ مین سب سے بڑھکر ہے جو قرآن سیکھے، یا سکھلائے" اس بنا پر ہر مسلمان نہایت اہتمام اور شوق سے قرآن مجید سیکھتا اور سکھلاتا تھا، حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے دس برس کی عمر مین سورہ حجرات سے لیکر اخیر قرآن تک آنحضرت صلعم کے زمانہ مین یاد کر لیا تھا،

ایک غریب شخص نے آنحضرت صلعم کے سامنے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی، آپ نے دریافت فرمایا تمھارے پاس مہر مین دینے کے لئے کیا ہے؟ انھون نے کہا کچھ نہین، فرمایا تم کو کچھ قرآن زبانی یاد ہے، بولے ہان فلان فلان سورتین یاد ہین، آپ نے فرمایا تو یہی سورتین بجائے مہر کے مین، اور مین اسی پر تمھارا نکاح پڑھائے دیتا ہون (صحیح بخاری مین یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے)

غرض عرب کی قوت حافظہ، قرآن مجید کے یاد رکھنے کی فضیلت، آنحضرت صلعم کی ترغیب وتاکید، قرآن مجید کی عبارت کی دلآویزی، تعلیم قرآن کا اہتمام، یہ سب اسباب ایسے تھے جن کی وجہ سے خود آنحضرت صلعم ہی کے زمانہ مین پورا قرآن مجید یا اس کا بڑا حصہ سیکڑون اشخاص کو یاد تھا،

اعجاز قرآن

فأتوا بسورة من مثله

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہی کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشا پردازی اور زور تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلاف آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعوی خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے، خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

کی تمام آیتین مرتب قلم بند ہو چکی تھین، قرآن مجید کے مدون اور مرتب ہونے کی تاریخ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد جب غزوہ یمامہ مین اکثر حفاظ قرآن نے شہادت پائی تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ قرآن جمع کرا دیجیے، حضرت ابو بکرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو جو آنحضرت صلعم کی خدمت مین کتابت وحی کا کام کیا کرتے تھے، بلا کر یہ خدمت سپرد کی، حضرت زیدؓ نے غایت اہتمام سے اس کام کو انجام دیا، جہان جہان تحریری اجزا تھے ڈھونڈ ڈھونڈھ کر مہیا کئے، یہان تک کہ ہڈیون، پتھر کے ٹکڑون، اور کھجور کے تختون پر لکھے ہوئے اجزا بہم پہونچائے، یہ التزام کیا کہ تحریر کے ساتھ زبانی شہادت بھی لیتے تھے یعنی وہ تحریری عبارتین لوگون کو زبانی بھی یاد ہے، یا نہین،؟ اس طرح پورا قرآن مجید مرتب ہوا سورتون کی ترتیب ان کے نازل ہونے کے زمانہ کے لحاظ سے نہین رکھی بلکہ زیادہ تر سورتون کے مطول و مختصر ہونے کا لحاظ رکھا یعنی بڑی سورتین پہلے رکھی گئین، متوسط ان کے بعد، اور مختصر سب سے اخیر، یہ نسخہ حضرت حفصہؓ (آنحضرت صلعم کی حرم محترم اور حضرت عمرؓ کی صاحبزادی) کے گھر مین رکھوا دیا گیا، حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین جب قرآن مجید کی کثرت سے نقلین شایع ہونے لگین تو اختلاف نسخ پیدا ہوا، اس بنا پر حضرت حفصہؓ کے مکان سے وہ نسخہ منگوا کر متعدد نقلین کرائین، اور اسلام کے بڑے بڑے صوبون مین بھجوا دین، کہ تمام نسخے ان کے مطابق نقل کئے جائین، حضرت عثمانؓ نے یہ بھی حکم دیا جیسا کہ صحیح بخاری مین مذکور ہے، کہ جو نسخے اس نسخے کے مطابق نہ ہون وہ ضایع کر دیئے جائین، صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہین، وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا وامر بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ او مصحف ان یحرق، (صحیح بخاری باب جمع القرآن) ترجمہ:۔ اور جو نسخے تیار ہوئے وہ ہر افق (صدر مقامات) مین بھجوا دیئے، اور حکم دیا کہ ان کے سوا

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا،
سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہی
کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعتہً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ
قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے
لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن
لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم
کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام
الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا
کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ
بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی
سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعویٰ خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس
سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا
تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے، خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

مسائل فقہیہ زمانے کی ضرورتون کا اثر

ہمارے مخالفون نے سیکڑون بار کہا ہے، اور اب بھی کہتے ہین. کہ اسلام کا قانون (مسائل فقہیہ) وست شل ہے، جس کو کسی طرح جنبش نہین ہو سکتی یعنی اس مین ترقی کی کوئی گنجائش نہین اور اس وجہ سے وہ کسی طرح زمانہ کی ضرورتون کا ساتھ نہین دے سکتا،

ہم اس کے متعلق اگر کچھ کہنا چاہتے ہین تو مخالفین کہتے ہین، کہ یہ آج کل کے خیالات کا اثر ہے، ورنہ قدمائے اسلام کے نزدیک مسائل فقہیہ مین کسی اصلاح اور تغیر کی گنجایش نہین، اس بنا پر ہم اس کے متعلق کچھ کہنا نہین چاہتے، بلکہ یہ دیکھتے ہین کہ سلف نے خاص اس مضمون پر کیا لکھا ہے،

فقہائے متاخرین مین سے علامہ شامی کو جو شہرت اور حسن قبول حاصل ہوا، کم کسی کو ہوا ہوگا، انھون نے خاص اس بحث پر ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا نام نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف ہے، یہ رسالہ اور بہت سے رسالون کے ساتھ ۱۳۰۱ھ مین بمقام دمشق چھاپا گیا ہے، اس رسالہ مین علامہ موصوف نے نہایت تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے ہم اوسکے جستہ جستہ مقامات اس موقع پر نقل کرتے ہین :-

اعلم ان المسائل الفقہیۃ اما ان تکون	جاننا چاہیے کہ مسائل فقہیہ یا صریح نص سے ثابت ہون گے
ثابتۃ بصریح نص وھی الفصل الاول	ان مسائل کو ہم نے پہلی فصل مین بیان کیا، یا اجتہاد اور
واما تکون ثابتۃ بضرب اجتہاد	راے سے ثابت ہون گے، ان مین سے اکثر مسائل ایسے ہوتے

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعوی خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے، خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

اس کے بعد مصنف نے بہت سی مثالین دی ہین، جبمین زمانہ کی رسم وعادت کی وجہ سے احکام بدل گئے . ان مین سے چند یہ ہین :-

پہلے مجتہدین کا یہ فتویٰ تھا کہ قرآن مجید کی تعلیم پر معاوضہ لینا جائز نہین، اب فقہا نے اس کے جواز کا فتویٰ دیدیا،

امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب تھا، کہ گواہ کا ظاہر مین ثقہ ہونا کافی ہے، امام ابویوسف اور امام محمدؒ نے ظاہری عدالت کو ناکافی قرار دیا، کیونکہ امام ابوحنیفہ کے زمانہ مین اکثر لوگ ثقہ اور عادل ہوتے تھے، اس لئے ظاہری عدالت کافی تھی، لیکن پھر وہ حالت نہین رہی،

پہلے وصی کو یتیم کے مال مین مضاربت کا حق حاصل تھا، متاخرین نے اس کو ناجائز قرار دیا، آنحضرت صلعم کے زمانہ مین عورتین مسجد مین نماز کے لئے حاضر ہوتی تھین متاخرین نے منع کردیا،

مزارعت، معاملت، وقف مین امام ابوحنیفہ کا قول معمول بہ نہین ہے، بلکہ امام ابویوسف اور امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ ہے،

بیع بالوفا پہلے ناجائز تھی، پھر جائز قرار دیدی گئی،

اس قسم کی قریبًا سو مثالین مصنف نے پیش کی ہین، جنمین زمانہ کے اختلافِ حالت کی وجہ سے احکام فقہی بدل گئے ہین،

اس کے بعد مصنف نے یہ سوال قایم کیا ہے، کہ اب اس زمانہ مین احکام کا بدلنا جائز ہے یا نہین، چنانچہ لکھتے ہین :-

فان قلت العرف تيغير ويختلف باختلاف الزمان فلوطرء عرف جدید	اگر تم یہ کہو کہ رواج تو زمانہ کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے، تو اب اگر کوئی نیا رواج پیدا ہو تو ہمارے

اعجازِ قرآن

فاتوا بسورۃ من مثلہ

تیرہ سو برس سے دنیاے اسلام مین یہ آواز گونج رہی ہے کہ قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، سنی، شیعی، معتزلی، اشعری، ماتریدی سب اس مین متفق اللفظ ہین، لیکن جب یہ سوال ہوتا ہی کہ قرآن کا اعجاز کس وصف کے لحاظ سے ہے، تو دفعۃً اختلاف پیدا ہو جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن مین پیشین گوئیان ہین، اور یہ بشر کا کام نہین کوئی کہتا ہے کہ قرآن کا جواب تو ہو سکتا ہے لیکن جب کوئی جواب لکھنے کا قصد کرتا ہے تو خدا اس کا ہاتھ پکڑ لیتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ قرآن لوگون کے مخفی ارادون کا حال بتا دیتا تھا، اور آخر اشاعرہ کی اس رازکشائی پر تمام عالم کا اتفاق ہو گیا کہ چونکہ فصاحت و بلاغت مین قرآن کا جواب نہین ہو سکتا، اس لئے وہ کلام الٰہی ہے،

ابھی ہم کو اس سے بحث نہین کہ کیا انشاپردازی اور زورِ تحریر بھی ایسی چیز ہے، جو خدا کا کارنامہ قرار پائے، بلکہ جس پر تعجب اور سخت تعجب ہے وہ یہ ہے، کہ تیرہ سو برس تک یہ گفت و شنید، یہ بحث و نزاع، یہ اختلافِ آرا ہوتا رہا، لیکن کسی کو یہ خیال نہ آیا کہ اس سوال کا جواب اسی سے پوچھنا تھا جس نے یہ دعوی کیا تھا، یہ دعویٰ خود قرآن ہی نے کیا ہے، اور خود وہی اس سوال کا جواب دے سکتا تھا،

ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ جب خدا قرآن کی نسبت یہ کہتا ہے کہ تمام عالم اس کی نظیر نہین لا سکتا تو جا بجا قرآن کے مدحیہ اوصاف کیا بیان کرتا ہے، ؟ خدا نے قرآن مجید کی نسبت نہایت کثرت

پہونچ سکتا ہے، کیا زمانے کے اختلاف سے فرائض اور ارکان بھی بدل سکتے ہیں، یہ شبہ علامہ شامی نے اپنے رسالے مین ذکر کر کے جواب دیا ہے،

فنقول فی جواب هذا الاشکال اعلم ان	تو ہم اس اعتراض کے جواب مین کہین گے کہ عرف
العرف نوعان خاص وعام وکل منهما اما	کی دو قسمین ہین، عام وخاص، اور ان دونون کی بھی
ان یوافق الدلیل الشرعی والمنصوص	دو صورتین ہین، یا تصریحات ظاہر الروایہ یعنی
علیہ فی کتب ظاهر الروایة اولا فان	امام محمدؒ کی تصانیف ستہ کے موافق ہونگی یا نہین
وافقهما فلا کلام والا فاما ان یخالف الدلیل	اگر موافق ہو تو کچھ پوچھنا ہی نہین، اور اگر مخالف
الشرعی او المنصوص علیہ فی المذهب	ہو تو ہم اس کو دو بابون مین لکھتے ہین، پہلا باب
فنذکر ذلك فی بابین، الباب الاول اذا	جب کہ رواج دلیل شرعی کے مخالف ہو، اس
خالف العرف الدلیل الشرعی فان خالفہ	صورت مین اگر ہر طرح سے دلیل شرعی کے مخالف ہو
من کل وجہ بان لزم منہ ترك النص	جس سے نص شریعت کا ترک کرنا لازم آئے، تو اس کے
فلا شك فی ردہ کتعارف الناس کثیرا	باطل ہونے مین کوئی شبہ نہین مثلاً اکثر لوگون نے
من المحرمات من الربا وشرب الخمر	بہت سے محرمات کا معمول کر لیا ہی، مثلاً شراب، سود
ولبس الحریر والذهب وغیر ذلك مما	حریر اور زری کا استعمال جن کی حرمت صاف نص
ورد تحریمہ نصاوان لم یخالفہ من	مین آئی ہے، اور اگر کلیۃً نص صریح کا مخالف نہ ہو
کل وجہ بان ورد الدلیل عاما والعرف	مثلاً یہ کہ دلیل عام ہو، اور رواج ایک خاص
خالفہ فی بعض افرادہ او کان الدلیل	صورت سے متعلق ہو، یا یہ کہ دلیل کوئی نص نہ ہو
قیاسا فان العرف معتبر ان کان عاما فان	بلکہ قیاس ہو، تو اس صورت مین رواج کا اعتبار
العرف العام یصلح مخصصا کما مر عن	کیا جائے بشرطیکہ رواج عام ہو، اور اس صورت

التحریر و یترك به القیاس، الخ	مین رواج، دلیل شرعی کا مخصص واقع ہوسکے گا جیسا کہ تحریر (ایک کتاب کا نام ہے) کے حوالہ سے گذر چکا ہے، اور رواج عام کے مقابلہ مین قیاس ترک کردیا جائے گا،

علامہ موصوف نے اس مسئلہ کو ایک جزئی صورت مین سمجھایا ہے، وہ یہ کہ مثلاً حدیث مین وارد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اس شرط پر آٹا پیسنے کو دے کہ اجرت کے بدلے تہائی آٹا اس کا ہوگا، تو ناجائز ہے، اس سے مستنبط ہوتا ہے، کہ مثلاً اگر کوئی شخص کسی جولاہے کو اس شرط پر سوت دے کہ وہ اس کا کپڑا بن دے اور اجرت کے معاوضہ مین ایک تہائی کپڑا لے لے، تو یہ معاملہ ناجائز ہوگا، لیکن چونکہ بلخ مین یہ طریقہ عموماً معمول ہے، اس لئے بلخ کے فقہانے اس کے جواز کا فتویٰ دیا، اور یہ قرار دیا، کہ رواج کی بنا پر حدیث مین تخصیص کردی جائے گی، یعنی حدیث صرف آٹے کی صورت تک محدود رہے گی، علامہ کے خاص الفاظ ہین :-

و مشائخ بلخ کنصیر بن یحیی و محمد بن سلمة وغیرهما کانوا یجیزون هذه الاجارة فی الثیاب لتعامل اهل بلدهم والتعامل حجة یترك به القیاس و یخص به الاثر	اور بلخ کے اکثر مشائخ مثلاً نصیر بن یحیٰ و محمد بن سلمہ وغیرہ اس معاملہ کو کپڑے مین جائز قرار دیتے تھے، کیونکہ ان کے شہر مین یہ عام رواج تھا، اور رواج کے مقابلہ مین قیاس ترک کردیا جاتا ہے، اور حدیث مین تخصیص کرلی جاتی ہے،

ان تصریحات کے بعد کون کہہ سکتا ہے، کہ فقہ اسلامی مین ترقی، اور اقتضائے ضروریات کی موافقت کی قابلیت نہین، آج کل معاملات کے متعلق سیکڑون ہزارون

جزئیات جو پیدا ہو گئے ہین، ان کو اگر جائز یا حرام کہا جاتا ہے، تو اس بنا پر کہ ان کو کسی قدیم کلیہ کے تحت مین داخل کر لیا جاتا ہے، ورنہ یہ ظاہر ہے، کہ یہ جزئیات اس زمانے مین موجود نہ تھے، لیکن علامہ شامی نے سیکڑون روایتون کی اسناد سے ثابت کر دیا ہے، کہ عام رواج کی بنا پر کلیات کا حکم خاص کر دیا جاتا ہے،

وقفِ اولاد

وقفِ اولاد کی تحریک جو اخبارون کے ذریعہ سے عام طور پر مشتہر ہو چکی ہے، اگرچہ اس کی نسبت تمام ملک مین نہایت سرگرمی اور جوش سے موافقت اور تائید کی صدا اُٹھی لیکن بہت کم لوگون کو معلوم ہے کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ شریعت اسلامی کا کیا مسئلہ تھا؟ حکام پریوی کونسل نے اس کو کیونکر باطل کیا؟ اور کس غلط فہمی کی بنا پر باطل کیا؟ اس کے متعلق اب کیا کوشش ہو رہی ہے؟ اور کس حد تک ہو چکی ہے؟ اور آیندہ کیا کیا کرنا ہے؟

اصل یہ ہے کہ شریعت اسلام کا ایک یہ مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی جائداد کو خدا کی راہ مین فقرا اور غربا کے لئے اس طرح مخصوص کر دے کہ اصل جائداد ہمیشہ محفوظ رہیگی اور اس کا منافع فقرا و غربا کو ملتا رہیگا، تو اس معاملہ کا نام وقف ہوگا، اور وہ جائداد ہمیشہ محفوظ رہیگی، یعنی نہ فروخت ہو سکے گی نہ ہبہ ہو سکے گی، نہ وارثون کو وراثت مین مل سکے گی، البتہ اس کا منافع فقرا کو ملتا رہے گا،

وقف کی یہ صورت تمام اور مذہبون مین بھی موجود ہے، لیکن تمام اور مذاہب نے وقف کو غیرون اور بیگانون کے لئے محدود رکھا ہے،

لیکن اسلام نے اس کو اور وسعت دی ہے، اسلام نے یہ قرار دیا کہ اپنی آپ مدد کرنا، اپنی آل اور اولاد کی پرورش کرنا، انسان کا اصلی فرض ہے، اور ایسا فرض ہے جسکے ادا کرنے پر انسان کو ثواب حاصل ہوتا ہے، اس بنا پر اسلام نے وقف کو اولاد واعزہ تک وسعت دی، یعنی اگر کوئی شخص صرف اپنی اولاد پر کوئی جائداد وقف کرے تو یہ وقف

بھی جائز اور نافذ ہوگا، لیکن جب موقوفہ جائدادون کے متعلق وارثون مین نزاعین پیدا ہوئین، اور مقدمات انگریزی عدالتون مین گئے تو حکام انگریزی نے وقف کو ناجائز قرار دیا کیونکہ انگریزی خیرات (چیرٹی) کا لفظ فقرا، اور بیگانون کے لئے مخصوص ہے، اپنی اولاد کو کچھ دینا خیرات مین داخل نہین، حکام انگریزی کے سامنے وکلا نے فقہ اسلام کی مستند روایتین پیش کین، لیکن انھون نے اس پر اصرار کیا، کہ خیرات کے معنی وہی لئے جائین گے جو انگریزی قانون مین ہین، چنانچہ جسٹس ٹریولین نے ایک مقدمہ[1] کے فیصلہ مین یہ الفاظ لکھے:-

"مین لفظ خیرات کو انگریزی لفظ ہی کے مفہوم کے موافق سمجھتا ہون اور اس مفہوم کے موافق انگریزی عدالتون مین اور انگریزی ترجمون مین اس کا استعمال ہوتا ہے، مجھ سے چاہا جاتا ہے کہ مین لفظ **خیرات** کے مفہوم کو مسلمانون کے مفہوم کے موافق سمجھون یعنی ایک دوسری زبان کا لفظ استعمال کرون جس کا مفہوم اس زبان کے مفہوم کے خلاف ہو"

اس کے بعد کثرت سے مقدمات دائر ہوئے، لیکن حکام نے اپنی رائے سے تجاوز نہ کیا، ایک مقدمہ مین جو از طرف میر محمد اسمٰعیل خان بنام منشی چرن گھوش تھا، مولوی امیر علی صاحب جج بھی شریک فیصلہ تھے، انھون نے نہایت مستند حوالون سے اس مسئلہ کو ثابت کیا، یہ مقدمہ پریوی کونسل تک گیا، لیکن حکام پریوی کونسل نے وقف کو تسلیم نہین کیا، پھر متعدد مقدمات پریوی کونسل تک گئے اور حکام اسی اپنی رائے پر قایم رہے، سب سے زیادہ مفصل اور مدلل فیصلہ اس باب مین وہ ہے جو حکام نے بمقدمہ ابوالفتح محمد اسحاق بنام رسمیا چودھری ۲۳ نومبر ۱۸۹۴ء کو صادر کیا، اور جو انڈین لارپورٹ جلد ۲۲ صفحہ ۶۱ مین درج ہے،

---

[1] انڈین لارپورٹ جلد ۲ کلکتہ از صفحہ ۲۰۷،

اس فیصلہ کا اقتباس ہم اس غرض سے لکھتے ہین کہ یہ معلوم ہو کہ حکام پریوی کونسل نے کس بنا پر وقف اولاد کو ناجائز قرار دیا ہے، حکام کے نزدیک وقف اولاد کے ناجائز ہونے کی وجوہ ذیل ہین،

(۱) اپنی اولاد پر وقف کرنا کوئی ایثار نفس اور فیاضی نہین ہے، اولاد کو دینا گویا جائداد کو خود اپنے ہاتھ مین رکھنا، اور حفاظت جائداد کا بندوبست ہے، چنانچہ حکام پریوی کونسل مقدمہ مذکور مین لکھتے ہین:-

"یہ خیال کرنا مقنن اعظم (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت بیجا ہوگا، کہ مقنن موصوف نے اس کے ذریعہ سے ایسے ہبہ جات کو پسند کیا ہے، جن کے ذریعہ سے واہب نے کچھ نفس کشی نہ کی ہو، جس مین وہ ایک ہات سے اس شے کو واپس لیتا ہے، جو ظاہرا معلوم ہوتا ہے، کہ اس نے دوسرے ہاتھ سے دی، اور جو ذریعہ جمع کرنے اور ازدیاد جائداد خاندانی ہین"

(۲) شریعت اسلام مین ہبہ مشروط ناجائز ہے، مثلاً اگر کوئی شخص یون ہبہ کرے کہ میری جائداد فلان شخص کو ملے اس شرط پر کہ وہ اس کو منتقل نہ کرسکے گا، پھر اس کے مرنے پر اس کی اولاد کو ملے گی، لیکن اسی شرط پر کہ وہ اس کو منتقل نہ کرسکے گا اور اسی طرح یہ ہبہ اولاد در اولاد تک قایم رہے گا، تو یہ ہبہ ناجائز ہوگا جب اس قسم کا ہبہ ناجائز ہے تو وقف کی بھی یہی صورت ہے، وہ کیونکر جائز ہوگا، حکام پریوی کونسل کے الفاظ یہ ہین:-

"حکام ممدوح نے اثنائے بحث مین دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ از روے عام قانون اسلام کے اقل درجہ جیسا کہ ہند مین معلوم ہے سادہ ہبہ جات منجانب معمولی اشخاص کے بہ حق اولاد بعید جو ہنوز نہین پیدا ہوئی یعنی متواتر ناقابل انتقال حقوق حین حیاتی ممنوع ہین، آیا یہ تصور کرنا چاہیے کہ وہی انتقالات جو اس صورت مین ناجائز ہین جب کہ معمولی الفاظ ہبہ کے

استعمال کئے جائین جائز ہو جاتے ہین، اگر ہبہ کنندہ صرف یہ کہدے کہ وہ بطور وقف کے خدا کے نام پر خیرات کے لئے کئے گئے، ان سوالات کا کوئی جواب نہین دیا گیا، نہ جواب دینے کی کوشش کی گئی، نہ حکام عالی مقام کو کوئی جواب معلوم ہوتا ہے "

(مقدمہ ابو الفتح محمد اسحاق صفحہ انگریزی ۶۳۲)

مولوی امیر علی صاحب جج نے نہایت مفصل اور مستند طریقہ سے وقف اولاد کو ثابت کیا انھون نے وہ تمام حدیثین نقل کین جن مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنی اولاد کو دینا بھی صدقہ اور خیرات کرنا ہے، لیکن حکام پریوی کونسل کہتے ہین کہ اس قسم کی حدیثین اخلاقی باتین ہین، جو مناسب موقعون پر کہی جاتی ہین لیکن یہ کوئی قانونی اور فقہی مسئلہ نہین بن سکتا حکام موصوف کے اصلی الفاظ یہ ہین:۔

"حکام عالی مقام نے تا حد اپنی بہترین لیاقت کے متحقق اور متعلق کرنے اس شرع محمدی کے کوشش کی جو ہند مین معلوم ہے، اور جس پر وہان عمل کیا جاتا ہے، لیکن ممدوح کو یہ نہین معلوم ہوتا کہ قطعی اور (جیسا کہ حکام ممدوح کو معلوم ہوتا ہے) بیجا متعلق کرنا حد بتھاے اصولی کا جو نبی کے منہ سے سنی گئین مطابق اس قانون کے ہے، ممکن ہے کہ یہ حدیثین مناسب موقعون پر نہایت عمدہ ہون " (مقدمہ مذکور صفحہ انگریزی ۶۳۲)

مولوی امیر علی صاحب نے وقف اولاد کی جو مثالین خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کے زمانہ مین عمل مین آئی تھین، اپنے فیصلہ مین پیش کین لیکن حکام پریوی کونسل نے ان کو کافی نہ سمجھا حکام کے اصلی الفاظ یہ ہین:۔

"نسبت نظائر کے حکام عالی مقام کو بہت زیادہ مفصل حالات معلوم ہونے چاہئین قبل اس کے کہ وہ تجویز کر سکین، کہ آیا وہ متعلق بھی ہون گے، یا نہین حکام ممدوح

سنتے ہین کہ ہبہ[1] کیا گیا، اور وہ بحال رکھا گیا، لیکن بابت حالات جائداد کے اس کے سوا اور کچھ انھون نے نہین سنا کہ مقدمہ محولہ مین یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکان مذکور خاص طور پر مقدس سمجھا جاتا تھا، ان کو کچھ حال خاندان یا واقف کا معلوم نہین،،

(مقدمہ ابوالفتح صفحہ انگریزی ۱۳۶)

حاصل یہ کہ حکام پریوی کونسل کی اور انگلش قوم کی کسی طرح سمجھ مین نہین آسکتا کہ خود اپنی اولاد کو دینا، ثواب اور خیرات کا کام کیونکر ہوسکتا ہے، اور جب وہ خیرات نہین تو وقف کیونکر ہوسکتا ہے،

خان بہادر مولوی محمد یوسف صاحب وکیل کلکتہ نے اس بارہ مین نہایت قابل قدر کوشش کی، انھون نے ایک مطول رسالہ انگریزی زبان مین لکھا، اور بحیثیت پریسیڈنٹ محمڈن ایسوسی ایشن بنگال وایسرائے کی خدمت مین بھیجا، لیکن اولاً تو رسالہ نہایت طول طویل اور حشو و زواید پر مشتمل تھا، اور ایک ہی مضمون کا بار بار اعادہ کیا گیا تھا، ثانیاً وہ رسالہ پیش ایسے طریقہ سے کیا گیا کہ بجز محدود برائے نام ایسوسی ایشن کے ہندوستان کی اسلامی جماعت اور اخبارات کو خبر تک نہ ہوئی،

ثالثاً یہ قاعدہ مقررہ ہے کہ پریوی کونسل اپنے کسی فیصلہ کو منسوخ نہین کرتی، نہ اسکے فیصلہ مین وایسرائے اور گورنمنٹ کوئی مداخلت کرسکتی،

غرض وجوہ مذکورۂ بالا سے ناکامی ہوئی،

اب ہم کو کیا کرنا چاہیے، (۱) ایک وقف ایسوسی ایشن یعنی وقف کی ایک کمیٹی قائم ہو جس کے ممبر تمام اضلاع ہندوستان کے سربرآوردہ مسلمان، تعلقہ دار، زمیندار، عہدہ داران

---

[1] وقف کو ہبہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے،

سرکاری، وکلار، وغیرہ وغیرہ ہون،

(۲) ایک فتوی تمام ہندوستان کے علمار کے دستخط سے مزین ہو کر تیار کرایا جائے،

(۳) ایک رسالہ لکھا جائے جس مین احادیث اور روایات فقہیہ سے وقف اولاد کو ثابت کیا جائے،

(۴) ایک عرضداشت مرتب ہو کر تمام ہندوستان کے مسلمانون سے اس پر دستخط کرائے جائین، اور وہ مع رسالہ وفتوی مذکورۂ بالا کے حضور وایسرائے کی خدمت مین بھیجی جائے جس کا مضمون یہ ہو کہ،

تمام مسلمانان ہندوستان اس تعبیر کو خلاف قانون اسلام سمجھتے ہین جو پریوی کونسل نے وقف اولاد کے مسئلہ مین کی ہے، اس لئے

ہم مسلمانون کی درخواست ہے کہ گورنمنٹ ایک جدید قانون وقف اولاد کے متعلق حسب شریعت اسلام بنا دے، جیسا کہ ہندو بیوگان کی نسبت حضور وایسرائے نے ہندوٗن کی درخواست پر ایک قانون موسومہ قانون نکاح بیوگان بنا دیا ہے،

غرض جب تک تمام مسلمانون کی متفقہ آواز سے گورنمنٹ پر یہ نہ ثابت ہوگا کہ پریوی کونسل کا فیصلہ، مسلمانون کے مذہب اور شریعت کے خلاف ہے اس بارہ مین کچھ کامیابی نہین ہو سکتی،

رسالہ کا مسودہ الندوہ مین اطلاع عام کیلئے شایع کیا جاتا ہے، اور اس پر جو حضرات کسی قسم کی رائے دینا چاہین، خاکسار کو تحریر فرمائین، یہ رسالہ تمام علما کی خدمت مین منظوری کے لئے مرسل ہوگا، اور ان کے دستخط اس پر ثبت کرائے جائین گے،

چونکہ انگریزی عدالتون نے بالعموم وقف علی الاولاد کو جو شریعت اسلام کا ایک مسلّمہ مسئلہ ہے متعدد فیصلون کے ذریعہ سے ناجائز اور باطل قرار دیدیا ہے، اور یہ ظاہر کیا ہے کہ خود اسلامی شریعت مین یہ مسئلہ ناجائز ہے اس لئے یہ رسالہ تحریر کیا جاتا ہے، جس سے دو امر ظاہر کرنا مقصود ہے،

(۱) اولاد پر جائداد کا وقف کرنا، حدیث اور فقہ، دونون سے ثابت ہے، اور مسلمانون کے تمام فرقے اس مین متفق الرائے ہین،

(۲) حکام انگریزی بالخصوص پریوی کونسل نے کس بنا پر، اس مسئلہ کے سمجھنے مین غلطی کی ہے،

وقف اولاد کا مسئلہ اصول مفصلۂ ذیل پر مبنی ہے،

پہلا اصول، شریعت اسلامی مین خیرات اور صدقہ غیرون پر محدود نہین بلکہ خود اپنے اہل وعیال کو دینا بھی صدقہ اور خیرات (چیرٹی) ہے،

قرآن مجید مین ہے،

لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من آمن باللہ والیوم الآخر والملئکۃ والکتب والنبیین وآتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب (سورہ بقرہ رکوع ۲۲)	یہ نیکی نہین ہے کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو لیکن نیکی یہ ہے کہ جو شخص خدا پر اور قیامت پر اور فرشتون پر اور کتاب پر، اور انبیا پر ایمان لائے، اور خدا کی محبت مین اپنا مال رشتہ دارون کو، اور یتیمون کو، اور مسکینون کو اور مسافر کو اور سائل کو اور آزاد کرنے کے لئے دے،

ایک اور آیت مین ہے:-

یسئلونک ماذا ینفقون، قل ما انفقتم	لوگ تجھ سے پوچھتے ہین کہ کیا خیرات کرین، کہہ دے
من خیر فللوالدین والاقربین والیتامیٰ	کہ جو خیرات کرو تو والدین کو دو، اور رشتہ دارون
والمسٰکین وابن السبیل،	کو اور یتیمون کو اور مسکینون کو اور مسافرون کو،

قرآن مجید کی یہ آیت جب نازل ہوئی،

لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون،	تم ثواب نہین پا سکتے جب تک اس چیز مین سے خیرات نہ کرو
	جو تم کو محبوب ہے،

تو ابوطلحہؓ آنحضرت صلعم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ صلعم خدا کہتا ہے کہ جب تک محبوب چیز خیرات نہ کرو نیکی نہ ملے گی، تو مجھ کو اپنی تمام جائداد ون مین سے بیرحا بہت زیادہ محبوب ہے، مین اس کو صدقہ دینا چاہتا ہون، آنحضرت صلعم نے فرمایا تو بہتر یہ ہے کہ اپنے عزیزون پر صدقہ کرو، چنانچہ ابوطلحہؓ نے یہ جائداد اپنے اقارب اور خاص اپنے چچازاد بھائیون پر صدقہ کی، یہ حدیث صحیح بخاری مین ہے جو قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ مستند کتاب ہے،

اصل الفاظ بخاری کے یہ ہین:-

قال انس فلما نزلت لن تنالوا البر	انسؓ کا بیان ہے کہ جب قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی
حتیٰ تنفقوا مما تحبون قام ابوطلحہ فقال	کہ تم کو ثواب نہ حاصل ہوگا جب تک تم اپنا محبوب مال
یا رسول اللہ ان اللہ یقول لن تنالوا	خیرات نہ کرو، تو ابوطلحہؓ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہؐ
البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون وان احب اموالی	خدا یہ کہتا ہے اور مجھ کو سب سے زیادہ عزیز میری بیرحاء
الی بیرحاء وانها صدقة لله ارجو برها	کی جائداد ہے، تو وہ خدا کی راہ مین صدقہ ہے،
وذخرها عند الله فضعها حیث اراک	مین اس کے ثواب کا اور خدا کے ہان ذخیرہ ہونے کا
الله فقال بخ ذلک مال رابح اورابح	امیدوار ہون تو آپ اسکو جس طرح چاہئے صرف

شاث ابن سلمة وقد سمعت ما قلت وانی اری ان تجعلها فی الاقربین (بخاری باب الوقف)

کیجئے آنحضرت صلعم نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو بکار آمد جائداد ہے، (یا چلتی ہوئی چیز ہے) ابن سلمہ کو شک ہے کہ ان دو لفظوں میں سے آنحضرت صلعم نے کیا فرمایا تھا میں نے سنا جو تم نے کہا، اور میری راے ہے کہ تم اس جائداد کو عزیزوں پر وقف کرو، (بخاری باب الوقف)

صحیح مسلم میں ہے،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دینار انفقتہ فی سبیل اللہ ودینار انفقتہ فی رقبۃ دینار تصدقت بہ علی مسکین ودینار انفقتہ علی اہلک اعظمہا اجرا الذی انفقتہ علی اہلک (صحیح مسلم کتاب الزکوۃ والصلہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو روپیہ تم نے خدا کی راہ میں صرف کیا، اور کسی گرفتار کے چھڑانے میں صرف کیا، اور جو مسکین پر صرف کیا اور جو اپنی بیوی بچہ پر صرف کیا، ان میں خدا کے ہاں سب سے زیادہ جس پر اجر ملے گا، وہ وہ ہے، جو بال بچہ پر تم نے صرف کیا، (صحیح مسلم کتاب الزکوۃ)

صحیح بخاری میں ہے،

خیر الصدقۃ ما کان عن ظہر غنی وابدء بمن تعول (مشکوۃ)

اچھی خیرات وہ ہے، جو اہل وعیال کے خرچ سے فارغ ہو کر کیجائے، اور شروع عیال سے کرو،

بخاری ومسلم میں ہے،

عن ام سلمۃ قال قلت یا رسول اللہ لی اجر ان انفق علی بنی ابی سلمۃ انما ہم بنی فقال انفقی علیہم فلک اجر ما انفقت

ام سلمہ کہتی ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ اگر میں ابو سلمہ کے بیٹوں پر صرف کروں تو کیا مجھ کو کچھ ثواب ملیگا وہ تو میرے بیٹے ہی ہیں، آپ نے فرمایا ہاں ان

علیهم　　　　صرف کرو، تم کو اس کا ثواب ملے گا،

بخاری اور مسلم مین ہے کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کی بیوی زینب کہتی ہین کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا اے بی بیو خیرات دو، گو اپنے زیور ہی سے سہی، یہ سنکر مین اپنے شوہر کے پاس گئی، اور کہا کہ تم مفلس آدمی ہو، اور رسول اللہ صلعم نے ہم لوگون کو خیرات کرنے کا حکم دیا ہے، تو تم جا کر آنحضرت صلعم سے پوچھو کہ تم کو دینا خیرات مین داخل ہے، یا نہین؟ اگر نہ ہو تو مین اورون کو خیرات دون، عبد اللہ نے کہا نہین تم ہی جاؤ، زینب گئین، اتفاق سے دروازہ پر ایک اور بیوی ملین اور ان کو بھی یہی پوچھنا تھا، اتنے مین بلالؓ باہر نکلے، مین نے بلالؓ سے کہا جا کر آنحضرت صلعم سے پوچھو کہ دو عورتین یہ پوچھ رہی ہین کہ اگر وہ اپنے شوہر کو اور یتیمون کو جو ان کے زیر تربیت ہین خیرات دین تو یہ خیرات مین داخل ہوگا یا نہین، زینب نے یہ بھی کہدیا کہ ہمارا نام نہ بتانا، بلالؓ نے جا کر پوچھا، آنحضرت صلعم نے عورتون کا نام پوچھا، بلالؓ نے کہا ایک زینب ہین، اور ایک انصاری عورت ہے، آنحضرت صلعم نے فرمایا کون سی زینب؟ بلالؓ نے کہا عبد اللہ کی بیوی، آپ نے فرمایا، ان کو دو ثواب ہون گے، ایک رشتہ کا اور ایک خیرات کا، (یہ صحیح مسلم کے الفاظ کا ترجمہ ہے،)

صحیح ترمذی اور ابن ماجہ اور نسائی مین ہے،

الصدقة علی المسکین صدقة وهی　　مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہے، اور قرابتدار علی ذی الرحم ثنتان صدقة وصلة　　کو دینا صدقہ بھی ہے، اور صلہ رحم بھی،

بخاری اور مسلم مین ہے،

اذ انفق المسلم نفقة علی اهله وهو　　جب مسلمان اپنے بال بچون پر صرف کرتا ہے، اور ثواب

یحتسبھا کانت لہ صدقۃ　　　سمجھ کر کرتا ہے تو یہ خیرات ہے،

ان تمام احادیث سے ثابت ہے کہ اسلام کا یہ اصول ہے کہ خیرات اور صدقہ جس طرح غیر لوگون کو دینا ثواب ہے، اسی طرح اپنی اولاد عزیز اور اقارب کو دینا بھی ثواب ہے، اسلام کا اصول یہ ہے کہ اپنے بال بچے بھی عام سوسائٹی کے افراد ہین اس لئے ان کی مدد کرنا بھی بنی نوع انسان کی مدد کرنا ہے، اور اس لئے ثواب ہے، انگریزی مین بھی مثل ہے کہ خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے،

دوسرا اصول اسلام نے خیرات کے دو طریقے قرار دیئے ہین، ایک یہ کہ اصل چیز خیرات مین دیدی جائے، دوسرے یہ کہ اصل چیز محفوظ رہے، اور اس کا منافع یا آمدنی خیرات مین صرف ہوتی رہے، اس دوسری قسم کا نام وقف ہے،

وقف کا یہ حکم ہے کہ اصل شے نہ کسی کی ملک ہو سکتی، نہ فروخت ہو سکتی، نہ منتقل ہو سکتی وقف کی یہ حقیقت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرما دی تھی حضرت عمرؓ کو خیبر مین ایک نخلستان ہات آیا، انھون نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا کہ مین خیرات کرنا چاہتا ہون، کس طریقہ سے کرون آپ نے فرمایا اصل محفوظ رہے، یعنی نہ بک سکے، نہ ہبہ ہو سکے، نہ اس مین وراثت جاری ہو،

یہ واقعہ بخاری مین متعدد طریقون سے بالتفصیل مذکور ہے، آنحضرت صلعم کے الفاظ یہ ہین :-

تصدق باصلہ لا یباع ولا یوھب　　اصل کو اس طرح خیرات مین دو کہ وہ نہ بک سکے نہ ہبہ
ولا یورث ولکن ینفق ثمرہ　　کیا جا سکے نہ اسمین وراثت جاری ہو، بلکہ اس کا پھل لوگون کو ملا کرے،

اگرچہ یہ وقف، غربا اور مسافرون اور مہمانون وغیرہ کے لئے مخصوص تھا تاہم رشتہ دار

اور قرابت دار بھی اس مین داخل تھے، چنانچہ بخاری کے یہ الفاظ ہین،

فی الفقراء و القربی و فی الرقاب و فی سبیل اللہ و الضیف و ابن السبیل،

تیسرا اصول، فقہ اسلام کا تمام تر مدار نیت پر ہے یعنی ایک ہی چیز کسی شخص کو دوستانہ

یا ہبہ کی نیت سے دیجائے تو اس کے اور احکام ہون گے اور اگر یہ نیت کر لیجائے کہ خدا

کی راہ مین دیگئی، تو اس کے احکام بالکل بدل جائین گے، مثلاً ایسی چیز کا دینا سیدون

اور دولتمندون کو ناجائز ہوگا، حالانکہ ہبہ کرنا ہر شخص کے لئے جائز ہے،

وقف کا مسئلہ انھین اصول مذکورۂ بالا کی بنیاد پر ہے، چنانچہ خود آنحضرت صلعم کے

زمانہ مین اس قسم کے وقفون کی بنیاد پڑی، اور اس وقت سے آج تک یہ سلسلہ برابر

قایم رہا،

صحابہؓ نے اولاد پر وقف کیا تھا، فتح القدیر حاشیہ ہدایہ مین یہ سند نقل کیا ہے،

ان الزبیر بن العوام وقف داراً لہ | زبیر بن عوامؓ نے اپنا ایک مکان اپنی مطلقہ لڑکیون

علی المردودۃ من بناتہ | پر وقف کیا،

فتح القدیر[1] مین حاکم کی سند سے روایت ہے کہ ابتداے اسلام مین آنحضرت صلعم

جس مکان مین رہتے تھے، اور جو صفا کے پاس تھا، اس کو اس کے مالک ارقم نے اپنے

بیٹون پر وقف کر دیا تھا، وقف نامہ کے الفاظ یہ تھے،

بسم اللہ الرحمن الرحیم ھذا ما قضی الارقم | یہ وہ وقف ہے جو ارقم نے قائم کیا ×× وہ نہ بیچا

××× لاتباع ولا تورث | جائیگا نہ اس مین وراثت جاری ہوگی،

اسی فتح القدیر مین بیہقی کی کتاب الخلافیات سے نقل کیا ہے،

[1] فتح القدیر ہدایہ کی شرح ہے اور نہایت معتبر کتاب ہے،

تصدق ابو بكر بداره بمكة على ولده فهي الى اليوم ** وتصدق سعد بن ابي وقاص بداره بالمدينة وبداره بمصر على ولده فذلك الى اليوم ** وعمرو بن العاص بالوهط من الطائف ودار بمكة والمدينة على ولده فذلك الى اليوم[1]

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے مکان کو جو مکہ مین تھا، اپنی اولاد پر وقف کیا چنانچہ وہ اب تک قایم ہے ** سعد بن ابی وقاص نے اپنے مدینہ کے مکان کو اور مصر کے مکان کو اپنے بیٹون پر وقف کیا جو ابتک قائم ہے، ** عمرو بن العاصؓ نے طائف اور مکہ اور مدینہ کے مکانات کو وقف کیا چنانچہ وہ اب تک قایم ہے،

عینی شرح ہدایہ مین ہے،۔

وفي الخلافيات للبيهقي قال ابو بكر عبد الله بن الزبير الحميدي تصدق ابو بكر بداره بمكة على ولده فهي الى اليوم وتصدق عمر بربعة عند المروة بالاستة على ولده فهي الى اليوم وتصدق علي رضي الله عنه بارضه وداره بمصر باموالة بالمدينة على ولده فذلك الى اليوم وتصدق سعد بن ابي وقاص رضي الله عنه بربعة عند المروة وبداره بالمدينة وبداره بمصر

بیہقی نے خلافیات مین لکھا ہے کہ ابوبکر عبد اللہ بن الزبیر حمیدی نے کہا کہ حضرت ابوبکر نے اپنے مکان کو جو مکہ مین تھا اپنے بیٹون پر صدقہ کیا، اور وہ ابتک ہے، اور حضرت عمرؓ نے ایک جائداد کو جو مروہ مین تھی مع آلات کے اپنے بیٹون پر وقف کیا، سو وہ ابتک ہے، اور حضرت علیؓ نے مصر کے مکان اور آراضی اور مدینہ کی جائداد کو اپنی اولاد پر وقف کیا جو ابتک موجود ہے، اور سعد بن ابی وقاص نے مروہ کے پاس ایک جائداد کو اور مدینہ اور مصر کے مکانات کو اپنی اولاد پر وقف کیا، تو وہ ابتک

[1] یہ سب عبارتین فتح القدیر کے صفحہ ۴۴۱ جلد دوم مطبوعہ نولکشور لکھنؤ مین ہین،

علی ولدہ فذالک الی الیوم — قائم ہے،

(عینی جلد دوم صفحہ ۹۹۳) — (عینی شرح ہدایہ جلد دوم صفحہ ۹۹۳ مطبوعہ لکھنو)

صحیح بخاری مین ہے، باب الوقف مین،

وتصدق الزبیر بدورہ وقال للمردودۃ من بناتی ان تسکن — اور زبیرؓ نے اپنے مکانات اپنی ان لڑکیون پر وقف کیے جو مطلقہ ہون،

وجعل ابن عمر نصیبہ من دار عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سکنی لذوی الحاجۃ من آل عبد اللہ، — اور عبد اللہ بن عمرؓ نے اپنا وہ حصہ جو حضرت عمرؓ کی جائداد سے ملا تھا، اپنی محتاج اولاد پر وقف کیا،

جن بزرگون نے یہ وقف کئے تھے یعنی ارقمؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ سعدؓ بن ابی وقاصؓ عمرو بن العاصؓ، زبیرؓ حضرت علیؓ، عبد اللہ بن عمروؓ، یہ سب آنحضرت صلعم کے مشہور اصحاب ہین، تعجب ہے کہ باوجود اس کے حکام پریوی کونسل[1] کہتے ہین کہ "جو نظائر پیش کئے گئے ہین وہ مبہم اور زیادہ تعیین طلب ہین، اور ہم کو ان وقف کرنے والون کا حال معلوم نہین" جن بزرگون کے نام اوپر گذرے، اسلام کی تاریخ مین ان سے زیادہ کوئی نام آور نہین، جو جائدادین وقف کین ان کے موقعے اور پتے بتادیئے گئے ہین، اور چوتھی صدی ہجری تک کے محدثین نے لکھا کہ آج تک یہ اوقاف قائم ہین،

فقہ مین وقف اولاد، | اسی بنا پر فقہ مین وقف اولاد کا خاص باب ہے، اور اس کے متعلق ہر قسم کے تفصیلی احکام درج ہین،

فتاویٰ قاضی خان مین جو نہایت معتبر کتاب فقہ حنفی کی ہے، لکھا ہے،

[1] اس فیصلہ پریوی کونسل کا حوالہ آگے آئیگا،

رجل قال ارضی هذه صدقة	ایک شخص نے کہا میری یہ زمین میری اولاد پر
موقوفة علی ولدی کانت الغلة لولد	صدقہ اور وقف ہے، تو زمین کا محاصل صلبی
صلبه یستوی فیه الذکر والانثیٰ،	اولاد کو ملے گا، اس مین مرد عورت سب برابر ہونگے
××× واذا جاز هذه الوقف فمادام	××× اور جب یہ وقف جائز ہوا تو جب تک
یوجد واحد من ولد الصلب کانت	ایک شخص بھی صلبی اولاد سے موجود رہے گا منافع
الغلة له لا غیره وان لم یبق واحد	اسی کو ملے گا، اور کسی کو نہین، اور اگر پہلی پشت کا
من البطن الاول تصرف الغلة	کوئی شخص موجود نہ رہجائے تو فقیرون کو
الی الفقراء (قاضیخان فصل فی الوقف علی الاولاد)	ملے گا،

فتاوی عالمگیری باب الوقف مین ہے:-

وان قال علی ولدی وولد ولدی	اور اگر کہا کہ جائداد میری اولاد اور اولاد اولاد
وولد ولدی ذکر البطن الثالث فانه	اور ان کی اولاد اولاد یعنی تیسری پشت کا
تصرف الغلة الی اولاده ابداً ماتناسلوا	بھی ذکر کیا، تو جائداد کا منافع ہمیشہ خاندان
لا تصرف الی الفقراء مابقی احد یکون	کو ملتا رہیگا، جب تک اولاد کی نسل چلتی رہے،
الوقف علیهم وعلی من اسفل منهم	اور فقیرون کو کچھ نہین ملے گا جب تک خاندان
الاقرب والابعد فیهم سواء،	مین ایک شخص بھی باقی رہے گا، اس کو اور اس کے
(کتاب الوقف عالمگیری الفصل الثانی	نیچے والون کو منافع ملے گا، قریب اور بعید اسمین
فی الوقف علی نفسه واولاده ونسله)	سب برابر ہون گے،

درمختار مین ہے،

ولو زاد البطن الثالث عم نسله و	اور اگر تیسری پشت کو بھی اضافہ کیا تو تمام

ولیستوی الاقرب والابعد (در مختار فصل فیما یتعلق بوقف الاولاد) | نسل کو عام ہوگا، قریب و بعید سب شامل ہون گے،

چونکہ یہ مسئلہ بلا اختلاف تمام فقہانے تصریحاً لکھا ہے، اس لئے زیادہ عبارتین ہم نے نقل نہین کین،

مفتی بہ قاضی ابو یوسف اور امام محمدؒ کی راے ہے، | اس موقع پر بطور ایک واقعہ کے یہ ظاہر کردینا بھی ضرور ہے کہ وقف کے احکام جو بیان ہوئے، وہ قاضی ابو یوسف اور امام محمدؒ اور تمام دیگر فقہار کی راے کے موافق ہین، امام ابو حنیفہ سرے سے وقف کے قائل نہین یعنی ان کے نزدیک وقف مین واقف کی ملکیت ساقط نہین ہوتی، اور واقف جب چاہے وقف سے رجوع کرسکتا ہے، لیکن تمام فقہانے تصریح کی ہے، کہ امام ابو حنیفہ کے قول پر فتوی نہین ہے، بلکہ قاضی ابو یوسف صاحب اور امام محمد صاحب کے قول پر فتوی ہے،

فتاوے عالمگیری مین ہے:۔

وفی العیون والیتیمۃ ان الفتوی علی قولھما، | اور عیون اور یتیمہ (کتابون کا نام ہے) مین ہے کہ فتوی دونون صاحبون (قاضی ابو یوسف وامام محمدؒ) کے قول پر ہے

فتاوی قاضی خان مین ہے،

والناس لم یاخذوا بقول ابی حنیفۃ فی ھذا للآثار المشھورۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والصحابۃ، | اور لوگون نے اس بارہ مین ابو حنیفہؒ کے قول کو اختیار نہین کیا بوجہ ان مشہور روایتون کے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے مروی ہین،

درمختار مین ہے،

فلا يجوز له ابطاله ولا يورث عنه
وعليه الفتوى،

فتح القدير[1] حاشیہ ہدایہ مین ہے،

والحق ترجيح قول عامة العلماء
بلزومه لان الاحاديث والآثار
متظافرة على ذلك قولا كما صح من قوله
عليه الصلوة والسلام لا يباع ولا يورث الخ
وتكرر هذا في احاديث كثيرة واستمر
عمل الامة من الصحابة والتابعين
ومن بعدهم على ذلك اولها صدقة
رسول الله
ثم صدقة ابي بكر ثم عمر وعثمان
وعلي والزبير ومعاذ بن جبل وزيد
بن ثابت وعائشه واسماء اختها و
ام سلمه وام حبيبه وصفيه بنت حيي
وسعد بن ابي وقاص وخالد بن الوليد
وجابر بن عبد الله وعقبه بن عامر
ابي اروى الدوسي وعبد الله بن الزبير

تو وقف کرنیوالے کو وقف کا باطل کرنا جائز نہین، اور نہ
شے موقوفہ مین وراثت جاری ہو سکتی ہو اور اسی پر فتوی ہے

اور حق یہ ہو کہ عام علما جو وقف کے لازم ہونیکے قائل ہین،
انھی کے قول کو ترجیح ہو کیونکہ حدیثین ور روایتین ایسی
دیے ہین جیسا کہ آنحضرت صلعم کا یہ قول صحیح طور سے ثابت ہو کہ جائداد
موقوفہ نہ فروخت ہو سکیگی، نہ اسمین وراثت جاری ہوگی،
اور متعدد حدیثون مین ایسا آیا ہے، اور تمام امت
محمدیہ کا صحابہ سے لے کر تابعین اور ما بعد کے لوگون
کا اس پر عمل رہا، پہلا **وقف** خود آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے کیا،
پھر ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، زبیرؓ،
معاذ بن جبلؓ، زید بن ثابتؓ، عائشہؓ اور انکی
بہن اسماءؓ، اور ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ اور صفیہؓ
بنت حیی، اور سعد بن ابی وقاصؓ، اور خالدؓ
بن الولید، اور جابر بن عبد اللہؓ، اور عقبہؓ
بن عامر، اور ابی اروی الدوسی، اور عبد اللہؓ
بن الزبیرؓ ان سب نے وقف کیا، یہ سب

[1] فتح القدیر مطبوعہ لکھنؤ جلد ۲ صفحہ ٨٣٠،

رضی اللہ عنہم کل ھولاء من الصحابۃ ثم التابعین	لوگ صحابہ ہین ہین اور انکے مابعد کے لوگون کا یہ عمل رہا
بعدھم کلھا بروایات وتوارث الناس اجمعون ذلک،	اور تمام لوگ اس کو کرتے آئے ہین،

بحر الرائق شرح کنز الدقایق مصنفہ علامہ ابن نجیم مین ہے،

وقد اکثر الخصاف من الاستدلال لھما	اور خصاف نے قاضی ابو یوسف اور امام محمد کے
بوقوف النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ	مذہب کے موافق بہت سے وقفون سے استدلال کیا جو
رضی اللہ عنہم وقد کان ابو یوسف	آنحضرت صلعم نے اور صحابہ نے وقف کئے پہلے قاضی
مع الامام حتی حج مع الرشید و	ابو یوسف بھی امام ابوحنیفہ کے ہم خیال تھے لیکن جب
رای وقوف الصحابۃ رضی اللہ عنہم	انھون نے ہارون الرشید کیساتھ حج کیا، اور مدینہ میں جا کر
بالمدینۃ ونواحیھا فرجع وافتی	وہان اور اسکے اطراف مین صحابہ کے اوقاف دیکھے
بلزومہ ولقد استبعد محمد قول	تو انکی رائے بدل گئی اور فتوی دیا کہ وقف لازم ہے، اور
ابی حنیفۃ فی الکتاب لھذا وسماہ	امام محمدؒ نے اپنی کتاب مین امام ابوحنیفہ کے قول پر بہت
تحکما علی الناس[1]،	تعجب کیا ہی، اور کہا ہی کہ یہ زبردستی ہی،

پریوی کونسل کے شبہات کا جواب

اصول ہاے مذکورۂ بالا کے بیان کرنے کے بعد ہم پریوی کونسل کے ان شبہات کی طرف متوجہ ہوتے ہین جنکی بنا پر انھون نے وقف اولاد کو ناجائز سمجھا ہی،

جناب مولوی امیر علی صاحب جسٹس نے اپنے فیصلہ مندرجہ انڈین لا رپورٹ سلسلہ کلکتہ جلد ۲۰ صفحہ ۱۴۰ مین متعدد روایتین وقف اولاد کے جائز ہونے کے متعلق نقل کی تھین لیکن حکام پریوی کونسل نے ان کے متعلق یہ لکھا ہے :۔

[1] بحر الرائق مطبوعہ مصر طبع اول مطبع علمیۃ صفحہ ۲۰۹،

"راے اس مقنن ذی علم شرع محمدؐی کی جیساکہ حکام عالیمقام سمجھتے ہین ایسے اقوال پر مبنی ہے جو اصول ذہنی تھے، اور ایسے نظائر پر جو بہت غیر مکمل طور پر بیان کئے گئے ہین، مثلاً حاکم موصوف نے حوالہ ایک نصیحت خود پیغمبر یعنی محمدؐ کا دیا ہے، جس کا یہ مضمون ہے کہ نیکی کی راہ سے دینا اپنے خاندان کو اس غرض سے کہ وہ محتاج نہ ہون زیادہ تر کار ثواب بہ نسبت فقرا کے ہے" نہایت اعلیٰ صدقہ وہ ہے کہ جو کوئی شخص اپنے خاندان کو دے" اور بطور نظیر کے حاکم موصوف نے ذکر ہبہ ایک مکان کا کیا ہے، کہ جو وقف یا صدقہ مین دیدیا گیا تھا اور جس کی آمدنی اولادیمی ارکانِ واہب کو عطا کی گئی تھی"، حاکم موصوف کی دیگر قدیم اسناد اسی قسم کی ہین،

نسبت نظائر کے حکام عالیمقام کو بہت زیادہ مفصل حالات معلوم ہونے چاہئین قبل اس کے کہ وہ یہ تجویز کرسکین کہ آیا وہ متعلق بھی ہونگے یا نہین، حکام ممدوح سنتے ہین کہ ہبہ کیا گیا اور وہ بحال رکھا گیا، لیکن بابت حالات جائداد کے سوا اس کے اور کچھ انھون نے نہین سنا کہ مقدمہ محولہ مین یہ معلوم ہوتا ہے کہ مکان مذکور خاص طور پر مقدس سمجھا جاتا تھا، ان کو کچھ حال خاندان یا واقف کا نہین معلوم"

نسبت ان حدیثون کے جو بطور اصلی اصول شرع محمدؐی کے بیان کی گئی ہین، واضح ہو کہ حکام عالیمقام نے یہ امر فراموش نہین کیا کہ کس حد تک شرع اور مذہب فرقہ ہاے اہلِ اسلام مین باہم مخلوط ہین، لیکن حکام ممدوح نے اثناے بحث مین دریافت کیا کہ کیا وجہ ہے کہ از روے عام قانون اسلام کے اقل درجہ جیسا کہ ہند مین معلوم ہوتا ہے، سادہ ہبہ جات بجانب معمولی اشخاص کے بحق بعید اولاد کے جو ہنوز پیدا نہین ہوئی یعنی متواتر ناقابل انتقال حقوق حین حیاتی ممنوع ہین، اور آیا یہ تصور

کرنا چاہئے کہ وہی انتقالات جو اس صورت مین ناجائز ہین جب کہ معمولی الفاظ ہبہ کے استعمال کئے جائین، جائز ہوجاتے ہین، اگر صرف ہبہ کنندہ یہ کہدے کہ وہ بطور وقف کے خدا کے نام پر یا واسطے غربا کئے گئے، ان سوالات کا کوئی جواب نہین دیا گیا، نہ جواب دینے کی کوشش کی گئی نہ حکام عالیمقام کو کوئی جواب معلوم ہوتا ہے"

یہ صحیح ہے کہ واہب کا حق قطعی جائداد مذکور مین کم ہوجاتا ہے، اور حق حین حیاتی رہجاتا ہے، یعنی وقف نامہ کی وجہ سے وہ متولی یا مہتمم تصور کیا جاتا ہے، لیکن وہ اس حیثیت مین تاحیات رہتا ہے، اس کو اختیار ہے کہ آمدنی کو مطابق اپنی مرضی کے صرف کرے اور کوئی اس سے حساب نہ طلب کریگا، اس قدر تبدیلی حالت ملکیت مین بالکل مطابق اس تدبیر کے ہے، کہ خاندان مین مداومت قائم کیجائے اور بلاشک واسطے فوراً تکمیل ایسے ارادہ کے ضروری ہے،

حکام عالیمقام نے تاحد اپنی بہترین لیاقت کے تحقق اور معلوم کرنے اس شرع محمدی کی کوشش کی، جو ہند مین معلوم ہے، اور جس پر وہان عمل کیا جاتا ہے، لیکن حکام ممدوح کو یہ نہین معلوم ہوتا کہ قطعی اور جیسا کہ حکام ممدوح کو معلوم ہوتا ہے بیجا تعلق کرنا حدیثہا اصولی کا جو نبی کے منہ سے سنی گئین، مطابق اس قانون کے ہے، ممکن ہے کہ یہ حدیثین مناسب موقع پر نہایت عمدہ ہون، جہان تک کہ حکام عالیمقام کو معلوم ہے، ممکن ہے کہ ان حدیثون کا یہ اثر ہو کہ ان سے قاعدہ اور دستور وقف کی ترمیم ہوئی جیسا کہ جج ذیعلم نے تحریر کیا ہے کہ انکی یہ تاثیر تھی،

لیکن یہ خیال کرنا مقنن اعظم (محمد رسول اللہ صلعم) کی نسبت بیجا ہوگا، کہ مقنن موصوف نے اس کے ذریعہ سے ایسے ہبہ جات کو پسند کیا ہے، جن کے ذریعہ سے واہب نے کچھ نفس کشی

نہ کی ہو جسمین وہ ایک ہاتھ سے اس شے کو واپس لیتا ہے، جو ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ اسنے دوسرے ہاتھ سے دی، اور جو ذریعہ جمع کرنے آمدنی اور ازدیاد جائداد خاندان ہین اور جنکی رو سے وہ اشخاص جو مہمان ہون موسوم کیے گئے ہین مطالبہ حساب سے بہ احتیاط محفوظ رکھے گئے ہین[1]"

عبارت مذکورۂ بالا سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جن اسباب سے پریوی کونسل نے وقف علی الاولاد کے مسئلہ کو ناجائز قرار دیا ہے، حسب ذیل ہین:-

(۱) اپنی اولاد کو دینا، ثواب اور خیرات کا کام کیونکر ہو سکتا ہے"، اس کے متعلق ہم پہلے اصول مین بہ تفصیل لکھ آئے ہین کہ اسلام نے اولاد اور خاندان کی پرورش کو ثواب کا کام قرار دیا ہے، اور عقل بھی اس کی مقتضی ہے کہ یہ ثواب کا کام قرار دیا جائے،

(۲) وقف اولاد کے متعلق شارع اسلام سے جو روایتین منقول ہین، اور جنکا تذکرہ مولوی امیر علی صاحب جسٹس نے اپنے فیصلہ مین کیا ہے، وہ مبہم اور زیادہ توضیح اور ثبوت طلب ہین، لیکن ہم نے صحابہ کے وقف اولاد کے متعلق تفصیلی روایتین مع حوالون کے نقل کر دی ہین،

(۳) شریعت اسلام نے ہبہ مشروط، اور ہبہ حین حیاتی، اور ہبہ ناقابل انتقال کو ناجائز قرار دیا ہے، یعنی اگر کوئی شخص کوئی جائداد اس طرح ہبہ کرنا چاہے کہ موہوب لہ صرف اپنی زندگی تک اس سے متمتع ہو سکے اس کے بعد اس کی اولاد اور اولاد اولاد کو اسی طرح حین حیاتی حق حاصل ہوتا رہے، تو یہ ہبہ فقہ اسلام کی رو سے ناجائز ہوگا"

---

[1] دیکھو مقدمہ ابوالفتح محمد اسحاق وغیرہ مدعیان بنام راس مایا دھر چودھری وغیرہ مدعا علیہم مندرجہ جلد ۲۲ ترجمہ انڈین لا رپورٹ مطبوعہ جولائی ۱۸۹۵ء سلسلہ کلکتہ مطبع نظائر قانون ہند مندرجہ صفحہ کتاب انگریزی از صفحہ ۶۱۹ تا ۶۳۳

جب یہ مسلم ہے تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہی طریقہ انتقال صرف اس وجہ سے جائز ہو جائے
کہ ہبہ کے بجائے اس کو وقف کہدیا جائے کیا لفظ کے بدلنے سے حقیقت بدل جاتی ہے
لیکن یہ شبہہ بھی صحیح نہین ہے، ہبہ اور وقف بالکل مختلف چیزین ہین، اور ان کے
احکام بالکل مختلف ہین، ہم اوپر بیان کر آئے ہین کہ شریعت اسلام مین احکام کا مدار
نیت پر ہے، اگر ایک شخص کوئی چیز کسی کو ہبۃً دینا چاہے، تو بلا کسی قید کے دیسکتا ہے'
لیکن اگر اسی کا نام وہ زکوٰۃ رکھدے جو خیرات کی ایک قسم ہے، تو بہت سی شرطین
لازم ہو جائینگی، مثلاً یہ کہ جس کو وہ چیز دیجائے وہ دولتمند نہ ہو، پیغمبر کے خاندان سے
نہ ہو، کھانے کمانے کے قابل نہ ہو،

فقہ اسلام مین ہبہ اس کا نام ہے کہ کوئی چیز کسی شخص کو قطعاً دیدیجائے کہ وہ
جو چاہے کرے، اس صورت مین چونکہ یہ احتمال ہے کہ موہوب لہ اس کو جائز یا ناجائز
طور پر بالکل صرف کر ڈالے اور اس سے کوئی مستقل اور مستمرہ مدد کسی کو حاصل نہ ہو
اس لئے یہ کوئی ثواب کا کام نہین قرار دیا گیا، بخلاف اس کے وقف کے یہ معنی ہین کہ
مستقل اور مستمر طور پر ایک گروہ کی پرورش اور بقاے زندگی کا سامان کیا جائے،
اس طرح کہ یہ ذریعہ معاش کوئی شخص منقطع نہ کرنے پائے، اس لئے ایسی تدبیر جس سے
ایک گروہ انسانی کی پرورش کا ایک مستقل اور پائدار سلسلہ قایم ہو، اور باقی رہے'
یقیناً بنی نوع انسان کی بھلائی کا کام ہے، اور داخل ثواب ہے،

وقف مین موقوف لہ بہت سے شرائط کا پابند ہے، وہ جائداد کو منتقل نہین
کرسکتا، جائداد کے منافع کو بیجا نہین صرف کرسکتا، جو مصارف وقف مین متعین ہو چکے
ہین، ان مین ادل بدل اور تغیر نہین کرسکتا، اگر موقوف لہ وقف کا بیجا استعمال کرے

تو ہر مسلمان کو حق حاصل ہے کہ عدالت مین اس پر دعوی کرے اور قاضی اس کو تمام ایسے تصرفات سے باز رکھے گا،

اس صورت مین یہ ظاہر ہے کہ ہبہ اور وقف بالکل مختلف چیزین ہین، اور ان کے احکام مین فرق کا ہونا لازمی ہے،

جب تمام مذکورۂ بالا حدیثون اور فقہی روایتون [illegible] ہو گیا کہ اسلام مین اولاد پر وقف کرنا جائز اور واجب النفاذ ہے، تو پریوی [illegible] کو اسلام ہی کے مطابق وقف کے مسئلہ پر عمل کرنا چاہیے، کیونکہ گورنمنٹ انگریزی کا یہ اصول ہے کہ وہ کسی قوم کے مذہبی احکام مین کوئی مداخلت نہین کرتی"

یورپ کی عامیانہ تقلید نے ملک مین جو نئے مباحث پیدا کر دیئے ہین، ان مین ایک یہ مسئلہ بھی ہے، اگر اس مسئلہ پر صرف عقلی پہلو سے بحث کیجاتی تو ہم کو دخل در معقولات کی کوئی ضرورت نہ تھی، لیکن ساتھ ہی یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ خود مذہب اسلام مین پردہ کا حکم نہین، اور اس سے بڑھکر یہ کہ قرون اولیٰ مین پردہ کا رواج بھی نہ تھا، نئے تعلیمیافتہ گروہ کے سب سے مشہور اور مستند مصنف (مولوی امیر علی) نے ۱۸۹۹ء مین رسالہ "نائن ٹینتھ سنچری" مین مسلمان عورتون کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جسمین وہ تحریر فرماتے ہین :-

"یہ لمبا برقع، نقاب، اور خمار سلجوقیون کے آخری زمانہ مین شایع ہوا، اور جس قسم کا پردہ آج کل مسلمانانِ ہند مین رائج ہے، خلفا کے زمانہ مین اس کا کہین نام و نشان نہ تھا بلکہ برعکس اس کے اعلیٰ طبقہ کی عورتین بلا برقع کے مردون کے سامنے آتی تھین، ساتوین صدی ہجری کے وسط مین جب خلفا ضعیف ہوئے، اور تاتاریون نے اسلامی حکومت کو درہم و برہم کیا تو اس وقت علمار مین اس پر نزاع ہوئی کہ عورتین اپنے ہاتھ منہ اور پاؤن اجنبیون کے سامنے کھول سکتی ہین یا نہین"

اس موقع پر عبرت کے قابل یہ امر ہے کہ اسلام کی تاریخ اور اسلام کے مسائل کی تعبیر کرنے والے دو گروہ ہو سکتے تھے، علمائے قدیم اور جدید تعلیم یافتہ، علمار کا یہ حال

ہے، کہ ان کو زمانہ کی موجودہ زبان مین بولنا نہین آتا، جدید تعلیمیافتہ لوگون کے مبلغ علم کا اس عبارت سے اندازہ ہوسکتا ہے، جو ابھی اوپر گذر چکی لیکن بدقسمتی سے یہی دوسرا گروہ قومی لٹریچر پر قبضہ کرتا جاتا ہے، اور چونکہ غیر قومون کے کانون مین صرف اسی گروہ کی آواز پہونچتی ہے، اس لیے مسائل اور تاریخ اسلام کے متعلق آیندہ زمانہ مین اسی گروہ کی آواز اسلام کی آواز سمجھی جائیگی، ہم اس مضمون مین صرف تاریخی پہلو سے بحث کرتے ہین، اور یہ دکھانا چاہتے ہین کہ عرب مین اسلام سے پہلے پردہ کی کیا حالت تھی، پھر تمام اسلامی دنیا مین پردہ کے متعلق کیا طریق عمل رہا،

مدت ہوئی ہم نے اس مضمون کے پہلے حصے پر ایک بسیط مضمون لکھا تھا، پہلے اس کو بعینہ اس مقام پر درج کرتے ہین،

اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ قدرت نے مرد اور عورت کو بعض خصوصیتون مین ایک دوسرے سے ممتاز پیدا کیا ہے، لیکن تمدن نے ان قدرتی خصوصیتون کے علاوہ اور بھی بہت سے امتیاز قائم کر دیئے ہین، جو ہر قوم، ہر فرقہ، ہر ملک مین جدا جدا صورتون مین نظر آتے ہین، دنیا کے نہایت ابتدائی زمانہ مین غالباً مردون اور عورتون کے لباس، وضع، طور، طریقے بالکل یکسان رہے ہونگے، اور بجز قدرتی خصوصیتون کے کوئی چیز ان کو ایک دوسرے سے جدا نہ کرسکتی ہوگی، لیکن تمدن کو جس قدر وسعت ہوتی گئی، اسی قدر یہ باہمی امتیازات بڑھتے گئے، رفتہ رفتہ یہان تک نوبت پہونچی کہ آج دونون کے طریق تمدن اور معاشرت مین بہت کم چیزین باقی رہ گئین جو مشترک کہی جاسکتی ہین،

دنیا کی ابتدائی تاریخ بالکل تاریکی کی حالت مین ہے، قدیم سے قدیم زمانہ جس کے

تاریخی حالات معلوم ہوسکے ہین، دو تین ہزار برس سے زیادہ نہین، یہ وہ زمانہ ہے، جب موجودہ تفرقون کی بنیاد پڑچکی تھی، اور دونون فریق کے اصول زندگی مین بہت سی ممتاز خصوصیتین پیدا ہوچکی تھین، اس لئے آج یہ پتہ لگانا قریباً ناممکن ہے کہ اول کن اسباب سے یہ تفرقے قایم ہوئے، اور جس زمانہ کو ہم اپنے علم تاریخ کی ابتدا قرار دیتے ہین اس وقت تک کیونکر ان تفرقون نے وسعت حاصل کرلی تھی،

اگر ہم بتانا چاہین کہ انسان کو ستر عورت کا خیال کیونکر ہوا، اور مردون، اور عورتون مین اس کے مختلف حدود کس بنا پر قرار دیئے گئے، تو ہم کوئی کافی وجہ نہین بتا سکینگے، اسی طرح اور خصوصیتون کی نسبت بھی ہم کچھ جواب نہین دیسکتے، اس لئے نہایت قدیم تفرقون کی تایخ قایم کرنی، اور ان کے وجوہ و اسباب پر غور کرنا تو بے فائدہ ہے، البتہ جو امور زمانہ مابعد مین پیدا ہوئے، ان کے متعلق تحقیقات کی کوشش کرنی بیجا نہین ہے،

پردہ کی دو قسمین قرار دیجاسکتی ہین،

(۱) چہرہ اور تمام اعضا کا ڈھکنا،

(۲) مردون کی مجلسون اور صحبتون مین شریک ہونا،

پہلی قسم کا پردہ عرب مین اسلام سے پہلے موجود تھا، اور زیادہ تر قدرتی ضرورتین اس کے ایجاد کا باعث تھین، اول اول جب اس رسم کی ابتدا ہوئی تو عورتون کیساتھ مخصوص نہ تھی، کیونکہ زیادہ تر اس کو قدرتی ضرورتون نے پیدا کیا تھا، اور وہ مرد اور عورت سے یکسان متعلق تھین، غالباً سب سے پہلے قبیلۂ حمیر مین جو یمن کے رہنے والے اور وہان کے حاکم تھے یہ طریقہ جاری ہوا، اسپین مین حمیر کے ایک خاندان کی حکومت قائم ہوگئی

تھی، جو ملثّمین کہلاتے تھے، اس خاندان نے نہایت زور اور قوت کے ساتھ حکومت کی اور بہت سی فتوحات حاصل کین لیکن چہرہ پر ہمیشہ نقاب ڈالے رہتے تھے، اور اسوجہ سے ملثّمین کہلاتے تھے، اسمین یوسف بن تاشفین بڑی ہیبت و جبروت کا بادشاہ ہوا، علامہ ابن خلکان نے اسی کے ترجمہ مین اس رسم کے قائم ہونے کی وجہ لکھی ہے :-

وسبب ذلك علی ما قیل ان حمیر	یعنی اس کا سبب جیسا کہ کہا گیا ہے یہ ہے کہ قبیلہ
کانت تتلثم لشدۃ الحر والبرد	حمیر گرمی اور سردی کی وجہ سے چہرون پر نقاب ڈالے
تفعلہ الخواص منھم فکثر ذلك	رہتے تھے، پہلے خواص ایسا کرتے تھے پھر اس کو اس قدر
حتی تفعلہ عامتھم،	ترقی ہوئی کہ تمام قبیلہ مین اس کا رواج ہوگیا،

علامۂ موصوف نے ایک اور سبب بھی لکھا ہے، وہ یہ کہ قبیلۂ حمیر کی مخالف ایک قوم تھی، جس کا معمول تھا کہ جب حمیر والے کسی ضرورت سے باہر جاتے تھے، تو یہ لوگ ان کے گھرون پر حملہ کرتے تھے، اور عورتون کو گرفتار کر لیجاتے تھے، مجبور ہو کر اہل حمیر نے یہ تدبیر سوچی کہ ایک دفعہ عورتین مردانہ لباس پہنکر باہر چلی گئین، اور مرد چہرون پر نقاب ڈال کر گھرون مین رہے، دشمنون نے معمول کے موافق حملہ کیا، یہ لوگ نقاب ڈالے ہوئے نکلے، اور نہایت دلیری سے لڑکر دشمنون کو قتل کر ڈالا، چونکہ یہ فتح نقاب کے پردہ مین نصیب ہوئی تھی، اس لئے یادگار کے طور پر یہ رسم قائم کر لگئی یہان تک کہ اسلام کے بعد بھی اس قبیلہ کے مرد اور عورت یکسان نقاب پوش رہتے تھے، ایک شاعر نے لکھا ہے :-

لما حووا احراز کل فضیلۃ غلب الحیاء علیھم فتلثموا

بعض اور اتفاقی امور سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا، مثلاً جو لوگ حسین اور خوشرو

ہوتے تھے، اس خیال سے کہ نظر بد سے محفوظ رہین، چہرہ پر نقاب ڈال کر باہر نکلا کرتے تھے، اس کی مثالین زمانۂ اسلام مین بھی ملتی ہین،

مقنع کندی جو دولت بنو امیہ کا مشہور شاعر ہے، اسی خیال سے ہمیشہ نقاب ڈال کر باہر نکلتا تھا[1]، رفتہ رفتہ یہ طریقہ زیادہ تر مروج ہوگیا، اور بڑے مجمعون مین اکثر لوگ برقع پہنکر شریک ہوتے تھے، چنانچہ بازار عکاظ مین جو عرب کی حوصلہ افزائیون کا مشہور دنگل تھا، اہل عرب عموماً چہرون پر نقاب ڈال کر آتے تھے، علامہ احمد ابن ابی یعقوب جو نہایت قدیم زمانہ کا مورخ ہے، اپنی تاریخ مین لکھتا ہے، کہ :-

وکانت العرب تحضر سوق عکاظ	یعنی اہل عرب عکاظ کے بازار مین آتے تھے اور
وعلی وجوھھا البراقع فیقال	انکے چہرون پر برقع پڑے ہوئے تھے، کہتے ہین کہ اول
ان اول عربی کشف قناعہ ظریف	جس عربی نے برقع اتارا وہ ظریف بن غنم تھا، اس کے
بن غنم العنبری ففعلت العرب مثل فعلہ[2]	بعد اورون نے بھی اس کی تقلید کی،

گو بعض وقتون مین خاص اسباب اس طریقہ کے اختیار کرنے کے باعث ہوئے لیکن اصل مین جس چیز نے اس طریقہ کی بنیاد قایم کی تھی، وہ دو امر تھے،

(۱) جسمانی حفاظت جس کا ذکر حمیر کے ذکر مین ہوچکا، حمیر مین تو عام وخاص سب اس طریقہ کو برتنے لگے تھے لیکن اور قبائل مین یہ طریقہ امرا اور اعیان کے ساتھ مخصوص تھا، کیونکہ اس قسم کے تکلف اور آرام طلبی کی خواہش صرف امیرون ہی کو ہوسکتی تھی، رفتہ رفتہ ضرورت کی قید اٹھ گئی، اور صرف اس خیال سے کہ نقاب اور برقع امرا کا امتیازی لباس ہے، بے وجہ اور بے ضرورت بھی اس کا استعمال ہونے لگا،

[1] کتاب الاغانی ترجمہ مقنع کندی، [2] تاریخ یعقوبی مطبوعہ یورپ جلد دوم صفحہ ۱۷۰،

(۳) امتیاز اور خصوصیت کا خیال، یہ خیال عجیب تدریج کے ساتھ قائم ہوا اہل عرب محض ابتدائی زمانہ مین تو امیر و غریب سب ایک سی حالت مین رہتے تھے لیکن جس قدر تمدن کو ترقی ہوتی گئی، اسی نسبت سے امتیازات قایم ہوتے گئے، ان مین سب سے مقدم یہ تھا کہ امرا اور سردار ان قوم کے دربار عام نہ ہونے چاہئین، چنانچہ جاہلیت ہی کے زمانہ مین دربان اور حاجب کے عہدے قائم ہو چکے تھے، اور سلاطین، اور سرداران قبائل کے دروازون پر اس قسم کی روک ٹوک ہوتی تھی، رفتہ رفتہ یہ خیال یہان تک بڑھا کہ بادشاہ دربار مین بھی بیٹھے تو اس کے جمال کی دولت عام نہ ہونے پائے، چنانچہ بعض سلاطین عرب صرف اسی خیال سے برقع کا استعمال کرتے تھے،

عباسیون کی خلافت مین ایک زمانہ تک جو یہ طریقہ تھا کہ خلیفۂ وقت ایک پردہ کی اوٹ مین بیٹھتا تھا، اور تمام شاہی احکام پردہ کی اوٹ سے صادر ہوتے تھے، اس مین اسی خیال کا پرتو پایا جاتا ہے،

جس زمانہ مین اس طریقہ کی ابتدا ہوئی، اس وقت تو عورتین اس رسم کیساتھ مخصوص نہ تھین، لیکن مردون سے یہ التزام بالالتزام نبھ نہ سکا، چنانچہ جب عکاظ مین ظریف بن غنم نے چہرہ سے نقاب ہٹائی تو تمام عرب اس کے مقلد بنکر اس قید سے آزاد ہو گئے، کبھی کبھی کسی نے شوقیہ یا فخر کے لحاظ سے استعمال کیا تو وہ رواج عام کے خلاف سمجھا گیا، البتہ عورتون مین یہ رسم اسلام کے زمانہ تک باقی رہی، جس کو اسلام نے اور بھی باقاعدہ اور لازمی کر دیا، جس شخص نے عرب جاہلیت کے حالات غور سے پڑھے ہین، وہ تو اس سے انکار نہین کر سکتا، لیکن چونکہ عام خیال یہ ہے کہ پردہ کا رواج اسلام کے زمانہ سے پیدا ہوا، اس لئے ہم متعدد قطعی شہادتین پیش کرتے ہین، جن سے

ثابت ہوگا، کہ اس قسم کا پردہ اسلام سے پہلے بھی موجود تھا،

عرب جاہلیت کے حالات معلوم کرنے کے لئے سب سے عمدہ اور مستند ذریعہ شعرائے جاہلیت کے اشعار ہین، اس لئے اس دعوے کے ثبوت مین ہم جاہلیت کے متعدد اشعار نقل کرتے ہین،

ربیع بن زیاد عبسی جو جاہلیت کا ایک مشہور شاعر ہے، مالک بن زہیر کے مرثیہ مین کہتا ہے،

من کان مسروراً بمقتل مالک | فلیأت نسوتنا بوجہ نہار
جو شخص مالک کے قتل سے خوش ہوا ہو | وہ ہماری عورتون کو دن مین آکے دیکھے

یجد النساء حواسراً یندبنہ | یلطمن اوجہھن بالاسحار
وہ دیکھے گا کہ عورتین برہنہ سر نوحہ کر رہی ہین | اور اپنے چہرون پر صبح کو دوہتڑ مار رہی ہین

قد کن یخبأن الوجوہ تستراً | فالیوم حین برزن للنظار
وہ شرم اور ناموس سے ہمیشہ اپنا چہرہ چھپایا کرتی تھین، لیکن آج غیر معمولی طور سے دیکھنے والون کے سامنے بے پردہ آئی ہین،

علامہ تبریزی نے تستراً کی شرح مین لکھا ہے، عفۃ وحیاءً یعنی وہ عفت اور شرم کی وجہ سے چہرہ چھپایا کرتی تھین،

عمرو معدیکرب ایک سخت واقعہ جنگ کے ذکر مین لکھتا ہے،

وبدت لمیس کانہا | بدر السماء اذا ابتدا
اور لمیس کا چہرہ کھل گیا، | گویا چاند نکل آیا ہے،

عمرو معدیکرب اگرچہ مخضرمی شاعر ہے یعنی اس نے اسلام کا زمانہ بھی پایا تھا، لیکن یہ اشعار اسلام کے قبل کے ہین،

ایک اور جاہلی شاعر جس کا نام سبرۃ بن عمر فقعسی ہے، اپنے دشمنون پر طعن کرتا ہے[1]

اور کہتا ہے،

ونسوتکم فی الروع بادٍ وجوھہا	یخلن اماءً والاماء حرائر
یعنی لڑائی مین تمھاری عورتون کے چہرے کھل گئے تھے	اور اسوجہ سے وہ لونڈیان معلوم ہوتی تھین حالانکہ وہ بیویان تھین

نابغہ ذبیانی جو زمانہ جاہلیت کا مشہور شاعر ہے، نعمان بن منذر کا بڑا مقرب اور درباری تھا، ایک دفعہ نعمان کی ملاقات کو گیا، اتفاق سے وہان نعمان کی بیوی جسکا نام متجردہ تھا بیٹھی تھی، نابغہ دفعۃً جا پڑا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی، اضطراب مین دوپٹہ گر گیا، متجردہ نے فوراً ہاتھون سے چہرہ کو چھپا لیا، نابغہ کو یہ ادا نہایت پسند آئی، اس پر اس نے ایک قصیدہ لکھا جسمین اس واقعہ کو اس طرح ذکر کیا ہے[2]،

سقط النصیف ولم ترد اسقاطہ	فتناولتہ واتقتنا بالید
ڈوپٹہ گر گیا، اور اس نے قصداً نہین گرایا	اس نے دوپٹہ کو سنبھالا اور ہاتھون سے پردہ کیا

ایک اور شاعر عوف نامی یہ ذکر کرکے کہ بھوک کی شدت سے عورتین نکل آئین، اور باہر جہان کھانا پک رہا تھا چولھے کے پاس بیٹھ گئین، لکھتا ہے،

وکانوا قعودا حولہا یرقبونہا	وکانت فتاۃ الحی ممن ینیرھا
مبرزۃ لا یجعل الستر دونہا	اذا اخمد النیران لاح بشیرھا

حقیقت یہ ہے کہ اہل عرب نے زمانہ جاہلیت مین لباس کے متعلق بہت ترقی کر لی تھی، اگرچہ یہ ترقیان صرف امرا اور سرداران قبائل تک محدود تھین لیکن جن لوگون مین تھین پوری تہذیب و شائستگی کے ساتھ تھین، عورتون کے لئے

[1] یہ اور ماقبل کے اشعار حماسہ مین موجود ہین [2] اغانی ترجمہ نابغہ ذبیانی،

لباس کے جو اقسام اس وقت تک ایجاد ہو چکے تھے وہ جسم کے ہر حصہ کے لئے بجز بی پردہ پوش تھے، لباسون کا یہ تنوع زیادہ تر فخر و امتیاز کی بنا پر تھا، اور یہی وجہ تھی کہ عوام کا طبقہ اس سے محروم تھا، جہانتک ہماری تحقیق ہے، عورتون کے لباس کے متعلق دولت بنو امیہ اور عباسیہ کے عہد مین کوئی معتدبہ اضافہ نہین ہوا، یعنی زمانۂ جاہلیت مین جس قدر لباس ایجاد ہو چکے تھے، اس سے زیادہ اقسام پیدا نہین ہو سکے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پردہ اور ستر بدن کا خیال جاہلیۃ ہی مین خوب زور پکڑ چکا تھا، عورتین مختلف وضع کے کرتے استعمال کرتی تھین، جنکی قسمین سات آٹھ سے کم نہ تھین، اور اسی اعتبار سے ان کے مختلف نام تھے، مثلاً درع، اتب، قرقل، صدار، مجول، شوذر، خیعل، ان مین باہم بہت خفیف فرق ہوتا تھا، ان کی وضع محرم، لمری، فتوحی اور قمیص سے ملتی جلتی تھی، اشعار جاہلیت مین قریباً یہ سب نام ملتے ہین، لیکن بلحاظ تطویل ہم ان اشعار کو قلم انداز کرتے ہین، قصابہ، مقنع وغیرہ بھی استعمال کئے جاتے تھے ان کپڑون کی ترتیب یہ تھی، کہ سب سے پہلے ایک رومال سر پر باندھا جاتا تھا، جس سے سر کے دونون اگلے اور پچھلے حصے چھپ جاتے تھے، لیکن بیچ کا حصہ کھلا رہتا تھا، اس کو تخنق کہتے تھے، اس کے بعد ایک اور رومال باندھتے، جس سے یہ مقصود ہوتا تھا، کہ بالون مین تیل لگا ہو تو اس مین جذب ہو کر رہجائے، اور دوپٹہ مین نہ لگنے پائے، اس کا نام غفارہ تھا، غفارہ کے اوپر مختلف طول و عرض کے ڈوپٹے استعمال کئے جاتے تھے، جن کے یہ نام ہین، صدار، خمار، نصیف، مقنعہ، معجر، ردا، غفار نہایت چھوٹا ہوتا تھا، اس سے بڑا نصیف اور نصیف سے بڑا مقنعہ وہکذا، خمار وغیرہ کو اکثر اس انداز سے اوڑھتی تھین کہ چہرہ کا اکثر حصہ چھپ جاتا تھا اسی بنا

پر شاعر کا قول ہے،

سقط النصیف ولم ترد اسقاطہ　　فتناولتہ واتقتنا بالید،

بمخضب رخص کان بنانہ　　عنم یکاد من اللطافۃ یعقد

لیکن خاص چہرہ کی حفاظت کے لئے برقع ہوتا تھا جس کی مختلف قسمین تھین، جو صرف آنکھ تک کا ہوتا تھا، اس کو وصواص کہتے تھے، اس سے نیچا نقاب کہلاتا تھا، نقاب سے نیچا لفام، اور اس سے نیچا لثام کے نام سے موسوم تھا، لفام کی حد ہونٹون سے متجاوز نہ تھی، سب سے بڑا نقاب جو چہرہ بلکہ سینہ کو بھی چھپاتا تھا، اس کو خنبہ کہتے تھے نقاب کے یہ تمام اقسام جاہلیت مین پیدا ہو چکے تھے، اور استعمال کئے جاتے تھے، اشعار ذیل سے اس کی تصدیق ہوتی ہے،

ارین محاسنا وکنن اخری　　وتقبن الوصاوص للعیون

یضئ لنا کالبدر تحت غمامۃ　　وقد سفرت عن غرۃ الثنایا لفامہا

غرض لباس کا پردہ تمام عرب مین جاری تھا، اور بجز عوام اور کنیزون کے تمام عورتین اس کی پابند تھین،

بعض بعض مثالین اس رسم کے خلاف ملتی ہین، مگر وہ نہایت شاذ ہین، لیکن دوسری قسم کا پردہ یعنی عورتون کا مردون کی سوسائٹیون مین شریک نہ ہو سکنا زمانۂ جاہلیت مین بالکل نہ تھا، عورتین عموماً مجلسون، بازارون، لڑائیون مین شریک ہوتی تھین، بازار عکاظ مین جہان شعرا طبع آزمائیان کرتے تھے، شاعرہ عورتین جاتی تھین، اور ان کے مستقل دربار قائم ہوتے تھے، وہ عام مجمع مین قصیدے پڑھتی تھین، اور تحسین و آفرین کے صلے حاصل کرتی تھین،

ایک بار خنسا جو مرثیہ کہنے مین تمام عرب مین اپنا نظیر نہین رکھتی تھی، عکاظ مین گئی اور نابغہ ذبیانی کے سامنے جو اس وقت استاد الشعرا تھا، اپنا قصیدہ پڑھا، نابغہ نے کہا افسوس! ابھی ایک شخص کو مین اشعر العرب کا خطاب دیچکا ہون، ورنہ تجھ کو یہ خطاب دیتا، تاہم کہتا ہون کہ تو عورتون مین سب سے بڑی شاعرہ ہے، خنسا نے کہا، نہین بلکہ مین "اشعر الرجال والنسا ہون"

عام قاعدہ تھا کہ کسی گاؤن مین کسی شاعر کا گذر ہوتا تھا تو وہان کی تمام عورتین اس کے پاس آتی تھین اور شعر پڑھنے کی فرمایش کرتی تھین، اور چونکہ وہ عموماً سخن فہم ہوتی تھین، شعرا بھی بڑے ذوق سے ان کو اپنے اشعار سناتے تھے، غرض مشاعرہ، منافرہ، میلے، بازار، دنگل، میدان جنگ، کوئی ایسا مجمع اور مجلس نہ تھی جسمین عورتین بے تکلف شریک نہ ہوتی ہون،

یہ زمانہ جاہلیت کا حال تھا، اسلام کے زمانہ سے نیا دور شروع ہوا، اس عہد مین جو تغیرات اور اصلاحین ہوئین انکی تفصیل حسب ذیل ہے،

اسلام نے سب سے پہلی اصلاح یہ کی کہ جاہلیت مین کرتون کے گریبان بہت چوڑے ہوتے تھے، جن سے سینے نظر آتے تھے، اس پر ذوقعدہ ۵ھ مین یہ آیت نازل ہوئی،

ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن،	اور چاہیے کہ وہ اپنے دوپٹے اپنے گریبانون پر ڈال لیا کرین،

عینی نے بخاری کی شرح مین اس موقع پر لکھاہے،

وذلک لان جیوبھن کانت واسعۃ	یہ آیت اس لئے نازل ہوئی کہ ان کے گریبان چوڑے
تبد و منھا نحورھن وصدورھن	ہوتے تھے، جن سے ان کے سینے اور اس کے اطراف
وما حوالیھا وکن یسدلن الخمرمن	نظر آتے تھے، اور وہ دوپٹون کو پشت کی طرف

وسر اُٹھن فتبقی مکشوفۃ فامرن بان — ڈالتی تھین، اس لئے سینے کھلے رہجاتے تھے، اس لئے انکو

یدنیھا من قدامھن حتی یغطینھا، — حکم ہوا کہ سامنے ڈالین تاکہ سینہ چھپ جائے،

نقاب اور برقع کا طریقہ اگرچہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہین، پہلے سے جاری تھا، لیکن مدینہ منورہ مین یہود کے اختلاط کی وجہ سے اس کا رواج کم ہو چلا تھا، اکثر عورتین کھلے منہ نکلتی تھین، اس پر یہ آیت اتری،

یآایھا النبی قل لازواجک وبنٰتک ونسآء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن، — اے پیغمبر! اپنی بیویون اور بیٹیون اور مسلمان بیویون سے کہدو کہ اپنے اوپر اپنی چادرین ڈال لیا کرین (یعنی چادرون سے اپنا منہ چھپا لیا کرین)

اس آیت کے متعلق تین حیثیت سے بحث ہو سکتی ہے،

آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

آیت کے معنی کیا ہین؟

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کا طریق عمل کیا رہا؟

شان نزول کے متعلق تفسیر ابن کثیر مین جو محدثانہ تفسیر ہے، یہ تصریح ہے،

کان ناس من فساق اھل المدینۃ یخرجون باللیل حین یختلط الظلام الی طریق المدینۃ فیعرضون للنساء وکانت مساکن اھل المدینۃ ضیقۃ فان کان اللیل خرج النساالی الطرق یقضین حاجتھن فکان اولئک — مدینہ مین بدمعاشون کا ایک گروہ تھا، جو رات کی تاریکی مین نکلتا تھا، اور عورتون کو چھیڑتا تھا، مدینہ کے مکانات چھوٹے اور تنگ تھے، رات کو جب عورتین قضاے حاجت کے لئے گھرون سے نکلتی تھین تو یہ بدمعاش ان سے برا ارادہ کرتے تھے، جس عورت

الفساق يبتغون ذلك منهن فاذا رأوا المرءة عليها جلباب قالوا هذه حرة فكفوا عنها واذا رأوا المرءة ليس عليها جلباب قالوا هذه امة فوثبوا عليها،

کو دیکھتے تھے کہ چادر مین چھپی ہوئی ہے اسکو شریف زادی سمجھ کر چھوڑ دیتے تھے، ورنہ کہتے تھے کہ یہ لونڈی ہے، اور اس پر حملہ کرتے تھے،

طبقات ابن سعد جو نہایت قدیم یعنی تیسری صدی کی تصنیف ہے، اسمین بھی یہی شان نزول لکھا ہے، چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہین:-

كان رجل من المنافقين يتعرض لنساء المومنين يوذيهن فاذا قيل له قال كنت احسبها امة فامرهن الله ان يخالفن زي الاماء ويدنين عليهن من جلابيبهن تخمر وجهها الا احدى عينيها

ایک منافق تھا جو مسلمان عورتونکو چھیڑتا تھا تو جب اس سے کہا جاتا تھا تو کہتا تھا کہ مین نے اسکو لونڈی سمجھا تھا، اس بنا پر خدا نے حکم دیا کہ لونڈیون کی وضع نہ بنائین اور اپنے اوپر چادرین ڈال لین اسطرح کہ بجز ایک آنکھ کے باقی سب چہرہ چھپ جائے

تفسیر کشاف مین ہے:-

فامرن ان يخالفن بزيهن عن زي الاماء بلبس الاردية والملاحف وستر الرؤس والوجوه،

اس لئے انکو حکم ہوا کہ لونڈیون کی وضع سے الگ وضع اختیار کرین یعنی چادرین اور برقع استعمال کرین، اور سر اور چہرہ چھپائین،

ان تصریحات مین ایک خاص امر یاد رکھنا چاہئے، وہ یہ کہ ابن کثیر کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے، کہ بیبیون اور لونڈیون کے لباس اور وضع مین فرق تھا، اور وہ یہ تھا کہ بیبیان چادرون سے چہرہ چھپاتی تھین، اور لونڈیان کھلے منہ نکلتی تھین،

اشعارِ جاہلیت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے، چنانچہ شاعر کہتا ہے :۔

ونسوتکم فی الروع بادوجوھہا	یخلن اماء والاماء حرائر
تمھاری عورتون کے چہرے لڑائی مین کھل گئے تھے	اسلئے وہ لونڈیان معلوم ہوتی تھین حالانکہ وہ لونڈیان تھین

ابن کثیر کی عبارت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے زمانہ مین بھی یہ فرق قائم تھا اور اسی وجہ سے جب کوئی بی بی کھلے منہ نکلتی تھی تو بدمعاشون کو ان کے چھیڑنے کے لئے یہ عذر ہاتھ آتا تھا کہ ہم نے ان کو لونڈی سمجھا تھا،

آیت کے معنی کے متعلق دو لفظ بحث طلب ہین، جلباب اور ادنار، جلباب کے معنی مین اگرچہ متاخرین نے بہت سے اقوال نقل کئے ہین، لیکن محقق یہ ہے کہ جلباب ایک قسم کا برقع یا چادر تھی، جو تمام کپڑون سے زیادہ وسیع ہوتی تھی، اور اس لئے سب کے اوپر استعمال کیجاتی تھی، جس طرح آج کل ترکی خاتونین فراجہ استعمال کرتی ہین، تفسیر عماد بن کثیر مین ہے،

والجلباب ھو الرداء فوق الخمار	جلباب چادر کو کہتے ہین جو خمار کے اوپر استعمال
قالہ ابن مسعود وعبیدۃ والحسن	کیجاتی ہے، عبداللہ بن مسعود، عبیدہ، حسن بصری،
البصری وسعید بن جبیر وابراھیم	سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی، عطاے خراسانی وغیرہ نے
النخعی وعطاء الخراسانی وغیر واحد	جلباب کے یہی معنی بیان کئے ہین،

دوسرا لفظ جو بحث طلب ہے، وہ ادنار ہے، ادنار جلباب کے معنی تمام مستند مفسرین نے جو فن لغت کے بھی امام ہین، منہ چھپانے کے لکھے ہین،

حضرت عبداللہ بن عباس جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، اور تمام صحابہ مین فن تفسیر کے اعتبار سے ممتاز ہین، ان کا قول تفسیر ابن کثیر مین علی بن طلحہ رح

کی روایت سے نقل کیا ہے کہ

امر اللہ نساء المؤمنین اذا خرجن من بیوتهن فی حاجة ان یغطین وجوههن من فوق رؤسهن بالجلباب ویبدین عینا واحدة،

خدا نے مسلمان عورتون کو حکم دیا کہ جب گھر سے کسی کام کو نکلین تو سر سے چادر اوڑھکر چہرون کو چھپا لین اور ایک آنکھ کھلی رکھین،

تفسیر معالم التنزیل مین اس آیت کی تفسیر مین لکھا ہے :-

قال ابن عباس و ابو عبیدة امر نساء المؤمنین ان یغطین رؤسهن و وجوههن بالجلابیب الا عینا واحدة

ابن عباس اور عبیدہ کا قول ہے کہ خدا نے مسلمان عورتون کو حکم دیا کہ چادر سے اپنا سر اور چہرہ چھپا لین بجز ایک آنکھ کے،

طبقات ابن سعد مین ہے[1] :-

محمد بن عمر عن ابی بسرة عن ابی صخر عن ابن کعب القرظی قال کان رجل من المنافقین یتعرض لنساء المؤمنین یؤذیهن فاذا قیل له قال کنت احسبها امة فامرهن اللہ ان یخالفن زی الاماء ویدنین علیهن من جلابیبهن تخمر وجهها الا احدی عینیها،

محمد بن عمر نے ابو بسرہ سے انھون نے ابو صخر سے انھون نے ابن کعب قرظی سے روایت کی ہے کہ مدینہ مین ایک منافق تھا جو مسلمان خاتونون کو چھیڑا کرتا تھا، اور جب اس کو ٹوکا جاتا تھا تو کہتا تھا کہ مین نے لونڈی سمجھا تھا، تو خدا نے حکم دیا کہ لونڈیون کی وضع ترک کرین، اور اپنے اوپر اسطرح سے چادر ڈال لین کہ چہرہ چھپ جائے، بجز ایک آنکھ کے،

[1] جلد ہشتم صفحہ ۱۲۷ مطبوعہ یورپ،

تفسیر کشاف مین ادنار جلباب کی یہ تفسیر کی ہے :-

یرخینہا علیھن ویغطین بہا د | چادر کو اپنے اوپر ڈال لین اور چہرہ
جوہھن ، | کو چھپا لین ،

حضرت عبد اللہ بن عباس، ابو عبیدہ، ابن کعب قرظی، بغوی، ابن کثیر اور زمخشری اس درجہ کے لوگ ہین، کہ ان کے مقابلہ مین اگر کسی مخالف کا قول ہوتا بھی تو اس کی کیا وقعت ہو سکتی، لیکن جہان تک ہم کو معلوم ہے شاذ و نادر کے سوا تمام اہل لغت اور مفسرین نے یہی معنی بیان کئے ہین،

اس صورت مین صرف شاہ ولی اللہ صاحب کے مبہم ترجمہ سے ایسے معرکۃ الآرا مسئلہ مین استدلال کرنا کس قدر تعجب انگیز ہے،

پردہ کے متعلق تمام دنیا مین مسلمانون کا جو طریق عمل رہا، وہ یہ تھا کہ کبھی کسی زمانہ مین عورتین بغیر برقع اور نقاب کے باہر نہین نکلتی تھین، اور بجز کسی خاص حالت کے نامحرمون سے ہمیشہ منہ چھپاتی تھین، یہان تک کہ یہ امر معاشرت کا سب سے بڑا مقدم مسئلہ بنگیا تھا،

تصدیق اس کی واقعات ذیل سے ہو گی،

ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ نے آنحضرت صلعم سے اپنا ارادہ ظاہر کیا کہ مین فلان عورت سے شادی کرنی چاہتا ہون، آپ نے فرمایا کہ پہلے جا کر اس کو دیکھ آؤ، انھون نے جا کر اس عورت کے والدین سے اپنا ارادہ ظاہر کیا، اور آنحضرت صلعم کا پیغام سنایا، صحابہؓ جسقدر آنحضرت صلعم کے حکم کی اطاعت کرتے تھے، محتاج بیان نہین، تاہم والدین کو ناگوار ہوا کہ لڑکی ان کے سامنے آئے، اور یہ اس پر نظر ڈال سکین،

لڑکی پردہ مین سے یہ باتین سن رہی تھی، بولی کہ اگر آنحضرت صلعم نے حکم دیا ہے، تو تم مجھکو آکر دیکھ لو، ورنہ مین تم کو خدا کی قسم دلاتی ہون، کہ ایسا نہ کرنا، یہ واقعہ سنن ابن ماجہ باب النکاح مین مذکور ہے،

محمدؐ بن سلمہ ایک صحابی تھے، انھون نے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی اور اس لئے چاہا کہ چوری چھپے کسی طرح عورت کو دیکھ لین، لیکن موقع نہین ملتا تھا، یہان تک کہ ایک دن وہ عورت اپنے باغ مین گئی، انھون نے موقع پاکر اس کو دیکھ لیا، لوگون کو معلوم ہوا تو نہایت تعجب سے لوگون نے ان سے کہا کہ آپ صحابی ہوکر ایسا کام کرتے ہین، انھون نے کہا کہ مین نے آنحضرت سے سنا ہے کہ جب کسی عورت سے شادی کا ارادہ ہو تو اس مین کچھ مضائقہ نہین، کہ پہلے اسکو دیکھ لیا جائے، (سنن ابن ماجہ باب النکاح)

صاحب اغانی نے اخطل کے تذکرہ مین لکھا ہے، کہ ایک دفعہ اخطل، سعید بن ایاس کا مہمان ہوا، سعید نے بڑے تپاک سے مہانداری کی، یہان تک کہ اس کی دونون لڑکیان جنکا نام زعوم و امامہ تھا، اخطل کی خدمت گذاری مین مصروف رہین، دوسری دفعہ جب اخطل کو یہ موقع پیش آیا، تو یہ لڑکیان جوان ہو چکی تھین، اس لئے اخطل کے سامنے نہ آئین، اغانی کے خاص الفاظ یہ ہین:-

ثم نزل علیہ ثانیۃ وقد کبرتا فحجبتا فسأل عنھما وقال فاین ابنتای فاخبر بکبرھما،	اخطل دوبارہ سعید کا مہمان ہوا تو لڑکیان بڑی ہو چکی تھین، اس لئے انھون نے پردہ کیا، اخطل نے پوچھا کہ تیری لڑکیان کہان ہین، سعید نے کہا، اب

وہ بالغ ہوگئی ہین،

پردہ کا اس قدر عام رواج ہوگیا تھا کہ جب کبھی کوئی واقعہ اس کے خلاف پیش آیا ہے، تو مورخین اور واقعہ نگارون نے ایک مستثنیٰ واقعہ کی طرح اس کا ذکر کیا ہے، ابن بطوطہ نے سفرنامہ مین جہان ترکون کا ذکر کیا ہے، ایک عورت کا ذکر کرکے لکھتا ہے:۔

وھی بادیۃ الوجہ لان نساء الاتراک لا یحتجبن	اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا، کیونکہ ترکی عورتین پردہ نہین کرتین،

صاحب اغانی نے اخطل کے تذکرہ مین ایک ضمنی موقع پر لکھا ہے:۔

وکان اھل البدو اذ ذاک یحدث رجالھم الی النسا لا یرون بذالک باسا	اس زمانہ مین صحرانشین عربون مین مرد عورتون کی صحبتون مین شریک ہوتے تھے، اور ان سے بات چیت کرتے تھے، اور اس کو معیوب نہین خیال کرتے تھے،

اسی کتاب مین جمیل کے تذکرہ مین جو ایک بدوی شاعر تھا، لکھا ہے،

ان جمیل بن معمر خرج فی یوم عید والنساء اذ ذاک یتزین ویبدو بعضھن لبعض ویبدون للرجال فی کل عید،	جمیل بن معمر ایک دفعہ عید کے دن نکلا، اس زمانہ مین عید کے دن، عورتین آراستہ ہوکر ایک دوسرے سے ملتی تھین، اور مردون کے سامنے آتی تھین،

ان تمام واقعات سے ظاہر ہوتا ہے، کہ عورتون کا پردہ کرنا اور منہ چھپانا مسلمانون کی عام معاشرت تھی، اس کے خلاف کوئی واقعہ ہے، تو

وہ خاص کسی قوم یا کسی خاص زمانہ سے تعلق رکھتا ہے، اور کتابون مین بطور ایک مستثنیٰ واقعہ کے ذکر کیا جاتا ہے،

اس موقع پر ہم دوبارہ اپنے قومی نامور مصنف (مولوی امیر علی) کے ان الفاظ پر توجہ دلاتے ہین کہ

"خلفا کے زمانہ تک اعلیٰ طبقہ کی عورتین بلا برقع کے مردون کے سامنے آتی تھین"

ذٰلک مبلغھم من العلم

الاسلام

یہ ایک کتاب کا نام ہے جو فرانس کے نامور فاضل کانٹ ہنری دی کاستری نے فرنچ زبان مین لکھی ہے، اور جس کا ترجمہ احمد فتحی بک زغلول مصر کے ایک مصنف نے ۱۸۹۸ء مین شایع کیا، مصنف نے اس کتاب مین سبب تصنیف بیان کرنے کے بعد جناب رسالت پناہ صلعم کی مختصر سوانح عمری لکھی ہے، اور اس کے بعد اُن تمام مسائل سے بحث کی ہے، جنپر یورپ کے مصنفین ہمیشہ نکتہ چینی کرتے رہتے ہین، مثلاً جنت کا جسمانی ہونا، غلامی کا جواز، تعدد ازدواج وغیرہ وغیرہ، اخیر مین ان روایتون کو لکھا ہے، جو عہد وسطیٰ مین تمام یورپ مین مسلمانون کی نسبت پھیلی ہوئی تھین اور جنمین مسلمانون کی نسبت عجیب وغریب افترا پردازیان کی گئی تھین،

اس کتاب سے ایک بڑا مشکل مسئلہ حل ہوتا ہے، ہم کو ایک مدت تک یہ سخت استعجاب رہا کہ یورپ نے اگرچہ فن تاریخ مین بے انتہا ترقی کی ہے، اس کے ساتھ چونکہ اسلامی آبادیون کا بڑا حصہ اُن کے قبضہ مین آگیا ہے، اور عربی زبان کی سیکڑون ہزارون کتابین یورپ کی زبانون مین ترجمہ ہو گئی ہین، اس لیے مسلمانون کے خیالات وعقائد سے ان کو مطلع ہونے کا پورا موقع حاصل ہے، باوجود ان تمام باتون کے یورپ کے مورخین جب مسلمانون کے متعلق کوئی کتاب یا رسالہ یا مضمون لکھتے ہین، تو ایسی بے سروپا باتین لکھ جاتے ہین، جنکو دیکھ کر انسان دفعۃً متحیر ہو جاتا ہے

اس کتاب مین مصنف نے نہایت تفصیل سے دکھلایا ہے کہ یورپ مین مسلمانون کے متعلق کس طرح متعصبانہ غلط خیالات پیدا ہوئے، یہ خیالات کس طرح بڑھتے اور پھیلتے گئے، پیشوایان مذہبی نے کس طرح ان خیالات کو تمام ملک مین مذہبی حیثیت سے پھیلایا، اور یورپ کے تمام لٹریچر کا عنصر بنادیا، قومی گیتون مین یہی خیالات گائے جاتے تھے، معرکۂ جنگ مین یہ خیالات رجز کے طور پر ادا کئے جاتے تھے، کسی شخص کے عیسائی بنانے کے وقت یہی خیالات عقائد کے طور پر سکھلائے جاتے تھے،

یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جو چیز قومی روایتون اور مذہبی تلقینات کے ذریعہ سے کسی قوم کے دل و دماغ مین سرایت کرجاتی ہے، اس کا نکلنا قریباً محال ہوجاتا ہے، اگرچہ یورپ مین مذہب کا زور اب کم ہوگیا ہے، اور اس لئے قیاس یہ تھا کہ یہ خیالات اب مٹ جاتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بدقسمتی سے یورپ مین مذہب کی جگہ پالٹیکس نے لے لی ہے، اس لئے یہ خیالات اب مذہباً نہین بلکہ پالٹیکس کی ضرورت سے قائم رکھے جاتے ہین، اس قدر فرق ہے کہ اب وہ اس رنگ سے ادا کئے جاتے ہین کہ تعصب کا گمان نہ ہونے پائے،

بہرحال کتاب فی نفسہ نہایت دلچسپ ہے، اور ہم چاہتے ہین کہ اس کے ضروری حصے ہمارے پرچہ کے ذریعہ سے اردو زبان مین آجائین،

مصنف نے کتاب کا دیباچہ بھی نہایت دلچسپ لکھا ہے، اس لئے پہلے ہم اسی سے ابتدا کرتے ہین:-

رسالہ "اسلام" کا ترجمہ

ایک دن مین حوران کے صوبہ مین جو زرقوم اور سحر کے بیچ مین واقع ہے دشت نوردی کررہا تھا، خاندان یعقوب کے ۳۰ جوان، گھوڑون پر سوار میرے پیچھے پیچھے آرہے تھے، ان

سوارون کی متعدد ٹکریان ہوگئی تھین کیونکہ گھوڑون کی تند مزاجی ان کو باقاعدہ اور منتظم نہین رہنے دیتی تھی، اگلی صف کا گھوڑا پچھلی صف سے ذرا بھی چھو جاتا تو بپھر جاتا اور پیچھے مڑکر بڑے زور سے دولتیان جھاڑتا لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس کا غصہ فرو ہو جاتا، اور حسب معمول چلنے لگتا، سب کے آگے آگے ایک تند مزاج جوان ایک قوی ہیکل نقرہ گھوڑے پر سوار تھا جس کو دیکھ کر ایک سدہ منا گھوڑا بھی اپنی شوخی کو ضبط نہ کر سکتا تھا، یہ جوان نہایت نیچے سرون مین کچھ اشعار گاتا جاتا تھا جس سے تمام مجمع پر ایک کیفیت طاری تھی اور جو زیادہ تر میری ہی مدح مین تھے، ان سب کے بیچ مین مین اس سلطانِ ذی اقتدار کے مانند تھا جس کے رکاب بوسون مین سے ہر ایک یہ چاہتا ہو کہ اُن آدابِ خدمت کے بجا لانے مین دوسرے سے آگے نکل جائے، جس نے مشرقی قومون کو ان معاملات مین اخلاقی تنزل سے تھام رکھا ہے، مین ان اشعار کو کان لگا کر گھنٹون تک سنتا رہا، اور بعض اشعار مین نے یاد بھی کر لئے، یہ تمام اشعار مسلسل رجز تھے، جن کے معنی منفرداً سمجھ مین نہین آتے تھے، کچھ نہین معلوم ہوتا تھا کہ کون مادح ہے، کون ممدوح، کون مخاطب ہے، کون متکلم، غرض ہم یورپین لوگون کو انکا سمجھنا بالکل دشوار تھا،

اس وقت میری عمر ۲۵ برس کی تھی، جاڑون کا زمانہ اور نہایت خوشگوار دن تھا، جس کی گرمی سے بدن مین نشاط پیدا ہوتا تھا، اور روشنی نہایت تیز تھی، خوشبو راہ گیرون کو بدمست کئے دیتی تھی، اور سونگھنے والے کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ لذائذ زندگی کے انتہائی درجہ سے متمتع ہو رہا ہے، اس حالت مین مجھ پر ایک اور احساس طاری تھا یعنی اس معشوق کا تصور جس کا نام ان سوارون کی زبانون پر صبح و شام جاری

رہتا تھا،

ہم اسی حالت مین چلے جارہے تھے کہ ہمارا شاعر دفعتہً چپ ہوگیا، اور ذرا سخت آواز سے (میری طرف مخاطب ہوکر) بولا کہ جناب! اب نماز عصر کا وقت آگیا، اس آواز کے ساتھ تمام سوار گھوڑون سے اتر پڑے اور صف باندھکر کھڑے ہوگئے، مسلمانون مین جماعت کی نماز کو تنہا نماز پر شرف حاصل ہے، جیسا کہ ہم عیسائیون مین بھی ہے، مین جماعت سے ذرا ہٹ کر کھڑا ہوگیا، اور دل مین کہتا تھا کہ زمین پھٹ جاتی تو مین سما جاتا، ان جوانون کے تسلے، نماز کی مختلف حرکتون سے کبھی پیچ کھاتے اور کبھی کھل جاتے تھے، وہ نہایت بلند آواز سے بار بار اللہ اکبر کہتے تھے، اور یہ پر جلال آواز میرے دل مین وہ اثر کرتی تھی، کہ سو صدین اور متکلمین کی تحریرون نے کبھی نہین کیا تھا، میرے دل پر شرم اور انفعال کا وہ اثر تھا جس کے ادا کرنے کے لئے مجھ کو کوئی لفظ نہین ملتا، یہ گروہ جو ابھی میرے سامنے گردن جھکا رہا تھا، صاف محسوس کرنے لگا کہ نماز نے ان کو دفعتہً مجھ سے بہت زیادہ معزز اور بلند مرتبہ کر دیا ہے، اور اگر اس وقت مین اپنے دل کے کہنے پر چلتا تو بیساختہ چلا اٹھتا کہ "مین بھی خدا کا معترف ہون، مجھ کو بھی نماز کا ادا کرنا آتا ہے"

حقیقت مین وہ عجیب و لفریب سمان تھا، وہ اپنے معمولی لباس کے ساتھ کس باقاعدگی سے نماز ادا کر رہے تھے، اور ان کے پہلو مین گھوڑے اس طرح چپ چاپ کھڑے تھے کہ گویا نماز کے ادب نے ان کو سرنگون کر دیا ہے، گھوڑون کا یہ درجہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کمال محبت کی وجہ سے جبرئیل کی ہدایت کے موافق انکے منہ کو اپنی ردا سے پوچھتے تھے،

اس وسیع میدان مین صرف ایک مین تھا جو تنگ فوجی لباس مین تھا جو انسان کو شکنجہ مین کس دیتا ہے، اور جس سے کسی قسم کی شان کا اظہار نہین ہوتا، میری حالت سے بیدینی ٹپک رہی تھی، حالانکہ مین اس وقت ایسے مقام مین تھا جو مذہب کا مولد و منشا ہے، اس عبادت گذار گروہ کے آگے جو اپنے خدا کے آگے بار بار نہایت خشوع سے نماز کے فرایض اس دل سے بجا لا رہا تھا جو سچائی اور ایمان سے لبریز تھا، مین بالکل ایک جماد یا کتا معلوم ہوتا تھا، اس حالت مین مجھکو توراۃ کی وہ آیت یاد آئی کہ خدا سام کے خیمہ مین سکونت کریگا، اور یافث کی اولاد کو ترقی دیگا، یہ دونون گروہ اس وقت یکجا تھے، یعنی وہ نماز گذار جو سام کی اولاد سے تھے، اور جو اپنے مذہب اور اُس خدا پر نثار تھے، جو ابراہیم کے خیمہ مین داخل ہوا تھا، اور مین جو یافث کی اولاد ہون اور جس کا شہرہ صرف فتوحات اور لڑائیون پر موقوف ہے،

غرض جب منزل ختم ہو گئی، اور مین فرودگاہ پر واپس آیا تو جو خیالات میرے دل مین آئے تھے ان کو قلمبند کرنے لگا، اس وقت مین محسوس کر رہا تھا کہ مجھکو اسلام کی حلاوت اپنی طرف کھینچ رہی ہے گویا مین نے اس سے پہلے کبھی کسی صحرا مین کسی قوم کو عبادت بجالاتے دیکھا ہی نہین تھا، مجھکو اس وقت عیسائیون کے خیمے یاد آگئے، جہان صرف عورتون کی پرستش کیجاتی ہے، اور اس خیال سے مجھکو یورپ کی بددینی پر غصہ آگیا،

یہ میری عمر کا وہ زمانہ تھا جب عقل، مشکلات کا حل کرنا نہایت آسان سمجھتی ہے، اور جب انسان تمام چیزون کو سطحی نگاہ سے دیکھتا ہے، جب کہ محض خیال نکتہ چینی اور تحقیق کا منصب حاصل کرتا ہے، اور جبکہ انسان کے اعتقادات بے قید ہو جاتے

ہین، یہ وہ عمر ہے کہ اگر اس عمر کے آدمی انصاف سے کام لیتے تو تصنیف و تالیف کو
ہات تک نہ لگاتے میرا خیال تھا کہ مذہب کی شان، مذہب کی سچائی کی خود ایک بہت
بڑی دلیل ہے، مین اسلام کے متعلق کچھ لکھنے لگا اور مجھکو کچھ خبر نہ تھی کہ قلم اس وقت
بالکل دل کے قابو مین ہے،

کتاب کے شایع کرنے سے پہلے مجھکو یہ بتانا ضرور ہے، کہ مجھ کو اسلام کے متعلق
کچھ لکھنے کا کیا خاص حق حاصل ہے، مین نے مدت تک اہل عرب کے ساتھ زندگی
بسر کی ہے، اور مشرقیون کے مزاج اور طبیعت کے دریافت کرنے مین اکثر مصروف
رہا ہون، میرا طریقہ وہی ہے، جو الجزائر کے مستعربون کا ہے، اور اسی بنا پر مین سب سے
پہلے معزز مستشرقون سے بہ ادب و نیاز یہ درخواست کرتا ہون کہ مجھکو ان لوگون
کی فہرست مین نہ داخل کرین جنکا یہ حال ہے کہ وہ عرب کا رخ کرتے ہین، اور چند روز
کی سیاحت مین ادھر اودھر کی گپین سنکر اسلام کے متعلق لکھنے بیٹھ جاتے ہین، اس لئے
انکی تحریر محض شاعرانہ ہوتی ہے، یہان تک کہ مانسیو لوازون بھی اس قسم کی لغزش
سے نہ بچ سکا، اس کا قلم سبک سر ہو کر تخیلات کی کشش مین آگیا، اس کو مشرق کی
ہر چیز بھلی معلوم ہوتی تھی، اس کی رائین اسلام کے متعلق ایک فسانہ گو کی رائین ہین،
نہ کہ حکیمانہ اور محققانہ، مین اسکی طرح خواہ مخواہ اسلام کی شان بڑھانا نہین چاہتا،
لیکن چونکہ مین دیکھتا ہون کہ موجودہ زمانہ مین یہ ایک بڑا مہتم بالشان مسئلہ بنگیا
ہے، یہان تک کہ خاص ان مباحث کے لئے پیرس مین ایک علمی میگزین جاری
ہوا، جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ صلیب پرست عیسائی مسجد بنانے کی غرض سے مسلمانون کو مالی
امداد دے رہے ہین، اس بنا پر مین نے اس موقع کو اس بات کے لئے غنیمت جانا

کہ ہم لوگون کے دماغ مین پیغمبر عرب اور مذہب اسلام کے متعلق جو غلط خیالات جم گئے ہین،
ان سے لوگون کو متنبہ کرون،

یہ ایک نہایت مشکل کام ہے، کیونکہ یہ مسلم ہے، کہ لا یرسخ فی الاعتقاد اکثر من خطاء
الاعتقاد، میرا یہی خیال ہی، کہ عیسائیون کی شایستہ قومون کے لئے صرف یہی کافی نہین کہ وہ
اپنی مسلمان رعایا کے مذہب کی عزت کرین بلکہ ان کا یہ بھی فرض ہے، کہ اس مذہب کی حقیقت
سے بخوبی واقف ہون ہمکو ان قصون کے سننے سے ہنسی آتی ہے، جن مین یہ بیان کیاجاتا
ہے، کہ مسلمان عیسائیون سے کس قدر عناد رکھتے ہین، اس وقت ہم کہتے ہین کہ مسلمان متعصب
اور جاہل قوم ہین، اور اس عناد پروری مین ان کو معذور سمجھنا چاہیے، لیکن اسی طرح عیسائی
بھی مسلمانون سے نفرت رکھتے ہین اور انصاف سے کام نہین لیتے،

مذہب اسلام کے متعلق سب سے زیادہ غلط اوہام جو ہم لوگون مین پھیل گئے ہین، وہ
خاص پیغمبر صلعم کی ذات کی نسبت ہین، اس لئے مین نے ارادہ کیا کہ سب سے پہلے مین پیغمبر صلعم
کی ذات اور انکی اخلاقی حالت کے متعلق بحث کرون مجھکو امید ہی کہ یہی بحث انکی سچائی اور
دیانت داری کی ایک عمدہ دلیل ثابت ہوگی، جس پر قریباً تمام مذاہب کے مورخین اور
بڑے پکے عیسائی متفق اللفظ ہین،

پہلی فصل

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سچائی

تلمسان کے ایک طالب العلم سے مین مذہبی مباحثات کیا کرتا تھا، وہ جب مناظرہ

سے گریز کرنا چاہتا تھا تو کہتا تھا کہ عیسائی تو کہتے ہین کہ خدا کی اولاد ہے، اور محمدؐ جادوگر تھے، اس کے یہ الفاظ حقارت سے لبریز ہوتے تھے، جس طرح کسی بت پرست سے اسکی حالت پر ترس کھا کر خطاب کیا جائے، حالانکہ یہ طالب العلم میرا بہت ادب کرتا تھا اور مجھ سے بہت دوستانہ تعلقات رکھتا تھا، اس کا خیال تھا کہ جس طرح محمدؐ (رسول اللہ) کا ساحر ہونا افترائے محض ہے، اسی طرح تثلیث کا اعتقاد بھی محض تہمت ہی، اور یہ کہ ایسی قوم سے جو اس قسم کی لغو باتون کی قائل ہو گفتگو کرنا بھی عبث ہی،

لیکن اگر مسلمانون کو وہ قصے معلوم ہون جو عیسائیون مین قرون وسطیٰ کے زمانہ مین مشہور تھے، اور اُن گیتون سے اطلاع ہو جو عیسائیون مین گائے جاتے تھے تو معلوم نہین مسلمانون کو کس قدر حیرت ہوگی، بارہوین صدی عیسوی کے قبل تک جس قدر گیت ہم لوگون مین پھیلے ہوئے تھے گویا سب ایک دماغ کے نتیجے تھے، یہی گیت ہین جنکی بدولت کروسیڈ کی لڑائیان برپا ہوئین، ان سب کا موضوع مسلمانون سے سخت تنفر پیدا کرنا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمانون کے مذہب سے لوگ بالکل جاہل تھے، انھین گیتون نے اُن بے ہودہ روایتون کو دلون مین راسخ کر دیا، اور انھین کی بدولت یہ غلط فہمیان قایم ہوگئین جنمین سے اکثر آج بھی قائم ہین،

ان گیتون کے گانے والے عموماً یقین رکھتے تھے کہ مسلمان مشرک اور بت پرست ہین، اور وہ تین خدا کے قائل ہین، جن کے درجے مختلف ہین، ایک کا نام ماہوم یا ماہون یا بافومیٹ یا ماہومیٹ ہے، دوسرا اپلین، تیسرا ترفاجان ان لوگون کا خیال تھا کہ محمد صلعم نے اپنے دین مین، اپنے آپ کو بھی خدا قرار دیا تھا، لطف یہ ہی کہ محمد صلعم (جو درحقیقت بت کے دشمن اور بتون کے برباد کرنیوالے تھے) نے اپنی صورت

کا ایک زرین بت بنایا تھا، اور لوگون سے اس کی پوجا کراتے تھے، جیسا کہ لرو فنجیون کا اعتقاد تھا، یہ لوگ بیان کرتے ہین کہ جب عیسائیون نے مسلمانون پر فتح پائی، اور ان کو سرقوسطہ کی دیوار تک ہٹائے گئے تو مسلمانون نے جا کر اپنے تمام بت جنکو وہ پوجتے تھے، توڑ ڈالے، چنانچہ عہد وسطیٰ کے ایک مئنڈ کا بیان ہے کہ مسلمانون کا خدا اپلین ایک غار مین تھا مسلمانون نے اس پر پتھر برسائے، اور خوب دل کھول کر اسکو گالیان دین؛ پھر سولی پر چڑھایا، اور خوب پامال کیا، اور مارے ڈنڈون کے اس کے ریزے ریزے کر دیئے،

ماہومد کو جو دوسرا خدا تھا، ایک گڑھے مین پھینک دیا، یہان تک کہ سور اور کتے اس کو نوچتے اور روندتے تھے، اس طرح کی اہانت کبھی کسی خدا کی نہین ہوئی تھی لیکن مسلمانون نے پھر توبہ کی اور اپنے خداؤن سے معافی چاہی، اور ان کی مرمت و اصلاح کی؛ اسی بنا پر امپرر کارلوس جب سرقوطہ مین داخل ہوا تو اس نے حکم دیا کہ یہ سارے بت برباد کر دیئے جائین، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے، کہ امپرر نے فرنج کو حکم دیا کہ وہ شہر کے تمام گلی کوچون مین پھرے اور مسجدون اور جامع مسجدون مین گھس کر آہنین گرزون سے ماہومد اور اور تمام بتون کو توڑ ڈالے، ریشار نے بھی اپنے اشعار مین یہ روایت بیان کی ہے، یہ اشعار فی نفسہ بہت اچھے ہین لیکن سرتاپا تہمت اور افترا ہین؛ ان مین خدا سے یہ دعا مانگی ہے کہ ماہوم کی پرستش کرنے والے برباد ہو جائین، پھر ترفا کے ملک کو جنگ مقدس کی ترغیب دی ہے، اور ان کو ان الفاظ مین نصیحت کی ہے،

اٹھو اور ماہومید، ترفاجیان کو برباد کر دو، ان کو آگ مین ڈال دو اور خدا کے آگے ۲۰ قربانی پیش کرو، ان شعرا کا خیال تھا کہ ماہوم کا بت نہایت اعلیٰ درجہ کی

کاریگری کے ساتھ قیمتی پتھروں اور جواہرات سے بنایا جاتا تھا، چنانچہ اگر کوئی شخص رولان کے اشعار پڑھے تو عجب نہیں کہ قسم کھانے پر تیار ہو جائے کہ شاعر چشم دید واقعات بیان کر رہا ہے، ان اشعار مین بیان کیا ہے کہ یہ بت خالص سونے چاندی کے تھے اور اگر تم ان کو دیکھتے تو تم کو یقین آجاتا کہ ان سے بڑھکر خوبصورت، شاندار، لطیف الصنعہ پُر رعب ہونا عقل مین نہین آسکتا، ماہوم بالکل خالص چاندی اور سونے کا بنا ہوا تھا، اور اس کی چمک دمک سے آنکھین خیرہ ہوئی جاتی تھین، وہ ایک ہاتھی پر دھرا ہوا تھا، جس کا ہودج اعلیٰ سے اعلیٰ کاریگری کا بنا ہوا تھا، وہ اندر سے خالی تھا، اور اس وجہ سے اس کی چمک پھوٹ کر نکلتی تھی، اس مین نہایت قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے، اور اس کا اندر کا حصہ چمک کی وجہ سے باہر سے نظر آتا تھا، یہ ایک ایسی کاریگری تھی جو بالکل بے نظیر تھی، چونکہ دیوتاؤن کا قاعدہ ہے، کہ مشکل کے وقت وحی بھیجتے ہین، اس لئے جب مسلمانون نے ایک معرکہ مین شکست کھائی تو ان کے سردار نے مکہ مین مدد مانگنے کے لئے قاصد بھیجا، اس وقت ان کا دیوتا ماہومد بڑی شان وشوکت سے دمامہ ونقارہ کے ساتھ آیا، جس کی گونج دور دور تک جاتی تھی، بعض بانسری بجاتے آتے تھے، اور بعضون کے ہاتھ مین چاندی کی جھانجھ تھی، اور یہ سب ماہومد کے گرداگرد ناچتے اور بڑے زور سے گاتے آتے تھے، اس ساز وسامان کے ساتھ فرودگاہ مین پہونچے، جہان خلیفۂ اسلام ان کا انتظار کر رہا تھا، جب خلیفہ نے ماہومد کو دیکھا تو نہایت خضوع اور ادب کے ساتھ کھڑا ہوگیا، اور بندگی بجالایا،

اس کے بعد ریشار نے بیان کیا ہے، کہ یہ بت پرست کیونکر اس مجوف بت سے جس کے اندر کی چیزین باہر سے نظر آتی تھین، دعائین مانگتے تھے، ریشار کا بیان ہے کہ اس بت

کے اندر جادوگرون نے ایک عفریت کو بند کیا تھا، وہ اچھلتا کودتا تھا، اور پھر اس نے مسلمانون سے مخاطب ہوکر باتین کین،،

عیسائی شعرا اس (فرضی) بت سے نہایت عداوت رکھتے تھے، چنانچہ جس طرح صلیب عیسائیون کی مذہبی علامت ہی، ان لوگون نے اس بت کو مسلمانون کی علامت قرار دیا، چنانچہ بودوان نے یونیتو کے متعلق جو نظم لکھی ہے، اس مین لکھا ہی کہ جب یونیتو نے سلطان صلاح الدین کے سامنے اسلام قبول کرنا چاہا تو کہا کہ اگر محمدؐ کا بت میرے سامنے لایا جائے تو مین اس کی عبادت بجا لاؤن چنانچہ جب وہ لایا گیا، تو یونیتو سجدہ مین گر پڑا"

ایک اور نظم سے جو اسی نظم کا تمہ ہے، ظاہر ہوتا ہے، کہ مسلمانون کے دو خدا اور بھی ہین، بارافون اور رجوبین، اتنا فرق ہے کہ وہ پہلے تین خدا بہ طور سردار کے ہین، اس نظم مین بیان ہی کہ جب ایک عیسائی سردار نے مسلمانون کی فوج کو جو مکہ سے چلی تھی، شکست دی تو مسلمان نہایت بدحواس ہوئے، وہ چیخنے چلاتے شور مچاتے دوڑتے پھرتے تھے، اور نہایت زور سے پکارتے تھے، کہ دہائی ترفان کی دہائی ماہوم کی،

معہذا، ایک اور نظم جو اسی زمانہ کی ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماہود اکسی بت کا نام نہ تھا، یہ نظم بشپ الگزنڈر دویلون کی ہے، جو اس نے ۱۲۵۸ء مین لکھی تھی، یہ نظم ایک مسلمان کے خیالات سے ماخوذ ہے، جو عیسائی ہوگیا تھا، تمام لوگ اس نظم کو بالکل سچا اور صحیح تاریخی واقعہ خیال کرتے تھے، اس کا مضمون یہ ہے، "یہ امر طے شدہ ہی کہ......[1] کو فریب، خیانت، دھوکا دینا خوب آتا تھا" (نعوذ باللہ) اسکے بعد شاعر نے محمد (رسول اللہ)

[1] جہان جہان اس طرح نقطے دیدیئے گئے ہین وہان نہایت بیہودہ الفاظ آنحضرت صلعم کی نسبت تھے، اسلیے ہین انکو نقل کرسکا نہ

کو ایک ایسے سروار سے تشبیہ دی ہے جس کے گرد اس کے پیرو جمع ہین، اور وہ اپنے مذہب کو سادہ طریقہ سے تعلیم کر رہا ہے یہان تک کہ لوگون کو اس پر اس سے زیادہ اعتقاد ہو گیا جتنا کہ روما کے امام پر ہوا تھا"

ان بیہودہ اقوال کے نقل کرنے مین مین نے زیادہ تطویل کی جسکی وجہ یہ ہے کہ انگریز مذکور کی تاریخ نے ان بیہودہ روایتون کو معدوم نہین کیا، بلکہ ان کا اثر دلون مین اب بھی موجود ہے، اور اسی وجہ سے پیغمبر اسلام اور قرآن کے متعلق آج بھی لوگون کی نہایت مختلف رائین ہین، اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ یہ شعراء ان قصون کو کیا درحقیقت سچ سمجھتے تھے تو مین نارمنڈ والون کی طرح جواب مین ہان بھی کہونگا، اور نہین بھی، کیونکہ یہ قطعی ہے کہ چونکہ مسلمان اور عیسائی باہم ملتے جلتے رہتے تھے، اس لئے مذہب اسلام کی حقیقت سے واقف ہونا مشکل نہ تھا، لیکن وہ درحقیقت یہ چاہتے ہی نہ تھے، کہ اپنے اشعار مین تاریخی سچے واقعات بیان کرین، ان کا مقصد صرف عیسائیون مین بغض اور نفرت کی روح کا پھونکنا تھا، اسلئے ان کو ضرورت تھی کہ مسلمانون اور اُنکے پیغمبر اور انکے مذہب کے ایسے اوصاف بیان کرین جو ان لوگون کے مذاق اور معلومات کے موافق ہون جنکے سامنے یہ اشعار پڑھے جاتے تھے،

ان شعرائے قطع نظر کر کے جب ہم زمانۂ مابعد کی ان متکلمین کی تصنیفات پڑھتے ہین جن کی رائین اعتدال کی طرف مائل ہوتی ہین، تو یہ تصنیفات بھی خرافات اور سب وشتم سے مملو نظر آتی ہین طرہ یہ کہ گروہ مصلح یعنی پروٹسٹنٹ کا تعصب اور زیادہ بڑھا ہوا ہے، چنانچہ بیلنڈر نے محمدؐ (رسول اللہ) کو (نعوذ باللہ) .... سے تشبیہ دی ہے، اور قرآن و شریعت اسلام کو بھی انھین لفظون سے یاد کیا ہے، ہم کو اس دعوے پر

دلیل لانے کی ضرورت نہین، بلکہ صرف یہ کہنا کافی ہے کہ ناظرین کو اپنی توجہ ریلا ن کی کتاب کے دیباچہ کی طرف مبذول کرنی چاہیئے، یہ کتاب ۱۸۷۱ء مین چھپی ہے، اور اس کا موضوع یہ ہے" مذہب اسلام کے متعلق لوگون کو کیون بہت کم واقفیت ہے"

مصنف مذکور کہتا ہے کہ ارباب بحث کو اگر یہ مقصود ہو کہ کسی مذہب یا طریقہ پر ذلت و عار کا داغ لگائین تو ان کو صرف یہ کہنا چاہیئے کہ وہ مذہب محمدؐ (رسول اللہ) کی طرف منسوب ہے، بشپ ورن مارتینو الفانسو فیقا لدو نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام" کلیسائے مقدس و رزین کا چراغ" ہے، اس کتاب مین وہ لکھتا ہے، کہ محمد (صلعم) کی کتاب کو پڑھنا نہین چاہیئے، بلکہ انسان کا یہ فرض ہے کہ اس کے ساتھ استہزا کرے اور آگ مین جلا دے، اس کو محفوظ رکھنا جانورون کا کام ہے" بعضون کی یہ رائے ہے، کہ جلانا نہین چاہیئے لیکن ایسے لغو مزخرفات کے یاد کرنے مین انسان کو اپنا وقت صرف نہ کرنا چاہیئے جو ایک .... آدمی کے خیالات ہین،

یہ رائین تو قرآن مجید اور بانئی اسلامؐ کے متعلق ہین، باقی مسلمان تو ان کو ان تصنیفات مین ان الفاظ سے یاد کیا گیا ہے، پلید، ست، گدھے، خر صحرائی، قابل نفرت وہ لوگ جنکا یہ کام ہے کہ رات کو اپنا گھر عورتون سے بھر لیتے ہین، اور صبح کو ان کو طلاق دیدیتے ہین" اور اگر تم کو گالیون کا خزانہ دیکھنا ہو تو ایک عیسائی کی کتاب دیکھو جسکا نام بروشار ہے، اس کتاب کا نام رہنمائے سفر ہے مصنف نے یہ کتاب امیر فلپ روفالو کی خدمت مین ۱۳۳۲ء مین پیش کی تھی، اسمین اس نے بیان کیا ہے کہ کروسیڈ کی لڑائیان کن اسباب سے ظہور مین آئین، چنانچہ کہتا ہے، کہ کون ہے، جو یہ دیکھکر آنسو نہ بہائے گا کہ جو زمین ہماری میراث نہین" ان پر اس قوم نے قبضہ کر لیا ہے،

جن کے نہ خدا ہے، نہ مذہب نہ شریعت نہ اقرار نہ رحم، یہ لوگ دنی اور کمینہ ہین، اور سچائی اور صفائی نیکی اور عدل کے دشمن ہین، خدا کے منکر ہین، عیسائیون پر جبر کرتے ہین، نہایت کثرت سے شادیان کرتے ہین، لڑکون سے بدکاری کرتے ہین، بے زبان جانورون پر ظلم کرتے ہین، فطرت انسانی کے مخالف ہین، فضائل کے قاتل ہین، اخلاق کے مار ڈالنے والے ہین، گناہون اور برائیون مین مستغرق ہین، شیطان کے دوست ہین، کمینہ باتون کے حامی ہین، کینہ ور ہین، پست خیال ہین، ان کے افعال مبتذل، زندگی پست، باتین فحش، معاشرت حقیر اور جانورانہ ہے، ان کے ارادے اور حوصلے جب مائل ہوتے ہین تو صرف حیوانانہ خواہشون کی طرف مائل ہوتے ہین، یہ وہ لوگ ہین جنھون نے ہم لوگون کو ان مقامات سے نکال دیا، اور چھوٹی سی جگہ مین بھی جہان ہم رہتے ہین ہم کو ستاتے ہین، ہمارے ساتھ اور ہمارے مذہب کے ساتھ مسخراپن کرتے ہین، انھین لوگون نے خدا کے گھر کو برباد کر دیا، اور اس پاک شہر پر قابض ہو گئے، جو ہماری شریعت کا فرودگاہ ہے، اور ان پاک مقامات کو نجس کر دیا"

اس قسم کے خیالات عیسائیون مین ایک مدت تک پھیلے رہے، یہان تک کہ اورسیٹ پریڈو نے ۱۷۳۳ء مین ایک کتاب (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات مین تصنیف کی، اور اس کے دیباچہ مین اس تصنیف کا مقصد یہ بیان کیا، اس کتاب کی تصنیف کا مقصد اس آدمی کی سوانحعمری کے لکھنے کے ذریعہ سے، عیسائی حکیمانہ مقصد کی خدمت گزاری ہے، ان مصنفون نے درحقیقت اپنا مقصد تاریخ لکھنا نہین قرار دیا بلکہ ان کا مقصد جیسا کہ خود ان کا بیان ہے، عیسائی مذہب کی خدمتگزاری ہے، یہ لوگ اپنے مبتذل دلائل کی تائید مین جو ہتھیار استعمال کرتے تھے، وہ محض

دشنام دہی اور سخت کلامی تھی، اس کے ساتھ روایت اور نقل مین جس قدر تحریف ہوسکتی تھی کرسکتے تھے، صرف داماسین نے یہ قصد کیا کہ ان عام تصنیفات کی مخالفت کرے، جس کی وجہ یہ تھی، کہ وہ شام مین پلا تھا، اور خلفاے اسلام کا مقرب تھا چنانچہ اس نے مذہب اسلام کے رد مین جو کچھ لکھا بلا تعصب لکھا، اس نے یہ راے ظاہر کی کہ اسلام عیسائی ہی مذہب کی بگڑی ہوئی صورت ہے، جیسا کہ ارلوی کا خیال تھا، با این ہمہ یورپ پر اسکی تصنیف کا کچھ اثر نہ ہوا، اور ان کے جو بیہودہ خیالات پیغمبر اسلام اور قرآن کی نسبت تھے اسی طرح قایم رہے، پیشوایانِ مذہب (یعنی پادری اور بشپ وغیرہ) بھی انھین خیالات کو قوت دیتے تھے اور لوگون کے ذہن مین بٹھاتے تھے، اسی پالٹیکس کا نتیجہ ہے کہ لوگ اسلام کے ساتھ سخرا پن کرتے ہین، ان خیالات کی اشاعت نے یورپون کو مذہبی لڑائیون سے بے نیاز کر دیا، چنانچہ لاطینی چرچ آٹھوین صدی مین اور کامون مین مشغول تھا، کیونکہ شرقی چرچ دو ضرر رسان مصیبتون مین گھرا ہوا تھا، ایک یہ کہ ایک ہی روح کے دو جسم بن گئے، دوسرے یہ کہ ایک روح تھی اور ایک ہی جسم بھی تھا

اسلام کے متعلق آزادانہ اور غیر متعصبانہ بحث ہمارے زمانہ سے آغاز ہوئی، کیونکہ انیسوین صدی مین لوگون نے اس مسئلہ کو ایک محقق کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے متعلق مختلف رائین قائم ہوگئین، کچھ لوگ قرآن کے فریفتہ ہوگئے اور بعضون نے نکتہ چینی کی، تاہم اس دوسری قسم کے لوگون مین اب بھی قدیم خیالات کی بو آتی ہے، مانسیو دروختی نے عرب کا سفرنامہ ۱۸۸۸ء مین شایع کیا، اسمین پیغمبر اسلام کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ...... تھے لیکن انکو یہ خیال نہین رہا، کہ اب یہ الفاظ کسی دعوی کی صحت کے دلیل نہین ہوسکتے،

پہلی بحث جو پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ پیغمبر اسلام صلعم اپنی رسالت مین سچے تھے یا نہین، حالانکہ ہم کہہ چکے ہین، کہ یہ امر مستشرقین اور متکلمین سب کے نزدیک مسلم ہے، یہ بھی ظاہر ہے کہ اس مسئلہ کو قرآن کے منزل من اللہ ہونے سے کوئی تعلق نہین ہے، کیونکہ پیغمبر کی سچائی ثابت کرنے کے لئے صرف اس قدر ثابت کرنا کافی ہے، کہ ان کو اپنی نبوت پر پورا یقین تھا اور وہ اپنے آپ کو سچا پیغمبر سمجھتے تھے، باقی آپ کی پیغمبری کا مقصد، توخداے واحد کی پرستش کا قایم کرنا تھا، بجاے اُس بت پرستی کے جو آپ کے قبیلہ مین ابتدا سے قائم تھی، اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ پر جب سارہ خفا ہوئین اور اپنے گھر سے نکالدیا تو وہ عرب کو چلے آئے اور اپنے باپ ابراہیم کے مذہب کو عرب مین شایع کیا، لیکن عرب مین اس مذہب کا اثر بالکل ایک خیال سا رہ گیا تھا، کیونکہ عرب مین ایسے لوگ نہ تھے جو یاد دلاتے رہتے کہ ابراہیم کا خدا اعالی رتبہ خدا ہے اور شرکت کو گوارا نہین کرتا، بخلاف اس کے بنواسرائیل مین ایسے لوگ ہمیشہ پیدا ہوتے رہے بہر حال وہ اسماعیلی مذہب روز بروز زائل ہوتا گیا، اور بجائے اس کے ان خداؤن کی پرستش قایم ہوتی گئی جن کی پرستش اور قومون مین ہوتی تھی، یہان تک کہ اسمٰعیلی مذہب بالکل فنا ہوگیا، اس کے بعد بعض قبائل عرب مین جو شام کے ہمسایہ تھے، یہودیت کا رواج ہوا لیکن عیسوی مذہب نے ان مقامات مین ظہور نہین کیا چنانچہ تیث نے جو چوتھی صدی عیسوی مین بصرہ کا بشپ تھا خود اقرار کیا ہے کہ عرب کی خانہ بدوش زندگی عیسوی مذہب کو پھیلنے نہین دیتی،

عرب مین ساتوین صدی تک مذہب کی یہ حالت رہی، اس زمانہ کی نسبت مصنفون نے اپنے اپنے مذاق کے موافق مختلف خیالات ظاہر کئے ہین، اور جیسا کہ میرا اعتقاد ہے اسی بنا پر ان کے اقوال عرب اور اہلِ عرب کی حالت اور اعتبار کے متعلق باہم تناقض ہین،

مانسیو رنیان کا بیان ہے کہ تمدن کی تمام تاریخ مین عرب جاہلیت کے زمانہ سے زیادہ کوئی خوبصورت منظر نہین ہے، اس کی یہ بھی راے ہے کہ یہ قبائل یہودی یا عیسائی مذہب رکھتے تھے اور ایک عظیم الشان مذہبی اشتعال کے لئے تیار تھے، لیکن مانسیو بارتیلی سینٹ ہلیر کہتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ ان لوگون مین ایک کامل تمدن پایا جاتا تھا تو وہ اس قسم کی اخلاقی تعلیم کے کیون محتاج ہوتے جس کے سننے سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہوتے ہین مثلاً:۔

حرمت علیکم امہاتکم وبناتکم واخواتکم	تم پر تمھاری مائین حرام ہین اور بیٹیان اور بہنین
وعماتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات	اور پھوپھیان اور خالائین اور بھتیجیان، اور
الاخت	بھانجیان،

اس مصنف کی یہ راے ہے کہ اہل عرب ایک وحشی قوم تھی اور ان کی حالت قریباً ویسی ہی تھی جیسی یہودیون کی، اس زمانہ مین جب حضرت موسیٰؑ مبعوث ہوئے تھے اور اسی قسم کے احکام لائے تھے،

ان دونون رایون مین مین کسی کے ترجیح دینے پر غور کرنا نہین چاہتا، لیکن میری راے ہے، کہ دونون مین افراط و تفریط ہے، عرب کی قوم پیغمبرؐ سے پہلے عموماً بت پرست تھی، اور وحدانیت کا اعتقاد خال خال بعض طبیعتون مین پیدا ہو چلا تھا، اس کے اعتقاد والے حنیفی کہلاتے تھے، جو ابراہیمی مذہب کے پیرو تھے، باقی عیسائی تو ان کے بہت کثرت سے فرقے تھے، اور سب کے سب کسی خدا کے قائل تھے پیغمبر نے حنیفون کے مذہب کو ایک سطحی حالت مین پایا تھا، لیکن چونکہ ان کی فطرت مذہب سے لبریز تھی، اس لئے یہی خیال ان کے دل مین اعتقاد بن گیا، اور ایسا اعتقاد کہ اس کی نظیر اس سے پہلے بہت کم پائی گئی تھی، یہ وہی مضبوط اعتقاد تھا جس نے انسانی نوع مین ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا، اور یہ بالکل غلطی ہے کہ ہم دین حنیفی

کے سوا اور کسی مذہب مین اس مذہب کے عمیم الفیض مبدء کی جستجو کرین، کیونکہ محمدؐ پڑھے لکھے نہ تھے، بلکہ جیسا کہ خود انھون نے بار بار اقرار کیا ہے بالکل ان پڑھ تھے، اور اس وصف مین ان کے معاصرین مین سے کسی نے ان سے معارضہ نہین کیا، اور یہ ظاہر ہے کہ بلاد مشرق مین یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ کوئی شخص اس طرح علم حاصل کرے کہ کسی کو خبر نہ ہو، کیونکہ مشرقیون کی زندگی پردہ خفا مین نہین رہتی، اس کے علاوہ اس زمانہ مین پڑھنا لکھنا ان ممالک مین بالکل معدوم تھا، اور ایک شخص کے سوا جس کا ذکر ڈی تاسے نے اپنی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۷ء مین کیا ہے، کوئی شخص مکہ مین پڑھا لکھا نہ تھا، اسی طرح اس قرینہ کی بنا پر کہ حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تجارت کے کام کے لئے انتخاب کیا تھا، یہ نتیجہ نکالنا کہ اگر آپ پڑھے لکھے نہ تھے تو وہ تجارت کا کام ان کو کیونکر سپرد کرتین، صحیح نہین، عرب اور غیر عرب قومون مین عموماً تجار کے ہان ان کے ایجنٹ اور نائب ان پڑھ ہوتے ہین، اور باوجود اس کے اورون کی بہ نسبت زیادہ دیانتدار ہوتے ہین،

غرض بیانات سابقہ سے ظاہر ہے کہ محمد (صلعم) نے نہ کوئی آسمانی کتاب پڑھی تھی اور نہ مذاہب کے متعلق مذاہب سابقہ سے رہنمائی حاصل کی تھی، اگرچہ الگزنڈر دویون کا یہ بیان ہے، کہ وہ عیسوی مذہب سے قرأت اور کتابت دونون طریقہ پر واقف تھے،

بے شبہہ ان ماخذون کا پتہ لگانا جن سے یہ ثابت ہو کہ آپ نے عیسوی یہودی یا ستارہ پرستون کے عقائد کو زبانی سیکھا تھا، نہایت مفید ہوگا، کیونکہ قرآن اور توراۃ مین اکثر جگہ توافق پایا جاتا ہے، تاہم یہ بحث دوسرے درجہ کی بحث ہوگی، کیونکہ اگر یہ فرض بھی کرلیا جائے کہ قرآن مجید دیگر کتب آسمانی سے ماخوذ ہے، تاہم یہ مشکل بحال خود باقی رہے گی، کہ آپ مین یہ مذہبی روح کہان سے آئی، اور وحدانیت کا ایسا مضبوط خیال کیونکر دل مین آیا، جو ان کے جسم

روح پرچھا گیا، ہم کو یہ بھی معلوم ہے کہ اظہار نبوت سے پہلے ان پر بڑی سختیان گذرین، اور انکو بہت سے مصائب جھیلنے پڑے، کیونکہ خدا نے ان کی فطرت ہی مذہب کے لئے بنائی تھی، اور یہی وجہ تھی کہ سب کو چھوڑ کر انھون نے عزلت اختیار کی تاکہ بت پرستی اور تعدد آلہہ کی بدعت مین مبتلا نہ ہونا پڑے، جس کو عیسائیون نے خود ایجاد کیا تھا، ان دونون مذہبون کی نفرت ان کے دل مین بیٹھ گئی تھی، ان مذہبون کا وجود کانٹے کی طرح ان کے دل مین کھٹکتا تھا اس غرض سے کہ جو عظیم الشان تفکر یعنی وحدانیت کا خیال ان کے دل مین اتر گیا تھا محض اسی سے سروکار رکھین، کوہ حرا مین گوشہ نشینی اختیار کی، یہان بیٹھ کر ان کے خیال نے دریاے فکر مین نہایت آزادی کے ساتھ جولانیان شروع کین، اس کے ساتھ وہ ہمیشہ عبادت اور تہجد مین مشغول رہتے تھے، اسی حالت مین کئی دن گذر گئے، ان مقامات کی راتین نہایت مفرح اور خوشگوار ہوتی ہین، یہان تک کہ عوام مین مشہور ہے کہ ملائکہ خدا سے اجازت مانگتے ہین کہ آسمان سے اتر کر دو ایک دن ان راتون کے سمان کا لطف اٹھائین،

اللہ اکبر! معلوم نہین یہ چہل سالہ شدید الذہن جوان جس کا شمار ان مشرقی لوگون مین ہے جو قوت ادراک اور حدت تخیل مین فرد ہین، اور جنکا یہ کام نہین کہ منصوبے ہی گھڑا کرین اس وقت کیا سوچ رہا تھا، وہ ہر بار یہی کہتا تھا اور برابر کہے جاتا تھا "خدا ایک ہے" "خدا ایک ہے" یہ وہ الفاظ ہین، جنکو اس کے بعد تمام مسلمان ہمیشہ دہرایا کئے، اور جن کو ہم عیسائیون نے اس وجہ سے فراموش کر دیا کہ توحید کے خیال سے ہم بہت دور پڑ گئے ہین،

پیغمبر کا خیال برابر اسی دُھن مین مشغول رہا، یہان تک کہ یہی خیال مختلف صورتون مین جلوہ گر ہو کر ان کے سامنے آیا، لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد، عربی زبان مین مترادف الفاظ کی کثرت نے محمد صلعم کو اس بلند خیال کے بار بار ادا کرنے مین بہت مدد دی

جس کو وہ ظاہر کرنا چاہتے تھے اور انھین انکار اور اسی طرز پرستش سے اسلام کا یہ جملہ پیدا ہوا کہ لا الہ الا اللہ یہی اصلی اعتقاد ہے، اُس یکتا خدا بے نیاز کا جو عیوب سے پاک ہے عقل کا اس اعتقاد کو خیال مین لانا بآسانی ممکن ہے، یہ ایک ایسا قوی اعتقاد ہے، جس پر مسلمان ہمیشہ یقین کرتے آئے ہین اور جس کی وجہ سے وہ تمام اور قبایل اور اقوام سے ممتاز ہین، درحقیقت انھی کے ایمان کو ایمان کہا جا سکتا ہے، جیسا کہ انکا خود دعوی بھی ہے، یہ بالکل ناممکن ہے کہ یہ اعتقاد محمد صلعم کو توراۃ اور انجیل سے پہونچا ہو، کیونکہ وہ اگر ان کتابون کو پڑھتے تو اٹھا کر پھینکدیتے، کیونکہ وہ دیکھتے کہ اسمین تثلیث موجود ہے، جو ان کی فطرت اور ان کے مذاق طبعی کے خلاف ہے، ایسے اعتقاد کا دفعۃً انکی زبان سے ظاہر ہونا، ان کی زندگی کا بڑا مظہر ہے، اور فی نفسہ یہی آپکی پیغمبری اور آپ کی دیانت فی النبوت کی دلیل اعظم ہو،

قرآن کی وحی کا مسئلہ اور بھی زیادہ مشکل اور پیچیدہ مسئلہ ہے، کیونکہ ارباب بحث اسکو معقول طور پر حل نہین کرسکے، عقل بالکل حیرت زدہ ہے کہ اس قسم کا کلام اس شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا جو بالکل ان پڑھ تھا، تمام مشرق نے اقرار کیا ہے، کہ یہ وہ کلام ہے کہ نوع انسانی لفظاً و معناً ہر اعتبار سے اسکی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، یہ وہی کلام ہے کہ جب عتبہ بن ربیعہ نے اس کو سنا تو اس کے حسن پر حیرت زدہ رہگیا، یہ وہی کلام ہے جسکی بلند انشا پردازی نے عمر بن خطابؓ کو مطمئن کر دیا، اور وہ خدا کے معترف ہوگئے یہ وہی کلام ہے، کہ جب یحیٰی کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر ابن ابی طالب نے نجاشی کے سامنے پڑھے تو اس کی آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، اور لشپ چلا اٹھا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے، جس سے عیسیٰ کا کلام نکلا تھا،

عربون کی صلح پسندی اور بے تعصبی،

جب عرب ایمان قبول کر چکا، اور لوگون کے دل اسلام سے منور ہو چکے، تو اب اسلام دنیا کو ایک دوسرے لباس مین نظر آیا یعنی نرمی، اور آزادی خیالات، یا تو قرآن مین تہدید آمیز آیتین نازل ہوتی تھین یا اب پے در پے اس قسم کے احکام آنے لگے،

لا اکراہ فی الدین، قد تبین الرشد من الغی،	مذہب مین زبردستی نہین راستی گمراہی سے صاف الگ ہے،
ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم،	یہ لوگ خدا کے سوا جن لوگون کو پکارتے ہین (یعنی معبودان باطل) انکو گالی ندو ورنہ جہالت سے وہ بھی خدا کو گالی دین گے،
واصبر علی ما یقولون واھجرھم ھجرا جمیلا،	اے محمد! ان کی باتون پر صبر کر اور ان سے کنارہ کر معقول طریقہ سے،

عرب کے اسلام لانے کے بعد پیغمبر صلعم کی تعلیمات اسی طرح کی تھین، اور آپ کے خلفا نے بھی اسی کی تقلید کی، اس بنا پر ہم کو رابنسن کے اس قول کے ساتھ متفق ہونا پڑتا ہے، کہ صرف محمد صلعم ہی کے پیروون مین یہ بات پائی جاتی ہی، کہ انھون نے جوش مذہب اور حسن سلوک کو ساتھ ساتھ رکھا، یہ جوش مذہب عرب کی فتوحات کا سبب ہوا، لیکن اس قسم کے سبب مین کوئی ہرج نہین،

جب اسلام کی کامیاب فوجون نے شام پر چھاپہ مارا، اور بجلی کی طرح شمالی افریقہ

بحر احمر سے لیکر، اٹلانٹک تک چلیں، تو قرآن اپنے دونون شہپرون کو پھیلائے ہوئے، ان کے پیچھے پیچھے تھا، اس بنا پر اسلامی فوج کے طریق عمل مین کہین ظلم کا نشان نظر نہین آتا، بجز ان امور کے جن سے مفر نہین ہو سکتا، مسلمانون نے کسی قوم کو اس بنا پر قتل نہین کیا، کہ وہ اسلام لانے سے انکار کرتے تھے، اگر ہم بربریون اور مسلمانون کی حملہ آوری کا مقابلہ کرین، تو ہم مانین گے کہ مسلمان نقصان کم پہونچاتے تھے، اور نرمی زیادہ کرتے تھے، مسلمانون کو جن قومون سے سابقہ پڑا، انھون نے انکو تین باتون کا اختیار دیا، اسلام، یا جزیہ، یا جنگ، ابو بکر صدیقؓ نے خالدؓ کو جب شام کی طرف بھیجا تو یہی ہدایت کی، یہ احکام عموماً عمل مین آتے تھے، لیکن بت پرست اس سے مستثنی تھے، کیونکہ ان کے ساتھ اور طرح کا برتاؤ کیا جاتا تھا جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین[1]،

بہتر ہو گا کہ ہم اس موقع پر، ابو بکر صدیقؓ کے احکام اور زبور کی پانچوین کتاب مین جو مدائن کے محاصرہ اور کلدانیون کے معاملہ کے متعلق ہے، موازنہ نہ کرین زبور مین ہے:-

"جب تو کسی شہر کا محاصرہ کرے، تو ان پر امان پیش کرے، اگر وہ لوگ امان قبول کرین، تو سب لوگ محفوظ رہین گے، لیکن اگر وہ لوگ انکار اور دشمنی کا اظہار کرین تو ان کا سخت محاصرہ کر اور فتح حاصل ہونے کے بعد ہر شخص (مرد) کو قتل کر دے"

مسلمانون کو افریقہ اور ایشیا مین عیسائیون کی طرف سے بہت مقابلہ پیش آیا، جس کے بعد وہ نئے مذہب کی طرف مائل ہو گئے،

ایسے باعظمت کلیساؤن کا جیسے کہ کارتھج کے کلیسا تھے، اسلام کے زیر اثر آجانا ایک ایسا واقعہ ہے، جس کی وجہ ایک زمانۂ دراز سے لوگ یہ بیان کرتے ہین، کہ اسلام

[1] یہ مصنف کی غلطی ہے، اسلام نے بت پرستون کو بھی یہی اختیارات دیئے ہین،

نے تعصب اور سختی کا برتاؤ کیا لیکن خود اس زمانہ کے معاصرین اس کی وجہ اقتضاے زمانہ کے موافق یہ بیان کرتے ہین، کہ عیسائی خدا کے غضب کے مستوجب تھے اس لئے خدا نے انکی کجروی کی سزا دی، عیسائی عابدون مین سے بعضون نے اس خیال کی تائید مین لوگون کو توبہ کی ترغیب دلانی چاہی، انھون نے نہایت مبالغہ سے کام لیا، اور عیسائیون پر سخت دار و گیر کی اور لوگون کو یہ یقین دلانا چاہا، کہ اسلامی فوجین ایک آلہ ہین جن کے ذریعہ سے خدا نے عیسائیون پر عذاب نازل کیا ہی،

چونکہ اسلامی فتوحات اور کلیسا کا باہمی اختلاف، دونون واقعات ایک ہی زمانہ مین پیش آئے، اس لئے اگر مورخون نے دونون کو ایک ساتھ ملا دیا، تو ان پر نکتہ چینی نہین ہوسکتی، خود فاتحین بھی قبول اسلام اور اطاعت و حکومت مین فرق نہین کرتے تھے لیکن یہ امر عموماً غلط مانا جاتا ہے، کہ ان دونون واقعات مین سے ایک کو دوسرے کا معلول قرار دیا جائے، ان دونون واقعات مین نہایت خفیف اثر پذیری کا تعلق ہے جس طرح فتوحات اسلام نے عیسائیون کو ترک مذہب پر آمادہ کیا، اسی طرح کلیساؤن کے باہمی اختلاف نے اسلامی فتوحات کے لئے راستے صاف کر دیئے،

بشپ **آریوس** نے حضرت عیسیٰؑ کے خدا ہونے سے انکار کیا تھا، اس بنا پر اس نے گویا پیغمبر عرب کے لئے فوج طلایہ کا کام دیا، کیونکہ اس سے اسلام کے لئے راستہ صاف ہو گیا، کیونکہ اسلام بھی حضرت عیسیٰؑ کے متعلق یہی کہتا ہے، کہ وہ محمد (صلعم) کے قبل آخر الانبیا تھے [1] یہ گویا خرق عادت تھا، کہ اسکندریہ کا بشپ جس کا نام آریوس تھا، عیسائی مذہب کے مقابلہ کے لئے کھڑا ہوا، یہان تک کہ اس مذہب کی بنیادین متزلزل ہو گئین، اور تمام عیسائیون پر

[1] یہان تقریباً دو تین سطرون کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہی جسکی وجہ یہ ہی کہ انکے معنی میری سمجھ مین نہین آئے،

ناامیدی سی چھا گئی، مقدس جیرومؔ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا، کہ "عالم کون، اس بات سے حیرت زدہ ہے، کہ تمام لوگ کافر ہو گئے ہین، اور اب کسی کا یہ عقیدہ نہین رہا، کہ باپ (خدا) نے بیٹے کا جسم اختیار کر لیا تھا"

اگرچہ ان عیسائیون نے جونبس کے پیرو تھے، اس مذہب جدید کو دبا لیا، تاہم افریقہ اور ایشیا کے کلیساؤن مین سخت اختلاف پیدا ہو گیا، اسلام جب لمبے لمبے قدم بڑھاتا آیا تو ان لوگون (پیروان آریوس) نے اسکو کوئی نیا مذہب نہین سمجھا، بلکہ عیسائی مذہب سمجھ کر اسکو قبول کر لیا

اسلام کی وسعت کا ایک اور بھی سبب ہے، یعنی قسطنطنیہ کی جابرانہ حکومت، یہ سلطنت انتہا درجہ کی ظالم تھی، حکام کا ظلم اس حد تک پہونچ گیا تھا کہ لوگ جان سے عاجز آگئے تھے، جب اسلام کا قدم آیا، تو لوگون نے اسلام کے سایہ مین پناہ لی، کیونکہ جو شخص اسلام لاتا تھا، وہ ٹیکسون اور تاوانون سے بچ جاتا تھا، اور مال مسلوبہ اسکو واپس مل جاتا تھا، جو لوگ اسلام نہین قبول کرتے تھے ان سے بھی یہی برتاؤ کیا جاتا تھا صرف جزیہ ان سے لیا جاتا تھا جس کی مقدار نہایت کم ہوتی تھی، یعنی آمدنی کا دسوان یا بارھوان حصہ (یہ غلط ہے، جزیہ کی مقدار بڑے سے بڑے دولتمند کے لئے بھی کبھی ۴۸ درہم سے زیادہ نہین ہو سکتی تھی، جزیہ کی یہ انتہائی تعداد تھی، آمدنی کے حصہ سے اسکو کوئی نسبت نہ تھی، مترجم)

اسلام کے سایہ مین عیسائی مطمئن ہو گئے، دعاۃ اسلام مین کوئی شخص ان کے مذہب سے متعرض نہین ہوتا تھا، اور اصلی عیسائی اور مرتدون مین کوئی فرق نہین کیا جاتا تھا یہ برتاؤ وہ تھا جس کا خود قرآن نے حکم دیا تھا، اور خلفائے اولین اس پر کاربند تھے، یہودی اور عیسائی ذمی کہلاتے تھے غیر مذہب والون کی تین قسمین تھین، ذمی، مستامن، حربی، ذمی اس کو کہتے تھے جو اسلام کے زیر حکومت ہو، اور جزیہ ادا کرتا ہو، اس کو یہ

حقوق حاصل تھے، کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اپنے خدا کی عبادت کرسکتا تھا، اس کو اسلام پر مجبور نہین کیا جاتا تھا، وہ قوانین سلطنت کا پابند ہوتا تھا، اور شخصی قانون مثلاً نکاح، طلاق وراثت مین اس کے مذہب کے موافق عمل کیا جاتا تھا، البتہ جب کسی معاملہ مین اسکا فریق ثانی مسلمان ہوتا تھا تو مذہب اسلام کے مطابق عمل ہوتا تھا،

یہ سخت غلطی ہے کہ ذمی کے لفظ سے دنی اور بزدل کے معنی مراد لئے جائین، درحقیقت اس لفظ کے معنی امان یافتہ کے ہین،

مستامن اس شخص کو کہتے ہین، جو سفر مین ہو، اور احکام سلطنت و قوانین حکومت کے زیر حمایت زندگی بسر کرتا ہو،

حربی وہ ہے، جو اس ملک مین رہتا ہے جو علانیہ اسلام کا دشمن اور حریف جنگ ہے، یا جہان مسلمانون کو امن نہین، ایسا شخص جب اسلامی شہر مین آئے، اور آمادۂ جنگ ہو تو وہ قتل کردیا جائیگا، مگر اس حالت مین کہ اسلام قبول کرلے، اس حالت کے سوا، باقی سب مستامن ہین، بشرطیکہ جزیہ ادا کرین، حضرت علیؓ کا قول ہے، کہ جزیہ اس لئے ہے، کہ ذمی کی جان و مال مسلمانون کے جان و مال کے برابر ہوجائے،

اس نرمی اور حسن معاملت کی وجہ سے اسلام کو ترقی ہوئی، کیونکہ ممالک مشرقی کے سلاطین کے ظلم نے تمام لوگون کو بیزار کردیا تھا، اور لوگ ان سے سخت نفرت کرنے لگے تھے،

اب اگر ہم ابتدائے فتح کے زمانہ کو چھوڑکر اس زمانہ کی طرف آئین، جب کہ اسلام کی حکومت نے استقلال حاصل کرلیا، تو ہم کو صاف نظر آئیگا، کہ اسلام مشرقی عیسائیون کے مقابلہ مین کہین زیادہ نرم خو اور صلح جو تھا،

عرب نے عیسائی رسوم مذہبی کا کبھی معارضہ نہین کیا، اہل روما نہایت آزادی سے،

قبول اسلام مین اس لئے بڑی آسانی ہوئی، کہ مذہب اسلام ایک سیدھا سادھا مذہب ہے، جس کیلئے کلمۂ توحید پڑھنا کافی ہے، ان باتون کے ساتھ بھی یہ نظر نہین آتا، کہ استقلال حکومت کے بعد عیسائیون کے کسی گروہ نے دفعۃً واحدۃً اسلام قبول کیا ہو، بلکہ یہ ضروری تھا، کہ جو شخص اسلام لانا چاہے وہ قاضی کے ہاتھ پر اسلام لائے، اور ایک محضر لکھے، جسمین یہ تصریح ہو کہ وہ سچے اعتقاد سے بغیر کسی دباؤ اور خوف کے اسلام قبول کرتا ہے، کیونکہ کوئی شخص تبدیل مذہب پر مجبور نہین کیا جاسکتا، (یہ محضر ضمیمہ سوم مین درج ہے)

دولت بنو امیہ کے زمانے مین، نہایت کثرت سے عیسائیون نے اسلام قبول کرنا شروع کیا، یہان تک کہ خود خلفا نے اس ترقی کو اس لحاظ سے پسند نہین کیا، کہ بیت المال کی آمدنی کو نقصان پہونچتا تھا، چنانچہ امیر معاویہؓ کے زمانہ مین مصر مین جزیہ کی آمدنی حضرت عثمانؓ کے زمانے کی نسبت سے آدھی رہگئی تھی، اس بنا پر خلفا نے قبول اسلام کی وسعت کو اس طریقہ سے تنگ کردینا چاہا، کہ نو مسلم بھی جزیہ سے معاف نہ کئے جائین، چنانچہ حیان نے عمر بن عبد العزیزؒ کو خط لکھا کہ اگر یہی حالت رہی تو اس ملک کے تمام عیسائی مسلمان ہوجائینگے، اور نتیجہ یہ ہوگا کہ خزانہ شاہی کو سخت نقصان پہونچیگا، لیکن عمر بن عبد العزیز نے خط پڑھکر ایک شخص کو حکم دیا، کہ حیان کے پاس جاکر اس کو تیس درے لگائے، اور اس سے کہے کہ اس سے بڑھکر کیا سعادت ہوگی، کہ تمام عیسائی مسلمان ہوجائین، خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلئے بھیجا تھا کہ وہ اسلام کی تبلیغ کرین نہ اس لئے کہ خراج اور ٹکس لگائین،

مسلمان اگر بیت المال کے خالی ہوجانے سے خوف کرتے تھے، تو یہ کچھ تعجب کی بات نہین الجزائر (مقبوضۂ فرانس) مین ٹیکس کا بار زیادہ تر مسلمانون پر ڈالا جاتا ہے، فرض کرو، کہ تمام مسلمان عیسائی ہوجائین، اور ان کو وہ تمام حقوق دیدیئے جائین جو عیسائیون کو حاصل ہین،

تو آمدنی کے گھٹ جانے سے ہمکو سخت پریشانی ہوگی،

اسپین مین مسلمانون نے عیسائیون کے ساتھ اور بھی زیادہ نرمی کا برتاؤ کیا، یہان تک کہ انکی جو حالت قدیم جرمینیون کی سلطنت کے زمانے مین تھی، اس سے کہین بڑھکر وہ خوش حال ہوگئے، پروفیسر دوزی کہتا ہے کہ مسلمانون کی فتح نے اسپین کو کچھ نقصان نہین پہونچایا، ابتدائے فتح کے زمانہ مین جو برہمی اور اضطراب پیدا ہوا تھا، وہ استقلال سلطنت کے بعد جاتا رہا مسلمانون نے تمام باشندون کے مذہب، شریعت، اور عدالت کو قایم رکھا، انکو ملکی عہدے دیے یہانتک کہ بعض خود خلفا رکے دربار مین ملازم تھے، اکثر دن کو فوجی عہدے دیئے گئے، اس رحیانہ سیاست نے اسپین کے عقلا کو مسلمانون کی طرف مائل کر دیا، یہان تک کہ مسلمانون اور عیسائیون مین کثرت سے نکاح اور رشتہ داریان ہوگئین، سیکڑون عیسائی اپنے مذہب پر قائم رہنے کیساتھ عرب کی تہذیب و تمدن کے دلدادہ ہوگئے، یہان تک کہ انھون نے عربی زبان اور عربی علوم و فنون کی تحصیل شروع کی، لشپ اور پادری انکو ملامت کرتے تھے کہ وہ گرجا کے گیت چھوڑتے جاتے اور مسلمانون کا شعار اختیار کرتے جاتے ہین،

اس زمانہ مین مذہبی آزادی انتہادرجہ کو پہنچ گئی تھی، اسی بنا پر جب یورپ نے یہودیون پر جبر کرنا چاہا، تو انھون نے خلفاے اندلس کے سائے مین پناہ لی، بخلاف اس کے جب چارلس نے سرقوسہ پر قبضہ کیا، تو حکم دیا کہ یہودیون اور مسلمانون کی تمام عبادتگاہین برباد کر دیجائین، ہم کو معلوم ہے، کہ صلیبی لڑائیون کے زمانہ مین عیسائی جہان پہونچے انھون نے مسلمانون اور یہودیون کو ایک طرف سے قتل کر دیا، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہو کہ یہودیون نے اگر کوئی اپنا ملجا و ماویٰ پایا، تو مسلمانون ہی کو پایا، اور آج دنیا مین جو یہودی موجود ہین، یہ مسلمانون ہی کی عنایت ہی، اھیڈ یکر شاپلین نے اسکی وجہ یہ بیان کی ہے کہ مسلمان

اور یہودی نسب مین، زبان مین، مذہب مین متحد ہین، یہ غلط ہے،

مسلمانون نے اندلس کے عیسائیون سے صرف جزیہ طلب کیا، جو معمول عام تھا،
اس موقع پر ایک لطیفہ کا بیان کرنا موزون ہوگا، جس کو ایک عرب مورخ نے لکھا ہے،
اور جس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ جزیہ کے بارے مین ان کا کیا خیال تھا، اور یہ کہ مسلمانون
اور عیسائیون مین کیسے تعلقات تھے،

دولت فرانس اور اسلام

اسلام اپنی قوت اور زندگی پر یہ استدلال پیش کرتا ہے کہ اس نے وسط افریقہ،
حبش کے شرقی حصہ سوڈان، سرنیاق، ان تمام مقامات مین بت پرست قومون کو قرآن کے
علم کے نیچے مجتمع کر دیا، جو اس کی عجیب و غریب طاقت اور حیرت انگیز رفتار کی دلیل ہے، پچاس
برس ہوئے ان ممالک مین مہدی اور امام جنبوب کی سلطنتیں اس نمونہ کے موافق قائم ہوگئی
ہین، جو مذہبی حکومت کی تصویر ہے، اور جس کو پیغمبر اسلام نے پیش نظر رکھا تھا، اسی طرح
اس کے مقابل جانب ایک اور تیسری حکومت شمالی افریقہ مین قایم ہوئی ہے، جو عیسوی مذہب
کے حملون کا کامیابی سے مقابلہ کر رہی ہے، یعنی مراکو کی سلطنت گو اس ملک کی بعض قومین
اس سلطنت کی مطیع نہین ہین، تاہم اگر کوئی آفت آئی تو کچھ شبہہ نہین کہ تمام مغرب مین
یہ سلطنت حامی اسلام ثابت ہوگی،

یہ وہ ممالک ہین، جہان مذہب اور پالٹیکس دونون کی باگ ایک شخص کے ہاتھ
مین ہے، جیسا کہ قرآن کی تعلیم ہے، یہ وہ ممالک ہین، جن کے لئے اہل مکہ نے دار السلام کا
لقب خاص کر دیا ہے، اور یہ وہ لقب ہے، جس کی ہوس مصر اور ٹرک کے دل مین ہے،

لیکن بے فائدہ، کیونکہ ان مقامات مین اصلی مذہب کو مغربی تمدن نے غبار آلود کر دیا ہی لیکن ابھی ہم ان ممالک کی حالت سے بحث نہین کرتے بلکہ ہم صرف الجیریا، اور فرنچ افریقہ سے بحث کرتے ہین، جہان عیسوی مذہب اور عیسوی سلطنت اسلام سے ٹکرا رہی ہے یہ وہ ممالک ہین جس کو مسلمان دار الحرب یعنی دار الجہاد کہتے ہین، یہان اسلام کی جو حالت ہے، اس کے متعلق تین حیثیتون سے بحث ہو سکتی ہے،

کیا انجیل نے قرآن مین کوئی تبدیلی پیدا کی ہے،

اور اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اسلام ہمیشہ اپنی حالت کو قائم رکھے گا، تو یہ سوال ہے کہ آیا عیسائیون اور مسلمانون مین کسی قسم کا ربط پیدا ہوا ہے، جس سے آیندہ یہ امید ہو کہ دونون مین امتزاج تام پیدا ہو جائیگا،

اور کیا یہ خوف ہمیشہ قایم رہے گا، کہ مسلمان کسی دن جہاد پر آمادہ ہو کر ان ممالک پر غالب نہ آجائین،

پہلے سوال کا جواب یہ ہے، کہ کوئی مسلمان اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرے مذہب کی طرف مائل نہین ہو سکتا، مسلمانون کے خیال مین بھی یہ بات نہین آسکتی، یہان تک کہ ان کو اپنی زبان مین کوئی لفظ نہین ملتا، جس کے ذریعہ سے وہ ایسے شخص کے اوصاف بیان کر سکین، جن مسلمانون نے فرنچ وضع اختیار کر لی ہے، چونکہ اس مین بھی ارتداد کی بو ہے، اس لئے مسلمان انکی نسبت بھی متحیر ہین، کہ ان کو کس نام سے پکارین، چنانچہ انھون نے مجبوراً فرنچ زبان کا ایک لفظ انتخاب کیا ہے، جس کو وہ ان لوگون کے حق مین استعمال کرتے ہین،

یہ لفظ متورنی ہے، جس کے معنی مرتد کے ہین، اگر کوئی عیسائی کسی مسلمان کو عیسائی بنانا چاہے، تو اس وقت کی کیفیت کا بیان کرنا سخت مشکل ہے، اس کا اندازہ کسی قدر اس حالت

مین ہوسکتا ہے، جب کسی عیسائی کو بت پرست بنانے کا ارادہ کیا جائے لیکن یہ تشبیہ بھی پوری نہین
مسلمان کا عیسائی ہونا اس وجہ سے سخت مشکل ہے، کہ وہ عیسائیون کو سخت ذلیل سمجھتا ہے، اس کو اپنے
موحد ہونے پر بے انتہا ناز ہے،

مسلمانون کا یہ یقین ہے، کہ ان کا مذہب عیسائیت سے اس قدر افضل ہے، کہ یہ ناممکن ہے
کہ عیسائی اسلام کی صحت کا قائل نہ ہو، یہان تک کہ ہم عیسائی جو مسلمانون سے بے تعصبانہ ملتے ہین
تو مسلمان سمجھتے ہین، کہ یہ اسی خیال کا اثر ہے، مسلمان کو اس پر ناز ہے، کہ وہ خدا کی عبادت ذہنی
طریقہ سے کرتا ہے، اس کے مذہب کو ظاہری علامتین اور سروسامان درکار نہین، اسکو عیسائیون
کے مذہبی جلسون مین بت پرستانہ عبادتین نظر آتی ہین، مسلمان عیسائیون کو اہل کتاب کہتے
ہین لیکن ان کو اپنا ہمسر نہین سمجھتے بلکہ اکثر تو عیسائیون کو بت پرستون سے بدتر سمجھتے ہین، کیونکہ
وہ سمجھتے ہین کہ خدا نے جو مذہب ان پر اتارا تھا، اس کو عیسائیون نے جان بوجھ کر بدل دیا،

مذہب عیسوی کے متعلق مسلمانون کے یہ خیالات ہین، ظاہر ہے، کہ یہ خیالات عیسائیت
کی ترقی کے کس قدر سدِ راہ ہین، پادریون کو مختلف قومون کے عیسائی بنانے مین ہر جگہ کامیابی
ہوئی وحشی قومون مین بھی اور شایستہ قومون مین بھی، لیکن مسلمانون مین وہ جہان گئے، انکو
کامیابی کا دروازہ ہر طرف سے بند ملا، بت پرست قومین جب مہذب ہوئین تو انھون نے اپنے
وحشیانہ مذہب کو فوراً چھوڑ دیا، کیونکہ وہ ان کی عقل کے موافق نہ تھا، ان کی شایستگی نے ان کو
آمادہ کر رکھا تھا، کہ وہ خالص عقلیات کو قبول کر لین، اس لئے جب پادریون نے منطقی دلائل
سے اپنا مذہب ان کے سامنے پیش کیا، تو انھون نے فوراً قبول کر لیا، مقدس پولوس کو اکثر
بت پرستون سے سابقہ پڑتا تھا، جو اپنے خدا کو اس لئے چھوڑ دیتے تھے، کہ ان کا جھوٹا ہونا
ان پر ثابت ہو جاتا تھا، یونانی بھی اکثر دلیل اور برہان کی طرف مائل نظر آتے تھے، وحشی

بت پرستون کا عیسائی ہونا اس لئے آسان تھا کہ پادریون کو ان پر علمی تفوق حاصل تھا،
لیکن یہ کس پادری کے امکان مین ہے، کہ کسی مسلمان کو اس کے مذہب کی طرف سے
متزلزل کر دے، اور اس چیز کی اس سے عبادت کرائے جس کو وہ حقیر سمجھ رہا ہے، یا اصل مذہب
کو اسکی نظر مین بے وقعت کر دے جس کو وہ منتہاے عزت خیال کرتا ہے،

مسلمانون کے دل مین عیسائیت کے خلاف جو خیال جم گیا ہے، وہ ابدی ہے، پادری اس کو
کیونکر اس کے دل سے دور کر سکتے ہین، دران حالیکہ مسلمان اس مسئلہ کے متعلق، گفتگو کرنا بھی
پسند نہین کرتا، اور نہ کسی قسم کی بحث کی برداشت کر سکتا ہے،

یہان یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ اگر مسلمان، استدلال اور حجت سے عیسائیت کے قبول
کرنے پر آمادہ نہین، تو یہ کیا ممکن نہین کہ زور شمشیر سے کام لیا جائے، اس کا جواب یہ ہے، کہ
فرنچ مین فتح کے وقت بھی مسلمانون کو عیسائی نہین بنا سکتے تھے، جیسا کہ شارلمین نے کیا
تھا، اس لئے مجبوراً کلیسا کو سکوت سے کام لینا پڑا، جیسا کہ آج تمام قومون نے مسالمت کا
پہلو اختیار کر لیا ہے، لیکن کلیسا اس مسالمت کو مذہب عیسوی کا کوئی مسئلۂ مسلمہ نہین
قرار دیتا، بلکہ اس سے صریح انکار کرتا ہے،

الجیریا مین جو معاہدہ ہوا، اس کی روسے کسی پر مذہبی جبر کرنا بالکل ممنوع ہے، کیونکہ
فرنچ گورنمنٹ نے جنرل بورمان کے توسط سے معاہدہ کیا تھا، کہ اہل عرب کے مذہب سے
تعرض نہین کیا جائیگا، اور اس کی عزت کیجائے گی، اس معاہدہ کے خلاف بطور استثنا کے ایک
واقعہ پیش آنے کے قریب تھا، اسکی تفصیل یہ ہے، کہ ۱۸۶۸ء مین الجیریا کے بشپ کو مذہبی حمیت
کا جوش پیدا ہوا، اور اس نے چاہا کہ بہت سے مسلمانون کو عیسائی بنائے، چنانچہ الجیریا کے
عظیم الشان قحط کے بعد اس نے بہت سے یتیمون کو اس غرض سے جمع کیا، لیکن جنرل

کموہن نے جو الجیریا کا گورنر تھا بشپ کی مخالفت کی، اور اس کوشش کو اس بنا پر چلنے نہ دیا کہ یہ معاہدہ کے خلاف ہے،

ایک عجیب متناقض بات یہ ہے، کہ الجیریا مین آج ایسے لوگ بھی موجود ہین جنکو اس پر افسوس ہے، کہ یہ طریقہ کیون نہین اختیار کیا گیا، لیکن یہی لوگ، اگر پایۂ تخت (فرانس) مین ہوتے تو ان لوگون کی صف مین کھڑے ہوتے، جو بڑے زور سے اس بات کے حامی ہین، کہ تمام مذہبون کو آزاد رہنا چاہیے، گویا کہ وہ ایسی سلطنت کے آرزومند ہین، جو ایک طرف تو غیر مذاہب کو زر و مال کی دلفریبی سے منتشر کرنے کی کوشش کرے، اور دوسری طرف موحد مسلمانون سے جنگ کی تیاری کرے، اگر کوئی چالاک پادری ہمت کرکے ابتداے زمانۂ فتح مین کھڑا ہوتا، اور اس کے اس مشن کا امراے سلطنت مین سے کوئی ایسا پرجوش میر ہوتا جس کو خود بھی عیسائی مذہب کی اشاعت کی طرف توجہ ہوتی، یا دلفریب عورتون کے ذریعہ سے مذہبی اشاعت کی طرف اسے التفات دلایا جاتا، اور ان سے جاہ و منزلت کا بھی اقرار کیا جاتا تو بہت آسانی سے ہزارون عرب اپنے اپنے مذہب کو خیرباد کہہ کے فرانسیسی مذہب کے پیرو بنجاتے، مسلمانون کا کمیشن کے اشارہ سے عیسائی مذہب کی مخالفت اور کسی دباؤ سے ان کا متاثر نہ ہونا یہی دو سبب ہین جو عیسائیت کو اسلام مین قدم رکھنے کی اجازت نہین دیتے، گو کہ کیتھلک مشنری نے پہلے ہی یہ سمجھا دیا کہ اس وعظ و نصیحت سے مسلمانون کے قلوب عیسائیت کے طرف مائل نہین ہو سکتے، مگر باوجود ان دقتون کے انھون نے اپنے مقصد سے کنارہ کشی نہ کی، اور نہ انھون نے جد و جہد سے ہمت ہاری، اور نہ اسلام کے شکست دینے کی دشواریون کا خیال کرکے ان کی ہمتین پست ہوئین، جہان پہونچے اپنے مقاصد مین کامیاب ہونے کی تدبیرین کین، فقرا اور مساکین کی مالی امداد کی، چھوٹے بچون مین تعلیم

پھیلائی، بیمارون کی خدمتین کین، مسٹر سر لیفار یا لکھتا ہے، کہ انھون نے باوجود ان تمام احسانات کے ان کے مذہب مین کبھی دست اندازی نہ کی، بلکہ انھون نے اپنا مقصد ان کو مذہبی خیالات سے علیحدہ رکھنا قرار دیا، کیونکہ ان کا اب یہ خیال تھا کہ اگر ہم انجیل کو عرب مین شایع نہ کرسکے تو اس مین کچھ شک نہین، کہ سلطنت فرانس کے اقتدار کو ان لوگون مین اس بہانے سے عمدہ طریقہ سے پھیلا سکین گے، اور ان احسانات کے ذریعہ سے ان کے دلون مین سلطنت سے ہمدردی کا بیج بو سکین گے،

تعدد ازواج

قرون وسطی مین عام خیال تھا کہ پیغمبر اسلام کی زندگی کا سب سے بڑا کام تعدد ازواج ہے، کیونکہ انھون نے اس کے ذریعہ سے لوگون کو اسلام کی طرف مائل کیا، بیرون ستم ظریفی سے کہتا ہے کہ "اسلام نے عورتون کے لئے بھی متعدد شوہرون کا وعدہ کیا ہے" عیسائی واعظون نے انھین جھوٹی روایتون پر اعتماد کرکے اسلام کو یہ خطاب دیئے ہین "چارپایون، اونٹون اور جانورون کا مذہب" رینان نے ابن رشد کی جو سوانحمری لکھی ہے، اسمین لکھتا ہے کہ "یہ مذہب ..... کا یا ان لوگون کا ہے، جو غریق شہوت ہین"

تعدد ازواج ہم تہذیب یافتہ لوگون کے اخلاق اور بالخصوص ہماری مذہبی رسوم پر نشتر کا کام دیتا ہے، شریعت موسوی مین تعدد ازواج موجود تھا، اور گو حضرت موسیٰؑ کی شریعت بھی حضرت عیسیٰؑ کی شریعت کی طرح الہامی شریعت ہے، تاہم ہم اس مسئلہ کو نہین سمجھ سکتے، پادری بردغلی کہتا ہے کہ "یہ ایک ایسا حکم ہے جس کا مقصد سمجھنا مشکل ہے، خدا نے خاص حالتون مین اسکو جائز کردیا تھا جسکو ہم نہین سمجھ سکتے،، مین سمجھتا ہون کہ پادری موصوف

اور ان کے ہم خیالون کو یہ ڈر پیدا ہوتا ہوگا کہ مذہب عیسوی کو ایسے دو مذہبون کے ہمسائے مین رہکر داغ نہ لگ جائے جو منزل من اللہ ہین، اور جن کے مسائل مذہب عیسوی کے مخالف ہین لیکن ہم اگر یہ تسلیم کرلین کہ شریعت الٰہی بھی اُن مصلحتون کو ملحوظ رکھتی ہی جو شریعت انسانی مین ہوتی ہین، تو کیا حرج ہے، انسانی قانون احکام مین نہایت احتیاط سے کام لیتا ہی، اور وقت اور موقع کی تمام ضرورتون کا لحاظ رکھتا ہی، تو پھر شریعت الٰہی مین اس قسم کی احتیاط اور مراعات نہ ہونے کی کیا وجہ ہی، مانسیو دولسٹ جو ایک بڑا متکلم شخص ہی، اسکی بھی یہی راے ہی کہ سب سے پہلے جو اخلاقی شریعت خدا نے نازل کی وہ لوگون کے حالات اخلاق اور زمانہ کی ضرورتون کے موافق تھی ہمشیک قومون کے اخلاق مین ایک نقص پایا جاتا ہی جو انکی اصل فطرت مین موجود ہی، اور جسکی تلافی ابد تک نہین ہوسکتی یعنی کثرت شہوت بے شبہہ ایک اخلاقی عیب ہی، لیکن بہر حال جسم کی قوت اور صحت کی دلیل ہی مشرق کے مردون مین مغرب کی بہ نسبت زیادہ قوت اور جوش پایا جاتا ہی، اس لئے بعض علماے علم طبائع الامم کی راے ہے، کہ چونکہ مشرقی لوگون مین غایت درجہ کی قوت پائی جاتی ہی، اسلئے تعدد ازدواج ان قومون کے لئے ایک ضروری چیز ہی،

عجائبات قدرت جنکے خیال سے عقل حیرت زدہ ہوجاتی ہی، ان مین ایک یہ بھی ہے کہ مغرب مین خدا متعدد ہین، لیکن بیوی صرف ایک بخلاف اس کے مشرق مین خدا ایک ہے اور بیویان متعدد، متعدد خدا اور جورو ایک اہل مغرب کے مناسب ہی، اور متعدد جورو اور ایک خدا اہل مشرق کے لئے موزون ہی،

چونکہ اہل مغرب و اہل مشرق کے مذہب تمدن اور نوعیت مین کلیتہً اختلاف ہی، اسلئے ہم مغربی لوگ قرآن کے احکام کو جو تعدد ازدواج کے متعلق ہین اچھی طرح سمجھ نہین سکتے"

ایک بڑا ضروری پہلو جسکو محققین نے ہمیشہ نظر انداز کردیا، یہ ہی کہ تعددِ ازدواج عرب کی قدیم عادت ہی، جو اسلام سے بہت پہلے بھی موجود تھی، عرب مین تعددِ ازدواج مساجد کے وجود پر مقدم ہے، اس لئے پادری بروغلی کا یہ قول کلیۃً غلط ہی، کہ تعددِ ازدواج اسلام کیساتھ پیدا ہوا، یہ قطعی ہے کہ قبائل عرب جو اسلام لائے وہ اسلام سے پہلے بھی اسی طریقہ پر تھے جیسا کہ آج حبشی قومون کا حال ہی، جو عموماً اسلام کی طرف مائل ہین، قرآن مجید مین جس حد تک تعددِ ازدواج ہی، قبائل عرب اور سودان مین اس سے کہین زیادہ رواج تھا قرآن مجید مین صرف چار بیویون کی اجازت ہی، اسی بنا پر اہل عرب اور سودان آنحضرت صلعم کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہین کہ آپ سختی پسند پیغمبر تھے، اسمین بھی شبہہ نہین کہ ابتدا مین آنحضرتؐ کا میلان ایک ہی زوجہ کی طرف تھا، جیساکہ آپ کی ابتدائی زندگی شاہد ہی، لیکن قریش کو اس کا پابند کرنا سخت مشکل تھا، ان مین ایسے لوگ تھے جو دس دس بیبیان رکھتے تھے (مثلاً حارث غیلان) انکو اگر یہ حکم دیا جاتا کہ صرف ایک بیوی پر اکتفا کرین تو ان کو سخت ناگوار ہوتا، اور وہ اس کے متحمل نہ ہوسکتے، ممکن تھا، کہ اسکا یہ اثر ہوتا کہ ان کے جدید عقائد متزلزل ہوجاتے، اس لئے آنحضرت صلعم نے انکو حکم دیا کہ دس بیویون مین سے صرف چار کو ترجیح کے اعتبار سے انتخاب کرلین، اور باقی کو طلاق دیدین،

ذیل کی آیت سے پایا جاتا ہی کہ اسلام ایک بیوی پر اکتفا کرنے کو ترجیح دیتا ہی،

وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامی	اور اگر تم کو ڈر ہو کہ تم یتیمون مین انصاف نہ کرسکوگے
فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی	تو جو عورتین پسند آئین ان سے نکاح کرلو دو خواہ تین خواہ
وثلاث ورباع فان خفتم ان لا	چار لیکن اگر تم کو یہ خوف ہو کہ تم عدل نہ کرسکوگے تو صرف
تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم	ایک یا جو تمھاری مملوکہ ہون،

اس آیت کے دوسرے ٹکڑے کے معنی جیساکہ علما سے مروی ہے، یہ ہین، کہ اگر آدمی کو خوف ہو کہ وہ اپنی بیویون مین عدل نہ کرسکے گا، اور کسی بیوی کو اورون پر ترجیح دیگا، اس کے ساتھ اس کی حالت اس کی مقتضی نہ ہو کہ دونون کے حقوق ادا کرسکے تو اس پر فرض ہوگا کہ ایک ہی بیوی پر اکتفا کرے،

بعض علما کی یہ بھی راے ہے کہ انسان تعدد ازواج کی نسبت خود مختار نہین ہی بلکہ یہ قاضی کا کام ہے کہ ہر شخص کے حالات کے لحاظ سے مناسب حکم دے، اگر اس کے نزدیک اس سے عدل نہین ہوسکتا، تو وہ اس کو تعدد ازواج کی اجازت نہ دیگا،

ان علمانے سند مین یہ روایت پیش کی ہے کہ خلیفہ منصور اپنی بیوی کو حد سے زیادہ چاہتا تھا، اور اس بنا پر اس نے دوسری شادی کا ارادہ نہین کیا، لیکن جب چند برس عیش وعشرت سے گذری تو اس کو جدت کی ہوس ہوئی اور دوسری شادی کرنی چاہی، منصور کی بیوی کو یہ حال سنکر سخت رنج ہوا، اور اس نے کہا کہ ایک سے زیادہ شادی ناجائز ہے، منصور نے امام ابوحنیفہ کو بلا بھیجا اور پوچھا کہ مسلمان کے لئے کے بیویان جائز ہین؟ امام صاحب بول اٹھے کہ چار، منصور نے اپنی بیوی کی طرف (جو پردہ سے سن رہی تھی) دیکھا اور بہ آواز کہا کہ کیون امام صاحب کی راے سنی، امام صاحب نے یہ دیکھکر فرمایا کہ لیکن منصور کو ایک سے زیادہ شادی جائز نہین" منصور نے پوچھا کیون؟ امام صاحب نے کہا تم نے اپنی بیوی کی طرف جس انداز سے دیکھا اور جس طرح گفتگو کی، اس سے مین قیاس کرتا ہون کہ تم اس کے ساتھ عدل نہین کرتے اس لئے مین حکم دیتا ہون کہ اسی پر قناعت کرو، مجھ کو معلوم نہین کہ منصور نے امام ابوحنیفہ کے اس حکم کی اطاعت بھی کی یا نہین،

جو لوگ تعدد ازواج کی خواہش ظاہر کرتے ہین ان کی حالت منصور سے مشابہ ہے، کیونکہ

حقیقت یہ ہے، کہ ازواج مین عدل نہین ہو سکتا، اسی بنا پر بہت کم ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ قضاۃ کے سامنے اس قسم کے مقدمات پیش ہوتے ہون لیکن نان و نفقہ کے لحاظ سے یہ حالت نہین ہی،

تعدد ازواج کو جن چیزون نے روک رکھا ہے، ان مین ایک یہ بھی ہے، کہ متعدد بیویون کی کفالت نہین ہو سکتی، مشرق مین تعدد ازواج، امارت پسندی مین داخل ہے، اسی بنا پر اس سے صرف دولت مند لوگ متمتع ہوتے ہین، اور یہ امر گویا دولتمندی کا ایک لازمہ خیال کیا جاتا ہی جیسا کہ قدیم جرمن لوگون مین خیال تھا، اور چونکہ مسلمان اختلافِ حالت کو نہایت رضامندی اور حسن اعتقاد کے ساتھ قبول کرتے ہین، اس لئے فقرا کو امرا کے تعدد ازواج پر رشک نہین پیدا ہوتا جس طرح وہ امرا کی اور امتیازی باتون پر رشک نہین کرتے، وہ قرآن مجید کے تمام احکام کا جس طرح ادب کرتے ہین، اسی طرح اس حکم (یعنی جو عدل کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ متعدد شادیون کا مجاز نہین) کی بھی اطاعت کرتے ہین اسکے علاوہ، وہ اس سے ناواقف نہین کہ کئی بیویون والے کو کیا کیا مصائب اور رنج پیش آتے ہین، اور یہ کہ عیش کامل انھین کا حصہ ہے، جو ایک بیوی پر قانع ہین،

مانٹیو کارروز کا یہ خیال غلط ہے، کہ تعدد ازواج، غربا کے لئے حرام ہے، اور امرا کے لئے قابلِ عفو گناہ ہے، تعدد ازواج کی نسبت مسلمانون کا وہی خیال ہے جو پولوس مقدس اکثر کہا کرتا تھا کہ ہر مباح چیز لائق عمل نہین، شریعت اسلامی نے گو تعدد ازواج کو جائز کہا ہے، لیکن اکثر مسلمان اس اجازت سے فائدہ نہین اٹھاتے، وہ جانتے ہین کہ اس تنگی معاش اور فقدانِ صحت کا ڈر ہے، کثیر الازواج اشخاص کی بیویان اکثر شاکی رہتی ہین کہ ان کے ازواج ان سے قطع تعلق کر لیتے ہین، رات دن کے جھگڑون سے گھر مصیبت کدہ

بجا ہے، عربی زبان مین اکثر ایسے جملے پائے جاتے ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کثرت ازدواج ان کو پسند نہین، مثلاً دو گھوڑون پر سوار ہونے والے شخص کو گرنے سے ڈرنا چاہئے،

محبت کے لئے دو بیویان بہت ہین اور اگر عافیت درکار ہے تو صرف ایک جو قانون معاملات ازدواج مین امیر و غریب کو یکسان حق نہین دیتا، ہمارے موجودہ خیالات اس کی تائید نہین کرسکتے، لیکن جو شخص مسلمانون کے حالات سے واقف ہے، وہ سمجھ سکتا ہے کہ مسلمانون مین اس قسم کا قانون وہ نتائج نہین پیدا کرتا جو ہم خیال کرتے ہین،

مسلمان غربا اپنی حالت پر قانع اور رضامند ہین، خدا نے انکی قسمت مین جو کچھ لکھدیا ہے وہ دل سے اس پر راضی ہین، گو مانسیو دوبرجلی اس امر کو تسلیم نہین کرتے،

قرآن مجید مفلس کے لئے حکم دیتا ہے کہ جب تک اس کو نکاح کا مقدور نہ ہو وہ انتظار کرے، (دیکھو کتاب کا ضمیمہ ششم) باایں ہمہ مسلمانون مین ایسے بہت کم ہوتے ہین جو شادی سے محروم ہون، عموماً لوگ ۲۰ برس کے سن مین شادی کرتے ہین اہل مشرق عزوب (شادی نہ کرنا) سے بالکل ناواقف ہین، یہ مصیبت تمدن حال نے پیدا کی ہے، رسول اللہ صلعم صحابہ سے جب باتین کرتے تھے تو یہ فقرہ اکثر فرماتے تھے کہ ”اسلام مین رہبانیت نہین ہے“، ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ جورو والے کی ایک سانس، ساٹھ شادی نہ کرنے والون کی نماز سے بہتر ہے۔ (یہ حدیث خدا جانے کہان سے نقل کردی ہے)

ناظرین کو تقریرات بالا سے معلوم ہوا ہوگا کہ جو لوگ تعدد ازدواج کے نقصانات بیان کرتے ہین، انھون نے اگر غلط بیانی نہین کی ہے، تو کم از کم مبالغہ ضرور کیا ہے، پادری بروجلی کا یہ بیان بالکل غلط ہے، کہ ”مشرق مین جو شرمناک برائیان پھیلی ہین، تعدد ازدواج کی بدولت ہین“ بلکہ سچ یہ ہے کہ اس رسم نے ان برائیون کو نرم کردیا ہے، اس کے علاوہ یہ فیصلہ کرنا

بھی مشکل ہے کہ مشرق مین یہ برائیان مغرب سے زیادہ ہین، حقیقت یہ ہے کہ اسلام پر یہ داغ ان یورپین سیاحون نے لگایا ہے، جنکی عادت ہے کہ بغیر تحقیق کے جزئی واقعہ سے کلیات بنا لیتے ہین، اگر یہ تعمیم نہ ہوتی تو ان کو اپنی تصنیفات کے لئے کچھ سرمایہ ہاتھ نہ آتا، شرمناک برائیان ہر قوم مین ہوتی ہین، پیرس، لندن، برلن مین یہ برائیان مشرق سے زیادہ ہین، جس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر اسلام نے ان کو بڑی سختی سے حرام قرار دیا ہی، اور ان کو معمولی گناہ نہین قرار دیا ہے، جیسا کہ بعض لوگ اس آیت سے استنباط کرتے ہین،

واللذان یاتیانھا منکم فاذوھما فان تابا و اصلحا فاعرضوا عنھما ان اللہ کان توابا رحیماہ،

آیت مذکورہ سے یہ استنباط کرنا کہ شارعِ اسلام نے بدکاری کو ایک معمولی گناہ قرار دیا ہے، آیت کے معنی بدل دینا ہے، اس کے علاوہ اس مضمون کے متعلق قرآن مین صرف یہی ایک آیت نہین ہی، بلکہ اور بہت سی آیتین ہین، مثلاً سورۂ اعراف کی یہ آیت

ولوطا اذ قال لقومہ اتاتون الفاحشۃ وما سبقکم بھا من احد من العالمین،

اسلام کے احکام جو اس بدکاری کے متعلق ہین خواہ قرآن سے ماخوذ ہون یا حدیث سے تمام دنیا کی شریعتون کے مقابلہ مین نہایت سخت ہین، شریعتِ اسلام نے خلاف وضع فطری جرم کے لئے قتل کی سزا مقرر کی ہے، اگر مرتکبان جرم دونون بالغ ہون تو دونون قتل کردیئے جائین گے، ایک ہو تو ایک، اور دونون نابالغ ہون تو انکو سو سو درے لگائے جائین گے، اور بدکاریان جو قریب البلوغ لوگون مین پائی جاتی ہین مشرق مین بجز استثنائی حالتون کے ان کا وجود نہین جس کی وجہ یہ ہے کہ شادی کرنے مین نہایت

آسانیان ہین یہ خیال سخت غلط ہے، کہ مسلمانون کے مذہب مین عقد نکاح ایک قسم کی خرید وفروخت کا معاملہ ہے، جس کے ذریعہ سے عورت بیچ ڈالی جاتی ہے، اور شوہر اس پر مالکانہ قابض ہوجاتا ہے۔ شریعت اسلام مین نکاح کے ذریعہ سے عورت کو بہت سے اخلاقی اور عملی حقوق حاصل ہوتے ہین، جو عورت کا درجہ سوسائٹی مین بلند کردیتے ہین، عورت کو اختیار ہے کہ وہ شوہر سے یہ شرطین کرائے کہ وہ کسی اور عورت سے شادی نہ کریگا، نہ لونڈی لائیگا، نہ بہت دنون تک گھر سے غائب رہیگا، نہ اس کو کسی طرح کی تکلیف دیگا، نہ اس کو گھر کے مشکل کامون مین پھنسائیگا۔ شوہر اگر شرائط کی پابندی نہ کریگا تو عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ طلاق لیلے، اگر وہ طلاق کو نہین پسند کرتی تو اس کو اختیار ہے، کہ قاضی سے درخواست کرے کہ شوہر اسکے سوکن کو طلاق دیدے، اور لونڈی کو آزاد کردے تاکہ وہ اس سے متمتع نہ ہونے پائے.....

قرآن نے صرف یہی نہین کیا کہ چار کی قید لگا کر تعداد ازواج کے دائرہ کو گھٹا دیا بلکہ اس نے اس طریقہ کو بھی مٹادیا، جو عرب مین عام طور سے مروج تھا یعنی چند روزہ نکاح (متعہ)

مانسیو ریفیل کہتے ہین کہ اگر ہم پیغمبر اسلام کے زمانہ کی طرف رجوع کرین تو معلوم ہوگا کہ عورتون کے لئے جو مفید احکام پیغمبر اسلام نے صادر کئے کسی نے نہین کئے، عورتون پر آپ کے بہت سے احسانات ہین، قرآن مین عورتون کے حقوق کے متعلق بہت سی مہتم بالشان آیتین ہین، بعض آیتون مین یہ بیان ہے کہ عورتون سے کس قسم کے تمتعات ناجائز ہین، بعض مین یہ تفصیل ہے کہ کس حشمت ووقار سے ان سے معاملہ کرنا چاہئے،

الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین	آج تمھارے لئے پاک چیزین حلال کردی گئین اور
اوتوا الکتاب حل لکم وطعامکم حل	اہل کتاب کا کھانا تمھارے لئے حلال ہی اور تمھارا
لھم والمحصنات من المومنات	کھانا ان کے لئے اور مسلمان عفیفہ عورتین

والمحصنات من الذين اوتوا الکتاب من	اور اس قوم کی عفیفہ عورتین جن پر تم سے پہلے کتاب
قبلکم اذا اتیتموهن اجورهن محصنین	نازل ہو چکی ہے، جبکہ تم ان کے مہر ادا کر دو، اور
غیر مسافحین ولا متخذی اخدان،	عفت مقصود ہو، نہ عیاشی اور داشتہ بنانا،
قل للمومنین یغضوا من ابصارهم ویحفظوا	مسلمانون سے کہدو کہ اپنی نگاہین نیچی رکھین، اور
فروجهم ذلک ازکی لهم ان الله خبیر	فحش سے بچے رہین، یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزگی ہی
بما یصنعون،	اور خدا ان کے کامون سے واقف ہے،
قد افلح المومنون الذین هم فی صلاتهم	وہ مسلمان کامیاب ہین، جو نماز مین خشوع کرتے
خاشعون والذین هم عن اللغو معرضون	ہین اور بیہودہ باتون سے بچتے ہین، اور زکوۃ
والذین هم للزکوۃ فاعلون والذین هم	دیتے ہین، اور پاک دامن رہتے ہین،
لفروجهم حافظون	

رسول اللہ صلعم نے صحابہ کو بہت سے ایسے احکام تلقین کئے جنمین شہوت رانی سے روکا اور عفت و عصمت کی تاکید کی آپ نے حکم دیا کہ منگیتر کو بھی عورت کا صرف چہرہ اور ہاتھ دیکھنا جائز ہے، اور بیگانہ عورت کو نظر اٹھا کر دیکھنا بھی حرام ہے، انجیل مین ہی کہ جو شخص کسی عورت کو نظر شہوت سے دیکھتا ہے، وہ دل سے زنا کرتا ہے، مسلمانون کا مقولہ ہی کہ آنکھ کا زنا ظاہری زنا سے زیادہ برا ہے، ان احکام نے بد نظری کو زنا کے برابر قرار دیدیا اور اس کی پابندی صرف مسلمان کر سکتے ہین، جنکی عورتین پردہ مین رہتی ہین،

آیات مذکورۂ قرآن سے معلوم ہوگا کہ پیغمبر کو ان خرابیون کے روکنے کا کس قدر خیال تھا، جو عشق و ہوس سے پیدا ہوتی ہین، یہ بندشین اس غرض سے تھین کہ اولاد و ازواج والے امن و راحت سے رہین، غالباً انجیل مین اس سے زیادہ سخت احکام ہین، لیکن

ان پر صرف وہ لوگ عمل کرتے ہین جنکو خدا نے کمالات اخلاقی مین ممتاز کیا ہے، اور وہ بہت کم ہین، باقی عام لوگ تو اخلاقی حیثیت سے ان کو دوسری قومون پر کچھ ترجیح نہین بخلاف اس کے قرآن کے احکام نرم ہین، عام مسلمان ان کا لحاظ رکھتے ہین اور اس پر عمل کرتے ہین، قرآن مین صفائی اور صحت کی تاکید ہے، مسلمان اس پر کاربند ہین اور اس وجہ سے ان کے اخلاق ممتاز ہین، ان باتون نے ان کی طبیعتون مین متانت اور وقار پیدا کر دیا ہی، اگر اس قسم کے احکام نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ مسلمان بھی شہوت پرست بنجاتے، جیسا کہ آج کل تہذیب یافتہ قومون کا حال ہے،

مسلمانون اور عیسائیون مین غیرت وحمیت کے لحاظ سے آسمان وزمین کا فرق ہی، مسلمان جب یورپ کے اشتہارات پڑھتا ہے، یورپین عورتون کو ننگے لباس مین ناچتے دیکھتا ہے، رقص کے جلسون مین عورتون کو بیحیائی کے ساتھ، بازو کھولے ہوئے دیکھتا ہی، اور اس قسم کے ہمارے اور تفریحی جلسون مین شریک ہوتا ہی تو اسکی نظر پر زخم لگتا ہے، مین نے ایک دن وزیر مصطفی کے گھر مین شیوخ عرب کو دیکھا، جن کے پاکیزہ اخلاق وعادات ان کے سر کے تاج اور تمغاے امتیاز تھے، وہ اس لیے بلائے گئے تھے کہ ان کی شرکت سے جلسہ کی شان بڑھے، ان کے سامنے عیسائی عورتین مردون کی بغل مین ہاتھ ڈالے سینے کھولے ہوے ٹہلتی پھرتی تھین، یہ شیوخ ان کی طرف سخت حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کو یہ نہین خیال ہوتا تھا، کہ وہ کسی تفریحی جلسہ مین شریک ہین، بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ ایک ایسا تماشا گاہ ہی جسمین شہوت پرستی کو بالکل آزادی دیدی گئی ہی، اور چہرون سے شرم کی نقاب اٹھا دگئی ہے، اس لئے ہر شخص جو چاہتا ہے کرتا ہے، جیسا کہ سال مین ایک دن حبشی اور بعض اور کمینہ قومون مین اس قسم کی بیہودگیون کا رواج ہے، لیکن جب وہ دیکھتے ہین کہ جلسہ مین وہ معزز

افسر شریک ہین، جن کے وہ ماتحت ہین توان کو اپنے خیال سے باز آنا پڑا، اور سمجھے کہ ہم جو کچھ دیکھ رہے ہین یہ اصلی حالت ہے، اور اہل یورپ کا یہ عام معمول ہے، اس وقت ان کو اپنی شریعت کے احکام یاد آئے اور جب انھون نے اس شرمناک منظر کا ان احکام سے مقابلہ کیا تو دفعۃً قرآن مجید کی عظمت ان کے دلون مین بڑھ گئی، جسمین یہ احکام ہین:۔

قل للمومنات یغضضن من ابصارھن	مسلمان عورتون سے کہدو کہ اپنی نگاہین نیچی رکھین
ویحفظن فروجھن ولا یبدین زینتھن	اور اپنے ناموس کی حفاظت کرین اور اپنی آرائش دکھلا ئین
الا ما ظھر منھا ولیضربن بخمرھن علی	بجز اس حصہ کے جو خود دکھلا رہتا ہے، اور اپنے دوپٹے
جیوبھن،	اپنے گریبانون پر ڈال لین، الی آخرہ[1]،

---

[1] یہ پوری آیت نقل کرنے کے بعد مصنف نے اس مضمون کی اور آتین بھی نقل کی ہین،

مسلمانون کو غیر مذہب حکومت کا محکوم ہوکر کیونکر رہنا چاہئے

مسلمانون نے چار دانگ عالم مین بارہ تیرہ سو برس تک حکومت کی، حکومت کا آغاز عین بانیِ اسلام کے زمانہ مین ہوا، اور آج تک جا بجا اسلامی حکومتین قائم ہین، سیکڑون غیر قومین اسکی محکوم ہوئین، ان اسباب سے یہ بدیہی ہے کہ اسلام نے غیر مذہب والون پر حکومت کرنیکے دستور اور آئین مفصل منضبط کئے ہونگے،

لیکن اسلام کو محکوم ہوکر بہت کم رہنا پڑا، اس لئے بعض لوگون کا خیال ہی کہ اس حالت کے متعلق حدیث سے فقہ سے تاریخ سے ہم کو کوئی ہدایت نہین مل سکتی، اور فقہ کا یہ حصہ بالکل اچھوتا رہگیا،

چونکہ یہ نہایت سخت خطرناک غلطی ہے، اس لئے ہم تفصیل سے بتانا چاہتے ہین کہ اسلام مین اس کے متعلق کافی قواعد اور احکام موجود ہین، اور حدیث فقہ تاریخ سب اس قسم کے مسائل اور واقعات سے لبریز ہین،

اس مسئلہ کے متعلق اصل مین سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ جب کوئی غیر مذہب حکومت مسلمانون کے ملک اور زمین پر قابض ہوجائے تو،

(۱) یہ قبضہ حقیقی ہوتا ہے، یا غاصبانہ،

(۲) مسلمانون کو حکومت کی اطاعت فرض ہوتی ہی یا نہین،

فقہ مین اس کا ایک مستقل باب ہی جسکی سرخی یہ ہے، باب استیلاء الکفار اس کے

ذیل مین یہ حکم ہین:۔

وان غلبوا علی اموالنا واحرزوها بدارھم ملکوھا، — اگر غیر مذہب والے ہمارے مال پر غالب آجائین، اور اُس کو اپنے گھر مین جمع کرین تو وہ اُسکے مالک ہونگے،

ویجب علینا اتباعھم (درمختار) — اور ہم پر اُن کی اطاعت فرض ہوگی،

چونکہ اسلامی احکام کی اصلی بنیاد قرآن اور حدیث ہے، اس لئے فقہی روایتون سے پہلے ہم قرآن وحدیث کی طرف متوجہ ہوتے ہین،

قرآن مجید مین اُن صحابہ کو جو دولتمند تھے، اور اپنی دولت چھوڑکر ہجرت کرکے چلے آئے تھے اور اُن کے مال ودولت پر اہلِ مکہ نے قبضہ کرلیا تھا، خدانے **فقیر** فرمایا ہی، للفقراء المهاجرين اس سے فقہانے یہ استدلال کیاہے کہ جب اہل مکہ نے ان کے مال واسباب پر قبضہ کرلیا تو وہ اُس کے حقیقی مالک ہوگئے، اس بنا پر صحابہ کو خدانے فقیر فرمایا، شاید کسی کوخیال ہو کہ چونکہ صحابہ کا قبضہ جاتا رہا تھا، اس لئے خدانے ان کو مفلس کہا، لیکن ایسے شخص کے لئے جو گھر سے نکل آئے اور اس کے مال واسباب پر اور لوگ قابض ہوجائین اصطلاحِ شرع مین ایک دوسرا لفظ موجود ہے، یعنی ابن السبیل،

شامی شرح درمختار مین جہان یہ مسئلہ لکھاہے کہ قبضہ کی حالت مین قابض لوگ حقیقی مالک ہوجاتے ہین یہ استدلال کیا ہی،

لقوله تعالی للفقراء المهاجرين سماهم فقراء فدل علی ان الكفار ملكوا اموالهم التی هاجروا عنها ومن لا یصل الی ماله لیس فقیرا بل — کیونکہ خدانے فرمایا ہی للفقراء المهاجرين اس آیت مین خدانے مہاجرین کو فقیر کہا، اس سے معلوم ہوا کہ کفار صحابہ کے مال کے حقیقی مالک ہوگئے تھے، کیونکہ جو شخص اپنے مال کا مالک ہوتاہے، اور صرف اُس کا قبضہ اٹھ

هو ابن السبیل، جاتا ہو تو اسکو فقیر نہین بلکہ ابن السبیل کہتے ہین،

فقہا کے نازک اور دقیق استدلال کی ہم داد دیتے ہین لیکن ہمارے نزدیک اس قدر موشگافی اور دقیقہ سنجی کی ضرورت نہین، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین اس قسم کا واقعہ پیش آچکا تھا، اور اس طرز عمل سے صاف معلوم ہو سکتا ہی کہ مسلمانون کو غیر مذہب کی حکومت مین کیونکر رہنا چاہیئے، مکہ مین جب مخالفون نے مسلمانون کو حد سے زیادہ ستانا شروع کیا تو آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ لوگ ہجرت کر کے حبش (ابی سینا) کو چلے جائین، چنانچہ بہت سے صحابہ جنمین حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی بھی تھے حبش مین چلے گئے، حبش کا بادشاہ عیسائی تھا جس کو اہل عرب نجاشی کہتے تھے، صحابہ جب حبش مین آئے تو اتفاق سے چند روز بعد کسی بادشاہ نے اس ملک پر چڑھائی کی، اور نجاشی نے اس کے مقابلہ کے لئے فوجین بھیجین صحابہ رض نے خود بلا کسی کی تحریک کے اپنی طرف سے ایک قاصد بھیجا کہ فوج کے ساتھ جائے اور دم دم کی خبرین بھیجتا رہے، تاکہ اگر ضرورت ہو تو خود ہم لوگ نجاشی کی مدد کو آئین، صحابہ رض نے اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ پنج وقتہ نمازون مین نجاشی کی فتح کی دعائین مانگتے تھے، چنانچہ یہ واقعہ محدث طبری نے اپنی تاریخ مین پوری تفصیل کے ساتھ لکھا ہی، کوئی رعایا حکومت کے ساتھ اس سے زیادہ اور کیا وفاداری، اور اطاعت شعاری کر سکتی ہے،؟ کیا آج گورنمنٹ کو اس سے زیادہ کچھ درکار ہے،

اسلام کی تاریخ مین اکثر غیر قومین اسلامی ملکون پر قابض ہو گئین، اس وقت ہزارون فقہا اور علما موجود تھے، کیونکر ممکن تھا کہ وہ اس کے متعلق فقہی احکام نہ مرتب کرتے، تاتاریون نے جب تمام ایران اور عراق پر قبضہ کر لیا تو اس وقت جس قدر فقہ کی کتابین تصنیف ہوئین سب مین اس کے متعلق تفصیلی احکام موجود ہین اصل بحث یہ پیدا ہوئی کہ یہ ممالک دار الاسلام ہونگے یا دار الحرب، تمام فقہا نے بہ اتفاق لکھا کہ جب تک اسلامی احکام یعنی نماز روزہ وغیرہ جاری

ہین، اُس وقت تک دارالاسلام باقی رہیگا، اور مسلمانون کی وہی حالت ہو گی جو اسلامی ملک مین ہوتی ہی، فتاوی بزازیہ مین یہ ہے،

واما البلاد التی علیہا ولاۃ کفار فیجوز فیہا ایضا اقامۃ الجمع والاعیاد والقاضی قاض بتراضی المسلمین وقد تقرر ان ببقاء شئ من العلۃ یبقی الحکم وقد حکمنا بلا خلاف بان ھذہ الدیار قبل استیلاء التتار کان من دیار الاسلام وبعد استیلائھم اعلان الاذان والجمع والجماعات والحکم بمقتضی الشرع والفتوی والتدریس شائع بلا نکیر من ملوکھم فالحکم بانھا من دار الحرب لا جھۃ لہ	باقی وہ مقامات جن کے حاکم کافر ہین تو وہان بھی جمعہ اور عیدین کا ادا کرنا جائز ہوگا، اور قاضی مسلمانون کی رضامندی سے قاضی ہوگا، کیونکہ یہ طے ہوچکا ہے کہ جب تک علت باقی رہتی ہے حکم باقی رہتا ہی اور یہ متفقاً ہم لوگ طے کرچکے کہ یہ مقامات تاتاریون کے آنے سے پہلے دارالاسلام تھے، اور ان کے قابض ہونے کے بعد اذان جمعہ اور جماعت یہ اعلان ہوتی ہی اور فیصلے شریعت کے موافق کیے جاتے ہین، اور درس وتدریس بغیر روک ٹوک کے جاری ہے، تو ایسی حالت مین ان مقامات کو دارالحرب کہنے کی کوئی وجہ نہین ہی،

غور کرو فقہانے تاتاریون کے زمانہ مین یہ فتوی دیا، جو بت پرست تھے اور جنکو مسلمانون کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہ تھی آج جب کہ عیسائی حکومت ہے، جو اہل کتاب ہین مسلمانون کے فرائیض مذہبی مین کوئی تعرض نہین کیا جاتا، مسلمان خود عیسائی مذہب کا زور شور سے سربازار رد کرتے ہین، تو ایسی حالت ہن کیا شبہہ ہو سکتا ہے کہ حکومت کی وہی پوزیشن ہوگی جو اکبر و جہانگیر کے زمانہ مین تھی، اور فقہا کا یہ حکم واجب العمل ہوگا کہ:۔

ویجب علینا اتباعھم (درمختار)	اور ہم پر انکی اطاعت واجب ہوگی،

یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ یہ محض تھیوری یعنی زبانی باتین تھین، کثرت سے تاریخی واقعات شہادت دے رہے ہین کہ مسلمانون کا ہمیشہ طرزِ عمل یہی رہا، وہ جو کچھ کہتے تھے کرتے بھی تھے ہاتوین صدی مین جزیرہ سسلی پر عیسائی حکومت قابض ہوگئی تھی، اور راجر تخت نشین حکومت تھا اسوقت تک وہان کثرت سے مسلمان موجود تھے، ان کا طرزِ عمل یہ تھا کہ بادشاہ کے نہایت مطیع اور وفادار تھے یہان تک کہ بادشاہ کو جس قدر اُن پر اعتماد تھا، خود اپنی عیسائی رعایا پر نہ تھا، علامہ ابن جبیر نے اسی زمانہ مین سسلی کا سفر کیا تھا، وہ ان واقعات کو لکھکر لکھتا ہے کہ یہان پر تمام بڑے بڑے عہدون پر مسلمان مامور ہین، یہان تک کہ شاہی باورچیخانہ کا اہتمام بھی مزید اعتماد کی وجہ سے مسلمانون ہی کے ہاتھ مین ہے،

تاتاری جس زمانہ مین ایران اور عراق پر قابض تھے، اکثر بڑے بڑے عہدون پر مسلمان ہی مامور تھے، **ہلاکو خان** کی سفاکی اور اسلام کی دشمنی مسلمہ عام ہے، **بغداد** جو مسلمانون کے جاہ وجلال کا کعبہ تھا اسی کے ہاتھون برباد ہوا تھا تاہم اس کے حکومت کے دست و بازو خواجہ **رشید الدین** اور **علاء الدین جوینی** تھے خواجہ **رشید الدین** وزیر اعظم تھے اور درحقیقت کاروبارِ حکومت انھین کے ہاتھ سے انجام پاتے تھے،

ہلاکو خان کے بعد جب اس کا بیٹا اباقاآن خان بادشاہ ہوا تو اُس کے دور مین بھی ان دونون بھائیون کا وہی احترام رہا، علامہ شاکرکبتی نے **فوات الوفیات** مین جہان **علاء الدین جوینی** کا تذکرہ لکھا، لکھتے ہین :-

صاحب الدیوان الجزا اساتی اخو الصاحب الکبیر شمس الدین کان لهما الحل والعقد فی دولة ابغا ونالا	وزارتِ خراسان کے مالک اور وزیر اعظم شمس الدین کے بھائی تھے اور ابغا کی سلطنت مین یہی دونون بھائی سیاہ وسپید کے مالک تھے، اور اس قدر دولت

کو محقق طوسی کے مفاخر مین شمار کیا ہے،

واقعات مذکورۂ بالا سے تم کو معلوم ہوگا، کہ رسول اللہ صلعم کے عہد زرین سے لیکر آج تک مسلمانون کا ہمیشہ یہ شعار رہا کہ وہ جس حکومت کے زیر اثر رہتے اس کے وفادار اور اطاعت گذار رہتے یہ صرف ان کا طرز عمل نہ تھا، بلکہ ان کے مذہب کی تعلیم تھی، جو قرآن مجید، حدیث، فقہ سب مین کنایۃً اور صراحۃً مذکور ہے،

با قصۂ سکندر و دارا نہ خواندہ ایم
از من بجز حکایت مہر و وفا مپرس

غیر قوموں کی مشابہت

ہماری قوم مین نئے علوم وفنون اور نئے تمدن اور شائستگی کے نہ پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ بہت سے مسلمانون کا ابتک خیال ہے، کہ ہم کو غیر قومون کا تشبہ شرعًا ناجائز ہے، یہی وجہ ہے کہ ابتک قوم کے مقدس حضرات، یورپین علوم وفنون، یورپین زبان، یورپین تمدن، یورپین طرز معاشرت سے جہان تک ہوسکتا ہے، اجتناب کرتے ہین، اور بضرورت کوئی بات اختیار کرنی پڑتی ہے تو ان کا دل انکو ملامت کرتا رہتا ہے،

ہمارا خیال ہے کہ اس قسم کی غلطیون کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ قدیم تعلیم مین تاریخ کا حصہ شامل نہ تھا، اور اس وجہ سے اکثر مسلمان آنحضرت صلعم اور خلفاے راشدینؓ اور صحابہؓ کے طرز معاشرت کے تفصیلی حالات سے بالکل آشنا نہین جس شخص نے سلف کی تاریخ سرسری نظر سے بھی پڑھی ہوگی، وہ اس بات سے کیونکر انکار کرسکتا ہے کہ آنحضرت صلعم اور خلفاے راشدین نے تمدن اور معاشرت کے متعلق غیر قومون کی بہت سی باتین پسند فرمائین، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین نہایت تفصیل کے ساتھ اصلاح رسومات پر ایک مضمون لکھا ہے، اس مین ایک موقع پر وہ تحریر فرماتے ہین کہ "انبیاء اور پیغمبرون کا یہ طریقہ تھا، کہ کھانے، پینے، لباس، تعمیرات، آرائش، خرید و فروخت وغیرہ کے متعلق وہ اُن معمولات پر نظر ڈالتے تھے، جو ان کی قوم مین پہلے سے جاری تھے اگر وہ معقول ہوتے تھے، تو بحال خود رہنے دیتے تھے، اور جن باتون مین کسی قسم کی برائی

ہوتی تھی ان کی اصلاح کر دیتے تھے"

اس کے بعد شاہ صاحب نے، دیت خمس، قسامہ وغیرہ کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ قاعدے زمانۂ جاہلیت مین جاری تھے، اور آنحضرت صلعم نے اسی طرح رہنے دیئے" پھر فرماتے ہین،

"وکان قباد و ابنہ نوشروان وضعا علیھم الخراج والعشر فجاء الشرع بنحو من ذلک"

یعنی قباد اور اس کے بیٹے نوشیروان نے لوگون پر خراج اور عشر مقرر کیا تھا، پس شریعت بھی قریب قریب اسی کے مطابق آئی "شاہ صاحب نے توچونکہ شریعت کا نام لیا، اس لئے قریب قریب کا لفظ لکھا، لیکن امام ابوجعفر طبری نے جو محدث اور مجتہد دونون تھے، جہان نوشیروان کے قانونِ خراج وجزیہ کا ذکر کیا ہے، صاف یہ الفاظ لکھے ہین:-

اقتدیٰ بھا عمر بن الخطاب، یعنی "حضرت عمرؓ نے نوشیروان کے ان قاعدون کی اقتدا اور پیروی کی"

یہ مسلم ہے کہ نوشیروان مذہبًا مجوسی اور قوم کے لحاظ سے ایرانی تھا، پھر جب حضرت عمرؓ کو تمدن اور امور ملکی کے متعلق ایک مجوسی اور ایرانی کی اقتدا سے عار نہ تھا، تو آج ہملوگون کو یورپ کی عمدہ باتون کے اختیار کرنے مین کیا مضایقہ ہوسکتا ہی؟

یہ بحث کلی طور پر تھی، اب ہم اس آرٹکل مین اُن باتون کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھنا چاہتے ہین، جو قرن اول مین دوسری قومون سے لی گئین، لیکن قبل اس کے اُن حدیثون سے تعرض کرنا ضرور ہی، جن سے ثابت ہوتا ہی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، دوسری قومون کی مشابہت سے منع فرماتے تھے، حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی پیغمبر یا بانیٔ مذہب، کسی نئے مذہب کی بنیاد ڈالتا ہی، تو اُسکو خواہ مخواہ بعض ایسی مخصوص علامتین قایم کرنی پڑتی ہین، جو اس کے پیروؤن اور عام لوگون مین امتیاز اور شناخت کا ذریعہ ہون، اس قسم کی علامت کو "شعار" کہا جاتا ہی،

اور اردو مین اس کا ترجمہ "وردی" یا "تمغہ" کیا جا سکتا ہی، بے شبہہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض بعض چیزون مین اس قسم کا امتیاز قائم کیا تھا، اور ان کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ان باتون مین غیر مذہب والون کی مشابہت نہ اختیار کرو لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ دوسری قومون اور دوسرے مذہب والون کی ہر بات سے اجتناب کیا جائے سخت غلطی ہی،

آنحضرت صلعم کے طریق عمل اور متعصب علما، کی نافہمی کی ایک عمدہ مثال یہ ہے کہ غزوۂ احزاب مین جب قریش نے بڑے سر و سامان سے مسلمانون پر چڑھائی کی، تو سلمان فارسی رضی نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین عرض کیا، کہ "ایران مین یہ دستور ہے کہ جب دشمن کی تعداد زیادہ ہوتی ہی تو خندق کھود کر پناہ لیتے ہین" آنحضرت صلعم نے ان کے مشورہ کے مطابق خندق تیار کرائی اور عربی زبان مین خندق کا لفظ اول اسی وقت استعمال ہوا "خندق" کا لفظ "کندہ" کا معرّب ہی، جس کے معنی کھودے گئے کے ہین، معرب کرنے کا عام قاعدہ ہی کہ اخیر کی ہاے ہوز کو ق سے بدل لیتے ہین، جس طرح پیادہ سے بیدق، خورنگہ سے خورنق، اسی طرح منجنیق اور دبابہ جو لڑائی کے آلات ہین، عرب مین مستعمل نہ تھے، لیکن فارس اور یونان مین اسکا عام رواج تھا، سب سے پہلے طائف کے محاصرہ مین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رومی نژاد صحابی کے اشارہ سے اس کا استعمال کیا، ان واقعات کے مقابلہ مین "جان نثاری" فوج کا واقعہ خیال کرو،

سلطنت ترکی کی ایک مشہور فوج تھی جس نے یورپ اور ایشیا مین بے شمار فتوحات حاصل کی تھین، سلطان محمود کے زمانہ مین جب یورپ نے فنون جنگ، اور فوجی قواعد مین نئے نئے قاعدے ایجاد کئے، تو سلطان موصوف نے اپنی فوج کو بھی اُنھین اصول کے موافق مرتب کرنا چاہا، لیکن "جان نثاری" فوج نے اس بنا پر انکار کیا کہ ہم کافرون کی تقلید نہین

کرتے، یہ انکار در اصل فوج کی طرف سے نہ تھا، بلکہ در پردہ شیخ الاسلام کی سازش تھی، اور وہ پیشواے مذہب ہونے کے لحاظ سے اس تقلید کو ناجائز خیال کرتا تھا، سلطان محمود سمجھتا تھا، کہ نئے اصول کے اختیار کئے بغیر یورپ کی ہمسری نہین ہوسکتی ادھر شیخ الاسلام اور فوج کو اپنے تعصب پر اصرار تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ فوج نے بغاوت کی اور کل کی کل لڑ کر تباہ ہوگئی، اسی قسم کی غلطی ہے، جو آج کل ہمارے علمار اور متعصب مسلمان کر رہے ہین، اور جس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ عہد نبوت اور خلافت کے حالات سے بہت کم واقف ہین، اور زیادہ سچ یہ ہے کہ بالکل واقف نہین،

اب ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ بتاتے ہین، کہ معاشرت اور تمدن کے متعلق کیا کیا باتین غیر قومون کی اختیار کی گئین، اور کب اور کس وقت اختیار کی گئین، اس حیثیت سے یہ آرٹکل ایک تاریخی آرٹکل ہوگا، اور عام ناظرین کو اس سے زیادہ دلچسپی ہوگی،

لباس کے متعلق یہ تو ظاہر ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص لباس نہین اختیار کیا تھا، بلکہ جاہلیت مین جو لباس مستعمل تھا وہی اسلام مین بھی باقی رہا، لیکن زیادہ تفتیش سے ثابت ہوتا ہے، کہ مجوسیون اور عیسائیون کی بہت سی چیزین اختیار کر لی گئی تھین، عرب مین پاجامہ کا مطلق وجود نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ عربی زبان مین اس کے لئے کوئی لفظ نہ تھا، عرب مین جب اس کا استعمال ہوا تو فارسی لفظ "شلوار" کو معرب کر کے "سروال" بنا لیا اور وہی لفظ آج تک مستعمل ہے حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت مین اگرچہ قومی خصوصیت قایم رکھنے کے لحاظ سے لوگون کو عرب کے قدیم لباس یعنی تہمد کا پابند رکھنا چاہا، چنانچہ عتبہ بن فرقد کو فرمان لکھا، اسمین صاف یہ الفاظ لکھے، کہ "پاجامہ پہننا چھوڑ دو" لیکن قبول عام پر کس کا زور ہے؟ پاجامہ کا رواج ہوا، اور اس عمومیت کے ساتھ ہوا کہ تمام عرب مین

تہمد کا نام بھی نہین رہا عینیؒ شرح بخاری مین لکھا ہی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پاجامہ پہنا تھا،

برنس ایک قسم کی لمبی ٹوپی تھی جس کو خاص عیسائی استعمال کرتے تھے صحابہ مین سے اکثرون نے اس کا استعمال کیا اور خود حضرت عمر فاروقؓ اس کو استعمال کرتے تھے، رفتہ رفتہ جب تعصب کی ابتدا ہوئی تو لوگون کو اس کے استعمال مین تامل ہوا لیکن بڑے بڑے ائمۂ مذہب نے جواز کا فتوی دیا عینی شرح بخاری مین ہے کہ امام مالک سے لوگون نے پوچھا کہ کیا برنس کا پہننا اس بنا پر مکروہ ہے کہ عیسائیون کے لباس کے مشابہ ہے" انھون نے جواب دیا کہ نہین، یہان (یعنی مدینہ مین) لوگ عموماً اس کو استعمال کرتے تھے"

لباس کے سوا معاشرت کی اور بہت سی چیزون مین غیر قومون کی تقلید کی گئی، عرب مین پہلے تابوت کا طریقہ نہین تھا حضرت زینبؓ کا جب انتقال ہوا، تو حضرت عمرؓ نے لوگون سے کہا کہ جنازہ کے اٹھانے مین کافی پردہ پوشی نہین ہوتی، کیا اس کی کوئی تدبیر نہین ہوسکتی ؟" اسماء بنت عمیسؓ بھی اس موقع پر تشریف رکھتی تھین، انھون نے کہا کہ مین نے حبش مین دیکھا ہے کہ مردون کے لئے تابوت بناتے ہین" چنانچہ انکی راے کے مطابق تابوت تیار ہوا، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو بہت پسند فرمایا، اور اس وقت سے یہ طریقہ جاری ہوگیا،

معاشرت کے متعلق غیر قومون کی رسوم وعادات کے پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ مسلمانون نے روم وفارس کی فتوحات کے ساتھ عیسائیون اور یہودیون کے یہان رشتے ناتے شروع کردیئے، مدائن کی فتح کے بعد، سیکڑون صحابہ نے عیسائی عورتون کے ساتھ شادیان کرلین، حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انھون نے سپہ سالار کو خط لکھا، اور اپنی ناراضی کا اظہار کیا، انھون نے جواب مین لکھا کہ آپ کا یہ حکم آپ کی ذاتی راے ہے، یا منصب خلافت

ؔ عینی جلد دہم صفحہ ۱۳۰ مطبوعہ قسطنطنیہ،

سے متعلق ہے؟ حضرت عمرؓ نے جواب لکھا کہ "اسکو منصب خلافت سے کچھ تعلق نہین، بلکہ میری ذاتی رائے ہے، اور اس بنا پر ہے کہ تم لوگ اپنی قوم کی عورتون کو چھوڑ کر غیر قومون کے نہ ہو رہو" چونکہ اس وقت تمام مسلمانون مین آزادی کا جوہر موجود تھا، لوگون نے حضرت عمرؓ کی ذاتی رائے کی کچھ پروانہ کی، اور اپنے ارادون پر قایم رہے، رفتہ رفتہ ہزارون عیسائی اور یہودی عورتین مسلمانون کے نکاح مین آگئین، اور قدرت کے قاعدہ کے مطابق، ان کی معاشرت اور رہنے سہنے کے طریقے مسلمانون مین پھیل گئے، اگرچہ اس سے قومی خصوصیتون کو کچھ نقصان پہونچا، لیکن بڑا فائدہ یہ ہوا کہ رات دن کے ملنے جلنے سے اسلام کے عقیدے ان کے دلون مین جگہ پکڑتے گئے، اور ان مین سے سیکڑون مسلمان ہوگئین، بلکہ سچ پوچھئے تو غیر قومون مین اسلام کے پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا،

ملکی نظم و نسق اور طریقۂ جنگ تو گویا بالکل فارس اور یونان کے انداز پر قائم ہوا، حضرت عمرؓ نے خراج اور جزیہ کے متعلق جو قاعدے جاری کئے وہ بالکل نوشیروان کے مرتب کردہ تھے، چنانچہ امام طبری، اور ابن الاثیر وغیرہ نے صاف تصریح کی ہے، آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ تک خزانہ اور دفتر کا بالکل وجود نہ تھا، فتوحات مین جو روپیہ آتا تھا وہ اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا، حضرت عمرؓ کے زمانہ مین جب روپیہ کی افراط ہوئی، تو اُنھون نے صحابہؓ کو جمع کر کے رائے لی کہ یہ زر کثیر کیا کیا جائے، بعض صحابہؓ جو رومیون کے دفتر اور حساب کتاب کے طریقے دیکھ آئے تھے، انھون نے کہا کہ ہم نے شام مین رومیون کے یہان دیکھا ہے کہ خزانہ اور فوج کا دفتر مرتب رہتا ہے، آج کل کا زمانہ ہوتا تو ہمارے علما من تشبہ بقوم کا مسئلہ پیش کرتے، لیکن حضرت عمرؓ نے اسی وقت چند حساب دان اشخاص کو بلا کر دفتر کی تیاری کا حکم دیا،

اسی طرح عدالتون کا انتظام، پولیس کا محکمہ، صوبجات اور اضلاع کی تقسیم، پبلک ورک ڈاک کا بندوبست، وغیرہ وغیرہ یہ تمام انتظامات خود خلفاے راشدین کے عہد مین قایم ہوئے اور ٹھیک عجم اور یونان کے نمونہ کے موافق قائم ہوئے، زمانۂ مابعد مین جب فلسفہ وغیرہ کی کتابون کا ترجمہ ہوا، تو عربی زبان بالکل غیر قومون کے علوم و فنون سے بھر گئی، یہان تک کہ خود مذہبی علوم بھی ان کے اثر سے نہ بچ سکے،

یونانی علوم و فنون کی تقلید اور اتباع کا اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہوگا، کہ آج یونانی طب کو ہم مسلمانی طب سمجھتے ہین، حدیث کی کتابون مین اکثر امراض کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علاج مذکور ہین، یہان تک کہ طب نبوی ایک مستقل مضمون بنگیا ہے، لیکن تمام اسلامی دنیا مین بیماریون کا جو علاج کیا جاتا ہی، وہ ارسطو اور بقراط کے قاعدہ کے مطابق کیا جاتا ہی اور طب نبوی کا ذکر تک نہین آتا، ایک طرف تو یہ بے تعصبی اور آزادخیالی، اور ایک طرف یہ تعصب اور ضد کہ یورپ کی کسی بات پر عمل نہ کیا جائے، ورنہ غیر مذہب والون کی مشابہت لازم آئیگی، اور من تشبہ بقوم کا مصداق بننا پڑیگا ع

ببین تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

خلافت

منجملہ اُن الفاظ کے جو مسلمانون مین مذہبی حیثیت سے مستعمل ہین، ایک یہ لفظ بھی ہے لیکن چونکہ یہ لفظ پالٹیکس سے بھی تعلق رکھتا تھا، اور پولٹیکل اغراض نے اکثر اس کے مفہوم اور حقیقت کو بدل کر تعبیر کرنا چاہا، اس لئے بعض اوقات عوام مین اس کے متعلق غلط فہمیان پھیل گئین، اور کم سے کم یہ کہ اس کے معنی مین ابہام اور اشتباہ آگیا، سال دو سال سے زیادہ نہین گذرے کہ اردو اخبارات مین یہ بحث ایک اتفاقی واقعہ کی وجہ سے چھڑ گئی تھی، اور اس نے کسی حد تک طول بھی پکڑ لیا تھا لیکن پھر بعض اسباب سے رک گئی، اس زمانہ مین سر سید مرحوم نے ایک نہایت دلچسپ آرٹکل لکھا تھا جو علی گڈھ گزٹ مین شایع ہوا تھا مین نے بھی ایک ضمنی موقع پر اپنے سفرنامہ مین اس بحث کی طرف اشارہ کیا تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس بات کی ضرورت ہے کہ یہ مسئلہ نہایت تحقیق کے ساتھ بالکل صاف کر دیا جائے، اس مسئلہ پر دو حیثیتون سے بحث ہو سکتی ہے،

(۱) مذہب کے رو سے منصبِ خلافت کی کیا حقیقت ہے؟

(۲) شروع اسلام سے آج تک یہ لفظ کس معنی مین، اور کن لوگون کے لئے استعمال کیا گیا؟

خلافت یا امامت مرادف الفاظ ہین، اور یہ الفاظ احادیث اور عقائد کی کتابون مین ایک ہی معنی مین استعمال کئے جاتے ہین، خلافت یا امامت کی جو تعریف عقائد کی کتابون مین مذکور ہے، وہ یہ ہے مسلمان پر ایک عام تصرف کا اختیار جسکی اطاعت تمام مسلمانون

پر ضرور ہو" شرح مواقف مین خلافت کی تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے" آنحضرت صلعم کی قایم مقامی دین کے قائم رکھنے، قوم کی حفاظت کرنے مین" شرح مقاصد مین یہ الفاظ ہین" دین اور دنیا کی افسری بحیثیت قائم مقامی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

اس منصب کے حاصل ہونے کے لئے اسلام کے تمام فرقون کے نزدیک جو شرطین ہین، اُن مین سے ایک بڑی مقدم شرط یہ ہے کہ وہ شخص قریش کے خاندان سے ہو، اس شرط سے مسلمانون کے فقط ایک گروہ یعنی معتزلہ نے انکار کیا ہے، لیکن یہ گروہ کئی سو برس سے دنیا سے بالکل معدوم ہوگیا ہے۔ اس لئے یہ کہنا صحیح ہے کہ آج تمام دنیا کے مسلمانون کے مذہبی اعتقاد کے مطابق صرف وہ شخص خلیفہ یا امام ہو سکتا ہے، جو قریش کے خاندان سے ہو، جس بنا پر خلافت کے لئے یہ شرط ضروری سمجھی گئی ہے، وہ وہ حدیثین ہین جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف پیرایون مین نہایت کثرت سے منقول ہین، چنانچہ ان کو ہم اس موقع پر تفصیل کیساتھ نقل کرتے ہین:۔

(۱) اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ — امام قریش مین سے ہونگے، (مسند امام احمد بن حنبل)

(۲) الملکُ مِنْ قُرَیْشٍ — حکومت قریش مین رہیگی، ترمذی (صحیح)

(۳) الخِلَافَۃُ فِیْ قُرَیْشٍ — خلافت قریش مین ہوگی، مسند امام احمد بن حنبل (اس کے تمام راوی ثقہ ہین)

(۴) یکون اثناعشر امیرا کلھم من قریش، — بارہ امیر ہون گے جو سب کے سب قریش سے ہون گے صحیح البخاری، (صحیح)

(۵) الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ ثم یکون ملکا، — خلافت تیس برس رہیگی پھر اس کے بعد سلطنت ہوجائیگی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، ترمذی (ابن حبان نے بھی اسکو صحیح لکھا ہی)

ا؎ دیکھو عینی شرح بخاری جلد ا صفحہ ۱۳۴،

(۴) لا یزال امر الناس ماضیاً ما ولاهم اثنا عشر رجلاً کلهم من قریش،

لوگون کا کام اُس وقت تک ٹھیک رہیگا جب تک بارہ شخص حکمران رہین گے جو سب کے سب قریش سے ہونگے

صحیح مسلم (صحیح)

ان احادیث مین سے بعض کا توصریح مطلب یہ ہے کہ "خلافت قریش کا حق ہے" اور بعض مین بظاہر پیشین گوئی کے طور پر یہ بیان کیا گیا ہے، کہ خلافت ہمیشہ قریش مین رہیگی لیکن چونکہ کئی سو برس ہو چکے کہ تمام دنیا مین کوئی حکمران قریش کے خاندان سے نہین ہے، اس لئے ان احادیث کا یہ مطلب قرار دیا گیا ہے کہ خلافت کا حق درحقیقت صرف قریش کو ہے، اور خاندان کے لوگ جو حکمران ہین وہ بادشاہ ہین، مگر خلیفہ نہین ہین، لیکن جس حدیث مین یہ مذکور ہے کہ خلافت صرف تیس برس رہیگی، پھر سلطنت ہو جائیگی" اس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ تیس برس کے بعد جو فرمانروا ہوئے، وہ باوجود قریش ہونے کے خلیفہ نہ تھے، بلکہ بادشاہ تھے،

بہرحال تمام روایات کا قدر مشترک یہ ہے کہ خلافت کے لئے قریش ہونا ضرور ہے، اور جو شخص قریش کے خاندان سے نہ ہو وہ کسی طرح تمام مسلمانون کے اعتقاد کے مطابق خلیفہ نہین ہو سکتا،

مسلمانون نے کبھی اور کسی زمانہ مین اُس شخص کو خلیفہ نہین مانا، جو قریش کے خاندان سے نہ ہو، سب سے اول جس موقعہ پر یہ مسئلہ زیر بحث آیا، وہ آنحضرت صلعم کی وفات کا دن تھا، عین آپ کی وفات کے دن انصار نے یعنی جو لوگ مدینہ کے رہنے والے تھے، یہ دعوی کیا کہ خلافت ہمارا حق ہے، لیکن جب مہاجرین نے اُن کے مقابلہ مین یہ استدلال پیش کیا کہ خلافت صرف قریش کا حق ہے، تو اُنھون نے سر تسلیم خم کر دیا، اور اپنے دعوے سے دست بردار ہو گئے، چنانچہ یہ واقعہ نہایت تفصیل کے ساتھ تاریخ طبری، ابن اثیر، ابن خلدون مین مذکور ہے

عباسیون کی سلطنت مین جب ضعف آگیا تو ہر طرف دعویداران حکومت پیدا ہو گئے،
جنمین سے بعض بعض خاندانون نے وہ جبروت واقتدار حاصل کیا، اور اُن کے حدودِ سلطنت
اس قدر وسیع ہو گئے کہ خود دولت عباسیہ کے زمانہ مین کبھی نہین ہوئے تھے، تاہم ان مین
سے کبھی کسی نے خلافت کا دعویٰ نہین کیا، اور ہمیشہ عباسی خلیفہ کے آگے (باوجود اس کے
کہ وہ دلی کے بہادر شاہ سے زیادہ رتبہ نہین رکھتے تھے) سر جھکاتے رہے، اور اس کی
صرف یہ وجہ تھی کہ وہ خود قریش کے خاندان سے نہ تھے، اور اس لئے اگر وہ خلافت کا
دعویٰ کرتے تو مسلمانون مین سے ایک شخص بھی ان کے دعویٰ کو تسلیم نہ کرتا،

عضد الدولہ، محمود غزنوی، ملک شاہ سلجوقی، دنیا کے بہت بڑے عظیم الشان شاہنشاہ
گذرے ہین، لیکن یہ سب کے سب بغداد کے دربار سے لقب اور خطاب حاصل کرتے تھے،
اور اس پر فخر و ناز کرتے تھے، عضد الدولہ جسکو شاہنشاہ کا لقب حاصل تھا، اور جو بڑی
سطوت و اقتدار کا بادشاہ گذرا ہے، ۳۶۹ھ ہجری مین جب بغداد مین طائع اللہ خلیفۂ عباسی
کے دربار مین لقب لینے کے لئے حاضر ہوا، تو سب سے پہلے اُس نے زمین چومی، پھر پیچھے ہٹ کر دوبارہ
زمین چومی، اس طرح سات دفعہ زمین بوسی کی، اور جب خلیفہ نے مہربانی سے اُس کو زیادہ
تقرب کی اجازت دی، تو اُس نے بڑھکر خلیفہ کے پاؤن چومے، اس وقت خلیفہ نے اُس کو
کرسی پر بیٹھنے کا حکم دیا، لیکن اُس نے بار بار معذرت کی، اور جب خلیفہ نے اُس کو مجبور کیا تو
الامر فوق الادب کے لحاظ سے کرسی کو بوسہ دیکر اُس پر بیٹھ گیا، اور کہا کہ "مین خدا سے دعا
مانگتا ہون کہ حضور کی اطاعت مجھ سے اچھی طرح بن آئے" ان تقریبات کے ادا کرنے کے
اثنا مین عضد الدولہ کا ایک افسر جو اس کے ساتھ تھا، اس بت پرستی سے گھبرا کر بول اٹھا
کہ "کیا یہ خدا ہے؟ جو آپ اس طرح تعظیم بجا لاتے ہین" عضد الدولہ نے کہا کہ "ہان یہ خدا

کا خلیفہ ہے"

مصر مین جب فاطمیہ خاندان نے ایک وسیع سلطنت قائم کرلی، اور خاندان عباس انکو دبا نہ سکا، تو عباسیون سے بجز اس کے اور کوئی تدبیر بن نہ آئی، کہ ایک محضر لکھوایا جس مین فاطمیہ کے نسب کا انکار تھا، اور اس پر تمام علما سے دستخط کرائے، اور اس طرح لوگون کو ان کی طرف سے برگشتہ کیا، جس کا یہ اثر ہوا کہ ایک مدت مدید کے بعد فاطمیہ کے ایک افسر نے خلیفۂ فاطمی کو تخت سے اتار دیا، اور عباسیہ کی سلطنت قائم کردی، یہ افسر صلاح الدین ایوبی تھا جو آج "فاتح بیت المقدس" کے نام سے تمام عالم مین مشہور ہے،

۶۵۶ھ مین بغداد کی سلطنت جب ہلاکو کے ہاتھ سے تباہ ہوگئی، اور خاندان بنی عباس برباد کر دیا گیا، تو اس خاندان مین ایک شخص جسکا نام احمد ابو القاسم تھا، اور جیلخانہ مین مقید تھا، بھاگ کر مصر پہونچا، یہان اس وقت ملک ظاہر بیبرس کی حکومت تھی، احمد کے پہونچنے کے ساتھ ظاہر نے ایک بہت بڑا دربار کیا، اور بڑے عجز و نیاز کے ساتھ احمد کے ہاتھ پر بیعت کی، احمد کی وفات کے بعد چونکہ اس کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لئے ایک اور عباسی شہزادہ جو بغداد کی تباہی مین بچ گیا تھا خلیفہ کیا گیا، اور ایک مدت تک اس کے خاندان مین یہ (برائے نام) خلافت رہی، یہ خلفاء اگرچہ اس قدر بے اختیار اور بے حقیقت تھے، کہ انکو بجز مقررہ وظیفہ کے کسی قسم کی حکومت حاصل نہ تھی، تاہم مذہبی عظمت یہ تھی کہ بادشاہ وقت ہمیشہ ان کے آگے سر جھکاتا تھا، ہندوستان کے مشہور بادشاہ تغلق نے اسی خاندان کی سلطنت کا فرمان منگوایا تھا، اور اس پر اس قدر خوشی کا اظہار کیا تھا، کہ تمام شہر کی آئینہ بندی کرائی، اور شعرا نے مبارکبادی کے قصیدے لکھے، بدر چاچ کے ایک قصیدے کا مطلع یہ ہے،

جبرئیل از طاق گردون الشبرٰ گویان رسید   کز خلیفہ سوے سلطان خلعت و فرمان رسید

غرض تیرہ سو برس سے آج تک کسی ایسے خاندان نے کبھی خلافت کا دعویٰ نہین کیا
جو قریش کے خاندان سے نہ رہا ہو، ناظرین کو حیرت ہوگی کہ اگر ایسا ہی تو ٹرکی خاندان کو
کیون خلافت کا دعویٰ ہے؟ حالانکہ یہ عموماً مسلم ہے کہ ترک قریش کے خاندان سے نہین ہین
یہ واقعہ درحقیقت تعجب انگیز ہے، اور واقعہ کا سبب اس سے زیادہ تعجب انگیز ہی ترکون
مین سلطان بایزید ثانی تک جو اس خاندان کا آٹھوان بادشاہ تھا کسی حکمران نے خلافت
کا لقب نہین اختیار کیا تھا، چنانچہ آج بھی ترک مصنفین اس زمانہ تک کسی ترکی بادشاہ
کو خلیفہ کے لقب سے یاد نہین کرتے، سلطان سلیم اول نے جو ۹۱۸ھ مین تخت سلطنت
پر بیٹھا، جب مصر فتح کیا، تو اس وقت وہان عباسی خاندان کا ایک برائے نام خلیفہ موجود
تھا، جس کا نام المتوکل تھا (یہ وہی خاندان تھا جس کا ابھی ہم ذکر کر چکے ہین) سلطان
سلیم اسکو بجبر قسطنطنیہ لایا، اور اس کو مجبور کیا کہ خلافت کے لقب سے دست بردار ہوجائے
اور یہ لقب سلیم کے نام منتقل کردے، متوکل اگرچہ اس پر راضی نہ تھا، لیکن مجبوراً اسکو قبول
کرنا پڑا، چنانچہ مسجد ایا صوفیہ مین جا کر اس نے اس بات کا اعلان کیا، اور یہ پہلا دن ہے
کہ ٹرکی خاندان کے ساتھ یہ فرضی لقب اضافہ کیا گیا، یہ واقعہ اگرچہ بظاہر مضحکہ آمیز ہے،
لیکن خود ترک مورخین اس کے معترف ہین، اور ترکی تاریخون مین جہان سلیم کا ذکر ہے
یہ واقعہ بھی ساتھ ہی مذکور ہے،

حقوق الذمیین

یعنی

اسلام مین غیر مذہب والون کے حقوق

دنیا کے عجیب سے عجیب واقعات کی اگر ایک فہرست تیار کیجائے تو یہ واقعہ ضرور اسمین درج کرنے کے قابل ہوگا، کہ مسلمانون کے متعلق اگرچہ یورپ کی واقفیت کے ذریعے نہایت وسیع ہو گئے ہین، اور ہوتے جاتے ہین، اسلامی آبادیون کا بہت بڑا حصہ اُس کے قبضے مین آگیا ہی سیکڑون عربی دان علما پیدا ہو گئے ہین، عربی تصنیفات کثرت سے یورپین زبانون مین ترجمہ ہوتی جاتی ہین مسلمانون کے نہایت نایاب تاریخی ذخیرے اصلی زبان مین شائع ہوتے جاتے ہین، اورینٹیل کانفرنس نے مشرق اور مغرب کا ڈانڈا ملا دیا ہی تاہم غلط معلومات کا بادل جو آج سے کئی سو برس پہلے یورپ کے افق پر چھایا تھا، اب تک نہین ہٹا، بہت سے بہت یہ ہوا ہے کہ وہ کسی قدر ہلکا ہو گیا ہے لیکن فضا مین اب بھی اس قدر تاریکی ہے کہ اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا (ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہین دیتا) یہ غلط معلومات اوّل اوّل مذہبی راستے سے آئے تھے، اور چونکہ یورپ مین مذہب کا زور خود گھٹ گیا ہے، اس لئے مذہبی حیثیت کے لحاظ سے اب انکا اثر بھی چندان قومی نہین رہا، تاہم جب کبھی پولٹیکل ہوا چلتی ہے، تو یہ دبی چنگاریان اس قدر جلد بھڑک اٹھتی ہین، کہ تمام یورپ مین ایک

آگ سی لگ جاتی ہے،

آرمینیا کے جھگڑے مین ترکون پر جو شنیعہ الزامات لگائے گئے ابھی اس کی تحقیق بھی نہین شروع ہوئی تھی کہ یورپ کے اہلِ قلم نے دنیا مین غلغلہ ڈال دیا کہ خود مسلمانون کے مذہب مین عیسائی رعایا سے ایسا سلوک کرنا جائز بلکہ ضروری قرار دیا گیا ہی، اور اس وجہ سے یہ یقین کرنا کہ ترکون نے وہ تمام ظالمانہ کارروائیان کی ہونگی، گویا اس بات کا یقین کرنا ہی کہ ترک اپنے مذہب کے پابند ہین اور پورے پابند ہین،

اسی سلسلہ مین ٹائمس کے پرچہ مورخہ ۲ جنوری ۱۸۹۵ء مین پادری ملکم مکال نے بڑے دعوے کے ساتھ ایک آرٹیکل لکھا، جسمین یہ ثابت کرنا چاہا کہ مذہب اسلام عیسائیون کے حق مین نہایت سخت ظالمانہ قانون ہے، اور اسلامی حکومتون مین ہمیشہ اس قانون پر عمل درآمد رہا ہے، دلی کے مشنریون نے اس آرٹیکل کا ترجمہ چھاپ کر شایع کیا، اور دیباچہ مین یہ تمہید لکھی کہ "یہ آرٹیکل اس قدر مدلل اور پرزور ہے کہ خود ٹائمس کا وہ مسلمان مضمون نگار جو مذہب اسلام کی حمایت مین مضامین کا سلسلہ لکھ رہا تھا، اس آرٹکل کے بعد بالکل بند ہو گیا، اور کچھ جواب نہ دے سکا"،

آج کل کے مصنفین اسلام نے یورپ کی بہت سی غلط فہمیون کو دور کیا ہے لیکن افسوس ہے، کہ انھون نے اس عظیم الشان مسئلہ پر توجہ نہین کی، کتبخانہ اسکندریہ، عورتون کے حقوق، جزیہ، یہ سب جزئی مباحث ہین لیکن ذمیون کے حقوق کا مسئلہ ایسا مہتم بالشان اور وسیع ہے کہ اگر اس کا قطعی فیصلہ کر دیا جائے تو یورپ کی غلط فہمیون کا سارا طلسم ٹوٹ جائیگا، مین یہ مضمون اسی خیال سے لکھتا ہون، اور امید کرتا ہون کہ یہ بھی اسی طرح اپنے مقصد مین کامیاب ہوگا جس طرح اس سے پہلے کتبخانہ اسکندریہ و الجزیہ کو اپنے

مقصد مین کامیابی ہو چکی ہے،

اس رسالہ کا موضوع جس پر بحث کا تمام سلسلہ قائم ہے یہ ہی کہ اسلام مین ذمیون کے کیا حقوق ہین؟ یہ جملہ تین لفظون پر مشتمل ہی، اسلام، ذمی، حقوق، اسلام سے ہماری مراد قرآن یا وہ احادیث نبوی ہین جن کی صحت اصول حدیث کی رو سے ثابت ہو چکی ہے، ذمی اُن رعایا کو کہتے ہین جو اسلامی حکومت مین آباد ہون، اور جنکا مذہب اسلام نہ ہو، لفظ حقوق کی تفسیر کی ضرورت نہین، موضوع کے جو الفاظ ہین اگرچہ انکی تشریح یہی ہے، جو ہم نے کی لیکن ہمارا دعوی اُس سے زیادہ وسیع ہے جو موضوع سے مفہوم ہوتا ہے، یعنی جس طرح ہمارا یہ دعوی ہے کہ مذہب اسلام نے ذمیون کے حقوق نہایت فیاضی سے قائم کئے اسی طرح ہمارا یہ بھی دعوی ہے کہ یہ صرف تحریری قانون نہ تھا بلکہ تیرہ سو برس کی وسیع مدت مین من حیث الاغلب طریق عمل بھی اسی کے مطابق رہا،

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام کے ابتدائی زمانہ مین یعنی آغاز نبوت سے فتح مکہ تک جو ۸ھ مین واقع ہوئی، لڑائیون کا ایک ایسا متصل سلسلہ قائم رہا جسکی وجہ سے یہ موقع ہی نہین نصیب ہوا کہ اسلام کو حکومت اور سلطنت کی حیثیت حاصل ہوتی اور رعایا کے ساتھ سلطنت کو جو تعلقات ہونے چاہئین، اُس کے متعلق قانون اور قاعدے منضبط ہوتے، قرآن مجید اور احادیث نبوی سے اِس باب مین جن احکام کا پتہ لگتا ہی، وہ خاص مسلمانون سے متعلق ہین یعنی غیر مذہب والون سے ان کو واسطہ نہین، اس وقت تک غیر مذہب والون سے جو تعلقات پیدا ہوئے تھے، وہ اسی قدر تھے کہ کسی قوم سے کچھ معاہدہ ہو گیا، کسی سے چند شرائط کے ساتھ صلح ہو گئی، مختصر یہ کہ اس وقت تک غیر مذہب والے اسلام کی رعایا نہین کہلاتے تھے، خیبر کی آبادی فتح ہو کر بھی صرف اسی قدر ہوا کہ یہودیون سے بٹائی پر معاملہ ہو گیا،

اور زمین اُن کے قبضہ مین چھوڑ دی گئی، فتح مکہ کے بعد یمن، بحرین، عمان، عدن، وغیرہ فتح ہوئے
ان اضلاع مین کثرت سے دوسری قومین یعنی یہود، عیسائی، پارسی آباد تھے، چونکہ اس وقت
امن و امان قائم ہوچکا تھا، اور اسلام کو پوری قوت حاصل ہوچکی تھی، اسلام نے صاف
صاف اُن کو رعایا کے لقب سے پکارا اور خود اُن کو بھی اس لقب سے عار نہین رہا لیکن
ان کے متعلق کسی قسم کے مجموعۂ احکام نافذ ہونے کے بجائے اس سے زیادہ کچھ نہین ہوا کہ ان
پر جزیہ مقرر کیا گیا، اور اُس کے معاوضے مین اُنکو چند حقوق دیئے گئے، سب سے پہلے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین تقریبًا ۸ھ مین نجران کے عیسائیون پر جزیہ مقرر ہوا، ان کے
بعد ایلہ، اذرح، اذرعات وغیرہ وغیرہ پر بھی جزیہ لگایا گیا، یہ ظاہر ہے کہ اس وقت تمدن
سلطنت کا آغاز تھا، اور اس وجہ سے تاریخون مین مسلمان یا ذمی رعایا کے حقوق کی تفصیل
نہین مل سکتی، تاہم اس معاملہ کے متعلق جس قدر سرمایہ مل سکے اُس کو نہایت تلاش سے
مہیا کرنا چاہئے، کیونکہ گو وہ مختصر اور سادہ ہون، لیکن اُن سے حقوق الذمیین کے قانون کے
اصول معلوم ہوتے ہین، اور اس کا فیصلہ ہوسکتا ہے کہ زمانۂ مابعد مین ذمیون کے متعلق جو مفصل
قانون بنا، اُس کا مایۂ خمیر کیا تھا؟

بانئ اسلام یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن قومون پر جزیہ لگایا اُن کو
تحریر کے ذریعہ سے مفصلہ ذیل حقوق دیئے،

(۱) کوئی دشمن اُن پر حملہ کریگا تو اُن کی طرف سے مدافعت کیجائے گی، رسول اللہ صلعم
کے خاص الفاظ یہ ہین، یمنعوا[۲]

(۲) اُن کو اُن کے مذہب سے برگشتہ نہین کیا جائیگا، خاص الفاظ یہ ہین الا یفتنوا

[۱] فتوح البلدان صفحہ ۶۳ [۲] ایضاً صفحہ ۵۹،

عن دینھم،

(۳) جزیہ جو اُن سے لیا جائیگا، اُس کے لئے محصّل کے پاس خود جانا نہین پڑیگا،

(۴) اُن کی جان محفوظ رہیگی،

(۵) اُن کا مال محفوظ رہیگا،

(۶) اُن کے قافلے اور کاروان (یعنی تجارت) محفوظ رہین گے،

(۷) اُنکی زمین محفوظ رہیگی،

(۸) تمام چیزین جو اُن کے قبضے مین تھین بحال رہینگی،

(۹) پادری رہبان، گرجون کے پجاری اپنے عہدون سے برطرف نہین کئے جائینگے،

(۱۰) صلیبون اور مورتون کو نقصان نہین پہونچایا جائیگا،

(۱۱) اُن سے عشر نہین لیا جائیگا،

(۱۲) اُن کے ملک مین فوج نہ بھیجی جائیگی،

(۱۳) پہلے سے ان کا جو کچھ مذہب اور عقیدہ تھا وہ بدلوایا نہین جائیگا،

(۱۴) اُن کا کوئی حق جو ان کو پہلے سے حاصل تھا زائل نہین ہوگا،

(۱۵) جو لوگ اس وقت حاضر نہین ہین یہ احکام اُن کو بھی شامل ہونگے،

پہلی اور دوسری دفعہ کے سوا باقی تمام حقوق جس معاہدے سے قائم ہوتے ہین وہ ذیل مین بعینہ منقول ہین،

ولنجران[2] وحاشیتها جوار الله وذمة محمد النبی رسول الله علی انفسهم[1] وملتهم[2] وارضهم[3] واموالهم[4] وغائبهم[5] وشاهدهم وعیرهم[6] وبعثهم[7] وامثلتهم[8] لا یغیر[9] ما

[2] فتوح البلدان صفحہ ۶۴،

کانوا علیہ ولا یغیر حق من حقوقھم وامثالھم لا یفتن اسقف من اسقفیتہ ولا راہب من رہبانیتہ ولا دافہ من وفاھیتہ علی ما تحت ایدیھم من قلیل او کثیر ولیس علیھم رہق ولا دم جاھلیتہ ولا یحشرون ولا یعشرون ولا یطأ ارضھم جیش الخ

ذمیون کے متعلق اسلام کا جو اصلی قانون ہے، وہ اس سے زیادہ نہین کیونکہ اسلام صرف اُن مسائل اور احکام کا نام ہے جو قرآن مجید یا احادیث صحیحہ سے ثابت ہون، اس کے سوا جو کچھ ہے، گو اس نے قوم مین اور ملک مین کوئی اعتبار حاصل کر لیا ہو، لیکن وہ اسلام کا اصلی قانون نہین ہے،

ذمیون کے حقوق کے متعلق اگرچہ یہ مختصر قواعد ہین اور اسلام کو ابتدائی زمانے مین غیر قومون کے ساتھ جسقدر کم تعلق پیدا ہوا تھا اُس کے لحاظ سے اس سے زیادہ ضرورت بھی نہ تھی، تاہم انھین قواعد مین نہایت مہتم بالشان امور کا ماخذ موجود ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ذمیون کے حقوق کے متعلق گو کتنا ہی مفصل مجموعۂ قوانین بنایا جاوے، لیکن اُسکی جزئیات ان اصول سے باہر نہین جا سکتین،

اب ہم نہایت تفصیل کے ساتھ بتانا چاہتے ہین کہ زمانۂ مابعد مین جب کہ غیر قومون سے نہایت وسیع اور قوی تعلقات قائم ہوگئے ذمیون کے ساتھ اسلامی حکومتون کا طرزِ عمل کیا رہا؟ سب سے زیادہ جس زمانے کے واقعات اس بحث کے تصفیہ کے لئے کام آسکتے ہین، وہ **خلافت فاروقی** کے واقعات ہین، اُن کی خلافت کا زمانہ ایک ممتد زمانہ ہے، اول اول انھین کے وقت مین غیر قومون کے ساتھ سلطنت و رعیت کے تعلقات قائم ہوئے، ان کی نسبت مخالفون نے کہا ہے کہ وہ غیر مذہب والون کے ساتھ سختی سے

لہ فتوح البلدان صفحہ ۶۵، قاضی ابو یوسف نے بھی اس معاہدہ کو کتاب الخراج مین نقل کیا ہے،

عن دینھم[۱۵]،

(۳) جزیہ جو اُن سے لیا جائیگا، اُس کے لئے محصّل کے پاس خود جانا نہین پڑیگا،

(۴) اُن کی جان محفوظ رہیگی،

(۵) اُن کا مال محفوظ رہیگا،

(۶) اُن کے قافلے اور کاروان (یعنی تجارت) محفوظ رہین گے،

(۷) اُنکی زمین محفوظ رہیگی،

(۸) تمام چیزین جو اُن کے قبضے مین تھین بحال رہینگی،

(۹) پادری رہبان، گرجون کے پجاری اپنے عہدون سے برطرف نہین کئے جائینگے،

(۱۰) صلیبون اور مورتون کو نقصان نہین پہونچایا جائیگا،

(۱۱) اُن سے عشر نہین لیا جائیگا،

(۱۲) اُن کے ملک مین فوج نہ بھیجی جائیگی،

(۱۳) پہلے سے ان کا جو کچھ مذہب اور عقیدہ تھا وہ بدلوایا نہین جائیگا،

(۱۴) اُن کا کوئی حق جو ان کو پہلے سے حاصل تھا زائل نہین ہوگا،

(۱۵) جو لوگ اس وقت حاضر نہین ہین یہ احکام اُن کو بھی شامل ہونگے،

پہلی اور دوسری دفعہ کے سوا باقی تمام حقوق جس معاہدے سے قائم ہوتے ہین وہ ذیل مین بعینہ منقول ہین،

ولنجران وحاشیتها جوار الله وذمة محمد النبی رسول الله علی انفسهم[۱] وملتهم[۲] وارضهم[۳] واموالهم[۴] وغائبهم[۵] وشاهدهم[۶] وعیرهم[۷] وبعثهم[۸] وامثلتهم[۹] لا یغیر ما

---

[۲] فتوح البلدان صفحہ ۶۴،

کر دیا، توآپ نے فرمایا کہ تم پر کچھ دباؤ تو نہین ڈالا گیا[1]،

عمر بن عبد العزیز جنکو دوسرا عمرؓ کہا جاتا ہی، اُن کے عہد مین بھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا، اور انھون نے بھی یہی حکم دیا کہ قاتل مقتول کے وارثون کے حوالہ کر دیا جائے، چنانچہ وارثون نے اُسکو بے تکلف قتل کر دیا[2]،

حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین ولید بن عقبہ جو صحابی تھے کوفہ کے گورنر تھے، ایک دفعہ ایک یہودی نے ان کے سامنے شعبدہ بازی کے تماشے دکھائے، اس وقت اور بہت سے تماشائی موجود تھے، ان مین جندب بن کعب ازدی بھی تھے، جو بڑے مشہور تابعی ہین اور صحیح ترمذی مین اُن کی روایتین منقول ہین، وہ ان شعبدون کو شیطان کا اثر سمجھے اور یہودی کو قتل کر دیا، ولید نے اُسی وقت اُنکو گرفتار کر لیا، اور یہودی کے قصاص مین قتل کر دینا چاہا، لیکن چونکہ وہ بڑے جتھے کے آدمی تھے، ان کے قبیلہ والے ان کی حمایت کو کھڑے ہو گئے، ولید نے اس وقت دفع الوقتی کے لئے ان کو قیدخانہ بھیجدیا اور ارادہ کیا کہ موقع پا کر قتل کر دین گے، داروغہ جیل کو ان پر رحم آیا اور کہا کہ تم چپکے سے بھاگ جاؤ، انھون نے کہا کیون؟ کیا درحقیقت مین قتل کر دیا جاؤنگا؟ داروغہ جیل نے کہا خدا کی خوشنودی کے لئے تمھارا قتل کر دینا کچھ بڑی بات نہین، غرض وہ بھاگ گئے، صبح کو ولید نے جندب کو قصاص کیلئے طلب کیا، داروغہ نے کہا کہ وہ تو چھپ کر بھاگ گیا، ولید نے اسکے بدلے داروغہ کی گردن مار دی[3]، ہم کو اس امر سے بحث نہین کہ داروغہ جیل کا قتل کر دینا جائز تھا یا نہین، بلکہ یہ دکھانا منظور ہی کہ باوجودیکہ جندب بڑے رتبہ کے آدمی

---

[1] زیلعی صفحہ ۲۰۹ [2] ایضاً صفحہ مذکورہ بالا [3] مسعودی ذکر خلافت عثمانؓ کتاب الاوایل مین اس واقعہ کو کسی قدر اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہی،

تھے، اور یہودی ایک معمولی بازیگر تھا، تاہم ولید کو ایک حکم شرعی کی تعمیل کے لحاظ سے جندبؓ کے قتل کر دینے مین کچھ تامّل نہ ہوا،

اسی سلسلہ مین حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کا واقعہ بھی سننے کے قابل ہے، حضرت عمرؓ کے قاتل کا نام فیروز تھا، جو مجوسی النسل تھا، اور عیسائی مذہب رکھتا تھا حضرت عمرؓ کے بڑے بیٹے عبید اللہ سے لوگون نے بیان کیا کہ اور لوگ بھی اس سازش مین شریک تھے، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبد الرحمنؓ نے چشم دید واقعہ بیان کیا، عبید اللہؓ تلوار ہاتھ مین لیکر نکلے، اور فیروز کے بیٹے اور حفینۃ و ہرمزان کو جن پر سازش کا شبہہ تھا قتل کر دیا، ان مین سے ہرمزان مسلمان ہو گیا تھا، باقی عیسائی تھے، عبید اللہؓ اسی وقت گرفتار کر لئے گئے، اور حضرت عثمانؓ جب مسند خلافت پر بیٹھے تو پہلا مسئلہ یہی پیش کیا گیا کہ عبید اللہؓ کی نسبت کیا کرنا چاہئے، حضرت عثمانؓ نے صحابہ کو بلاکر رائے طلب کی، تمام مہاجرین یعنی اُن بزرگون نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے ساتھ وطن چھوڑ کر چلے آئے تھے، اور تمام صحابہ کی بہ نسبت افضل سمجھے جاتے تھے، یک زبان ہو کر کہا کہ عبید اللہؓ کو قتل کر دینا چاہئے، حضرت علی علیہ السلام بھی اس مجمع مین موجود تھے، اور انھون نے بھی یہی رائے دی، اگرچہ حضرت عثمانؓ بعض مصلحتون کی وجہ سے اس فیصلہ کی تعمیل نہ کر سکے اور (جیسا کہ مورخین نے لکھا ہے) حضرت عثمانؓ کی خلافت کی یہ پہلی کمزوری تھی، تاہم انھون نے تینون مقتولون کے بدلے بیت المال سے خون بہا دلایا، شاید کسی کو یہ خیال ہو کہ لوگون نے عبید اللہ کا قتل کیا جانا جو تجویز کیا تھا، وہ ہرمزان کے قصاص مین تھا، اور ہرمزان مسلمان ہو چکا تھا، لیکن یہ قیاس صحیح نہین، اولاً تو روایتون مین اس قسم کی تخصیص کا

لہ مسعودی ذکر خلافت عثمانؓ کتاب الاوائل مین بھی اس واقعہ کو کسی قدر اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے،

کوئی اشارہ نہین پایا جاتا، اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے تینون کا جو خون بہادلایا اسمین کسی قسم کی تفریق نہین کی،

ہم کو جہان تک معلوم ہے اسلام کی تمام تاریخ مین اس کے خلاف کوئی مثال نہین ہے بعض مسلمان مورخون نے لکھا ہے، کہ ہارون الرشید کے زمانہ مین ایک مسلمان نے کسی ذمی کو مارڈالا، قصاص مین مسلمان ماخوذ ہوا، لیکن کسی خاص وجہ سے ہارون الرشید کو اس کی رعایت منظور تھی، اور اس لئے اس نے چاہا کہ وہ قتل سے بچ جائے، چنانچہ قاضی ابویوسفؒ صاحب کو بلاکر اُس کی تدبیر پوچھی، قاضی صاحب نے فرمایا کہ "شہادت سے یہ ثابت نہین کہ وہ مارے جانے کے وقت بھی قانوناً ذمی تھا" اگرچہ ہمارے نزدیک یہ واقعہ ثابت نہین تاہم اگر اس کو مان لیا جائے تب بھی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ذمی کے قصاص مین مسلمان کو قتل سے بچانا ایک ایسا عظیم واقعہ تھا جس کے حیلہ پیدا کرنے کے لئے قاضی ابویوسفؒ جیسے شخص کی ضرورت پڑی، اور وہ بھی اس کے سوا کچھ حیلہ نہ بتا سکے کہ اسکا ذمی ہونا مشتبہ ٹھہرائین،

مال اور جائداد کے حقوق جنکو انگریزی مین "رائٹ آف پراپرٹی" اور "رائٹ اف لینڈ" سے تعبیر کیا جاتا ہے، ان مین بھی مسلمان اور ذمی برابر درجہ رکھتے تھے، ذمیون کے قبضہ مین جس قدر زمینین تھین اسلام کے بعد عموماً بحال رکھی گئین، یہان تک کہ اگر خلیفۂ وقت یا بادشاہ کو مسجد یا کسی اور عمارت کی غرض سے زمین لینے کی ضرورت ہوتی تھی تو معاوضہ دیکر لیجاتی تھی،

حضرت عمرؓ کے زمانہ مین ایک شخص نے دجلہ کے کنارے گھوڑون کے پالنے کے لئے ایک رمنہ بنانا چاہا، آپ نے ابوموسیٰ اشعریؓ کو جو بصرہ کے گورنر تھے،

لکھ بھیجا کہ اگر وہ زمین ذمیون کی نہ ہو اور اسمین ذمیون کی نہرون اور کنوون کا پانی نہ آتا ہو تو سائل کو زمین دیدیجائے[1] خلیفہ منصور عباسی نے جب بغداد کو دار الخلافہ بنانا چاہا تو آس پاس کی جو زمین جو وہان کی زمیندار تھین اُن سے قیمت دیکر زمین مول لی[2] حیرہ مین قدیم زمانہ کے محل اور ایوان تھے جو اسلام کے زمانہ مین ویران ہو چکے تھے حضرت عمرؓ کے عہد مین کوفہ مین جو جامع مسجد بنی اسمین کچھ ملبہ وہان کے مکانات سے آیا تھا اگرچہ ان کا کوئی قانونی وارث نہ تھا تاہم چونکہ ذمیّون کی زمین مین تھا، اس لئے ذمیون کو ان کی قیمت ان کے جزیہ مین مجرا دی گئی[3] اس کے سوا سیکڑون واقعات ہین، جن سے صاف ثابت ہوتا ہے، کہ ذمیون کے مال اور جائداد سے کبھی تعرض نہین کیا گیا،

آغازِ اسلام ہی مین یہ مسئلہ بڑے معرکہ کے ساتھ طے ہو گیا تھا، کہ غیر مذہب والے جو اسلام کی رعایا بنگئے ہین، اُنکی مقبوضہ زمینین اُن کے قبضہ سے نکالی نہین جا سکتین، حضرت عمرؓ کے عہد مین جب عراق فتح ہوا تو عبد الرحمٰن بن عوفؓ، اور حضرت بلالؓ نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی کہ جس قدر مفتوحہ زمین ہے اہلِ فوج کو تقسیم کر دیجائے حضرت عمرؓ نے انکار کیا، اور دیر تک بحث رہی، آخر یہ ٹھہرا کہ تمام مہاجرین اور انصار سے مشورہ کیا جائے، چنانچہ ایک بڑا مجمع ہوا اور انصار مین سے دس شخص جو اپنے اپنے قبیلے کے وکیل اور قائم مقام تھے مجمع مین حاضر ہوئے، تمام بڑے بڑے مہاجرین صحابہ یعنی حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، طلحہؓ، عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ بھی موجود تھے، حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر نہایت توضیح سے اس مسئلہ کو بیان کیا، بلالؓ اور عبد الرحمٰن بن عوفؓ اب بھی مخالف رہے، لیکن عام رائے یہ ہوئی کہ ذمی اپنی زمینون سے بیدخل نہین کئے جا سکتے

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۵۱، [2] ایضاً صفحہ ۲۹۵، [3] ایضاً صفحہ ۲۸۶،

حضرت بلالؓ اس پر بھی قائل نہین ہوتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے جب قرآن مجید کی ایک آیت استدلال مین پیش کی تو اُن کو مجبور ہونا پڑا اور بلا اختلاف تمام صحابہؓ کے اتفاق سے یہ مسئلہ طے ہو گیا[1]،

اسی بنا پر فقہ کا یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ اگر بادشاہ یا امام وقت کسی زمانہ مین زمین کو ذمیون کے قبضہ سے نکالنا چاہے، تو نہین نکال سکتا، قاضی ابو یوسف کتاب الخراج مین لکھتے ہین،

ولیس لہ ان یاخذ مابعد ذالک منھم	یعنی امام وقت کو یہ اختیار نہین کہ اس کے بعد ان سے
وھی ملک لھم یتوارثونھا ویتبایعونھا	زمین کو چھین لے، وہ زمین انکی ملک ہے، ان مین نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہیگی، اور وہ اس کو خرید و فروخت کر سکتے ہین،

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت مین جاگیرات کا ایک صیغہ قائم کیا تھا، یعنی حقوق اسلامی کے لحاظ سے جسکو مناسب سمجھتے تھے اُس کو جاگیر عطا کرتے تھے، لیکن چونکہ آراضیات بالکل ذمیون کی مملوکہ تھین، اور حضرت عمرؓ کو ان مین کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہ تھا، اس لئے اس غرض کے لئے خاص وہ زمینین مخصوص کی تھین جو کسی کی ملک نہ تھین، چنانچہ اس قسم کی زمینین حسب ذیل تھین، جاگیرات خالصہ جو نوشیروان نے خاندان شاہی کے لئے مخصوص کی تھین، لاوارث اشخاص کی زمین، دریابرآمد، ڈاک خانہ کے متعلق زمین،

اس کے ساتھ یہ اصول بھی قرار پایا کہ جو ملک بزور فتح کیا جائے، وہان کے باشندون کی جائداد فروخت کرنے پر بھی مسلمانون کے ہاتھ منتقل نہین ہو سکتی، یہ قاعدہ اگرچہ

---

[1] یہ پوری تفصیل کتاب الخراج صفحہ ۱۴، ۱۵ مین ہے،

اس لحاظ سے مقرر ہوا تھا کہ مسلمان کے قبضہ مین آجانے سے زمین دہ یکی ہو جاتی ہے، اور خراج کو نقصان پہونچتا ہے، تاہم اس قاعدے نے ذمیون کو بہت بڑا فائدہ یہ پہونچایا کہ زمین کسی حالت مین ان کے خاندان اور ان کی قوم کے قبضہ سے باہر نہین جا سکتی تھی، چنانچہ اس کے خلاف اگر کبھی عمل ہوا تو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھا گیا، امام لیث بن سعد نے مصر مین تھوڑی سی زمین مول لی تھی، اس پر وہان کے بڑے بڑے علماء مثلاً ابن لہیعہ اور نافع بن یزید سخت معترض ہوئے[1] عقبہ بن عامر ایک بڑے بزرگ صحابی تھے، اور امیر معاویہ نے اُن کو مصر کا گورنر مقرر کیا تھا، وہ مصر کے ایک گاؤن مین اپنی سکونت کے لئے مکان بنوانا چاہتے تھے، چنانچہ امیر معاویہؓ نے اس غرض سے انکو ایک ہزار جریب زمین عطا کی، اُنھون نے خراب اور افتادہ زمین جو کسی کے قبضہ مین نہ تھی انتخاب کی، اور جب ان کے نوکر نے کہا کہ کوئی عمدہ قطعہ لیجئے، تو انھون نے کہا یہ نہین ہو سکتا، کیونکہ معاہدہ مین جو شرطین ہین ان مین ایک یہ بھی ہے کہ ذمیون کی زمین ان کے قبضہ سے نکالی نہین جائیگی[2]، ان سب سے بڑھکر یہ کہ اکثر ممالک مین جو خراج ذمیون پر مقرر کیا گیا، اُس کے ساتھ یہ شرط بھی لکھدی گئی کہ آیندہ کبھی اس پر اضافہ نہ کیا جائے گا، خود مصر کے معاہدہ مین یہ شرط داخل تھی، چنانچہ امیر معاویہؓ نے جب مصر کے عامل وردان کو لکھا کہ خراج کی مقدار مین اضافہ کیا جائے تو اس نے صاف انکار کیا اور جواب مین لکھا کہ معاہدہ مین شرط ہو چکی ہے کہ خراج مقررہ پر اضافہ نہ ہوگا، اگرچہ اسمین شبہہ نہین ہو سکتا کہ زمانۂ مابعد مین خراج کی مقدار بدلتی رہی، لیکن اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہین کہ اصل جمع پر اضافہ ہوا، بہت سی زمینین نئی آباد ہو گئی تھین اور

---

[1] مقریزی صفحہ ۲۹۵، [2] ایضاً صفحہ ۳۰۰،

ان پر اضافہ ہونا خود مقتضاے انصاف تھا،

سب سے مقدم اور ضروری بحث مذہبی حقوق کی ہے، یورپ مین جس گروہ نے اسلام کو نکتہ چینیون کا ہدف بنا رکھا ہے، اُن کی حوصلہ آزمائی کا بڑا جولانگاہ یہی ہے، اُن کا دعوی ہے کہ اسلام مین مذہبی آزادی بالکل نہین ہے، اور قدیم اسلامی حکومتون نے غیر قومون کے مذہبی حقوق بالکل پامال کر دیئے تھے، لیکن ہم دکھانا چاہتے ہین کہ اسلام نے تمام دنیا کی قومون کو جس حد تک مذہبی آزادی دی کبھی کسی قوم نے نہین دی، نہ اب دینے کا دعوی کر سکتی ہے، یورپ دو سو برس پہلے تو مذہبی آزادی کا نام بھی نہین لے سکتا تھا، آج بے شبہہ اُسکو یہ دعوی ہے، مگر کیون ہے؟ اس لئے کہ اُس کو خود مذہب کی پروا نہین رہی، بے شبہہ یورپ گرجا اور بچار کے جھگڑے مین انصاف کا پلہ برابر رکھتا ہی، لیکن اگر ایک سڑک اور مسجد کا معاملہ پیش آجائے تو مسجد بے تکلف برباد کر دیجاتی ہی، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس فیاضی پر ناز ہے، وہ مذہبی آزادی کا نہین بلکہ مذہبی بے پروائی کا اثر ہے،

مذہبی آزادی کے متعلق اسلام کا جو اصول ہے، اُن الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجرانیون کے معاہدون مین تحریر فرمائے تھے، اور جس کو ہم اس مضمون کے پہلے حصہ مین نقل کر چکے ہین، یعنی یہ کہ پادری وغیرہ اپنے منصب پر بحال رہین گے، اور مذہب سے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا، یہ خاص رسول اللہ صلعم کے احکام ہین، اور اس لئے دوسرے لفظون مین کہا جا سکتا ہے کہ یہ خاص اسلام کے احکام ہین، اس سے یہ بھی قیاس ہو سکتا ہی کہ خلفاے راشدینؓ جو رسول اللہ صلعم کے افعال و اقوال کے یادگار تھے، اس باب مین اُن کا طرز عمل کیا رہا ہوگا؟ لیکن ہم صرف قیاس پر قناعت نہین کرتے، تاریخ کی مستند کتابون، مثلاً بلاذری، طبری، ازدی، وغیرہ مین سیکڑون

معاہدے اصلی الفاظ مین مذکور ہین، جنکا قدر مشترک یہ ہے کہ کسی کے مذہب سے تعرض نہ کیا جائیگا، چنانچہ مزید اطمینان کے لئے ہم بعض معاہدون کو اس مقام پر نقل کرتے ہین، خالد[1] نے حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ مین جب حیرہ پر فتح حاصل کی تو یہ معاہدہ لکھدیا،

لا یھدم لھم بیعۃ ولا کنیسۃ ولا	یعنی انکے گرجے برباد نہ کئے جائین گے نہ انکو سنکھ
یمنعون من ضرب النواقیس ولا	بجانے سے منع کیا جائیگا، نہ عید کے دن صلیب کے نکالنے
من اخراج الصلبان فی یوم عیدھم	سے روکا جائیگا

عانات پر جب خالدؓ کا گذر ہوا تو وہان کا پادری ان کے پاس حاضر ہوا، اور انھون نے ان شرائط پر اس سے صلح کر لی،

لا یھدم لھم بیعۃ ولا کنیسۃ وعلی	یعنی اُن کے گرجے برباد نہ کئے جائین گے، وہ
ان یضربوا النواقیسھم فی ای ساعۃ	نماز کے وقتون کے سوا، رات دن مین جس وقت
شاؤا من لیل او نہار الا فی اوقات	چاہین ناقوس بجائین، اور تمام تیوہارون مین
الصلوٰۃ وعلی ان یخرجوا الصلبان	صلیب نکالین،
فی ایام عیدھم،[2]	

قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج مین ان احکام کو نقل کرکے لکھا ہے کہ "خالدؓ کے ان معاہدون پر حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کسی نے کبھی اعتراض نہین کیا" اس لحاظ سے اگر فقہی اصطلاح کے موافق کہا جائے تو کہہ سکتے ہین کہ اس مسئلہ پر صحابہؓ کا اجماع ہو گیا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ زمانہ مابعد مین جب کبھی کسی متعصب فرمان روا نے اس کے خلاف کرنا چاہا، تو مذہبی پیشواؤن نے

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۴، [2] ایضاً صفحہ ۸۶،

فوراً مخالفت کی، اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے یہ جرات نہ کر سکے تو اس کے مرنے کے بعد اسکی تلافی کر دی گئی، ہارون الرشید، جب نائس فورس قیصر روم کی بار بار بغاوت سے نہایت برہم ہوا تو عیسائیون کی طرف سے اُس کے خیالات بہت کچھ بدل گئے تھے، غالباً اسی کا اثر تھا کہ اس نے قاضی ابویوسف صاحب سے جو مذہبی صیغہ کے افسر کل تھے، پوچھا کہ عیسائیون کے گرجے اسلام مین کیون محفوظ رہے، اور آج ان کو کیون یہ اجازت حاصل ہے، کہ وہ علانیہ صلیب نکالتے ہین؟ اس کا جواب جو قاضی صاحب نے لکھا اس کے خاص الفاظ یہ ہین:-

انما کان الصلح جری بین المسلمین واهل الذمة فی اداء الجزیة وفتحت المدن علی ان لا تهدم بیعهم ولا کنائسهم داخل المدینة ولا خارجها وعلی ان یقاتلوا من ناداهم عن عدوهم وعلی ان یخرجوا الصلبان فی اعیادهم ففتحت الشام کلها والحیرة الا اقلها علی هذا، فلذالک ترکت البیع والکنائس ولم تهدم[1]،

یعنی مسلمانون اور ذمیون سے جزیہ کی بنا پر جو صلح ہوئی تھی، اس شرط پر ہوئی تھی کہ ان کی خانقاہین، اور گرجے شہر کے اندر ہون یا باہر، برباد نہ کئے جائینگے اور یہ کہ انکا کوئی دشمن ان پر چڑھ آئے تو ان کی طرف سے مقابلہ کیا جائیگا، اور یہ کہ وہ تیوہارون مین صلیب نکالنے کے مجاز ہین، چنانچہ تمام شام اور حیرۃ (باستثنا بعض مواضع کے) انھین شرائط پر فتح ہوا، اور یہی وجہ ہے کہ خانقاہین اور گرجے اسی طرح چھوڑ دیئے گئے، اور برباد نہین کئے گئے،"

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۰،

خلیفہ ہادی کے زمانہ مین ۱۶۹ھ مین جب علی بن سلیمان مصر کا گورنر مقرر ہوا، تو حضرت مریم کے گرجا اور چند گرجون کو منہدم کرا دیا، ہادی نے ایک سال کی خلافت کے بعد وفات پائی اور ہارون الرشید تخت نشین ہوا، اس نے علی کو معزول کرکے ۱۷۱ھ مین موسیٰ بن عیسیٰ کو مصر کا گورنر مقرر کیا موسیٰ نے گرجون کے معاملہ مین علما سے استفتا رکیا، اس وقت مصر کے تمام علماء کے پیشوا لیث بن سعد تھے، جو بہت بڑے محدث اور نہایت مقدس اور بزرگ تھے، انھون نے علانیہ فتویٰ دیا کہ منہدم شدہ گرجے نئے سرے سے تعمیر کرا دیئے جائین، اور دلیل یہ پیش کی کہ مصر مین جسقدر گرجے ہین خود صحابہ اور تابعین کے زمانہ مین تعمیر ہوئے تھے، چنانچہ تمام گرجے سرکاری خزانہ سے تعمیر کرا دیئے گئے[1]، علامہ مقریزی نے تاریخ مصر مین اس واقعہ کو ان الفاظ مین لکھا ہی،

فبنیت کلها بمشورة اللیث بن سعد وعبد الله بن لهیعة وقالا هو من عمارة البلاد واحتجا بان الکنایس التی بمصر لم تبن الا فی الاسلام فی زمن الصحابة والتابعین[2]،

اسی طرح دمشق کا ایک گرجا ایک رئیس کی بیجا فیاضی سے خاندان بنی نصر کے قبضہ مین آگیا تھا حضرت عمر بن عبد العزیز نے اپنے عہد خلافت مین اسکو بنی نصر سے چھین کر عیسائیون کے حوالہ کر دیا، اس قسم کی اور بھی بہت سی مثالین ملتی ہین لیکن اس موقع پر ہم ایک ایسا واقعہ نقل کرتے ہین، جو صرف ایک جزئی واقعہ کی حیثیت نہین رکھتا بلکہ اس سے جانشینان اسلام کے عام طرز عمل کا اندازہ ہو سکتا ہی،

دمشق کی جامع مسجد ایک گرجا کے متصل تھی، جس کا نام یوحنا کا گرجا تھا امیر معاویہؓ

---

[1] النجوم الزاہرہ واقعات ۱۷۱ھ، [2] مقریزی جلد دوم صفحہ ۵۱۱،

نے اپنے عہدِ خلافت مین ضرورت کی وجہ سے چاہا کہ گرجا کو مسجد مین شامل کر لین لیکن عیسائیون نے انکار کیا، امیر معاویہؓ مجبور رہے، عبد الملک بن مروان نے اپنے زمانہ مین عیسائیون سے درخواست کی اور معاوضہ پیش کیا، عیسائی پھر راضی نہ ہوئے اور عبد الملک کو باز رہنا پڑا، ولید نے اپنے زمانِ خلافت مین عیسائیون کے آگے ایک بہت بڑی رقم پیش کی، وہ اسی طرح انکار کرتے رہے، ولید نے غصہ مین آکر کہا، کہ تم خوشی سے نہین دیتے تو مین جبراً لونگا، عیسائیون نے کہا کہ جو شخص کسی گرجا کو نقصان پہونچاتا ہے، وہ پاگل یا کوڑھی ہوجاتا ہے، ولید کو اس پر زیادہ غصہ آیا خود اپنے ہاتھ مین کدال لیکر گرجا کی دیوار ڈھانی شروع کی، اور بالآخر گرجا مسجد مین شامل کر لیا گیا، حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانہ مین عیسائیون نے اس تعدی کی شکایت کی، حضرت عمر بن عبد العزیز نے دمشق کے عامل کو لکھ بھیجا کہ گرجا کا جو حصہ مسجد مین ملایا گیا ہے، وہ عیسائیون کو واپس کر دیا جائے، اس پر مسلمانون کو نہایت رنج ہوا، کہ ہم جس مسجد مین نماز پڑھ چکے اور اذانین دیچکے، اس کو کیونکر ڈھائین، آخر عیسائیون کے پاس جاکر خوشامد کی، اور کہا کہ "آغازِ فتح مین غوطہ دمشق کے جس قدر گرجے مسلمانون کے قبضہ مین رہ گئے تھے، اور ابتک ہین، وہ سب واپس کر دیئے جائینگے، اگر تم اس مسجد کے ڈھادینے سے باز آؤ" عیسائی اس پر راضی ہوئے، اور عمر بن عبد العزیز کو اسکی اطلاع دیگئی، انھون نے عیسائیون کی خواہش کے موافق مسجد کا منہدم کرنا روک دیا، اور ان کو غوطہ دمشق کے تمام گرجے دلا دیئے[1]،

اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ غیر مذہب والون کی کسی عبادتگاہ پر تصرف کرنا کس قدر پرخطر کام سمجھا جاتا تھا، اور مقدس خلفاء کہان تک گرجاؤن وغیرہ کا

[1] یہ پوری تفصیل فتوح البلدان صفحہ ۱۲۵ مین مذکور ہے،

لحاظ رکھتے تھے،

یورپین مصنفون کی طرف سے بڑا اعتراض یہ پیش کیا جاتا ہی کہ مسلمانون کے عہد مین نئے گرجاؤن یا بتخانون کے بننے کی اجازت نہ تھی، لیکن یہ انکی سرسری معلومات کا نتیجہ ہی یہ بحث خود صحابہؓ کے زمانہ مین پیش آچکی تھی، اور اس کا فیصلہ کر دیا گیا تھا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تھا، تو انھون نے جواب دیا کہ جو شہر مسلمانون کے خاص آباد کردہ ہین، وہان غیر مذہب والون کو یہ حق حاصل نہین کہ گرجا اور بتخانہ بنائین، یا سنکھ بجائین، باقی جو قدیم شہر ہین وہان ذمیون سے جو معاہدہ ہے مسلمانون کو اسکا پورا کرنا ضرور ہوگا[1]، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا یہ فتوی بھی اس لحاظ سے تھا کہ اس وقت تک مسلمان، اور دوسری قومین اچھی طرح ملے جلے نہین تھے، لیکن جب یہ حالت نہین رہی تو وہ فیصلہ بھی نہین رہا، چنانچہ خاص اسلامی شہرون مین اس کثرت سے گرجا، بتخانے، آتشکدے بنے کہ انکا شمار نہین ہو سکتا، بغداد خاص مسلمانون کا آباد کیا ہوا شہر ہی، وہان کے گرجون کے نام معجم البلدان مین کثرت سے ملتے ہین، قاہرہ مین جو گرجے بنے وہ مسلمانون ہی کے عہد مین بنے، یوٹکیس نے جو ۳۲۳ھ مین اسکندریہ کا لارڈ بشپ تھا، اپنی کتاب مین جو عربی زبان مین ہے، اور جس کو پروفیسر پوکاک نے لاٹین ترجمہ کے ساتھ چھاپا ہی، اس قسم کے بہت سے گرجون کا نام اور ان کے حالات لکھے ہین،

خالد بن عبد اللہ قسری نے جو ہشام بن عبد الملک کے زمانے مین عراقین کا گورنر تھا، اور عرب کے نہایت نامآور لوگون مین شمار کیا جاتا ہی، اپنی ماں کے لئے جو عیسائی مذہب رکھتی تھی، خود ایک گرجا تعمیر کرا دیا تھا، عضد الدولہ نے جو بہت بڑا نامور شہنشاہ

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۸۸

گذرا ہے اور نہایت صاحب فضل وکمال تھا، اپنے وزیر نصر بن ہارون کو چرچ اور گرجاؤن کے بنانے کی عام اجازت دی تھی[1]، چنانچہ اس نے ۳۶۹ھ مین نہایت کثرت سے تمام ممالک اسلامیہ مین چرچ اور گرجے تعمیر کرائے،

مسلمانون نے نصرف یہی نہین کیا کہ پرانے معبد قائم رکھے یا نئے معبدون کی تعمیر کی اجازت دی، بلکہ انھون نے نہایت انصاف سے معبدون کے متعلق تمام عہدے اور تمام وہ جائدادین بحال رہنے دین جو ان معبدون پر وقف تھین، یہان تک کہ پجاریون اور مجاورون کے جو روزینے پہلے سے مقرر تھے، وہ بھی اپنے خزانے سے جاری رکھے، عمرو بن العاص رض نے حضرت عمر رض کے عہد مین جب مصر فتح کیا توجس قدر آراضیات گرجاؤن پر وقف تھین، اسی طرح بحال رہنے دین، چنانچہ اس قسم کی جو آراضیات ۵۰ھ تک موجود تھین انکی مقدار ۲۵ ہزار فدان تھی[2]، محمد قاسم نے جب سندھ فتح کیا تو برہمنون کو بلاکر بتخانون کے متعلق انکو جو اختیار دیئے اسکو مورخ علی بن حامد نے اپنی تاریخ سندھ مین ان الفاظ مین لکھا ہے:—

"پس اکابر و مقدمان و براہمہ را فرمود کہ معبود خود را عبادت کنند و فقراے برہمنان را احسان و تعہد تیار دارند و اعیاد و مراسم خود بہ شرائط آبا و اجداد قیام نمایند، و صدقاتے کہ پیش ازین در حق براہمہ میدادند برقرار قدیم بدہند"

بنیامین جو مصر کا پیٹریارک تھا، اور ایرانیون کے تسلط کے زمانے مین مصر سے بھاگ گیا تھا، اسکو خود عمرو بن العاص رض نے ۲۰ھ مین امان کی تحریر بھیجکر مصر مین بلوایا، اور پیٹریارک کے عہدے پر مامور کیا[3]، محمد فاتح نے جب ۱۴۵۳ء مین قسطنطنیہ فتح کیا تو یونانی

---

[1] ابن الاثیر واقعات ۳۶۹ھ، [2] دیکھو مقریزی جلد دوم صفحہ ۴۹۹، [3] ایضاً صفحہ ۴۹۲،

کلیسا کا خود محافظ بنا، اور تمام پادریون کو ہر قسم کے قانون کے احکام سے بری کردیا،

اسلام مین غیر مذہب والون کے مذہبی احکام کا جو لحاظ کیا جاتا تھا، اس کا ثبوت اس سے بڑھکر کیا ہوگا کہ یہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی عیسائی ایک گرجا بنانے کی وصیت کرجائے، تو اسلامی عدالت اس وصیت کو جائز تسلیم کریگی اور مسجد بنانے کی وصیت کرجائے تو ناجائز، چنانچہ صاحب ہدایہ نے باب الوصیۃ مین امام ابوحنیفہؒ کا یہ مذہب نقل کرکے انکی طرف سے یہ دلیل پیش کی ہے، نحن امرنا بان نترکھم وما یدینون یعنی ہم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم غیر مذہب والون کو ان کے احکام مذہبی پر چھوڑ دین، ایک دفعہ جب حضرت ابوبکرؓ کے عہد مین ایک عورت نے مسلمانون کی ہجو کے اشعار گائے، اور ایک افسر نے اس جرم پر اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے، تو حضرت ابوبکرؓ نے اس افسر کو خط لکھا کہ اگر وہ عورت مسلمان تھی تو کوئی معمولی سزا دینی چاہئے تھی، اور اگر ذمی تھی تو جب ہم نے اس کے شرک اور کفر سے درگذر کی تو ہجو تو شرک سے بہرحال کم ہے[1]

عیسائی نکتہ چینیون کی نسبت ہم کو صرف یہی شکایت نہین کہ وہ اسلامی تاریخون سے ناآشنا ہین، بلکہ افسوس یہ ہے کہ وہ خود اپنے قدیم عیسائی بزرگون کی روایتون سے واقفیت نہین رکھتے، حضرت عثمانؓ کے زمانہ مین مرد کا جو پیٹریارک تھا، اور جس کا نام (JESUIAH) تھا، اس نے ایران کے لارڈ بشپ (SIMEON) کو جو خط لکھا تھا، اسمین یہ الفاظ تھے "عرب جن کو خدا نے اس وقت جہان کی بادشاہت دی ہے، عیسائی مذہب پر حملہ نہین کرتے، بلکہ برخلاف اس کے وہ ہمارے مذہب کی امداد کرتے ہین، ہمارے پادریون اور خداوند کے مقدسون کی عزت کرتے ہین، اور گرجون اور خانقاہون کے لئے

---

[1] طبری واقعات سنہ ۱۲ھ،

عطیہ دیتے ہین"

مذہبی اور قانونی حقوق کے بعد جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے، یہ امر زیادہ قابل لحاظ ہو کہ ذمیون کو رتبہ اور اعزاز کے لحاظ سے اسلامی گورنمنٹ اور اسلامی پبلک مین کیا درجہ حاصل تھا، فاتح اور مفتوح کی تمیز ایک ایسا فطرتی اثر ہے، جو کسی طرح کسی کے مٹائے نہین مٹ سکتا، پچھلی دنیا مین تو یہ امتیاز اس حد تک پہونچا تھا، کہ فاتح قومون نے ہمیشہ مفتوحین کو جانورون سے کچھ ہی زیادہ سمجھا، ہندو آرین ہندوستان مین آئے تو یہان کے اصلی باشندون کو اس طرح خاک مین ملا دیا، کہ اُن کو شودر کے لقب سے خود عار نہین رہا، روم نے تمام مفتوحہ قومون کو گویا غلام بنا رکھا تھا، دنیا اسی حالت مین تھی کہ اسلام کا قدم آیا، اُس کے گرد وپیش ہر طرف اسی قسم کی مثالین موجود تھین لیکن اس نے کیا کیا؟ یہ کیا کہ دنیا کے اس رواج یافتہ قاعدے کو دفعۃً مٹا دیا، اور قول وفعل دونون سے بتا دیا کہ حقوق عامہ مین جسقدر آدمی آسمان کے نیچے ہین، سب برابر ہین، اسلام ہی نے یہ بات سکھلائی تھی کہ جب ایک یہودی نے حضرت علیؓ پر خود اُنکی خلافت کے زمانہ مین ایک زرہ کا دعوی کیا، تو جناب ممدوح کو اسکی جوابدہی کیلئے عدالت مین حاضر ہونا پڑا اور وہ بغیر کسی عذر کے معمولی فریق مقدمہ کی حیثیت سے عدالت مین حاضر ہوئے، یہ اسلام ہی کی تعلیم تھی کہ جب ایک عیسائی نے ہشام بن عبد الملک پر جو بڑی عظمت اور اقتدار کا خلیفہ گذرا ہے ایک جائداد کا دعوی کیا، اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے دربار مین مقدمہ پیش ہوا تو حضرت عمرؓ نے ہشام کو عدالت مین طلب کیا، اور کہا کہ مدعی کے برابر کھڑے ہو کر جوابدہی کرو، ہشام نے وکیل مقرر کرنا چاہا، حضرت عمرؓ نے کہا نہین، تم خود سامنے کھڑے ہو کر جواب دو، ہشام نے عیسائی کے ساتھ سخت کلامی شروع کی،

حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے ڈانٹا، اور کہا کہ دوبارہ یہ حرکت سرزد ہوئی تو بغیر سزا دیئے، نہ چھوڑون گا، چونکہ رودادسے عیسائی کا حق ثابت تھا، اسکو ڈگری دلائی اور حکم دیا کہ ہشام کی دستاویز جو اُس نے پیش کی تھی چاک کر دیجائے،[۱] تاریخ اسلام مین اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہین، لیکن ہم نے صرف اُن بزرگون کے نمونے پیش کئے ہین جو خود اسلام کے نمونے تھے،

اسلامی حکومتون مین مسلمان، اور ذمی عموماً برابری کی حیثیت سے رہتے تھے، سرکاری مناصب مین، مجالس عامہ مین، عام معاشرت مین، فاتح مفتوح کی کچھ تمیز نہ تھی لیکن قبل اس کے کہ ہم اس دعویٰ کو تفصیلی طور سے ثابت کرین ہم کو اُن شبہات کا جواب دینا چاہئے جو اس موقع پر خواہ مخواہ پیدا ہونگے، عیسائی مصنفین نے ہمیشہ نہایت زور کے ساتھ اسلام پر یہ الزام لگایا ہی کہ اُس نے دوسری قومون کو نہایت ذلت کی نگاہ سے دیکھا اور ذلت کی محسوس علامتین قایم کین، اسلام نے یا اسلام کے جانشینون نے یہ قاعدے بنائے کہ ذمی ایک خاص قسم کا لباس اختیار کرین، جو اُن کی محکومی اور ذلت کی علامت ہو، گھوڑے پر نہ سوار ہون، راستے مین تادباً مسلمانون سے بچ کر نکلین، بڑے بڑے عہدے نہ پائین، اُن کے ساتھ مساویانہ برتاؤ نہ کیا جائے،

ہم بے شبہہ تسلیم کرتے ہین کہ فقہ کی پچھلی تصنیفات مین ذمیون کی نسبت یہ احکام موجود ہین، لیکن ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ یہ احکام خدا کے، رسول کے، صحابہ کے، ائمہ مجتہدین کے احکام نہین ہین، اسی کے ساتھ ہمارا یہ بھی دعویٰ ہی کہ یہ احکام کسی زمانے مین رواج

[۱] عیون الحدائق صفحہ ۶۰،

نہین پائے، کسی کسی ظالم بادشاہ نے جوش تعصب مین اس قسم کی کارروائی کی تو وہ اسی عہد تک رہی، مورخین نے عام طور پر لکھا ہی کہ "سب سے پہلے جس نے ذمیون کا لباس بدلا وہ المتوکل باللہ عباسی تھا" اس سے یہ امر تو علانیہ ثابت ہے کہ متوکل باللہ سے پہلے یہ لباس نہ تھا، متوکل نے ذمیون پر اور بھی طرح طرح کی سختیان کین، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ وہی متوکل ہے، جس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے مزار مبارک کو کھدوا کر خاک کے برابر کر دیا، اور منادی کرا دی کہ کوئی شخص زیارت کو نہ آنے پائے، جس شخص نے خود جگر گوشۂ رسول صلعم کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہو، اُس کے کسی فعل پر کیا استدلال ہو سکتا ہی،

یہ سچ ہے کہ حضرت عمر فاروق رض نے بھی ذمیون کے لئے ایک خاص لباس کی تعیین کی تھی، لیکن یہ وہی لباس تھا جو مدت سے اونکا قومی لباس چلا آتا تھا، اور اس وجہ سے یہ خیال نہین ہو سکتا کہ اس سے تحقیر اور ذلت مقصود تھی، اس بحث کو ہم نے مختصراً سیرۃ النعمان مین لکھا ہی، اور انشاء اللہ الفاروق مین اس بحث کا قطعی فیصلہ کر دینگے، یہان صرف یہ دیکھنا ہی، کہ حضرت عمر رض کا یہ حکم آیا کوئی مذہبی اور انتظامی حیثیت رکھتا تھا یا صرف اُن کا مذاق طبیعت تھا جس کے معنی صرف یہ تھے، کہ تمام قومین اپنی قومی خصوصیتون پر قایم رہین،

اس امر کے فیصلہ کے لئے یہ دیکھنا چاہئے کہ لباس کے بارے مین حضرت عمر رض کے احکام کس حد تک عمل مین آسکے،

حضرت عمر رض نے جہان غیر قومون کو عرب کے لباس کے اختیار کرنے سے روکا تھا، اہل عرب کو بھی عجم کی وضع سے پرہیز کرنے کی تاکید کی تھی، چنانچہ عتبہ بن فرقد کو جو فرمان لکھا تھا اسمین یہ الفاظ تھے، علیکم بلباس ابیکم اسمٰعیل وایاکم والتنعم وزی العجم والقوا الخفاف

والقوا السراويل یعنی تمکو اپنے باپ اسمٰعیل کا لباس پہننا چاہیئے، خبردار عیش طلبی اور اہل عجم کی وضع نہ اختیار کرنا، موزہ اور پاجامہ پہننا چھوڑدو،

لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ بیت المقدس کے معاہدہ کے لئے شام تشریف لیگئے تو تمام افسرانِ فوجی رومیون کے لباس مین تھے، اس پر ناراضی بھی ظاہر فرمائی، لیکن جب ان لوگون نے اس کا سبب بتایا تو چپ ہو گئے، اس سے بڑھکر یہ کہ جب مصر فتح ہوا تو اہلِ فوج کی خوراک ولباس کا انتظام اس طرح کیا گیا کہ عیسائی ہر سال غلہ اور کپڑون کی ایک تعداد مقررہ جزیہ کے ساتھ ادا کرتے رہین، ان کپڑون مین عمامہ اور جبہ کے ساتھ موزے اور پاجامے بھی شامل[1] تھے، حالانکہ موزہ اور پاجامہ کے استعمال کو حضرت عمرؓ اپنے سابق فرمانون مین منع کر چکے تھے، حضرت عمرؓ کی ان دو مختلف کارروائیون کی تاویل اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے، کہ اول اول انکی وہ رائے تھی، لیکن جب اُنھون نے دیکھا کہ طبائع کے میلان عام کو وہ روک نہین سکتے، تو اُنھون نے اس خیال کو جانے دیا،

غیر قومون کو حضرت عمرؓ نے جو روک ٹوک کی تھی وہ بھی نہ چل سکی، عیسائیون اور یہودیون نے مسلمانون کی بہت سی خصوصیتین اختیار کرلین یہان تک کہ عمر بن عبدالعزیز نے جو حضرت عمرؓ کے قدم بہ قدم چلنا چاہتے تھے اپنے ایک عامل کو لکھا کہ وقد ذکر لی ان کثیرا من قبلک من النصارٰی قد راجعوا لبس العمائم وترکوا المناطق[2] یعنی مجھکو معلوم ہوا ہے کہ اکثر عیسائی عمامہ باندھنے لگے ہین اور پیٹیان لگانی چھوڑدی ہین،

ایک خاص قابلِ لحاظ یہ بات ہے کہ مسلمان جہان جہان گئے اور جہان جہان اُنکی حکومتین قایم ہوئین، اُنھون نے خود مفتوح قومون کا لباس اختیار کرلیا، اور یہ ظاہر

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۲۱۵، [2] کتاب الخراج صفحہ ۷۳،

ہے کہ اگر اُن کا لباس ذلت اور تحقیر کی علامت ہوتا تو مسلمان ذلت اور تحقیر کو کیون گوارا کرتے

عباسیون کی سلطنت کا آغاز درحقیقت منصور کے عہد سے سمجھا جاتا ہے اُس نے دربار کے لئے

جو ٹوپی اختیار کی وہ وہی مجوسیون کی ٹوپی تھی، جو خاص اُنکی قومی علامت تھی، معتصم باللہ

جس کے زمانے مین دولت عباسیہ پورے شباب پر پہونچ گئی تھی، اُس نے بالکل شاہان عجم

کی وضع اختیار کر لی تھی، مورخ مسعودی نے لکھا ہے، وغلب علیہ التشبہ بملوک

الاعاجم فی الآلۃ ولبس القلانس والشاشیات فلبسھا الناس اقتداءً بفعلہ

وایتماماً بہ فسمیت المعتصمیات[1] یعنی وہ ٹوپی اوڑھنے پگڑی باندھنے، اور ساز و سامان

رکھنے مین رئیسان عجم کی تقلید کا بہت شایق تھا، چنانچہ اُسکو دیکھ کر سب نے یہ وضع اختیار کر لی

اور اس وضع کا نام معتصمی پڑ گیا،

سندھ وغیرہ مین جب عربون کی حکومت قایم ہوئی اور اُس کے مختلف حصون مین خاص

عرب کی نسل کے سلاطین فرمان روا ہوئے، تو تمام مسلمانون نے ہندؤن کی وضع اختیار

کر لی، چنانچہ ابن حوقل بغدادی جس نے چوتھی صدی کے آغاز مین ان ممالک کا سفر کیا

تھا، کھنبات کی نسبت اپنے جغرافیہ مین لکھتا ہے، وزی المسلمین والکفار بھا واحد

فی اللباس وارسال الشعر، یعنی یہان مسلمان اور کافرون کی ایک وضع ہے، دونون ایک سا

لباس پہنتے ہین، اور بال بڑے بڑے رکھتے ہین،،

وہی مورخ سندھ اور منصورہ کی نسبت لکھتا ہے، وزیھم زی اھل العراق الا ان

زی ملوکھم یقارب زی ملوک الھند، یعنی یہان کے مسلمانون کا لباس عراق کا سا ہے

لیکن یہان کے بادشاہون کی وضع ہندو راجاؤن کے قریب قریب ہے،،

---

[1] مروج الذہب مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ،

مخالفون کی طرف سے بلکہ خود متعصب مسلمانون کی طرف سے بڑا استدلال پیش کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود یہ حکم دیا تھا کہ عیسائیون اور یہودیون کو سلام نہ کرو، چنانچہ عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ نادانستگی سے ایک عیسائی کو سلام کیا تو پھر اُس سے جاکر کہہ آئے کہ تو میرا سلام پھیر دے، یہ اور اس قسم کی روایتین بہت زیادہ شہرت پکڑ گئی ہین اور ہمارا فرض ہے کہ ہم اس راز سے بالکل پردہ اٹھا دین،

حقیقت یہ ہے کہ مدینہ منورہ اور اُس کے اطراف مین جو یہود رہتے تھے، اُن مین اس قدر تعصب تھا کہ بات بات مین اسکا اثر پایا جاتا تھا، وہ مسلمانون کو سلام کرتے تھے تو السلام علیکم کے بجائے السّام علیکم کہتے تھے، جس کے معنی یہ ہین کہ "تم کو موت آئے"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ جب یہود اس طرح سے سلام کرین تو تم صرف یہ کہدو کہ علیکم یعنی "تم پر"[1] یہی روایت ہے جو مختلف پیراوین مین ادا کی گئی ہے، اور جسکا حاصل صرف یہ ہے کہ جس طرح لوگ تم سے پیش آئین تم بھی اُن سے اسی طرح پیش آؤ، بے شبہہ عبداللہ بن عمرؓ نے سلام کہکر واپس لیا تھا، لیکن اولاً تو اس بات کا کوئی ثبوت نہین کہ وہ عیسائی ذمی یعنی اسلام کی رعیت تھا، اور ہماری بحث یہان صرف ذمیون کے ساتھ مخصوص ہی، دوسرے اصلی بات یہ ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ کی یہ ذاتی راے تھی، اور دوسرے صحابہ جو علم وفضل تحقیق و اجتہاد مین اُن سے بہت بڑھکر تھے، اُن کی راے اس کے بالکل خلاف تھی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ جنکو بحر العلم کا خطاب ملا تھا، وہ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی شخص یہودی ہو یا عیسائی، یا آتش پرست، اسکے سلام کا جواب اسی طرح دینا چاہیے، جس طرح وہ تمکو سلام کرتا ہے، کیونکہ خدا نے خود فرمایا ہی کہ اذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن

---

[1] ادب المفرد امام بخاری صفحہ ۱۵۹،

منها اوردوها، یعنی جب تم کو کوئی شخص سلام کرے تو تم اُس سے زیادہ عمدہ طور پر اُس کا جواب دو یا عمدہ طور سے نہین تو برابر طور سے سہی، عبد اللہ بن عباسؓ کا یہ قول امام بخاری نے ادب المفرد مین نقل کیا ہی، ابو موسیٰ اشعریؓ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے اُنھون نے ایک عیسائی راہب کو خط لکھا تو سرنامہ پر سلام لکھا، اس پر ایک شخص نے اعتراض کیا اُنھون نے جواب دیا کہ اُس نے مجھکو خط مین سلام لکھا تھا تو مین نے بھی لکھا امام بخاری نے ادب المفرد مین عبد اللہ بن عباسؓ کا قول نقل کرکے لو قال لی فرعون بارک اللہ فیک قلت وفیک یعنی اگر فرعون بھی مجھکو یہ الفاظ کہے کہ خدا تجھکو برکت دے تو مین اُس کے جواب مین کہونگا کہ خدا تجھکو برکت دے"

حاصل یہ کہ اسلام کا یہ اصول تھا اور اسی پر ہمیشہ عمل درآمد رہا، کہ جو قوم جسطرح اسلام کے ساتھ پیش آتی تھی، اسلام بھی اُس کے ساتھ اُسی طرح پیش آتا تھا، جو عیسائی یا یہودی وغیرہ دوستانہ اور مہذبانہ برتاؤ کرتے تھے، اُنکے ساتھ اُسی طریقے سے برتاؤ کیا جاتا تھا، البتہ اسلام مین عیسائیون کی طرح یہ فیاضی نہین ہے کہ کوئی شخص کسی کے ایک گال پر طمانچہ مارے تو وہ دوسرا گال پھیر دے کہ لو یہ بھی حاضر ہے،

ذمیون کو معاشرت کے تمام امور مین جو مساویانہ درجہ حاصل تھا، اُس کا ثبوت اس سے بڑھکر کیا ہوگا کہ اسلامی تذکرون مین جہان کسی صاحبِ علم عیسائی یا یہودی کا ذکر آتا ہی تو اُس کا نام اُسی معزز اور مدح آمیز طریقہ سے لیا جاتا ہی جس طرح ایک مسلمان اہلِ کمال کا لیا جاسکتا تھا، یہان تک کہ اگر مذہب کی تصریح نہ ہو تو کسی طرح امتیاز نہین ہوسکتا کہ یہ کسی مسلمان کا تذکرہ ہے، یا کسی غیر مذہب کے آدمی کا، بختیشوع، جبرئیل، سلمویہ، حنین بن اسحاق، یوحنا بن ماسویہ، ابو اسحاق صابی کا تذکرہ اسلامی

تاریخون مین جس عظمت سے کیا گیا ہے، اُن کتابون کے پڑھنے سے اُس کا اندازہ ہو سکتا ہے، مین اس موقع پر نمونے کے لئے صرف ابن التلمیذ کی نسبت جو بغداد کا ایک معزز عیسائی تھا مورخانِ اسلام کے چند فقرے نقل کرتا ہون، عماد کاتب نے جو سلطان صلاح الدین کا میر منشی تھا، اس کو سلطان الحکما کے لقب سے مخاطب کرکے یہ الفاظ لکھے ہین، وہ یہ ہیں

وهو شیخ بهی المنظر حسن الرداء لطیف الروح بعید الهم، عالی الهمة، مصیب الفکر، حازم الرای و کنت اعجب فی امرہ کیف حرم الاسلام مع کمال فهمه و غزارة علمه،

کیا کوئی قوم کسی دوسری قوم کا ذکر اس سے زیادہ مدح اور تعریف کے ساتھ کر سکتی ہے، آج کل کے مقدس علماء کے آگے اگر دنیاوی حیثیت مین بھی کسی انگریز کا ذکر مدح کے ساتھ کیا جائے تو وہ اسکو اسلامی شان کے خلاف سمجھین گے، مگر اسکی صرف یہ وجہ ہے کہ انکو تاریخ پر نظر نہین اور اُنکو معلوم نہین کہ وہ جن بزرگون کے نام لیوا ہین، اُن کا طریق عمل کیا تھا،

خلفاے عباسیہ کے دربار مین غیر مذہب والون کو جو اعزاز اور رتبہ حاصل تھا اس سے کون انکار کر سکتا ہے، عباسیون کے دربار کا یہ خاص آئین تھا کہ کسی شخص کا نام دربار مین لقب یا کنیت کے ساتھ نہین لیا جاتا تھا، اس قاعدے سے کوئی ایسا ہی بڑی عزت اور مرتبے کا آدمی مستثنیٰ ہو سکتا تھا، یہان تک کہ اکثر بڑے بڑے علماء کو یہ عزت نصیب نہین ہوتی تھی، باوجود اس کے مامون الرشید، جبریل بن بختیشوع کا نام دربار مین کنیت کے ساتھ لیتا تھا، ہارون الرشید نے عام حکم دیدیا تھا کہ جس شخص کو مجھ سے کچھ کہنا ہو یا کوئی عرض پیش کرنی ہو تو جبریل بن بختیشوع کے ذریعے سے کرے، چنانچہ بڑے بڑے افسران فوج بھی

ہارون رشید سے جو کچھ عرض معروض کرتے تھے جبرئیل کے ذریعہ سے کرتے تھے متوکل باللہ نے باوجود اس کے کہ ذمیون کی نسبت سخت احکام جاری کئے تھے، تاہم اُس کے دربار مین ذمی اہلِ کمال کو یہ عزت حاصل تھی کہ بختیشوع دربار مین خود متوکل کا سا لباس پہنکر آتا تھا اور اکثر صحبتون مین متوکل کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھتا تھا، یہان تک کہ ایک دفعہ بختیشوع متوکل کی خدمت مین حاضر ہوا تو اتفاق سے وہ اس وقت دیوان خاص کی چوکھٹ پر بیٹھا ہوا تھا بختیشوع بھی وہین چوکھٹ پر اُس کے برابر بیٹھ گیا، سلمویہ بن بنان کو جو عیسائی مذہب رکھتا تھا معتصم باللہ کے دربار مین یہ عزت حاصل تھی کہ معتصم کے جس قدر فرمان صادر ہوتے تھے سلمویہ کے دستخط سے ہوتے تھے، علامہ بن ابی اصیبعہ نے طبقات الاطبا مین سلمویہ کی نسبت معتصم کا یہ فقرہ نقل کیا ہے، اکبر عندی من قاضی القضاۃ یعنی سلمویہ میرے نزدیک قاضی القضاۃ سے بڑھ کر ہے، سلمویہ جب بیمار ہوا تو معتصم خود عیادت کو گیا اور افسوس کے ساتھ رویا، سلمویہ نے جب وفات کی تو اس رنج مین تمام دن کھانا نہین کھایا، اور حکم دیا کہ اس کا جنازہ ایوانِ شاہی مین لاکر رکھا جائے، اور عیسائی مذہب کے موافق شمع اور بخور جلا کر اسکے جنازے کی نماز پڑھی جائے،

خلیفہ المعتضد باللہ کے دربار مین جہان تمام وزرا امرا دست بستہ کھڑے رہتے تھے، صرف وزیر اعظم اور ثابت بن قرۃ کو بیٹھنے کی اجازت تھی حالانکہ ثابت بن قرۃ مذہباً صابی تھا اور ذمی تھا، ایک دن معتضد ثابت بن قرۃ کے ہاتھ مین ہاتھ دے کر ٹہل رہا تھا دفعۃً معتضد نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، ثابت خوف سے کانپ اٹھا معتضد نے کہا ڈرو نہین، میرا ہاتھ تمھارے ہاتھ کے اوپر تھا لیکن چونکہ تم علم و فضل مین مجھسے بڑھکر ہو اس لئے تمھارا ہاتھ اوپر ہونا چاہئے"

سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس، نہایت پابندِ شریعت اور متقی و پرہیزگار تھا، اُس کے دربار مین کثرت سے عیسائی تھے، اور وہ اُنکی نہایت عزت و توقیر کرتا تھا، انھین مین سے ابن المطران ایک عیسائی تھا، صلاح الدین کی عادت تھی کہ وہ لڑائی کے معرکون مین ایک سرخ خیمہ نصب کراتا تھا، اور جب لڑائی سے فارغ ہو کر بیٹھتا تھا تو اسی خیمے مین بیٹھتا تھا، چونکہ یہ امتیاز کی علامت تھی اس لئے حکم تھا کہ اور کوئی شخص اس رنگ کا خیمہ نہ رکھے، ابن المطران چونکہ شان و شوکت اور تمام باتون مین خود سلطان صلاح الدین کی ہمسری کرنا چاہتا تھا، اس نے اپنا خیمہ بھی سرخ رنگ کا تیار کرایا، اور اسی مین بیٹھا کرتا تھا، صلاح الدین نے دیکھا تو کہا کہ مجھ کو اس سے کوئی اعزاز مقصود نہین تھا صرف ضرورت کی وجہ سے ایسا کیا گیا تاکہ لوگ میرے خیمہ کو بآسانی پہچان لین، یہ کہکر اس کا خیمہ اکھڑوا دیا، ابن المطران اس پر سخت برہم ہوا اور دو دن تک دربار مین نہ آیا، آخر صلاح الدین نے بڑی استمالت سے اُس کو راضی کیا، اس قسم کی سیکڑون مثالین ہین، کوئی کہان تک گنوائے،

یورپ والو! اگر اسلامی حکومتون مین ذمیون کی اسی طرح ذلت اور تحقیر کی جاتی تھی، تو کاش تم اپنی مفتوحہ قومون کے ساتھ اسی ذلت اور تحقیر کا برتاؤ کرتے،

اعزاز اور توقیر کی نسبت شاید کہا جائے کہ یہ پالیٹکس کی بنا پر تھا، اس لئے ہم یہ دکھانا چاہتے ہین کہ اسلام اور جانشینانِ اسلام ذمیون کی نسبت دلی ہمدردی، اور غمخواری کے کیا خیالات رکھتے تھے، ذمیون کی نسبت اگرچہ ہر قسم کے معاملات حضرت عمرؓ کے عہد مین منضبط ہوئے، اور زمانۂ مابعد مین بلحاظ اغلب انھین کا طرزِ عمل، سچے مسلمانون

کا طرزِ عمل رہا لیکن ابتدا خود جناب رسول اللہ کے زمانِ مبارک مین ہو چکی تھی، اور اس وجہ سے ہم کو اس باب مین خود شریعت کا طرزِ عمل معلوم ہو سکتا ہی، قاضی ابو یوسف نے کتاب الخراج مین یہ حدیث روایت کی ہی، کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد اللہ بن ارقم کو جزیہ کے وصول کرنے پر مقرر کیا تو اُنکو بلا کر فرمایا، الا من ظلم معاهدًا او کلفه فوق طاقته او انتقصه واخذ منه شیئًا بغیر طیب نفسه فانا حجیجه یوم القیامة[1] یعنی جان لو کہ جو شخص کسی معاہد (یعنی ذمی) پر ظلم کریگا، یا اُس سے اُسکی طاقت سے زیادہ کام لے گا یا اُس کو ذلیل کریگا یا اُس سے کوئی چیز اُسکی مرضی کے بغیر لے گا تو مین قیامت کے دن اُس کا دشمن ہونگا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کا یہ اثر تھا کہ صحابہ جہان کہین ذمیون پر کسی قسم کی سختی ہوتی دیکھتے تھے، فوراً مواخذہ کرتے تھے، سعید بن زیدؓ نے ایک دفعہ دیکھا کہ ذمیون کو مال گذاری وصول کرنے کے لئے دھوپ مین کھڑا کیا گیا ہی، اُسی وقت وہان کے حاکم سے جا کر کہا کہ مین نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہی کہ جو شخص لوگون کو عذاب دیتا ہے، خدا اُسکو عذاب دیگا، ہشام بن حکیم کو بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا، اور اُنھون نے اسی وقت حاکم وقت یعنی عیاض بن غنم کے پاس جا کر ملامت کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی قول سند مین پیش کیا،[2]

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے شخص کو ایک دروازے پر بھیک مانگتے دیکھا، اس سے پوچھا کہ تیرا کیا مذہب ہے، اُس نے کہا یہودی، فرمایا بھیک کیون مانگتا ہے بولا کہ تنگی اور مفلسی کی وجہ سے اور جزیہ کے ادا کرنے کے لئے حضرت عمرؓ اسکو اپنے ساتھ اپنے

[1] کتاب مذکور صفحہ ۷۲، [2] ایضًا صفحہ ۷۱،

مکان پر لوا گئے اور کچھ نقد اپنے پاس سے دیکر بیت المال کے افسر کے پاس کہلا بھیجا کہ انظر هذا وضرباءه فوالله ما انصفناه ان اکلنا شبیبته ثم نخذله عند الهرم انما الصدقات للفقراء والمساکین والفقراء هم المسلمون وهذا من المساکین من اهل الکتاب[1]، یعنی اس بوڑھے اور اس کے اور ساتھیون پر خیال کرو، خدا کی قسم یہ انصاف کی بات نہین کہ اس کی جوانی کی کمائی ہم نے کھائی، اور اب یہ بوڑھا ہو گیا ہے، تو اسکو ہم نکال دین، صدقے کی نسبت جو خدا نے کہا ہے کہ فقیرون اور مسکینون کو دینا چاہیے تو فقیرون سے مسلمان اور مسکینون سے اہلِ کتاب مراد ہین،

حضرت عمرؓ کی اس ہمدردی اور رحم کا جو انکو ذمیون کے ساتھ تھا اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہو گا، کہ باوجود اس کے کہ وہ ایک ذمی کے ہاتھ سے مارے گئے تھے تاہم ذمیون کا ان کو یہ خیال تھا کہ وفات کے وقت تین نہایت ضروری وصیتین جو کین ان مین ایک یہ تھی کہ ذمیون کے ساتھ جو اقرار ہین وہ پورے کئے جائین، ان کی طاقت سے زیادہ کام ان سے نہ لیا جائے، اور ان کے دشمنون کے مقابلے مین ان کی طرف سے لڑائی کیجائے،

عراق مین حضرت عمرؓ نے جو خراج مقرر کیا تھا، اگرچہ نہایت خفیف تھا، تاہم ان کو ہمیشہ خیال رہا کہ تشخیص مال گذاری مین ذمیون پر سختی تو نہین کی گئی، چنانچہ جن لوگون نے زمین کی پیمایش کر کے جمع تشخیص کی تھی، ان کو اکثر بلا کر اس کی نسبت پوچھا کرتے تھے، خراج جب آتا تھا تو دس شخص بصرے سے اور دس کوفے سے طلب کئے جاتے تھے، حضرت عمرؓ ان کے اظہار لیتے تھے، اور جب وہ چار دفعہ شرعی قسم

[1] حضرت عمرؓ کے اس قول کو امام بخاری نے اپنی کتاب مین نقل کیا ہے،

کہا کرتے تھے کہ مالگزاری کے وصول کرنے مین ذمیون پر سختی نہین کی گئی ہی، تب انکو تسلی ہوتی تھی، مسلمانون کو ذمیون کے ساتھ جو ہمدردی تھی، اس کے لئے اس قسم کی سیکڑون جزوی مثالین ملتی ہین، لیکن ان سب کا استقصا نہین کیا جا سکتا، اس لئے ہم ایک ایسے واقعہ پر اکتفا کرتے ہین جس سے جماعت اسلامی کی عام رائے کا اندازہ ہو سکتا ہے،

جزیرۂ سائپرس جب ۲۹ھ مین فتح ہوا تو شرط یہ ٹھہری کہ وہان کے لوگ مسلمانون اور رومیون کے باہمی معرکون مین کسی کا ساتھ نہ دین گے، لیکن ۳۲ھ مین انھون نے مسلمانون کے برخلاف رومیون کو مدد دی، امیر معاویہؓ نے ان پر چڑھائی کی، اور شہر کو فتح کرکے پہلی شرط پر پھر صلح کر لی، لیکن وہ اپنی شرارت سے پھر باز نہ آئے، اس پر ولید بن یزید نے ایک گروہ کو جلا وطنی کی سزا دی، اگرچہ وہ اس سزا کے فی الحقیقت مستحق تھے لیکن انکی سازش کا ثبوت قطعی نہ تھا، تمام مسلمان اور علما اور فقہا ولید کی اس حرکت پر سخت برہم ہوئے، کہ ذمیون کے ساتھ ایسا سلوک کرنا جائز نہین، چنانچہ ولید کے بعد جب اس کا بیٹا تخت خلافت پر بیٹھا تو اس نے ان سب کو واپس بلا لیا اور تمام مسلمانون نے ولید کی اس کاروائی کی تحسین کی، دولت عباسیہ کے زمانے مین وہان کی رعایا نے پھر بغاوت کا ارادہ کیا، اس وقت عبد الملک بن صالح گورنر تھا، اور بڑے بڑے نامور ائمہ اور فقہا مثلاً لیث بن سعد، امام مالک، سفیان بن عیینہ، موسیٰ بن اعین، اسمٰعیل بن عیاش، یحییٰ بن حمزہ، ابو اسحٰق فزاری، مخلد بن حسین وغیرہ موجود تھے عبد الملک نے ان سب کے پاس استفتا بھیجا اور پوچھا کہ قاعدۂ شریعت کی رو سے ان سے کیا سلوک کرنا چاہیے، علامہ بلاذری نے فتوح البلدان مین ان ائمہ کے فتوے

الگ الگ اُن کے الفاظ مین نقل کئے ہین، اکثرون نے تو یہی راے دی کہ ان سے درگذر کرنا چاہئے، کیونکہ فقط ارادۂ بغاوت سے وہ ذمیت کے حقوق سے محروم نہین ہوگئے، لیکن جن بعض بزرگون نے سختی کی اُنھون نے بھی صرف یہ اجازت دی کہ اُن کو سال بھر کی مہلت دیجائے، اگر اس مدت مین وہ پورے مطیع ہو جائین تو بہتر ورنہ ان کو کہدیا جائے کہ رومیون کے ملک مین چلے جائین، یحییٰ بن حمزہ اور ابو اسحاق فزاری و مخلد بن حسین نے یہ فتویٰ دیا کہ ان لوگون کے پاس جس قدر مال و اسباب اور زمین وغیرہ ہے ایک ایک چیز کی دوگنی قیمت بیت المال سے ادا کیجائے اور ان کو کہدیا جائے کہ وہ اور کہین جا کر آباد ہو جائین، اسمٰعیل بن عیاش نے لکھا کہ "وہ بیچارے رومیون کے مظلوم ہین، اس لئے ہم کو ان کی مدد کرنی چاہئے" ان بزرگون کے فتوؤن اور راویون سے بہ آسانی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ذمیون کے ساتھ اسلام کا کیا برتاؤ تھا،

سب سے اخیر بحث ملکی حقوق کی ہے یعنی یہ کہ ذمیون کو انتظام سلطنت مین کہان تک دخل تھا، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ شروع سے اس بحث مین ہمارے مخاطب عیسائی ہین جنکا یہ دعویٰ ہے کہ اسلام غیر مذہب والون کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کا حکم دیتا ہے، اس لئے ہم ملکی حقوق کی بحث مین یورپ کے نظام سلطنت سے موازنہ کرین گے، کیونکہ عیسائیون کے نزدیک عدل و انصاف تہذیب و شائستگی کا معیار یورپ اور یورپ کا اصول حکومت ہی،

سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ملکی حقوق کی نسبت یورپ کی مہذب سے مہذب حکومتون نے فاتح و مفتوح مین جو حد فاصل قائم کی ہے اوہ اسلامی حکومتون نے کبھی نہین کی اسلام نے یا اسلامی حکومتون نے کبھی یہ قاعدہ نہین بنایا، کہ جو شخص ولایت زانہ ہو اسکو

فلان قسم کے حقوق نہین مل سکتے، یا فلان فلان عہدے فاتح قوم کے افراد کے ساتھ مخصوص ہین،

اسلام کے آغاز مین ملکی اور فوجی عہدے مختلف نہ تھے، جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا تھا، وہی سپہ سالار بھی ہوتا تھا، یہان تک کہ جو لوگ منصب قضا پر مامور ہوتے تھے، وہی ضرورت کے وقت فوج کے جنرل مقرر ہو کر بھیج دیئے جاتے تھے، تہذیب اور شایستگی کے تاریخ دان اس بات کو بخوبی جانتے ہین کہ سلطنت جب اول اول قایم ہوتی ہے تو اسکے مختلف صیغے مدت تک باہم مختلط رہتے ہین، جس قدر تمدن زیادہ ترقی کرتا جاتا ہے اسی قدر تقسیم عمل کا اصول زیادہ عمل مین آتا جاتا ہے، اور ہر ہر صیغہ جدا جدا صورت پکڑتا جاتا ہے، اسی کلیہ کے موافق اسلام کے ابتدائی زمانے مین بھی اس قسم کا اختلاط والتباس رہا، اور اس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ مفتوح قومین، ملکی انتظامات مین کم شامل ہوسکین، کیونکہ اسوقت تک جس قدر ملکی عہدے تھے اُن مین فوجی مہمات بھی شامل تھین، اور اس وجہ سے غیر قومین خود اُن پر خطر خدمات کو گوارا نہین کرتی تھین،

اس موقع پر یہ امر قابلِ استفسار ہے، کہ اگر غیر قومون نے خود فوجی خدمتون کو قبول کرنا چاہا تو اسلام نے ان کی خواہش کا کہان تک لحاظ رکھا، اور جواب یہ ہے کہ اسلام نے بے تکلف انکی درخواست منظور کی، حضرت عمرؓ کے وقت مین بارہا یہ موقعے پیش آئے کہ عیسائیون اور آتش پرستون نے باوجود اپنے مذہب پر قایم رہنے کے فوجی خدمتون مین شامل ہونے کی درخواست کی، اور حضرت عمرؓ نے نہایت خوشی سے ان کی درخواست کو منظور کر کے انکو وہ تمام حقوق دیدیئے جو مسلمانون کو حاصل تھے، لیکن ناظرین کو یہ توقع نہین رکھنی چاہیئے کہ ہم اس موقع پر اُن واقعات کی تفصیل بھی بیان کرینگے، ورنہ الفاروق کیلئے کیا رہجائیگا،

بہرحال اسلام کے ابتدائی زمانے مین وہ خدمتین اور عہدے جنہین فوجی حیثیت بھی شامل تھی ذمیون کو کم ملے لیکن جس صیغے مین اس حیثیت کا لگاؤ نہ تھا وہ ذمیون کے لئے کھلا رہا، بلکہ حق یہ ہے کہ خاص انھین کے قبضۂ اختیار مین رہا خراج اور مالگذاری کے محکمون اور دفتر عموماً عیسائی اور آتش پرست قابض تھے، یہان تک کہ اس دفتر کی زبان بھی لاطینی اور فارسی و قبطی رہی، شام مین ۸۱ھ تک دفترِ خراج لاطینی زبان مین تھا، اور اس وقت انتنساش نام ایک عیسائی اس محکمہ کا افسر تھا، عراق کا دفتر حجاج بن یوسف کے زمانے مین، فارسی سے عربی زبان مین منتقل ہوا، وہ بھی اسوجہ سے کہ دفترِ خراج کے ہیڈ منشی نے جو آتش پرست تھا اور جسکا نام فرخ زاد تھا مغرورانہ یہ دعوی کیا تھا کہ عربی زبان اس قابل نہین کہ حساب کے تمام جزئیات کو ادا کر سکے،

رفتہ رفتہ جب تمدن نے زیادہ ترقی کی اور ملکی اور فوجی صیغے مین فی الجملہ امتیاز ہوا تو ذمیون کو ملکی صیغے مین بار ہونے لگا، سب سے پہلے اس کی ابتدا امیر معاویہؓ کے عہد مین ہوئی یعنی ابن آثال ایک عیسائی حمص کا فنانشل کمشنر اور وہان کا حاکم مقرر ہوا[1] رفتہ رفتہ کوئی چھوٹے سے بڑا منصب اور عہدہ ایسا نہین رہا جو غیر مذہب والون کے دسترس سے باہر رہا ہو، مذہبی صیغہ کو چھوڑکر دربار مین سب سے بڑے عہدے دو تھے، وزارت اور کتابت کتابت آج کل کی اصطلاح مین چیف سکریٹری کے عہدے کے برابر تھی یعنی ہر قسم کے فرامینِ سلطنت، اور سلطنت غیر سے مراسلت کا کام اسی سے متعلق ہوتا تھا، اور اسی وجہ سے وہ وزیر اعظم کے برابر یا اس سے دوسرے درجہ پر خیال کیا جاتا تھا چنانچہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ مین جہان اس عہدے کا ذکر کیا لکھا ہی کہ ان صاحب هذه الخطة

---

[1] تاریخ یعقوبی ذکر حکومت معاویہؓ،

لابد ان یتخیر من ارفع طبقات الناس،

غرض یہ دونون منصب جو اعلیٰ ترین مناصب تھے ذمیون کو عطا کیے گئے، عبدالملک بن مروان جو سلطنت بنو امیہ کا دوسرا تاجدار تھا، اس کا کاتب ابن سرجون ایک عیسائی تھا، دولت عباسیہ کے عہد مین ابو اسحاق صابی جو اس منصب پر ممتاز تھا بڑے رتبے کا شخص گذرا ہے، اور ابن خلکان وغیرہ نے اس کے فضل و کمال کی بڑی تعریف کی ہے، سلطنت دیلم کا سرتاج عضد الدولہ جو شہنشاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا، اس کا وزیر اعظم ایک عیسائی تھا جس کا نام نصر بن ہارون تھا، یہ تمام خلفا و سلاطین دنیاوی جاہ و جلال کے ساتھ مذہبی شان بھی رکھتے تھے، یورپ کو اس قسم کی بے تعصبی اور فیاضی تک پہونچنے کے لئے ابھی کئی سو برس درکار ہین،

ایک امر البتہ قابل لحاظ ہی کہ اسلامی حکومتون مین سول اور ملٹری ڈپارٹمنٹ کسی زمانے مین صاف صاف الگ نہین ہوئے، اس واسطے جس حد تک ملکی صیغہ مین فوجی حیثیت کا لگاؤ رہتا تھا، ذمی اُس سے کم متمتع ہو سکتے تھے لیکن اس کے سوا اور ہر قسم کے مناصب اور عہدے تمام ذمیون کے لئے کھلے تھے، اور ہر زمانے مین سیکڑون اور ہزارون عیسائی یہودی، ہندو، آتش پرست، سرکاری خدمتون پر مامور رہے، ہندوستان مین ایک خاص تغیر ہوا یعنی یہ کہ ہندوؤن نے کثرت سے فوجی خدمتین قبول کین، اور فوج مین بہت بڑا حصہ انکا تھا، اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہندوؤن نے ہر قسم کے بڑے بڑے ملکی عہدے حاصل کئے، ناواقف ہندو خیال کرتے ہین کہ یہ فیاضی صرف اکبر کے ساتھ مخصوص تھی اور یہ اسکی مادری حیثیت کا اثر تھا، لیکن یہ انکی تاریخی جہالت کا نتیجہ ہے، جہانگیر، شاہجہان، یہان تک کہ عالمگیر جس کو نہایت متعصب خیال کیا جاتا ہے، سب نے ہندوؤن

کو بڑے بڑے عہدے دیئے، شاہجہان کے دربار مین سب سے بڑا منصب نہ ہزاری تھا یعنی وہ ارکان سلطنت جنکو نو ہزار سوارون کے رکھنے کی اجازت تھی، اس سے اتر کر ہفت ہزاری اور اس عہدے پر مہابتخان خانخانان ممتاز تھا اُس کے نیچے پنجہزاری و چارہزاری وغیرہ تھے، چنانچہ اس درجہ کے مناصب پر مسلمانون اور ہندؤن کی تعداد قریب برابر تھی، ہم نہایت اختصار کے ساتھ یہان اس قسم کے ہندو عہدہ دارون کی فہرست لکھتے ہین جس کو ہم نے شاہجہان کی سرکاری تاریخ شاہجہان نامہ سے انتخاب کیا ہی،

رانا جگت سنگھ	پنجہزاری	راجہ بٹھل داس	چارہزاری
گج سنگھ	"	بھارت بندیلہ	"
جے سنگھ	"	راؤ سور	"
راؤ رتن ہاڈو	"	جگدیو رائے	"
جھجار سنگھ	"	ہمیر رائے	"
مالوجی دکنی	"		
اوداجی رام	"		
بہادر جی	"		

ان کے علاوہ گیارہ ہندو افسر دوہزاری، بارہ ڈیڑھ ہزاری، سولہ ایکہزاری، آٹھ نہ صدی، گیارہ ہشت صدی، آٹھ ہفت صدی تھے، اور ان سے نیچے کے عہدہ دار تو بیشمار تھے ان تمام واقعات کے ثابت ہونیکے بعد دنیا خود اس کا فیصلہ کر سکتی ہی کہ اسلام اور مسلمانون نے غیر قومون کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟

الجزیہ

غیر مذہب والون نے ہمیشہ اس لفظ کو نہایت ناگواری سے سنا ہے، اُن کا خیال ہے کہ اسلام اس لفظ کا موجد ہے، اسلام ہی نے یہ اصول پیدا کیا جس سے اُس کا مقصد مسلمانون اور غیر مذہب والون مین نہایت متعصبانہ اور نامناسب تفرقہ قایم کرنا تھا، اُن کا خیال ہے کہ جزیہ ایک ایسا جبر تھا جس سے بچنے کے لئے اسلام کا قبول کرلینا بھی گوارا کیا جاتا تھا، اور اس وجہ سے وہ جبراً مسلمان کرنے کا ایک قوی ذریعہ تھا، لیکن یہ تمام غلط خیالات انھین غلط فہمیون سے پیدا ہوئے ہین، جو غیر قومون کو اسلام کی نسبت ہین، ہم اس موقع پر تین حیثیتون سے جزیہ پر بحث کرنی چاہتے ہین، جزیہ اصل مین کس زبان کا لفظ ہے اور کن معنون مین مستعمل ہوتا ہے، ایران اور عرب مین جزیہ کی بنیاد کب سے قایم ہوئی، اسلام نے اسکو کس مقصد سے اختیار کیا،

پہلی بحث

جزیہ گو اب مصطلح معنی مین خاص ہوگیا ہو لیکن لغت کی رو سے وہ خراج اور جزیہ کے لئے یکسان موضوع ہے، قاموس مین ہے، الجزیۃ خراج الارض وما یوخذ من الذمی، جوہری وصاحب قاموس نے اس لفظ کے اصل و اشتقاق سے کچھ بحث نہین کی، صاحب کشاف نے اسکو "جزی" سے مشتق خیال کیا ہے، اصل یہ ہے کہ غیر زبانون کے

جو الفاظ عربی مین مستعمل ہو گئے ہین، ان کی نسبت ہمارے مصنفین اکثر غلطی کرتے ہین، تعجب یہ ہے کہ خاص اس قسم کے الفاظ نہایت استیعاب سے جمع کئے گئے ہین، اور یہ فن لغت کی ایک شاخ بن گئی ہے، تاہم جو کتابین اس موضوع پر لکھی گئی ہین، مثلاً شفاء العلیل وغیرہ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ ان کے مصنفین غیر زبانون سے ماہر نہ تھے، منجنیق اور صوفی صاف یونانی الفاظ ہین جنکی اصل مکانک اور سوفت ہے، لیکن ہمارے علماے لغت منجنیق کی اصل "من چہ نیک" بتاتے ہین، اور صوفی کو صوف سے ماخوذ سمجھتے ہین، جو ایک قسم کا کپڑا ہوتا ہے، اس قسم کے اور سیکڑون الفاظ ہین،

غیر زبانون کے الفاظ اور مصطلحات کے متعلق نہایت صحیح اور مستند کتاب جو عربی زبان مین لکھی گئی وہ **مفاتیح العلوم** ہے، یہ کتاب صاحب کشف الظنون کا ماخذ ہے، اور علامہ مقریزی نے اس کی نسبت لکھا ہے کہ، کتاب جلیل القدر، اس مین جزیہ کی نسبت لکھا ہے، والجزیۃ رؤس اھل الذمۃ جمع جزیۃ وھو معرب گزیت وھو الخراج بالفارسیۃ[1]

یعنی ذمیون سے جو جزیہ لیا جاتا ہے، یہ معرب لفظ ہے، جسکی اصل گزیت ہے اور اس کے معنی فارسی مین خراج کے ہین،

فارسی لغت نویسون نے گزیت کی لغت مین تصریح کی ہے، کہ جزیہ اسی کا معرب ہے

برہان قاطع مین ہے گزیت بفتح اول وکسر ثانی زرے باشد کہ حکام ہر سالہ از رعایا گیرند وآنرا خراج ہم گویند و زرے را نیز گویند کہ از کفار ذمی ستانند، نظامی گوید،

گہش خاقان خراج چین فرستد   گہش قیصر گزیت دین فرستد

وآنچہ شہرت دارد بہ کسر اول وفتح ثالث است ومعرب آن جزیہ باشد، فرہنگ جہانگیری

---

[1] دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ یورپ صفحہ ۵۹،

کے مصنف نے دوسرے معنی کے سند مین حکیم سوزنی کا یہ شعر سنداً نقل کیا ہے،

کتاب خویش بخواہم درو عمل نکنم　　　　که تا گزیت رسانند نا نخوراہلِ کتاب

اور یہ بھی لکھا ہے کہ جزیہ اسی کا معرب ہے،

ہم کو اسمین ذرا بھی شبہ نہین کہ جزیہ اصل مین فارسی کا لفظ ہے، تصریحاتِ لغت کے علاوہ تاریخی قرینہ نہایت قوی موجود ہے، یہ مسلم ہے کہ اسلام سے پہلے عرب مین جزیہ کا لفظ مستعمل ہوچکا تھا، یہ بھی مسلم کہ فارسی مین گزیت کا لغت اسی معنی مین قدیم سے شایع ہے، تاریخی شہادتین سے (جیسا کہ ہم آیندہ بیان کرین گے) ثابت ہے کہ نوشیروان نے جزیہ کے قواعد مقرر کئے تھے اور اس زمانہ مین نوشیروان کے عمال یمن اور مضافات یمن پر منصوب تھے، اس طرح گزیت کا لفظ قانونی طور پر عرب مین پھیلا اور معرب ہو کر جزیہ ہوگیا، یہ عام قاعدہ ہے کہ محکوم ملک مین جب فرمان روا زبان کے الفاظ دخل پانے لگتے ہین، تو سب سے پہلے وہ الفاظ آتے ہین جو سلطنت کے قانونی الفاظ ہوتے ہین، زبان عرب مین جس قدر فارسی الفاظ معرب ہو کر شایع ہوگئے ہین کسی اور زبان کے نہین ہوئے، اُس پر طرہ یہ کہ جزیہ کا لفظ معرب ہونے کے لئے گویا پہلے ہی آمادہ تھا، صرف ایک حرف کی تبدیل اور ذرا ایک تغیر سے وہ عربی قالب مین پورا اتر گیا،

دوسری بحث

جہان تک ہم کو معلوم ہے ایران و عرب مین خراج و جزیہ کے وہ قواعد جو بادنیٰ تغیر اسلام مین رائج ہین، نوشیروان کے عہد مین مرتب ہوئے، امام ابوجعفر طبری جو بہت بڑے محدث اور مورخ تھے، نوشیروان کے انتظامات ملکی کے بیان مین لکھتے ہین

والزم الناس الجزیۃ ما خلا اھل البیوتات والعظماء والمقاتلۃ والھربذۃ والکتاب ومن کان فی خدمۃ الملک وصیروھا علی طبقات، اثنی عشر درھما وثمانیۃ وستۃ واربعۃ، ولم یلزموا الجزیۃ من کان اتی لہ من السن دون العشرین او فوق الخمسین[1]۔

یعنی لوگوں پر جزیہ مقرر کیا گیا جس کی شرح ۱۲ درہم اور ۸ و ۶ و ۴ تھی لیکن خاندانی شرفا اور امرا و اہل فوج اور پیشوایانِ مذہب اور اہلِ قلم اور عہدہ دارانِ دربار جزیہ سے مستثنی تھے، اور وہ لوگ بھی جن کی عمر ۵۰ سے زیادہ یا ۲۰ سے کم ہوتی تھی،

امام موصوف اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں، وھی الوضایع اللتی اقتدی بھا عمر بن الخطاب حین افتتح بلاد الفرس، یعنی حضرت عمرؓ نے جب فارس کو فتح کیا تو انھیں قاعدوں کی تقلید کی" علامہ ابو حنیفہ دینوری نے بھی کتاب الاخبار الطوال میں بعینہ اس تفصیل کو نقل کیا ہے[2]،

جس غرض سے نوشیروان نے جزیہ کا قاعدہ جاری کیا، اس کی وجہ علامہ طبری نے نوشیروان کے اقوال سے یہ نقل کی ہے، کہ "اہلِ فوج ملک کے محافظ ہیں، اور ملک کیلئے اپنی جانیں خطرے میں ڈالتے ہیں، اس لئے لوگوں کی آمدنی سے ان کے لئے ایک رقم خاص مقرر کی گئی، کہ ان کی محنتوں کا معاوضہ ہو"،

خراج و جزیہ کے متعلق جو کچھ ان مورخوں نے لکھا اس کی تائید فردوسی کے اشعار سے بھی ہوتی ہے، اگرچہ بعض امور میں دونوں کا بیان مختلف ہے، ہم ان اشعار کو اس موقع پر نقل کرتے ہیں ؎

[1] تاریخ کبیر طبری صفحہ ۹۶۲، [2] دیکھو کتاب مذکور صفحہ ۷۳،

ہمہ پادشاہان شدند انجمن	زمین را بسنجید و بر زور سن
گزیتے نہادند بر یک درم	گرایدون کہ دہقان نبودے دژم
گزیت رز بارور شش درم	بجز باستان بر ہمین زو رقم
کسے کش درم بود و دہقان نبود	نبودے غم و رنج کشت و درود
گذارندہ از دہ درم تا چہار	بہ سالے از و بستدے کاردار
دبیر و پرستندۂ شہریار	نہ بودے بہ دیوان کسے را شمار

دونون روایتون کے فرق کو ناظرین خود سمجھ سکتے ہین،

تیسری بحث

اسلام نے جو انتظام قایم کیا، اُسکی روسے ہر مسلمان فوجی خدمت کے لئے مجبور کیا جا سکتا تھا، یہ قاعدہ کچھ آسان قاعدہ نہ تھا اور لوگ اگر ذرا بھی اُس سے بچنے کا حیلہ پا جاتے تھے، تو اُس سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، چنانچہ ایک بار جب جزیرہ سسلی مین مکتب کے معلم اس جبر سے بری کر دیئے گئے، تو سیکڑون آدمیون نے اور کام چھوڑ کر یہی پیشہ اختیار کر لیا،

اس لحاظ سے کل مسلمان فوجی خدمت رکھتے تھے، اور ضرور تھا کہ وہ جزیہ سے اسی طرح بری رہین جسطرح نوشیروان عادل نے عموماً اہلِ فوج کو اس (جزیہ) سے بری رکھا تھا، لیکن غیر مذہب والے جو اسلامی حکومت کے ماتحت تھے اور جنکی حفاظت مسلمانون کو کرنی پڑتی تھی، اُن کو فوجی خدمت پر مجبور کرنے کا اسلام

---

[1] دیکھو معجم البلدان یاقوت حموی، ذکر صقلیہ،

کو کوئی حق نہ تھا نہ وہ لوگ ایسی پر خطر خدمات کے لئے راضی ہو سکتے تھے، اس لئے ضرور تھا کہ وہ اپنی محافظت کے لئے کوئی معاوضہ دین، اسی معاوضہ کا نام جزیہ تھا جو فارسی لغت سے معرب کیا گیا تھا، لیکن اگر کسی موقع پر غیر قومون نے فوج مین شریک ہونا یا شرکت کے لئے آمادہ ہونا گوارا کیا تو وہ جزیہ سے بری کر دئیے گئے، جیسا کہ ہم آئندہ تاریخی شہادت سے ثابت کرین گے،

جزیہ کا معاوضہ حفاظت ہونا علمی وعملی طور سے ہمیشہ مسلم رہا اور سچ یہ ہے کہ اسی خیال نے اکثر اہل لغت کو اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا کہ جزیہ فارسی زبان کا لفظ ہے وہ سمجھے کہ یہ لفظ جزاء سے نکلا ہے جس کے معنی بدلے کے ہین، اور چونکہ یہ بھی ایک معاوضہ اور بدلہ ہی لہذا اس مناسبت سے اسکا نام جزیہ رکھا گیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وخلفاے راشدین کے جو معاہدے تاریخون مین منقول ہین اُن سے عموماً پایا جاتا ہی کہ جزیہ ان لوگون کی محافظت کا معاوضہ تھا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والی ایلہ کو جو فرمان جزیہ کا تحریر فرمایا اسمین یہ الفاظ مندرج فرمائے، یحفظوا ویمنعوا یعنی ان لوگون کی حفاظت کیجائے اور دشمنون سے بچائے جائین[1] حضرت عمرؓ نے وفات کے قریب جو نہایت ضروری وصیتین کین انمین ایک یہ بھی تھی کہ "غیر مذہب والے جو ہماری رعایا ہین وہ خدا اور رسول کی ذمہ داری ہین، اور مسلمانون کو انکی طرف سے ان کے دشمنون سے مقابلہ کرنا چاہیے" اس موقع پر ہم بعض معاہدات اصلی الفاظ مین نقل کرتے ہین، جن سے نہایت صاف اور مصرح طور پر ثابت ہوتا ہی کہ جزیہ صرف حفاظت کا معاوضہ تھا، اور غیر مذہب والے جو مسلمانو

[1] دیکھو فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۵۹،

کی رعایا تھے، یہی سمجھ کر یہ معاوضہ ادا کرتے تھے،

ھذا الکتاب من خالد بن الولید لصلوبا	یہ خالد بن الولید کی تحریر ہے، صلوبا بن نسطونا
ابن نسطونا و قومہ انی عاھدتکم	اور اس کی قوم کے لئے، مین نے تم سے معاہدہ کیا
علی الجزیۃ و المنعۃ فلک الذمۃ	جزیہ اور محافظت پر، پس تمھاری ذمہ داری اور
و المنعۃ ما منعناکم فلنا الجزیۃ	محافظت ہم پر ہے، جب تک ہم تمھاری محافظت
و الا فلا، کتب سنۃ اثنتی عشرۃ	کرین ہم کو جزیہ کا حق ہے، ورنہ نہین، ۱۲ھ صفر
فی صفر،	مین لکھا گیا،

عالان اسلام نے عراق عرب کے اضلاع مین وہان کے باشندون کو جو عہد نامے لکھے اور جن پر بہت سے صحابہ کے دستخط تھے، اُن کے ملتقط الفاظ یہ ہین،

براءۃ لمن کان من کذا و کذا من الجزیۃ	اُن لوگون کے لئے جھنون نے اس اس تعداد کا
التی صالحھم علیھا الامیر خالد بن الولید	جزیہ دینا قبول کیا ہے، اور جن پر خالد بن ولید
وقد قبضت الذی صالحھم علیہ	نے ان سے مصالحت کی ہو، یہ براءت نامہ ہے،
خالد و المسلمون لکم ید علی من	خالد اور مسلمانون نے جس تعداد پر صلح کی وہ
بدل صلح خالد ما اقررتم بالجزیۃ	ہم کو وصول ہوئی جو شخص خالد کی صلح کو بدلنا چاہے
وکففتم امانکم امان وصلحکم صلح ونحن	اسکو تم لوگ مجبور کر سکتے ہو، بشرطیکہ جزیہ ادا کرتے رہو
لکم علی الوفاء،	تمھاری امان امان ہے، اور تمھاری صلح صلح (یعنی جس سے
	تم صلح کرو ہم بھی صلح کرین گے، اور جس کو تم امان دو گے
	ہم بھی امان دین گے)

اس کے مقابلے مین عراق کی رعایا نے یہ تحریر لکھی،

انا قد ادینا الجزیۃ اللتی عاھد نا علیھا خالد، علی ان یمنعونا و امیرھم البغی من المسلمین وغیرھم، (طبری صفحہ ۲۰۵۵)	ہم نے وہ جزیہ ادا کر دیا جس پر خالد سے معاہدہ کیا تھا، اس شرط پر کہ مسلمان اور نیز اور تمام قومین اگر ہم کو گزند پہونچانا چاہین، تو جماعتِ اسلام اور انکے افسر ہماری حفاظت کے ذمہ دار ہون،

ان تحریری معاہدون کے علاوہ جہان جہان صحابہؓ نے دعوتِ اسلام کی جزیہ کی نسبت یہی خیال ظاہر کیا، مثلاً ۱۴ھ مین یزدگرد کے پاس جب صحابہؓ گئے، تو نعمان بن مقرن نے جو سفارت کے سردار تھے گفتگو کے خاتمہ پر کہا، وان اتقیتمونا بالجزاء قبلنا ومنعنا کم یعنی اگر جزیہ ادا کرنے کے ذریعے سے جان بچاؤ گے تو ہم قبول کرین گے، اور تم کو تمھارے دشمنون سے بچائین گے، یا جب سپہ سالارِ فارس سے گفتگو ہوئی تو حذیفہ بن محصن نے کہا ادا الجزاء ونمنعکم ان احتجتم الی ذلک یعنی یا جزیہ دو اور اس صورت مین جب تم کو ضرورت ہوگی تو ہم تمھاری حفاظت کرین گے" یہ معاہدے اور تقریرین صرف زبانی باتین نہ تھین بلکہ ہمیشہ اس پر عمل کیا گیا،

ابو عبیدہؓ جراح نے شام مین جب متواتر فتوحات حاصل کین تو ہرقل نے ایک عظیم الشان فوج مسلمانون پر حملہ کرنے کے لئے طیار کی، مسلمانون کو اُس کے مقابلے مین بڑی مستعدی سے بڑھنا پڑا، اور اُن کی تمام قوت و توجہ فوجون کی ترتیب مین مصروف ہوئی، اُس وقت حضرت ابو عبیدہؓ امین افسرِ فوج نے اپنے تمام عمالون کو جو شام کے مفتوحہ شہرون پر مامور تھے، لکھ بھیجا، کہ جس قدر جزیہ و خراج جہان جہان وصول کیا گیا ہے، سب اُن لوگون کو واپس دے دو جن سے وصول ہوا تھا، اور اُن سے کہہ دو

کہ ہم نے تم سے جو کچھ لیا تھا، اس شرط پر لیا تھا کہ تمھارے دشمنون سے تمھاری حفاظت کر سکین، لیکن اب اس واقعہ کے پیش آجانے کی وجہ سے ہم تمھاری حفاظت کا ذمہ نہین اٹھا سکتے" ابو عبیدہؓ کے خاص الفاظ جنمین عیسائیون سے خطاب ہی، یہ ہین،

انما رددنا علیکم اموالکم لانہ قد بلغنا ما جمع لنا من الجموع وانکم قد اشترطتم علینا ان نمنعکم وانا لا نقدر علی ذلک وقد رددنا علیکم ما اخذنا منکم

عیسائیون نے مسلمانون کو دل سے دعا دی اور کہا کہ خدا پھر تم کو ہمارے شہرون کی حکومت دے، رومی ہوتے تو اس موقع پر واپس دینا تو درکنار جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ بھی لے لیتے، چنانچہ سب سے پہلے اس حکم کی تعمیل حمص مین ہوئی جہان حضرت ابو عبیدہؓ خود مقیم تھے، انھون نے حبیب بن سلمہ کو بلا کر کہا کہ جو کچھ ذمیون سے وصول ہوا ہے، سب اُن کو واپس کردو، اس کے بعد ابو عبیدہؓ دمشق مین آئے، اور سوید بن کلثوم کو اس کام پر مقرر کیا کہ ذمیون سے جس قدر رقم وصول ہوئی ہے، سب اُن کو واپس کردی جائے،[1]

ان سب باتون سے زیادہ یہ امر اس دعوی کے لئے دلیل ہین ہی کہ اگر کسی غیر قوم نے فوجی خدمت پر رضامندی ظاہر کی تو اُسی طرح جزیہ سے بری رہے جس طرح خود مسلمان،

حضرت عثمانؓ کے زمانے مین جب حبیب بن مسلمہ نے قوم جراجمہ[2] پر فتح پائی تو ان

---

[1] دیکھو کتاب الخراج قاضی ابو یوسف صفحہ ۸۱ و فتوح البلدان صفحہ ۱۳۷ و فتوح الشام ازدی صفحہ ۱۳۷

[2] ایک عیسائی قوم تھی اور شہر جراجمہ اور اس کے مضافات مین آباد تھی، معجم البلدان مین اس مقام کا ذکر تفصیلاً لکھا ہی،

لوگون نے فوجی خدمتون مین بوقت ضرورت شریک ہونا خود پسند کیا، اور اس وجہ سے وہ تمام قوم جزیہ سے بری رہی، نہ صرف جراجمہ بلکہ بہت سے نبطیون اور اُن کے متصل کی آبادیون نے یہ امر اختیار کیا اور جزیہ سے بری رہین، خلیفہ واثق باللہ عباسی کے زمانے مین وہان کے عامل نے غلطی سے اُن لوگون پر جزیہ لگایا، تو اُنھون نے خلیفہ کو اطلاع دی اور دربارِ خلافت سے اُنکی برات کا حکم صادر ہوا، جزیہ کا معاوضہ حفاظت ہونا اس قدر صاف صاف ظاہر کردیا گیا تھا کہ معاہدون مین یہان تک تصریح کردیجاتی تھی کہ ذمی اگر صرف ایک سال فوجی خدمت مین شریک ہون گے، تو اُس سال کا جزیہ چھوڑ دیا جائیگا، چنانچہ خود حضرت عمرؓ کے زمانے مین کثرت سے یہ معاملہ پیش آیا، عتبہ بن فرقد نے جب آذربایجان فتح کیا تو معاہدے مین یہ الفاظ لکھے علی ان یودوا الجزیۃ علی قدر طاقتھم و من حشر منھم فی سنۃ وضع عنہ جزاء تلک السنۃ، یعنی صلح اس شرط پر ہوئی کہ جزیہ ادا کرین، اور جو شخص کسی سال لڑائی مین بلایا جائیگا تو اس سال کا جزیہ معاف کردیا جائیگا، اسی طرح حضرت عمرؓ کے زمانے مین جب آرمینیہ کے بعض حصے فتح ہوئے، تو سپہ سالار نے معاہدے مین یہ الفاظ لکھے، ان ینفروا لکل غارۃ و ینفذوا لکل امر ناب او لم ینب راہ الوالی صلاحا علی ان توضع الجزاء عمن اجاب الی ذلک ومن استغنی عنہ منھم وقعد فعلیہ مثل ما علی اھل اذربایجان من الجزاء[1]، یعنی صلح اس شرط پر ہوئی کہ یہ لوگ جب لڑائی پیش آئے یا کوئی ضرورت پیش ہو تو مسلمانون کے ساتھ شریک ہون، اس صورت مین ان پر جزیہ نہین لگایا جائیگا، لیکن جس شخص کی ضرورت ہو اور وہ بیٹھ رہے تو اس کو آذربایجان والون کی طرح

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۵۹ و ۱۶۱،

جزیہ ادا کرنا ہوگا، اسی معاہدے مین یہ لفظ بھی ہے، اور وہ صاف صاف ہمارے دعوی[1] کی توضیح ہے، والحشی عوض من جزائہم یعنی لڑائی مین ذمیون کا شریک ہونا جزیے کا قایم مقام ہی، خود حضرت عمرؓ نے متعدد دفعہ یہ احکام بھیجے تھے، کہ اگر کسی ذمی سے اتفاقیہ کسی موقع پر مدد لو تو اُس سال کا جزیہ چھوڑ دو، حضرت عمرؓ کے زمانے مین جرجان وغیرہ ممالک مین جو معاہدہ ہوا، اسمین یہ الفاظ تھے، ومن استعنا بہ منکم فلہ جزاءہ فی معونتہ عوضا عن جزائہ یعنی ہم اگر کسی ذمی سے اعانت لین گے تو اُس اعانت کے بدلے مین جزیہ چھوڑ دیا جائیگا،

معاہدات مین یہ تصریح کہ جزیہ کے عوض مین ہم تمھاری اندرونی و بیرونی حفاظت کے ذمہ دار ہین، جب حفاظت پر قدرت نہ ہو تو جزیہ کا واپس کر دینا، جو قومین فوجی خدمت پر آمادہ ہون اُن کو جزیہ سے بری رکھنا، کیا ان واقعات کے ثابت ہونے کے بعد بھی شبہہ رہ سکتا ہی، کہ جزیہ کا مقصد وہی تھا، جو ہم نے تیسری بحث کے آغاز مین بتایا ہی،

جزیہ کے مصارف یہ تھے، لشکر کی آراستگی، سرحد کی حفاظت، قلعون کی تعمیر، ان سے بچا تو سڑکون اور پلون کی تیاری، سررشتۂ تعلیم، بے شبہہ اس طرح اس خاص رقم سے مسلمانون کو بھی فائدہ پہونچتا تھا، اور پہونچنا چاہئے تھا، مسلمان لڑائیون مین شریک ہوتے، جانین لڑاتے، ملک کو تمام خطرون سے بچاتے تھے، پس جس طرح اُن کے جسم و جان سے ذمی رعایا مستفید ہوتی تھی، اگر ذمیون کے مال سے مسلمانون کو بھی فائدہ پہونچتا تھا تو کیا بے جا تھا، اس کے علاوہ صدقہ کی رقم جو خاص مسلمانون سے وصول کیجاتی تھی اُس مین ذمی رعایا برابر کی شریک تھی، حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المال

[1] تاریخ کبیر طبری،

کے داروغہ کو کہلا بھیجا تھا کہ خدا کے اس قول مین انما الصدقات للفقراء والمساکین (صدقات فقیرون اور مسکینون کے لئے ہین) مسکینون سے عیسائی اور یہودی مراد ہین[1]

جزیہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس روپئے سالانہ تھی، کسی کے پاس لاکھون روپیہ ہون تو اس سے زیادہ دینا نہین پڑتا تھا، عام شرح چھ روپئے اور تین روپیہ سالانہ تھی بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر والے اور عورتین، مفلوج، معطل العضو، نابینا، مجنون، مفلس یعنی جس کے پاس دو سو درہم سے کم ہو، یہ لوگ عموماً جزیہ سے معاف تھے، اب ہم پوچھتے ہین کہ ایسا ہلکا ٹیکس جسکی تعداد اسقدر قلیل تھی جسکے ادا کرنے سے فوجی پرخطر خدمت سے نجات مل جاتی تھی جسکی بنیاد نوشیروان عادل نے ڈالی تھی، کیا ایسی ناگوار چیز ہو سکتی ہی جیسی کہ اہل یورپ نے خیال کی ہی کیا دنیا مین ایک شخص نے بھی اس سے بچنے کے لئے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا؟ کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہلکے ٹکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہوگا، اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہم کو اس کے مذہب کے ضایع ہونے کا رنج بھی نہ کرنا چاہیے، جو لوگ جزیہ ادا کرتے تھے، اُن کو اسلام نے جسقدر حقوق دیئے کون حکومت اس سے زیادہ دیسکتی ہی، لیکن چونکہ ہمارے مضمون کے عنوان سے یہ بحث کسی قدر دور پڑجاتی ہی اس لئے اس موقع پر ہم یہ بحث چھیڑنی نہین چاہتے

[1] کتاب الخراج امام ابو یوسف رح

اختلاف

اور

مسامحت

آج کل قوم کے تنزل اور ادبار کے مسئلہ پر جب بحث کیجاتی ہے، تو تنزل کا سب سے بڑا سبب جو قرار دیا جاتا ہی وہ آپس کا اختلاف ہی، ہر شخص کو نظر آتا ہے کہ مسلمانون مین اس سرے سے اُس سرے تک یہ عام مرض پھیلا ہوا ہی، شیعہ، سنّی مقلد، غیر مقلد، وہابی، بدعتی معتزلہ، حال (نیچری) بیسیون فرقے ہین، پھر ان مین الگ الگ جھتے ہین جنمین سے ہر ایک دوسرے کو گمراہ اور بد دین کہتا ہے، ارباب بریلی، دیوبند، ندوہ، سب حنفی ہین، لیکن بریلی والون کے نزدیک دیوبند اور ندوہ دونون کافر، اس تفرق، اس اختلاف، اس بوقلمونی کے ساتھ کوئی قوم کیونکر زندہ رہ سکتی ہی؟ یہ حالت پیش آئے تو ایک کوہ گران کی بھی دھجیان اڑجائین، چونکہ اس خیال کا اثر ایک بہت بڑے قومی اور تاریخی مسئلہ پر پڑتا ہی اس لئے ہم اس پر تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہین،

اس مسئلہ کے طے کرنے کے لئے امور ذیل کا فیصلہ کرنا چاہیے،

(۱) کیا زمانۂ سلف مین اختلاف نہ تھا؟

(۲) اختلاف کے ساتھ اتحاد ممکن ہی؟ یا نہین؟

پہلے امر کے لئے ہم کو اُس زمانہ پر نظر ڈالنی چاہیے، جب آفتاب اسلام کی دوپہر تھی

جب ایک طرف تیغ وسنان نے اسپین اور سندھ کے ڈانڈے ملا دیئے تھے، اور دوسری طرف صریر قلم نے مصر ویونان کے خفتہ علوم وفنون کو جگا دیا تھا، اس وقت قدری، جبری، معتزلی جہمی وغیرہ وغیرہ اس قدر بے شمار فرقے تھے کہ بہ مشکل ان کو ۷۳ کے عدد مین محصور کیا گیا، ان فرقون مین جو اختلاف تھا، اس کی یہ کیفیت ہے کہ ایک دوسرے کو کافر ملکہ کافر سے بدتر کہتا تھا، اور گمراہ ومرتد وزندیق کہنا تو معمولی بات تھی،

معتزلہ قرآن مجید کو مخلوق اور حادث کہتے تھے، اس مسئلہ کی نسبت محدثین اہل سنت کے یہ اقوال ہین جو امام بیہقی نے کتاب لاسماء والصفات مین نقل کئے ہین،

وکیع بن الجراح،

من زعم ان القرآن محدث فقد کفر	جس کا یہ خیال ہو کہ قرآن مخلوق ہو وہ کافر ہی،

یزید بن ہارون،

من زعم ان کلام اللہ مخلوق فھو واللہ الذی لا الٰہ الا ھو زندیق،	جو یہ سمجھتا ہو کہ کلام الٰہی مخلوق ہی خدائے یکتا کی قسم وہ زندیق ہی،

امام بخاری،

نظرت فی کلام الیھود والنصاری والمجوس فما رأیت قوما اضل فی کفرھم من الجھمیۃ	مین نے یہودیون، عیسائیون، مجوسیون، سب کا کلام دیکھا ہی، کوئی کفر مین اس قدر گمراہ نہین جس قدر جہمیہ،

اشعری، ماتریدی، حنبلی، محدثین، سب اہل سنت وجماعت ہین، اور سب ایک دوسرے کو برسر حق سمجھتے ہین، تاہم جب ان مین سے ایک اپنے عقائد کا ذکر، دوسرے کے مقابلہ مین کرتا ہے، تو اسکا نام اس طریقہ سے لیتا ہی، تمہید[۲] ابو شکور سالمی حنفیون کی علم عقائد کی مشہور

---

[۱] کتاب مذکور مطبوعہ الہ آباد ص ۱۰۹ تا ۳۱۰، [۲] کتاب حنفیون کی علم کلام کی مشہور اور مسلم کتاب ہی،

اختلاف
اور
مسامحت

آج کل قوم کے تنزل اور ادبار کے مسئلہ پر جب بحث کیجاتی ہے، تو تنزل کا سب سے بڑا سبب جو قرار دیا جاتا ہے وہ آپس کا اختلاف ہے، ہر شخص کو نظر آتا ہے کہ مسلمانوں مین اس سرے سے اُس سرے تک یہ عام مرض پھیلا ہوا ہے، شیعہ، سنی مقلد، غیر مقلد، وہابی، بدعتی معتزلۂ حال (نیچری) بیسیون فرقے ہین، پھر ان مین الگ الگ جھتے جنمین سے ہر ایک دوسرے کو گمراہ اور بددین کہتا ہے، ارباب بریلی، دیوبند، ندوہ، سب حنفی ہین، لیکن بریلی والون کے نزدیک دیوبند اور ندوہ دونون کافر، اس تفرق، اس اختلاف، اس بوقلمونی کے ساتھ کوئی قوم کیونکر زندہ رہ سکتی ہے؟ یہ حالت پیش آئے تو ایک کوہ گران کی بھی دھجیان اڑجائین، چونکہ اس خیال کا اثر ایک بہت بڑے قومی اور تاریخی مسئلہ پر پڑتا ہے اس لئے ہم اس پر تفصیل کے ساتھ بحث کرنا چاہتے ہین،

اس مسئلہ کے طے کرنے کے لئے امور ذیل کا فیصلہ کرنا چاہئے،

(۱) کیا زمانۂ سلف مین اختلاف نہ تھا؟

(۲) اختلاف کے ساتھ اتحاد ممکن ہے؟ یا نہین؟

پہلے امر کے لئے ہم کو اُس زمانہ پر نظر ڈالنی چاہئے، جب آفتاب اسلام کی دوپہر تھی

فقال سألتهم فلم يكن عندهم شئ والله لصبيانكم اعلم منهم بل صبيان صبيانكم

ہین کہ انھون نے اہل حجاز کا تذکرہ کیا تو کہا کہ مین نے ان لوگون سے سوالات کئے تو ان کے پاس کچھ نہ تھا خدا کی قسم تمھارے بچے ان سے زیادہ علم رکھتے ہین، بلکہ تمھارے بچون کے بچے بھی،

وعن الزهرى قال ما رايت قوما انقض لعرى الاسلام من اهل مكة + + + +

زہری سے مروی ہے کہ مین نے کسی قوم کو اہل مکہ سے زیادہ شیرازۂ اسلام کو منتشر کرنے والا نہین دیکھا + + + +

وهذا ابن الشهاب (اى الزهرى) قد اطلق على اهل مكة فى زمانه انهم ينقضون عرى الاسلام ما استثنى منهم احدا فيهم من اجلة العلماء من لا خفاء بجلالته فى الدين واظن ذلك والله اعلم لما روى عنهم فى الصرف ومتعة النساء وروى على بن مسهر عن هشام بن عروة عن ابيه قال قالت عائشة ما علم انس بن مالك وابو سعيد الخدرى بحديث رسول الله صلى الله عليه وسلم وانما كانا غلامين صغيرين + + وعن ابن وهب قال مالك وذكر عنده اهل العراق فقال انزلوهم منزلة اهل الكتاب

+ + + + ابن شہاب زہری نے اپنے زمانہ کے عام اہل مکہ کے متعلق کہا کہ وہ اسلام کے شیرازہ کو منتشر کرتے ہین، زہری نے ان مین کسی کو مستثنیٰ نہ کیا، حالانکہ ان مین بڑے بڑے علماء موجود تھے جن کی مذہبی عظمت وجلالت مخفی نہین، مین گمان کرتا ہون کہ زہری نے یہ اس لئے کہا کہ اہل مکہ سے مسئلہ صرف اور متعہ مروی ہے، علی بن مسہر نے ہشام بن عروہ سے روایت کی اور ہشام اپنے باپ سے راوی ہین کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ انس بن مالک اور ابو سعید خدری نے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہین جانا، وہ دونون چھوٹے بچے تھے اور ابن وہب سے مروی ہے کہ امام مالک کے سامنے اہل عراق کا تذکرہ ہوا تو انھون نے فرمایا کہ

لا تصدقوهم ولا تکذبوهم، | کہ اہل عراق کو اہل کتاب کی طرح سمجھو نہ انکی تصدیق کرو نہ تکذیب،

اختلاف کے ساتھ اتحاد، اوپر کی روایتون سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ عین ترقی اسلام کے زمانہ مین اختلاف عقائد کی کیا حالت تھی، لیکن اس وقت لوگ اس نکتہ کو سمجھ سکتے تھے اور سمجھتے تھے، کہ اختلاف کے ساتھ بھی مشترکہ اغراض مین اتحاد ممکن ہی،

اس نکتہ کی تلقین خود قرآن مجید نے کی تھی،

وان جاھداک علی ان تشرک بی ما لیس لک بہ علم فلا تطعھما وصاحبھما فی الدنیا معروفا۔ | اگر وہ دونون (مان باپ) یہ کوشش کرین کہ تو ہمارا شریک اس چیز کو بنائے، جس کا تجھکو علم نہین تو تو ان کا کہا نہ مان لیکن دنیا مین ان سے اچھی طرح پیش آ،

اس آیت کا یہ مفہوم ہے کہ مثلاً ایک شخص مسلمان ہے، اور اس کے مان باپ مشرک اور کافر ہین، وہ چاہتے ہین کہ اپنے بیٹے کو بھی مشرک اور کافر بنالین، اس حالت مین خدا حکم دیتا ہے، کہ کفر اور شرک مین انکا کہنا نہین تسلیم کرنا چاہئے، لیکن اس سے انکے حقوق پدری زائل نہین ہوجاتے، اس لئے دنیاوی معاملات مین ان کا ادب و لحاظ اسی طرح ملحوظ رکھنا چاہئے جو عموماً والدین کا حق ہی،

اس آیت نے بتادیا کہ اختلاف اور اتفاق کے حدود الگ الگ ہین، یہ ممکن ہی کہ مذہب کے معاملہ مین اختلاف ہو اور دوسرے معاملات مین اتحادی اصول پر عمل کیا جائے،

قرون اولی مین اس اصول پر عمل رہا، مثالین ہم ذیل مین لکھتے ہین جن سے یہ مسئلہ اچھی طرح ذہن نشین ہوسکے گا،

(۱) اوپر گذر چکا کہ محدثین، قدریہ، جبریہ، معتزلہ، شیعہ وغیرہ کو اہل بدعت اور اہل اہوا کہتے تھے، ان کو گمراہ اور ..... سمجھتے تھے، باانہمہ دین کا نہایت اہم کام یعنی حدیث کا روایت کرنا، اُن سے جائز سمجھتے تھے، فن حدیث کا یہ ایک مسئلہ ہی کہ فرقہاے باطلہ سے حدیث روایت کرنا جائز ہی یا نہین یعنی مثلاً اگر ایک حدیث آنحضرت صلعم سے منقول ہو جس کے سلسلۂ روایت مین معتزلی، یا شیعہ وغیرہ ہون تو یہ حدیث معتبر ہوگی یا نہین اس مسئلہ کے متعلق اکثر ائمۂ حدیث کا یہی فتوی ہے کہ ان مین سے خطابیہ کے سوا جنکے مذہب مین جھوٹ بولنا جائز ہی، باقی اور فرقون سے روایت کرنا جائز ہے فتح المغیث شرح الفیتہ الحدیث مین ابن حبان کا قول نقل کیا ہی،

لیس بین اھل الحدیث من ایمتنا خلاف	ہمارے ائمہ مین سے محدثین کے نزدیک اس امر
فی ان الصدوق المتقن اذا کانت فیه	مین کوئی اختلاف نہین ہی کہ اگر راست گو صاحب حفظ
بدعة ولم یکن یدعو الیھا ان الاحتجاج	بدعتی ہو، لیکن اپنی بدعت کی طرف لوگون کو بلاتا
باخبارہ جائز[1]	نہین تو اسکی روایات سے دلیل لانا جائز ہی،

اسی کتاب مین حاکم نیشاپوری کی تاریخ نیشاپور سے نقل کیا ہی،

ان کتاب مسلم ملآن من الشیعة	امام مسلم کی کتاب شیعی رواۃ سے بھری ہوئی ہی،

علامہ ابن الصلاح کا قول ہی:-

فان کتبھم طافحة بالروایة عن المبتدعة	محدثین کی تصنیفات غیر داعی بدعیتون کی روایت
غیر الدعاة[2]	سے پر ہین،

ابراہیم بن یحییٰ امام شافعی کے استاد تھے، ان کا مذہب قدری تھا، اس لئے جب

---

[1] کتاب مذکور طبع لکھنؤ صفحہ ۱۴۱ [2] کتاب مذکور صفحہ ۱۴۲، ۱۴۱

امام شافعی اُن سے روایت کرتے تھے تو کہتے تھے کہ یہ حدیث مجھ سے ایسے شخص نے روایت کی جس کا دین مشکوک ہے لیکن روایت صحیح کرتا ہی، خطیب بغدادی اسی قول کو نقل کرکے لکھتے ہین:۔

ان ھذا مذھب بن ابی لیلی وسفیان الثوری | یہ ابن ابی لیلی اور سفیان ثوری کا مذہب ہے

ونحوہ عن ابی حنیفۃ بل حکاہ الحاکم | اور اسی کے مثل ابو حنیفہ سے مروی ہی بلکہ یہی مذہب

فی المدخل عن اکثر ائمۃ الحدیث | حاکم نے مدخل مین اکثر ائمہ حدیث کا نقل کیا ہی،

امام شافعی کتاب الام مین لکھتے ہین:۔

فلم نعلم من سلف الائمۃ من یقتدی | ہم نہ گذشتہ ائمہ مین سے جنکی اقتدا کیجاتی ہے،

بہ ولا من بعدھم من التابعین رد | اور نہ ان کے بعد کے علمائے تابعین مین سے کسی

شہادۃ احد بتاویل وان خطاءہ | کو جانتے ہین، جس نے کسی تاویل سے کسی کی شہادت

وضللہ ورأہ استحل ما حرم اللہ علیہ | رد کردی ہو اگر وہ اسکو گنہگار یا گمراہ کیون نہ قرار دیتا

(فتح المغیث صفحہ ۱۴۳) | ہو یا اُس کے متعلق یہ کیون نہ سمجھتا ہو کہ اس نے خدا

" " " " | کی حرام کی ہوئی چیز حلال کردی،

علامہ ذہبی میزان الاعتدال ابان بن تغلب کے ذکر مین لکھتے ہین:۔

ان البدعۃ علی ضربین فبدعۃ صغری | بدعت کی دو قسمین ہین بدعت صغیرہ جیسے شیعیت

کغلو التشیع او کالتشیع بلا غلو ولا تحرف | مین شدید ہونا یا شیعیت بغیر شدت ...... یہ شیعیت

فھذا اکثر فی التابعین وتابعیھم مع الدین | تابعین وتبع تابعین مین بہت ہی، باوجود اس کے

والورع والصدق فلو رد حدیث | ان مین مذہب، تقوی اور صدق ہی، اگر ان لوگون

---

۱ الفیۃ الحدیث صفحہ ۱۴۱،

هولاء لذهب جملة آثار النبوية وهذه مفسدة بينة ... فالشيعي الغالي في زمان السلف وعرفهم هو من تكلم في عثمان والزبير وطلحة ومعٰوية و طائفة ممن حارب عليا رضي الله عنهم وتعرض بسبهم والغالي في زماننا وعرفنا هو الذي يكفر هولاء ويتبرأ من الشيخين ايضاً فهذا ضال مغرور

کی حدیثین رد کردیجائین، تو آثار نبوی کا ایک حصہ جاتا رہیگا اور یہ خرابی ظاہر ہی ... شدید شیعی سلف کے زمانہ مین اور اصطلاح مین وہ شخص ہی جسکو حضرت عثمان، زبیر، طلحہ، معاویہ مین اور اس گروہ مین جس نے حضرت علی سے جنگ کی کلام ہو، اور ان کو برا کہتا ہو، اور ہمارے زمانہ مین اور ہماری اصطلاح مین شدید شیعی وہ ہی جو ان لوگون کی تکفیر کرتا ہی، اور نیز شیخین سے بیزاری ظاہر کرتا ہو، یہ شخص گمراہ اور فریب خوردہ ہے،

اس قسم کے سیکڑون اقوال ہین جنکا شمار نہین ہو سکتا، یہ مسئلہ اس اصول کی بنا پر ہی، کہ مذہبی اعتقاد اور راست گوئی الگ الگ باتین ہین ممکن ہی کہ ایک شخص کے عقائد اچھے ہون لیکن کاذب الروایت ہو، اسی طرح یہ ممکن ہی کہ ایک شخص کے عقائد خراب ہون لیکن دروغ گو نہ ہو، محدثین کی یہ انتہا کی نکتہ سنجی، حقیقت شناسی، اور بے تعصبی ہی کہ وہ عقیدہ کے لحاظ سے ایک شخص کو بدعقیدہ، بدعتی، گمراہ سمجھتے ہین، لیکن اگر ان کے تجربہ نے ثابت کر دیا ہی کہ وہ شخص جھوٹ نہین بولتا، تو اس سے بے تکلف حدیث سیکھتے ہین روایت کرتے ہین، اس کی شاگردی کا اعتراف کرتے ہین،

قتادہ ایک مشہور محدث گذرے ہین، ان کی نسبت علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال مین لکھا ہی:-

ما كان قتادة يرضى حتى يصيح به صياحاً

قتادہ کو قدر کو زور شور کے ساتھ چلا کے کہے بغیر

یعنی القدر قال ابن عروبہ والدستوائی قال قتادۃ کل شیٔ بقدر الا المعاصی، قلت مع ھذا الاعتقاد الردی ما تاخر احد عن الاحتجاج بحدیثہ اللہ یسامحہ (تذکرۃ الحفاظ مطبوعہ حیدرآباد جلد اول صفحہ ۱۱۱)

چین نہین آتا تھا ابن ابی عروبہ اور دستوائی کہتے ہین کہ قتادہ کا قول تھا ہر چیز کی تقدیر ہو چکی ہے لیکن گناہ مین کہتا ہون کہ اس اعتقاد فاسد کے باوجود کوئی انکی حدیث کیساتھ حجت لانے سے باز نہ رہا خدا انکو معاف کرے

(۲) اسی اصول کا یہ نتیجہ تھا کہ نصاب تعلیم مین، مخالف فرقہ کے لوگون کی مذہبی کتابین بھی داخل تھین، ہر شخص جانتا ہے کہ زمخشری معتزلی تھا، اور اس نے قرآن شریف کی جو تفسیر کشاف کے نام سے لکھی، اس مین اپنے عقائد کہین صریحاً اور کہین اشارۃً داخل کئے تاہم یہ کتاب ابتدا سے آج تک ہمارے علما کے درس اور مطالعہ مین رہی، علماء کو یقین تھا کہ ادب، عربیت، معانی و بلاغت کے لحاظ سے یہ کتاب لاجواب ہے، اس لئے اسکی عام خوبی سے انکار نہین کر سکتے تھے، البتہ جہان جہان زمخشری نے اپنے عقائد کا اظہار کیا ہے، وہان تنبیہ کر دیتے تھے کہ یہ معتزلہ کے عقائد ہین،

(۳) عقلی اور ادبی علوم مین، اختلاف عقائد کا مطلق اثر نہ تھا، علوم عقلیہ مین جو لوگ امام فن مانے جاتے ہین قریباً کل، آجکل کے نقطۂ نظر سے خارج المذہب اور کم از کم فاسد العقیدہ تھے، فارابی اور بو علی سینا افلاک کو قدیم مانتے تھے، محقق طوسی غالی شیعہ تھے، چنانچہ تجرید مین خلفائے راشدینؓ کے مطاعن نہایت تفصیل سے لکھے ہین، فن بلاغت کے تمام ارکان یعنی جاحظ، عبد القادر جرجانی، سکاکی، معتزلی تھے، نحو کا سب اعلیٰ درجہ کا مصنف رضی شیعہ ہے، فنون ریاضیہ یعنی اقلیدس اور حساب کا تمام تر مدار محقق طوسی کی تصنیفات پر ہے، با اینہمہ تمام علمائے اہل سنت وجماعت انھین کتابون کو پڑھتے پڑھاتے اور انھین کو اپنا ماخذ اور مرجع قرار دیتے آئے، اور ان کے مصنفون کے نام کے بجائے، ان کو

شیخ، محقق، معلم ثانی، امام کے لقب سے یاد کرتے ہین، نانۂ عامل کا مشہور شعر ہی،

عامل اندر نحو صد باشد چنین فرمودہ اند　　　شیخ عبد القاہر جرجانی پیر ہدی

(۴) سب سے بڑھکر یہ کہ اہلِ سنت وجماعت مخالفین مذہب کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے تھے اور پڑھتے تھے گو بعض لوگون نے اس کی مخالفت بھی کی، لیکن عام فتویٰ یہی رہا کہ سب کے پیچھے نماز جائز ہے،

امام نووی جو مشہور محدث تھے، انھون نے لکھا ہی :-

ولم یزل السلف والخلف علی الصلوٰة خلف المعتزلة وغیرھم[1]	اور سلف وخلف کا اس پر برابر اتفاق رہا کہ معتزلہ وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہی،

عبد العلی بحر العلوم ارکان اربعہ مین لکھتے ہین :-

واما انہ لا یجوز الصلوٰة خلف منکر الشفاعة لاھل الکبائر ومنکر الرویة وعذاب القبر ومنکر کرام الکاتبین لانہ کافر لتواترھذہ الامور من الشارع ولا یصلی خلف منکر المسح علی الخفین والمشبھة وامثالھا من تشویشات المتاخرین مخالفة لما علیہ القدماء من الائمة المجتھدین فلا یلتفت الیھا فضلا عن ان یفتی بھا (کتاب مذکور مطبوعہ مطبع سعیدی کلکتہ ۱۹۵، ۱۹۶)	باقی یہ امر کہ جو شخص شفاعتِ کبائر اور رویت اور عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا منکر ہو، اس کے پیچھے سو جہ سے نماز ناجائز ہی کہ یہ امور شارع سے بتواتر ثابت ہین اس لئے اس کا منکر کافر ہی، اور یہ امر کہ مسح خفین کا جو منکر ہو اس کے پیچھے اور مشبہ کے پیچھے نماز ناجائز ہی تو یہ اور اس قسم کی باتین، متاخرین کی تشویشات سے ہین اور ائمۂ مجتہدین کے خلاف ہین، انکی طرف التفات بھی نہین کیا جا سکتا چہ جائیکہ ان پر فتویٰ دیا جائے،

[1] فتح المغیث صفحہ ۱۴۳،

الفاروق

یعنی حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت، صحابہؓ کے فتوحات، طریقۂ حکومت، عراق وشام، مصر اور ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد و عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر، مولنا شبلیؒ کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گران پایہ کتاب کے بیسوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کان پور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت: للعہ

الجہاد فی الاسلام

اس کتاب میں اسلامی جہاد کی حقیقت بتائی گئی ہے، اسلام کے قوانین صلح و جنگ کی تفصیل کرکے دوسرے مذاہب کے قوانین جنگ سے ان کا مقابلہ کیا گیا ہے، اور موجودہ یورپین قوانین جنگ پر تبصرہ کرکے ان پر اسلامی قانون کا تفوق ثابت کیا گیا ہے، اور مخالفین کے تمام شکوک و شبہات زائل کئے گئے ہیں، ضخامت ۴۹۲ صفحے، لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ، قیمت: للعہ

شیخ، محقق، معلم ثانی، امام کے لقب سے یاد کرتے ہین، نَاۃ عامل کا مشہور شعر ہی،

عامل اندر نحو صد باشد چنین فرمودہ اند　　شیخ عبد القاہر جرجانی پیرہدی

(۴) سب سے بڑھکر یہ کہ اہلِ سنت وجماعت مخالفین مذہب کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے تھے اور پڑھتے تھے گو بعض لوگون نے اس کی مخالفت بھی کی، لیکن عام فتویٰ یہی رہا کہ سب کے پیچھے نماز جائز ہے،

امام نووی جو مشہور محدث تھے، انھون نے لکھا ہی :-

ولم یزل السلف والخلف علی الصلوٰۃ خلف المعتزلۃ وغیرھم[1]

اور سلف وخلف کا اس پر برابر اتفاق رہا کہ معتزلہ وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہی،

عبد العلی بحر العلوم ارکان اربعہ مین لکھتے ہین :-

واما انہ لا یجوز الصلوٰۃ خلف منکر الشفاعۃ لاھل الکبائر ومنکر الرؤیۃ وعذاب القبر ومنکر کرام الکاتبین لانہ کافر لتواتر ھذہ الامور من الشارع ولا یصلی خلف منکر المسح علی الخفین والمشبھۃ وامثالھا من تشویشات المتاخرین مخالفۃ لما علیہ القدماء من الائمۃ المجتھدین فلا یلتفت الیھا فضلا عن ان یفتی بھا (کتاب مذکور مطبوعہ مطبع سعیدی کلکتہ ۱۹۵، ۱۹۶)

باقی یہ امر کہ جو شخص شفاعتِ کبائر اور رؤیت اور عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا منکر ہو، اس کے پیچھے سو جہ سے نماز ناجائز ہی کہ یہ امور شارع سے بتواتر ثابت ہین، اس لئے اس کا منکر کافر ہی، اور یہ امر کہ مسح خفین کا جو منکر ہو اس کے پیچھے اور مشبہ کے پیچھے نماز ناجائز ہی تو یہ اور اس قسم کی باتین، متاخرین کی تشویشات سے ہین اور ائمہ مجتہدین کے خلاف ہین، انکی طرف التفات بھی نہین کیا جا سکتا چہ جائیکہ ان پر فتویٰ دیا جائے،

---

[1] فتح المغیث صفحہ ۱۴۳،

فہرست مقالات شبلی جلد دوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"مقالات شبلی" کی دوسری جلد جسمین مولنا مرحوم کے دس ادبی مضامین شامل ہین پیشکش ہے، اس مین سے صرف دو مضمون "سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر" اور "املا اور صحت الفاظ" علی گڈھ کالج منتھلی میگزین بابت ۱۸۹۸ء سے لئے گئے ہین، اور "اردو ہندی" معارف مین چھپا تھا، بقیہ کل مضامین الندوہ سے لیے گئے ہین، فن بلاغت والے مضمون کا کچھ حصہ موازنہ انیس و دبیر مین داخل ہے، مگر کسی قدر تغیر کے بعد،

"شعر العرب" پر مولانا پوری کتاب لکھنا چاہتے تھے، مگر دو نمبرون سے زیادہ نہ لکھ سکے،

دوسری جلدین بھی بتدریج، شائع ہونگی،

سید سلیمان ندوی

۱۳ راگست سنہ ۱۹۳۱ء

عربی زبان

دنیا مین یون تو سیکڑون ہزارون زبانین مروج اور مستعمل ہین لیکن سب کی اصل الاصول صرف تین زبانین ہین ایک سامی جو سام بن نوح کی طرف منسوب ہے، اس زبان سے جو زبانین پیدا ہوئین وہ عربی، عبرانی، سریانی، کلدانی، نبطی وغیرہ ہین، ان زبانون مین بعض اوصاف ایسے پائے جاتے ہین جو انھین کے ساتھ مخصوص ہین ان مین سے ایک یہ ہے کہ ان مین بعض حرف ایسے ہین جنکا تلفظ اور کوئی قوم نہین کر سکتی، مثلاً ح، ع، ق، ص، ض، ط، ظ، دوسرے یہ کہ ان زبانون مین مذکر اور مونث کے لئے ضمیرین اور افعال جدا جدا ہین، تیسرے یہ کہ ان زبانون مین اسم، فعل، حرف، ہر ایک کے ساتھ ضمیر لاحق ہو سکتی ہے، اس امر مین اختلاف ہے کہ ان سامی زبانون مین نسبتہً قدیم کون زبان ہی، قدما کا عام خیال یہ تھا کہ عبرانی سب سے زیادہ قدیم ہے، یورپ کے اکثر متاخرین، سریانی کو قدیم تر بتاتے ہین لیکن حق یہ ہے کہ یہ شرف عربی زبان کو حاصل ہے، اس کے دلائل حسب ذیل ہین،

عربی، سریانی اور عبرانی مین سب سے قدیم کون زبان ہے

۱۔ عبرانی اور سریانی زبان مین جس قدر الفاظ کے مادے ہین، عربی مین سب موجود ہین، بخلاف اس کے عربی زبان مین بہت سے مادے ہین جو عبرانی اور سریانی زبانون مین نہین، اس سے ثابت ہوتا ہی کہ عربی زبان اصل تھی، اس لئے تمام مادے اس مین موجود تھے، عبرانی اور سریانی زبانین چونکہ زمانۂ مابعد کی

زبانین تھین اس لئے بہت سے مادے متروک ہوگئے،

۲- عربی مین جس قدر افعال ہین سب قیاس کے موافق ہین، بہت کم الفاظ ہین جنمین خلاف قاعدگی اور شذوذ پایا جاتا ہی، بخلاف اس کے سریانی اور عبرانی مین جس قدر الفاظ قیاس کے موافق ہین، اس سے زیادہ اسی کے مخالف ہین، اور یہ ظاہر ہی کہ جو زبانین جسقدر زیادہ قدیم ہوتی ہین اسی قدر ان مین اصول اور قاعدہ کی پابندی پائی جاتی ہی،

۳- عبرانی اور سریانی زبانون مین بہت سے ایسے الفاظ ہین، جنکی اصل معلوم نہین اور یہ پتہ نہین لگتا کہ یہ کن الفاظ سے مشتق ہین، لیکن عربی زبان مین ان الفاظ کی اصلین اور مشتق منہ موجود ہین،

۴- عبرانی اور سریانی مین اکثر الفاظ کے اجزاء اصلیہ جاتے رہے ہین، لیکن عربی زبان مین موجود ہین، مثلاً، انت اور انتم کا نون، الف لام تعریف کا لام، جمع متکلم مضارع کا نون،

۵- عربی مین جن الفاظ مین ضاد کا حرف تھا، عبرانی اور سریانی مین ص اور ع سے بدل دیا ہی شلاً، ارض، ضان، قبض کو عبرانی مین ارص، صان، قبص کہتے ہین، اور سریانی مین انھین الفاظ کو ارع، عان، قبع کہتے ہین،

یہ الفاظ اگر اصل مین عبرانی ہوتے، تو عربی مین ضاد اور سریانی مین ع سے بدلنے کی کچھ ضرورت نہ تھی، کیونکہ ان دونون زبانون مین خود ص کا حرف موجود ہی اسی طرح اگر یہ الفاظ اصل مین سریانی ہوتے تو عربی مین ض اور عبرانی مین ص سے بدلنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، کیونکہ عین کا حرف دونون زبانون مین پہلے سے موجود ہے،

اس سے ثابت ہوا کہ یہ الفاظ دراصل عربی ہین، اور چونکہ ض عربی کے سوا اور کسی زبان مین موجود نہین، اس لئے عبرانی نے اس کو ص سے بدل دیا اور سریانی نے ع سے

جن عربی الفاظ مین ذ ہے، وہ عبرانی مین ز سے اور سریانی مین د سے بدل دیئے گئے، مثلاً ذکر، عذر، ذراع کو عبرانی مین زکر، عزر، زروع کہتے ہین اور سریانی مین دکر، عدر، دراع اسی طرح جن الفاظ عربی مین ث ہے، وہ عبرانی مین ش سے اور سریانی مین ت سے بدل جاتے ہین، مثلاً ثلج، ثعلب، ثقل، ثور، میراث، وثب، اثنان، ثلاثہ، کہ یہ سب الفاظ عبری مین ش سے اور سریانی مین د سے لکھے جاتے ہین،

دلائل مذکورۂ بالا کے سوا ایک بڑی دلیل عربی زبان کے قدیم ہونے کی یہ ہی کہ عبری زبان کی سبسے قدیم تصنیف سفر ایوب تسلیم کیجاتی ہی، اس کتاب مین نہایت کثرت سے عربی الفاظ بھرے ہوئے ہین، اس سے ثابت ہوتا ہی کہ عربی زبان عبرانی سے پہلے موجود تھی،

یہان ایک شبہہ پیدا ہوتا ہی، وہ یہ کہ عبری اور سریانی زبان مین نہایت قدیم زمانہ سے تصنیفات پائی جاتی ہین، بخلاف اس کے عربی زبان کی قدیم سے قدیم تصنیف کا اسلام کے زمانہ سے کچھ ہی پہلے پتہ چلتا ہی،

لیکن اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہی، کہ تصنیفات کی حیثیت سے عربی زبان عبری اور سریانی سے متاخر ہی، اور یہ سچ ہے کیونکہ عرب مین علوم و فنون کا رواج بہت پیچھے ہوا ہے لیکن اس سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ عربی زبان، سرے سے موجود ہی نہ تھی، کسی زبان کا وجود اور اس زبان مین تصنیفات کا وجود، دو مختلف امر ہین، اور دونون مین کوئی لزوم نہین،

فنِّ بلاغت

مسلمانون نے جو علوم و فنون خود ایجاد کئے اور جنین وہ کسی کے مرہون منت نہین ان مین ایک یہ فن بھی ہے، عام خیال یہ ہی اور خود ہمکو بھی ایک مدت تک یہ گمان تھا کہ یہ فن بھی مسلمانون نے یونانیون سے لیا، ابن اثیر نے مثل السائر مین ایک جگہ لکھا ہے کہ "یونانیون نے فنِ بلاغت پر جو کچھ لکھا ہی، اگرچہ اس کا ترجمہ عربی مین ہو چکا ہی، لیکن مین اس سے واقف نہین، اور اس لئے اس فن مین مین نے جو نکتے اضافہ کئے ہین ان مین سے کسی کا مین مقلد نہین بلکہ خود مجتہد ہون"

ابن اثیر نے گو اپنے آپکو یونان کی خوشہ چینی کے الزام سے بچایا ہی، لیکن نحوائے عبارت سے اس قدر ثابت ہوتا ہی کہ اصل فن یونان ہی سے آیا تھا، لیکن اب اس خیال کی غلطی علانیہ ثابت ہو گئی، اصل یہ ہی کہ ارسطو نے ایک کتاب ریطوریقا کے نام سے لکھی تھی، جس کو اس نے منطق کا ایک حصہ قرار دیا تھا، ریطوریقا وہی لفظ ہی جس کو انگریزی مین ریٹارک کہتے ہین، اردو مین اس لفظ کا ترجمہ خطابت یا فن تقریر ہوسکتا ہے، یہی کتاب ہی جسکی نسبت لوگون کو دھوکا ہوا کہ مسلمانون کا فن بلاغت اسی سے ماخوذ ہے، اس کتاب کو شیخ بو علی سینا نے اپنی کتاب منطقیات شفا مین پورا پورا لے لیا ہی، یعنی اس کے مطالب اپنے الفاظ مین ادا کر دیئے ہین، ابن رشد نے اس کتاب کے اصل ترجمہ کی جو اصلاح کی تھی اس کا بڑا حصہ بیروت مین چھپ گیا ہی، یہ ذخیرے ہمارے سامنے

ہین، اور ان سے ثابت ہوتا ہی کہ مسلمانون کا فن بلاغت ارسطو کی کتاب سے چھو بھی نہین گیا ہی؛

ارسطو کی کتاب کا موضوع یہ ہی کہ جب کوئی تقریر کسی موقع پر کیجائے تو امورِ ذیل قابل لحاظ ہون گے،

(۱) مضمون تقریر کیا ہی،

(۲) تقریر کے مخاطب کون لوگ ہین،

(۳) تقریر کرنے والا کون ہی،

ان مختلف حثیتون کے لحاظ سے تقریر کے مقدمات کس قسم کے ہونے چاہئین، چنانچہ ارسطو نے اس کتاب مین بتایا ہی کہ واعظ، وکیل، حکیم، فریق مقدمہ وغیرہ وغیرہ کی تقریر کے اصول کیا ہین؟ اور ہر ایک کے طریقۂ استدلال کو کس طرح ایک دوسرے سے مختلف ہونا چاہیے، اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ ارسطو کی یہ کتاب نہایت دقیق اور لطیف مباحث پر مشتمل ہی، اور اگرچہ اسکا بھی سخت افسوس ہی کہ مسلمانون نے اس کتاب سے کچھ فائدہ نہین اٹھایا، لیکن بہرحال مسلمانون کا فن بلاغت ایک جداگانہ چیز ہے، اور اس کے وہ خود موجد ہین.

فن بلاغت پر جہان تک ہمکو معلوم ہی سب سے پہلی جو کتاب لکھی گئی ہے، وہ دلائل الاعجاز عبد القاہر الجرجانی ہے، اس سے پہلے کی تصنیفین بھی ہم نے دیکھی ہین، لیکن درحقیقت انکو اس فن کی تصنیف نہین کہہ سکتے، دلائل الاعجاز کے بعد اور بہت سی کتابین لکھی گئین یہان تک کہ مطول اور مختصر معانی پر گویا خاتمہ ہوا،

آجکل یہ فن جس طریقہ سے پڑھا اور پڑھایا جارہا ہی، اس سے زیادہ کسی فن کی

متی خوانین ہوئی، طلبا اور علما ان لفظون اور عبارتون کو جو مختصر معانی وغیرہ مین مذکور ہین بار بار دہراتے ہین، لیکن خود نہین جانتے کہ ہم کیا کہہ رہے ہین، یہ ایک عام قاعدہ ہی کہ جب انسان کسی فن کے مسائل کو سمجھ لیتا ہی، اور اس پر حاوی ہو جاتا ہی، تو جہان کہین ان مسائل کا موقع آتا ہی، انسان ان کو استعمال کر سکتا ہی اور کرتا ہی، مثلاً اگر تم نے عربی فن نحو مین مہارت حاصل کر لی ہی، تو جب کوئی عربی عبارت تمھارے سامنے آجائیگی، تم اس کو بے تکلف پڑھتے چلے جاؤگے، لیکن فن بلاغت کی درس و تدریس کی یہ حالت ہی کہ مختصر معانی اور مطول سو سو بار دہرا چکے ہین، لیکن اگر قرآن مجید کی کوئی عبارت یا عربی کا کوئی شعر دیدیا جائے تو ہرگز نہ بتا سکین گے، کہ اس مین کیا کیا بلاغت کے اصول پائے جاتے ہین۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان درسی کتابون مین مسائل بلاغت کو اس طرح صاف اور سلجھا کر نہین لکھا ہی کہ طالب علم کے ذہن مین اصل مسئلہ کی تصویر اتر جائے، مسئلہ ابھی پورا بیان بھی نہین ہوا ہے، کہ اس کے ساتھ لفظی جھگڑے شروع ہو جاتے ہین، اور طالب علم کا ذہن ان بیہودہ بحثون مین پریشان ہو جاتا ہی،

ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ مسائل کے لئے کثرت سے مثالین نہین پیش کیجاتین عبدالقاہر جرجانی نے جو مثالین لکھدی تھین، وہی آج تک چلی آتی ہین بلکہ اسمین سے بھی بہت سی چھوٹ گیئن،

مسائل بلاغت کے ذہن نشین کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہی کہ اپنی زبان مین اس کی مثالین سمجھائی جائین، لیکن ہمارے علما عربی مثالون مین اس قدر محدود ہین، کہ کسی اور زبان سے ان مسائل کی مثالین پیش ہی نہین کر سکتے،

ان وجوہ کی بنا پر ہم نے ارادہ کیا ہی کہ وقتاً فوقتاً فن بلاغت کے مہمات مسائل

اس رسالہ مین اس طرح ادا کئے جائین کہ مسٔلہ کی تصویر دل مین اتر جائے اور اس غرض کیلئے تمام مثالین اردو کے کلام سے دیجائین چنانچہ اس پرچہ مین ہم **فصاحت** کے مسٔلہ پر بحث کرتے ہین، جو بلاغت کا پہلا زینہ ہی،

فصاحت کی تعریف علمائے ادب نے یہ کی ہی کہ "لفظ متنافر الحروف نہ ہونا مانوس نہ ہو قواعد صرفی کے خلاف نہ ہو" اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ درحقیقت ایک قسم کی آواز ہے اور چونکہ آوازین بعض شیرین دلآویز اور لطیف ہوتی ہین، مثلاً طوطی و بلبل کی آواز اور بعض مکروہ و ناگوار مثلاً کوے اور گدھے کی آواز، اس بنا پر الفاظ بھی دو قسم کے ہین، بعض شستہ بیک شیرین اور بعض ثقیل بھدے ناگوار، پہلی قسم کے الفاظ کو **فصیح** کہتے ہین، اور دوسرے کو غیر فصیح، بعض الفاظ ایسے ہوتے ہین کہ فی نفسہ ثقیل اور مکروہ نہین ہوتے لیکن تحریر و تقریر مین ان کا استعمال نہین ہوا ہی، یا بہت کم ہوا ہے، اس قسم کے الفاظ بھی جب ابتداءً استعمال کئے جاتے ہین، تو کانون کو ناگوار معلوم ہوتے ہین، ان کو فن بلاغت کی اصطلاح مین **غریب** کہتے ہین، اس قسم کے الفاظ بھی فصاحت مین خلل انداز خیال کئے جاتے ہین، لیکن یہ نکتہ یہان لحاظ کے قابل ہی کہ بعض موقعون پر غریب لفظ کی غرابت اس وجہ سے کم ہو جاتی ہی کہ اس کے ساتھ کے الفاظ بھی اسی قسم کے ہوتے ہین، مثلاً ایک شاعر کہتا ہی :- ع

ذریت رسول کی خاطر جلائی نار

نار کا لفظ اس موقع پر نہایت نامانوس اور بیگانہ ہے، لیکن یہی لفظ جب فارسی ترکیبون کے ساتھ اردو مین مستعمل ہوتا ہی، مثلاً نار دوزخ، نار جہنم، تو وہ غرابت نہین رہتی،

فصاحت کے مدارج مین اختلاف ہی یعنی بعض الفاظ فصیح ہین بعض فصیح تر بعض اس سے بھی بڑھکر فصیح، مثال کے طور پر ہم دو چار مثالین نقل کرتے ہین، جن سے فصاحت

اور فصاحت کے اختلاف مراتب کا اندازہ ہو سکے گا، (ان مثالون مین ایک ہی مضمون مختلف الفاظ مین ادا کیا گیا ہی)

ع کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود مین ع سائل کو کس نے دی ہی انگوٹھی نماز مین

ع آنکھون مین پھرے اور نہ مردم کو خبر ہو ع آنکھون مین یون چھپے کہ مژہ کو خبر نہ ہو

ع رویا مین بھی حسین کو ردیا ہی کہتے ہین ع حسرت ہی کہ خواب مین بھی دیا کیجئے

ع جیسے مکان سے زلزلہ مین حیا مکان ع جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

معانی و الفاظ کی مناسبت۔ حسن کلام کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ استعمال کئے جائین، لفظ چونکہ آواز کی ایک قسم ہے اور آواز کے مختلف اقسام ہین مہیب پر رعب، سخت، نرم، شیرین لطیف، اسی طرح الفاظ بھی صورت اور وزن کے لحاظ سے مختلف طرح کے ہوتے ہین بعض نرم، شیرین، اور لطیف ہوتے ہین بعض سے جلالت' اور شان ٹپکتی ہی، بعض سے درد' اور غمگینی' ظاہر ہوتی ہی، اسی بنا پر غزل مین سادہ، شیرین سہل، اور لطیف الفاظ استعمال کیے جاتے ہین، قصیدے مین پرزور شاندار الفاظ کا استعمال پسندیدہ سمجھا جاتا ہی، اسیطرح رزم و بزم، مدح و ذم، فخر و ادعا، وعظ و پند ہر ایک کے لئے جدا جدا الفاظ ہین، شعرا مین سے جو اس نکتہ سے آشنا ہین وہ ان مراتب کا لحاظ رکھتے ہین، اور یہ ان کے کلام کی تاثیر کا بڑا راز ہی، لیکن جو اس فرق مراتب سے واقف نہین یا ہین، لیکن ایک خاص رنگ ان پر اس قدر چڑھ گیا ہی کہ ہر قسم کے مضامین مین ایک ہی قسم کے لفظ ان کی زبان سے ادا ہوتے ہین، انکا کلام بجز ایک خاص رنگ کے بالکل اثر ہوتا ہی، یہی نکتہ ہے کہ سعدی سے رزم اور فردوسی سے بزم نہین نبھ سکتی، فردوسی نے جہان حضرت یوسف کی نالہ و زاری کو اپنی کتاب یوسف زلیخا مین لکھا ہی، لکھتا ہے،

ع بعزیز یوسف دگر بارہ زار،

رزم، بزم، فخر، حسرت، شوق، ہر ایک مضمون کے لئے خاص خاص قسم کے الفاظ موزون ہین، اور ان مضامین کے لئے انھین الفاظ کو استعمال کرنا چاہئے، مثلاً ایک شاعر نے جلال اور غیظ کو ان الفاظ مین ادا کیا ہی؛

کم تھا نہ ہمہمہ اسد کردگار سے — نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے

کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہی دلیر کو — سب دشت گونجتا ہی یہ غصہ ہی شیر کو

تھا یہ بھرا ہوا عباس مرا شیر جوان — سینہ حر پہ رکھے دیتا تھا نیزہ کی سنان

لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو — روکے تھا ایک شیر جری دہزار کو،

ان اشعار مین جو الفاظ آئے ہین، جس طرح ان کے معنی غیظ و غضب کے ہین اسیطرح ان الفاظ کی آواز اور لہجہ سے بھی ہیبت اور غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہی،

کلام کی فصاحت، یہ بحث مفرد الفاظ سے متعلق تھی، لیکن کلام کی فصاحت مین صرف لفظ کا فصیح ہونا کافی نہین، بلکہ یہ بھی ضرور ہے، کہ جن الفاظ کے ساتھ وہ ترکیب مین آئے انکی ساخت ہیئت نشست سبکی اور گرانی کے ساتھ اس کو خاص تناسب اور توازن ہو، ورنہ فصاحت قائم نہ رہیگی، قرآن مجید مین ہی ما کذب الفواد ما رای، فواد اور قلب و ہم معنی الفاظ ہین، اور دونون فصیح ہین، لیکن اگر اس آیت مین فواد کے بجائے قلب کا لفظ آئے تو خود یہی لفظ غیر فصیح ہو جائیگا جس کی وجہ یہ ہے کہ گو قلب کا لفظ بجائے خود فصیح ہی لیکن ماقبل اور مابعد کے جو الفاظ ہین، ان کی آواز کا تناسب، قلب کے لفظ کے ساتھ نہین ہی،

میر انیس کا مصرع ہے ع فرمایا آدمی ہی کہ صحرا کا جانور، صحرا اور جنگل ہم معنی ہین اور دونون فصیح ہین، انیس نے مختلف موقعون پر ان دونون لفظون کا استعمال کیا ہی اور ہم معنی

ہونے کی حیثیت سے کیا ہی، لیکن اگر اس مصرعہ مین صحرا کے بجائے جنگل کا لفظ آجائے تو یہی لفظ غیر فصیح ہو جائیگا، ذیل کے شعر مین

طائر ہوا مین مست ہرن سبزہ زار مین — جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار مین

اگر جنگل کے بجائے صحرا لاؤ تو مصرع کا مصرع پھس پھسا ہو جاتا ہی،

شبنم اور اوس ہم معنی ہین اور برابر درجہ کے فصیح ہین لیکن اس شعر مین

کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا — تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا

اگر اوس کے بجائے شبنم کا لفظ لایا جائے تو فصاحت خاک مین ملجائیگی، یہی اوس کا لفظ جو اس موقع پر اس قدر فصیح ہی، اس مصرع مین ع شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے شبنم کے بجائے لایا جائے، تو فصاحت بالکل ہوا ہو جائیگی،

اس مین نکتہ یہ ہے کہ ہر لفظ چونکہ ایک قسم کا سُر ہے، اس لئے یہ ضرور ہی کہ جن الفاظ کے سلسلہ مین وہ ترکیب دیا جائے ان آوازون سے اس کو خاص تناسب بھی ہو ورنہ گویا دو مخالف سرون کو ترکیب دینا ہوگا نغمہ اور راگ مفرد آوازون یا سرون کا نام ہی، ہر سر بجائے خود دلکش اور دلآویز ہے، لیکن اگر دو مخالف سرون کو باہم ترکیب دیدیا جائے، تو دونون مکروہ ہو جائین گے، راگ کے دلکش اور موثر ہونے کا یہی گر ہے، کہ جن سرون سے اس کی ترکیب ہو ان مین نہایت تناسب اور توازن ہو،

الفاظ بھی چونکہ ایک قسم کی صوت اور سر ہین، اس لئے ان کی لطافت شیرینی اور روانی، اسی وقت تک قایم رہتی ہی جب گرد و پیش کے الفاظ بھی لے مین ان کے مناسب ہون دبیر کا مشہور مصرع ہے، ع "زیر قدم والدہ فردوس برین ہے" اس مین جتنے الفاظ ہین یعنی، زیر، قدم، والدہ، فردوس، برین، سب بجائے خود فصیح ہین لیکن ان کے باہم ترکیب

دینے سے جو مصرع پیدا ہوا ہی، وہ اس قدر بھدا اور گران ہو کہ زبان اس کا تحمل نہین کر سکتی، شاید تم کو خیال ہو کہ مصرعہ کی ترکیب چونکہ فارسی ہو گئی ہو، اس لئے ثقل پیدا ہو گیا ہی، لیکن یہ صحیح نہین، سیکڑون شعرون مین اس قسم کی فارسی ترکیبین ہین، لیکن یہ ثقل نہین پایا جاتا، مثلاً میر انیس کہتے ہین ؎

مین ہون سر طراز شباب چمن خلد برین مین ہون خالق کی قسم دوش محمد کا مکین

پہلے مصرع مین فارسی ترکیب کے علاوہ توالیِ اضافات بھی موجود ہے، لیکن یہ بھدا پن اور ثقل نہین ہے،

جب کسی مصرع یا شعر کے تمام الفاظ مین ایک خاص قسم کا تناسب، توازن، اور توافق پایا جاتا ہی، اور اس کے ساتھ وہ تمام الفاظ بجائے خود بھی فصیح ہوتے ہین، تو وہ پورا مصرع یا شعر فصیح کہا جاتا ہے، یہی چیز ہے، جس کو بندش کی صفائی، نشست کی خوبی، ترکیب کی دلآویزی برجستگی، سلاست، اور روانی سے تعبیر کرتے ہین، یہی چیز ہے، جس کی نسبت خواجہ حافظ فرماتے ہین؎

آن را کہ خوانی استاد، گر بنگری بتحقیق صنعت گر است اما شعرِ روان ندارد

الفاظ کے توازن و تناسب سے کلام مین جو فرق پیدا ہو جاتا ہے، وہ ایک خاص مثال مین آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہی، میر انیس، حضرت علی اکبرؓ کی اذان دینے کی تعریف ایک موقع پر اس طرح کرتے ہین، ع "تھا بلبلِ حق گو کہ چہکتا تھا چمن مین"

اسی مضمون کو دوسرے موقع پر اس طرح ادا کرتے ہین، ع

بلبل چہک رہا ہی ریاضِ رسول مین

وہی مضمون ہے، وہی الفاظ ہین، لیکن ترکیب کی ساخت نے دونون مصرعون مین کسقدر فرق پیدا کر دیا ہی،

ائتلاف الوزن مع المعنی، ترکیب الفاظ کے لحاظ سے شعر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ کلام کے اجزاء کی جو اصلی ترتیب ہے وہ بحال خود قائم رہے، مثلاً فاعل مفعول، مبتدا، خبر، متعلقات، فعل جس ترتیب کے ساتھ ہر وقت بول چال مین آتے ہین، یہی ترتیب شعر مین باقی رہے، اگرچہ اسمین شبہہ نہین کہ اس ترتیب کا بعینہٖ قائم رہنا قریب قریب ناممکن ہے، صرف ایک آدھ شعر یا بہت سے بہت، شعر دو شعر مین اتفاقیہ یہ بات پیدا ہوجاتی ہی، مثلاً سعدیؒ کے یہ اشعار ؎

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری	که از بوے دلآویزِ تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم	ولیکن مدتے با گُل نشستم
جمالِ ہمنشین در من اثر کرد	وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

لیکن چونکہ نظم کا درحقیقت، سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اگر اس کو نثر کرنا چاہین تو نہ ہوسکے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے، جب شعر مین الفاظ کی وہی ترتیب باقی رہے، جو نثر مین معمولاً ہوا کرتی ہی، اس بنا پر شاعر کو کوشش کرنی چاہئے کہ اگر اصلی ترتیب پوری پوری قائم نہین رہ سکتی، تو بہرحال اس کے قریب قریب پہونچ جائے، جس قدر اس کا لحاظ رکھا جائیگا، اسی قدر شعر زیادہ صاف، برجستہ، روان، اور ڈھلا ہوا ہوگا، مثلاً یہ اشعار

کچھ تو ہوتے بھی ہین وحشت مین جنون کے آثار	اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہین
دل نہین مانتا جہان جاؤن	ہاے مین کیا کرون کہان جاؤن

(الندوہ ج ۱، ن ۵، رمضان ۱۳۲۲ھ)

نظم القرآن و جمهرۃ البلاغۃ

"عام قیاس یہ ہے کہ صاحبِ کمال کسی حالت مین گمنام نہین رہ سکتا، تجربہ اور تاریخ بھی اسی کی شہادت دیتے آئے ہین، لیکن کوئی کلیہ مستثنیٰ سے خالی نہین۔ مولوی حمید الدین جنکی ایک عجیب و غریب تصنیف کا اس وقت ہم ذکر کرنا چاہتے ہین، اس استثنا کی ایک عمدہ مثال ہین، مولوی صاحب موصوف نے پہلے قدیم طریقہ کے موافق، تعلیم پائی یعنی درسِ نظامیہ کے مطابق فارغ التحصیل ہوئے، پھر مولانا فیض الحسن صاحب شارح حماسہ سے، جو میرے بھی استاد ہین، ادب کی تکمیل کی، اس کے بعد انگریزی شروع کی اور مدرستہ العلوم مین رہکر بی اے کی سند حاصل کی، زمانِ طالب العلمی ہی مین سرسید مرحوم کے حکم سے انھون نے سیرتِ نبوی کے متعلق دو کتابین عربی سے فارسی مین ترجمہ کین جو مدرستہ العلوم کے نصابِ دینیات مین شامل ہین، اور چھپکر شائع ہو چکی ہین، مدرسہ سے نکل کر، کراچی کے مدرستہ الاسلام مین عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے، اور اب تک اسی عہدہ پر ہین، ان کا فارسی دیوان چھپکر شایع ہو چکا ہی، لارڈ کرزن، جب سواحلِ عرب کی مہم پر گئے تھے، تو یہ بھی ساتھ تھے، اور سردارانِ عرب کے سامنے عربی زبان مین لارڈ کرزن کی طرف سے جو تقریر پڑھی گئی، وہ انھین کی لکھی ہوئی تھی، اس قسم کے واقعات مین سے ایک واقعہ بھی انسان کی شہرت کے لئے کافی ہو سکتا ہی، لیکن

مولوی صاحب اب بھی گمنام ہین، ان کی یہی خواہش ہی، اور اگر وہ اس خواہش مین ہمیشہ کامیاب رہین تو ہمارا کوئی ہرج نہین،

لیکن اُن کی جس تصنیف پر ہم ریویو کرنا چاہتے ہین، اس کے متعلق ہم ان کی خواہش کی پیروی نہین کر سکتے، یہ تصنیف (خصوصًا اس زمانہ مین) اسلامی جماعت کے لئے اسی قدر مفید اور ضروری ہی جس قدر ایک تشنہ لب اور سوختہ جان کے لئے آب زلال، اس لئے ہم اس کتاب پر مفصل ریویو لکھنا چاہتے ہین، افسوس ہی، کہ مصنف نے یہ کتاب عربی زبان مین لکھی ہی، اور اس لئے عام لوگ اس سے متمتع نہین ہو سکتے، ہم نے اُن سے بارہا کہا کہ اس زمانہ مین جو کچھ لکھنا چاہئے، ملکی زبان مین لکھنا چاہئے، لیکن انکی قدامت پرستی اردو کی طرف ان کو مائل نہین ہونے دیتی، (اور سچ یہ ہی کہ وہ اردو لکھ بھی نہین سکتے) عربی ہونے کی وجہ سے ہم ان کی عبارت کے اصلی اقتباسات نہین دے سکتے بلکہ اسکے مطالب پر اکتفا کرین گے"

نظم قرآن یہ امر صاف نظر آتا ہی، کہ قرآن مجید کی اکثر آیات مین کوئی خاص ترتیب نہین ہی، ایک آیت مین کسی فقہی حکم کا بیان ہی، اس کے بعد ہی کوئی اخلاقی بات شروع ہوجاتی ہے، پھر کوئی قصہ چھڑ جاتا ہی، ساتھ ہی کافرون سے خطاب شروع ہوجاتا ہی پھر کوئی اور بات نکل آتی ہی، غرض یہ کہ عام تصنیفات کا جو طرز ہے، کہ ایک قسم کے مطالب یک جا بیان کئے جائین، قرآن پاک کا یہ طرز نہین،

اس کے متعلق قدما کی مختلف رائین ہین، شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہی کہ چونکہ قرآن مجید مین عرب کے خطبات کا انداز ملحوظ ہی، اور اُن کے خطبے، اسی طرح کے ہوتے تھے، یعنی مختلف مضامین بلا ترتیب بیان کرتے تھے، اس لئے قرآن پاک مین بھی یہی

طرز ملحوظ رکھا ہی، اکثر علما کی یہ رائے ہے، کہ قرآن مجید کی آیتین، مختلف وقتون مین مختلف ضرورتون کے پیش آنے پر نازل ہوتی رہین، اس لئے اُن مین کوئی ترتیب کیونکر قایم ہو سکتی ہی، مثلاً کسی شخص کی مختلف تقریرون کو جو اس نے مختلف وقتون مین کین اگر یکجا قلمبند کر دیا جائے، تو ان مین ترتیب کیونکر پیدا ہو سکتی ہے؟ یہ رائے بظاہر بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہ مسلم ہے کہ قرآن مجید نجماً نجماً یعنی جستہ جستہ نازل ہوا ہی اور ہر سورۃ اور ہر ٹکڑے کا شانِ نزول مختلف ہی، اس لیۓ ان مین ترتیب کیونکر قایم رہ سکتی ہی، بعض علمائنے یہ دعوی کیا ہی، کہ قرآن مجید کی تمام آیتون مین ابتدا سے لیکر انتہا تک، ترتیب اور تناسب ہی، بقاعی نے اس کے ثبوت مین مستقل تفسیر لکھی ہی، جسکا نام نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور رکھا ہی لیکن اس کے مطالب جو تفسیرون مین نقل کئے ہین، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ زبردستی تناسب پیدا کیا ہے، اور اس قسم کا تناسب دنیا کی نہایت مختلف بلکہ متناقض چیزون مین بھی پیدا ہو سکتا ہی،

مولوی حمید الدین صاحب نے اسی مسئلہ پر یہ کتاب لکھی ہی، وہ اسی اخیر رائے کے مدعی ہین، یعنی یہ کہ ایک سورہ مین جسقدر آیتین ہین، ان مین ضرور کوئی قدر مشترک ہے، اور اس لحاظ سے وہ سب آیتین باہم متناسب ہین،

ان کا دعوی ہی کہ جس طرح ہر کتاب کا کوئی خاص موضوع (سبجکٹ) ہوتا ہی اسیطرح ہر سورۃ کا ایک خاص موضوع ہی، اور تمام آیتین بالذات یا بواسطہ اسی موضوع سے متعلق ہوتی ہین، ان کا عام استدلال یہ ہے کہ اگر ایک سورۃ کی آیتون مین باہم اس قسم کا تناسب نہین ہے، تو اس کی کیا وجہ ہی کہ جب کوئی سورۃ نازل ہونی شروع ہوتی تھی، اور مختلف وقتون مین مختلف آیتین نازل ہوتی تھین، تو آنحضرت صلعم حکم دیتے تھے کہ ان آیتون کو اس سورۃ

مین داخل کرتے جاؤ، پھر ایک حد تک پہونچ کر آپ فرماتے تھے کہ اب یہ سورہ ختم ہوگئی، اور اسکے بعد دوسری آیت شروع ہوتی تھی، اگر یہ آیتین اس سورہ سے کوئی خاص مناسبت نہین رکھتی تھین، تو ان آیتون کو انھین سورتون مین داخل کرنے کی کیا ضرورت تھی، بلکہ سورتون کی تحدید اور تخصیص بھی بے کار تھی، اس سے بڑھکر یہ کہ روایات سے یہ ثابت ہو کہ بار ہا ایسا ہوتا تھا کہ دو سورتین ساتھ ساتھ نازل ہو رہی ہین، اور جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلان سورہ مین داخل کرو، پھر دوسری آیت نازل ہوتی تھی، تو فرماتے تھے کہ اس کو دوسری سورت مین شامل کرو، اگر اس آیت کو اس سورہ کے ساتھ کوئی خصوصیت نہین تھی تو جس آیت کو جس سورہ کے ساتھ چاہتے شامل کر دیتے اس بنا پر مصنف نے تمام سورتون مین تناسب کا دعوی کیا ہو، اور نہایت دقت نظر سے ہر جگہ اسکو ثابت کیا ہو،

کتاب کا اصلی موضوع اسی قدر تھا، لیکن اس بحث کے ضمن مین، قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کی بحث بھی آگئی، مصنف ان کتابون سے واقف تھا، جو قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر لکھی گئی ہین لیکن اس کو نظر آیا کہ یہ تمام کتابین ناتمام ہین، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت کا جو فن مرتب کیا گیا تھا، وہ خود ناتمام تھا، اور تمام لوگون نے اسی فن کے موافق قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت ثابت کی تھی،

اس بنا پر مصنف نے اصل فن پر توجہ کی، اور اسکو ایک نہایت وسیع پیمانہ پر نئے سرے ترتیب دیا، اور فصاحت و بلاغت کے بہت سے جدید اصول قائم کئے، اس طرح ایک اور مستقل کتاب تیار ہوگئی جسکا نام انھون نے جمهرۃ البلاغۃ رکھا، اس کتاب کی تمہید مصنف نے اس طرح شروع کی ہے:-

فنِّ بلاغت

علماے اسلام نے جب یہ ثابت کرنا چاہا کہ قرآن مجید بلاغت کے لحاظ سے معجز ہے، تو اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ پہلے بلاغت کے اصول اور قواعد مرتب کردیئے جائین، اس کا اصلی طریقہ یہ تھا کہ خود کلامِ عرب کا تتبع کیا جاتا، اور بلاغت کی جزئیات کا استقصا کرکے اسکے اصول اور ضوابط منضبط کئے جاتے لیکن جس زمانہ مین یہ کوشش کی گئی، اس وقت عجم کے علوم وفنون کا اثر مسلمانون پر غالب آگیا تھا، اس لئے مسلمانون نے جس طرح اور علوم وفنون یونان اور فارس سے اخذ کئے اس فن کے مسائل بھی انھین کی تحقیقات کے موافق مرتب کئے، عجم کے نزدیک بلاغت کے اصلی ارکان تشبیہ اور بدیع ہین، اس لئے علماے اسلام نے بھی انھین چیزون کو مہتم بالشان قرار دیا حالانکہ اہلِ عرب کے نزدیک بدیع ایک لغو چیز ہے اور تشبیہ چندان قابلِ اعتنا نہین،

علماے اسلام نے فنِ شعر اور بلاغت کی بنیاد، ارسطو کی کتاب پر قائم کی، ارسطو اگر عرب مین پیدا ہوا ہوتا، اور کلامِ عرب کے تتبع اور استقرار کی بنا پر اس فن کی بنیاد قائم کرتا تو یقیناً اس مقصد مین کامیاب ہوتا لیکن وہ یونان مین پیدا ہوا اور وہین تربیت پائی، یونانیون ہی کا کلام اس کے پیشِ نظر رہا، اس لئے شاعری اور فنِ بلاغت کے جو اصول اس نے قائم کئے، یونانی شعراء کے کلام سے مستنبط کرکے قائم کئے، یونان مین شعر کا جو بہتر سے بہتر نمونہ سمجھا جاتا تھا وہ ہومر اور سوفکلیس کی شاعری تھی، ان دونون نے شاعری کی بنیاد مصنوعی قصون اور حکایتون پر رکھی تھی،

فنونِ لطیفہ کی تدوین کا عام قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کا حسن عام طور پر مسلم الثبوت

ہوتا ہی، اس پر نظر ڈالتے ہین، اور اس کے اجزا کی تحلیل کرتے ہین یعنی یہ کہ اسمین کیا کیا باتین پائی جاتی ہین، پھر انھین چیزون کو محاسن قرار دیکر کلیات قائم کرلیتے ہین،

یونان مین ہومر اور سوفکلیس کا کلام، فصاحت و بلاغت مین بے نظیر تسلیم کیا جاتا تھا، ارسطو نے تحلیل کر کے دیکھا تو ان کا کلام تمامتر حکایتین اور افسانے تھے، اس نے یہ بھی دیکھا کہ یہ حکایتین واقعی نہین ہین، بلکہ اکثر مصنوعی اور فرضی واقعات ہین، اس سے اسکو خیال پیدا ہوا کہ کلام کی اصلی خوبی صرف یہ ہے، کہ کسی واقعہ کی تصویر کھینچی جائے، واقعہ فی نفسہ صحیح ہو یا نہ ہو، اس سے غرض نہین، ارسطو نے یہ بھی دیکھا کہ دو چیزین فی نفسہ بدصورت اور کریہ المنظر ہین، انکی بھی اگر بعینہ تصویر کھینچ دی جائے تو طبیعت کو مزہ آتا ہی، اس سے اس نے یہ فیصلہ کیا کہ واقعہ صحیح ہو یا غلط، لیکن اگر اس طرح ادا کر دیا جائے کہ اس کی تصویر آنکھون مین پھر جائے، تو حسن کلام حاصل ہو جائے گا، اس خیال کی امور ذیل سے اور بھی تائید ہوتی ہی،

انسان مین محاکات کا مادہ تمام اور حیوانات سے زیادہ پایا جاتا ہے، بچہ وہی کام کرتا ہی، جو اورون کو کرتے دیکھتا ہی، اس بنا پر کسی واقعہ کی تصویر کھینچنا، انسان کی اصلی فطرت کا اقتضا ہی،

علم فی نفسہ ایک مرغوب چیز ہے، اور کسی واقعہ کا بیان کرنا بھی ایک طرح کا علم ہے اس بنا پر واقعہ نگاری مرغوب عام ہی،

ان وجوہ کی بنا پر ارسطو نے محاسن کلام کی تمام تر بنیاد انھین دو اصولون پر رکھی، اور ان کے خلاف جو باتین نظر آئین، انکو رد کر دیا، سوفاکلیس پر لوگون نے اعتراض کیا تھا کہ تم نے لوگون کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی، وہ اصل کے مطابق نہین،

سوفاکلیس نے کہا کہ :-

"مین نے انکا ویسا حلیہ بیان کیا، جیسا ہونا چاہیے، نہ کہ جیسا انکا واقعی حلیہ ہو"

سوفاکلیس کا یہ جواب، اگرچہ غلط ہی لیکن ارسطو اسکو اپنے اصول کے موافق پسند کرتا ہے،

یونان مین شاعری سے جو کام لیا جاتا تھا وہ صرف مذاقیہ جلسون کا گرم کرنا ہوتا تھا،

شعرا عموماً مذاقیہ، مصنوعی قصے نظم کرتے تھے، یہان تک کہ شاعر سخن ساز اور دروغ باز

کے لقب سے پکارا جاتا تھا، اس بنا پر ارسطو نے یہ اصول قائم کیا کہ شاعری کا اصلی مقصد

لطف انگیزی ہی، اور اسی بنا پر اس کی رائے ہے کہ اگر راست گوئی سے یہ مقصد حاصل نہو

تو شاعر کو، واقعہ کا گھٹانا بڑھا دینا جائز ہی،

علماے اسلام نے چونکہ بنیاد فن، ارسطو کے اصول پر قائم کی، اس لئے تمام مسائل

مین وہی ارسطو کے خیالات کا اثر پایا جاتا ہی، ارسطو نے جھوٹے طلسم باندھنے کو کمالِ شاعری

قرار دیا تھا، علماے اسلام نے بھی یہ اصول قرار دیا کہ احسن الشعر اکذبہ یعنی اچھا شعر

وہ ہے، جس مین زیادہ جھوٹ ہو، ارسطو کے نزدیک بلاغت مصوری کا نام ہے، اس لئے

علمائے اسلام کے نزدیک بھی بلاغت کی اصلی روح وروان، تشبیہ و تمثیل ہی کیونکہ تشبیہ بھی

درحقیقت ایک قسم کی مصوری ہی، چنانچہ عبدالقاہر جرجانی نے اسرار البلاغۃ مین لکھا ہی کہ بلاغت

کے مہماتِ مسائل، تشبیہ ہی سے متفرع ہین،

ایک اور امر نے علماے اسلام کو خیال دلایا کہ بلاغت اور شاعری مین جھوٹ کو سچ

پر ترجیح ہی، انھون نے دیکھا کہ استعارہ تشبیہ سے زیادہ لذیذ اور لطیف ہوتا ہی، مثلاً ان

دونون فقرون مین "زید، شیر کے مشابہ ہی" "زید، شیر ہے"

پہلا، تشبیہ اور دوسرا استعارہ ہے، اور یہی دوسرا فقرہ زیادہ پرزور اور بلیغ ہے،

اب ان دونون فقرون کو دیکھا تو نظر آیا کہ پہلا فقرہ، واقعیت کا پہلو رکھتا ہی، کیونکہ ایک شجاع شخص، دلیری اور بہادری مین شیر کا مشابہ کہا جاسکتا ہی، لیکن دوسرا فقرہ تمامتر مبالغہ اور جھوٹ ہے، اس بنا پر یہ رائے قائم ہوئی کہ بلاغت اور شاعری مین جو زور یا لطف پیدا ہوتا ہی، وہ مبالغہ اور جھوٹ سے پیدا ہوتا ہی، ان خیالات نے تمام لٹریچر کو مبالغہ اور کذب سے بھر دیا،

ارسطو کے دونون مذکورۂ بالا اصول غلط ہین، ارسطو کا یہ خیال کہ انسان مین محاکات[1] کا مادہ تمام جانورون سے زیادہ ہی، محض غلط ہی، اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ جانور اور انسان دونون مین محاکات کا مادہ ہی، تاہم یہ فرق ہوگا کہ انسان صرف انسانون کی محاکات کرتا ہے بخلاف اس کے بندر، تمام حیوانات اور انسانون کی محاکات کرتا ہی، آدمی کا بچہ جانورون کو بھی بولتے دیکھتا ہی، لیکن انکی بولی کی مطلق نقل نہین کرتا، بخلاف اس کے ہزار داستان یا مینا، ہر جانور کی بولی بولنے لگتی ہی، آدمی کا بچہ، جو اپنے مان باپ، بھائی کے اقوال و افعال کی نقل کرتا ہے، وہ اس بنا پر نہین، کہ اس کی فطرت مین محاکات کی قوت ہے بلکہ اسکی وجہ یہ ہی کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہی، تو اسمین تمام خصائل انسانی بالقوہ موجود ہوتے ہین، یہ خصائل نمونہ اور مثال کے دیکھنے سے ابھرتے اور ظہور کرتے ہین، بچہ پیدا ہوتے کے ساتھ دودھ پینا شروع کرتا ہی، اس نے پہلے کسی کو دودھ پیتے نہین دیکھا تھا، لیکن چونکہ خدا نے اسکی فطرت مین یہ قوت ودیعت رکھی ہی، اس لئے وقت معین پر خود بخود اسکا ظہور ہوتا ہے، اسی طرح انسان کو جو قوتین عطا ہوئی ہین، وقتاً فوقتاً خود انکا ظہور ہوتا ہی

[1] محاکات کا لفظ ارسطو کی تحریر مین بار بار آیا ہے، اسلئے اس کے معنی اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئین محاکات کے معنی کسی چیز کی نقل اتارنا یا صورت کھینچنا ہے،

سوفاکلیس نے کہا کہ :-

"مین نے انکا ویسا حلیہ بیان کیا، جیسا ہونا چاہیے، نہ کہ جیسا انکا واقعی حلیہ ہو"

سوفاکلیس کا یہ جواب، اگرچہ غلط ہی لیکن ارسطو اسکو اپنے اصول کے موافق پسند کرتا ہے

یونان مین شاعری سے جو کام لیا جاتا تھا وہ صرف مذاقیہ جلسون کا گرم کرنا ہوتا تھا، شعرا عموماً مذاقیہ، مصنوعی قصے نظم کرتے تھے، یہان تک کہ شاعر سخن ساز اور دروغ باز کے لقب سے پکارا جاتا تھا، اس بنا پر ارسطو نے یہ اصول قائم کیا کہ شاعری کا اصلی مقصد لطف انگیزی ہی، اور اسی بنا پر اس کی رائے ہے کہ اگر راست گوئی سے یہ مقصد حاصل نہ ہو تو شاعر کو، واقعہ کا گھٹانا بڑھا دینا جائز ہی،

علماے اسلام نے چونکہ بنیادِ فن، ارسطو کے اصول پر قائم کی، اس لئے تمام مسائل مین وہی ارسطو کے خیالات کا اثر پایا جاتا ہی، ارسطو نے جھوٹے طلسم باندھنے کو کمالِ شاعری قرار دیا تھا، علماے اسلام نے بھی یہ اصول قرار دیا کہ احسن الشعر اکذبہ یعنی اچھا شعر وہ ہے، جس مین زیادہ جھوٹ ہو، ارسطو کے نزدیک بلاغت مصوری کا نام ہے، اس لیے علمائے اسلام کے نزدیک بھی بلاغت کی اصلی روح وروان، تشبیہ و تمثیل ہی کیونکہ تشبیہ بھی درحقیقت ایک قسم کی مصوری ہی، چنانچہ عبد القاہر جرجانی نے اسرار البلاغۃ مین لکھا ہی کہ بلاغت کے مہماتِ مسائل، تشبیہ ہی سے متفرع ہین،

ایک اور امر نے علماے اسلام کو خیال دلایا کہ بلاغت اور شاعری مین جھوٹ کو سچ پر ترجیح ہی، انھون نے دیکھا کہ استعارہ تشبیہ سے زیادہ لذیذ اور لطیف ہوتا ہی، مثلاً ان دونون فقرون مین "زید، شیر کے مشابہ ہی" "زید، شیر ہے"

پہلا تشبیہ اور دوسرا استعارہ ہے، اور یہی دوسرا فقرہ زیادہ پرزور اور بلیغ ہے،

ارسطو اور پیروانِ ارسطو کے نزدیک یہ دوسری شرط ضروری نہین، ان کے نزدیک نطق کا کام صرف یہ ہے کہ وہ مضمون کو بعینہٖ ادا کرے، مضمون فی نفسہٖ برا ہو یا بھلا اس سے غرض نہین، ابو جعفر قدامہ نقد الشعر مین لکھتا ہو کہ

"اگر کسی شعر مین کوئی بیہودہ اور لغو مطلب ادا کیا گیا ہو، تو اس سے شعر کی خوبی پر کوئی اثر نہین پڑتا"

شعر کی خوبی کے لئے اسی قدر کافی ہو کہ جو مضمون ادا کیا گیا، کس خوبی اور لطافت سے ادا کیا گیا،

لیکن یہ خیال تمامتر غلط ہو، اور چونکہ یہ ایک اہم بحث ہو، اس لئے اس کو ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے ہین، یہ مسلّم ہے کہ نطق صرف آواز اور صوت کا نام نہین ہے بلکہ دو چیزون کے مجموعہ کا نام ہے، آواز اور معنی اور جب تک ان دونون مین حسن نہ پایا جائے، نطق کا کمال نہین ہو سکتا، خوش چشم آدمی اگر ایک ٹانگ کا لنڑا ہو تو حسین نہین کہا جا سکتا،

حسنِ کلام کی بھی یہی حالت ہو، اکثر ایسا ہوتا ہو کہ ایک عمدہ اور پر اثر مضمون نحو و صرف کی معمولی پابندیون مین مقید رہکر ادا نہین ہو سکتا، اس حالت مین الفاظ، مضمون کا حجاب بنجاتے ہین، اور اس وجہ سے مضمون، اس حجاب کو چاک کر کے دل مین اتر جاتا ہے، اسکی یہ مثال ہو کہ کوئی بادشاہ ضرورت کے وقت آدابِ سلطنت چھوڑ کر خود سفیر بنکر جائے اور اپنا پیغام خود پہونچا آئے، اس بیان سے ثابت ہوا کہ حسنِ کلام، الفاظ کا پابند نہین اور یہ کہ بلیغ دراصل مضمون ہوتا ہو، نہ الفاظ، لغت مین بلیغ کے معنی "پہونچنے والے" کے ہین، اور جو چیز دل مین پہونچتی ہو، وہ دراصل معانی ہین نہ الفاظ،

اس تمہید کے بعد، اس بات پر لحاظ کرو کہ جب کوئی مضمون فی نفسہ بیہودہ اور لغو ہوتا ہی تو گو کیسے ہی فصیح اور شستہ الفاظ مین ادا کیا جائے، دل مین جگہ نہین کرتا، بلکہ اچٹ جاتا ہی، ممکن ہو کہ اس قسم کے مضمون سے کسی احمق اور بدمذاق کو مزا آئے، لیکن کلام کی حسن و خوبی کا فیصلہ احمقون کے مذاق کے رو سے نہین ہو سکتا، غرض ان اسباب سے کلام مین جب تک مضمون اور معنی کی خوبی نہ ہو، دل مین نہین اتر سکتا، اور اس بنا پر اسکو بلیغ بھی نہین کہہ سکتے، یہی وجہ ہے کہ شعرائے عرب، کلام کی تعریف حسن مضمون کے لحاظ سے کرتے ہین،

زہیر بن ابی سلمی کہتا ہی،

وذی نعمۃ تممتہا و شکرتہا — وخصم یکاد الحق یغلب باطلہ

دفعت بمعروف من القول صائب — اذا ما اضل الناطقین مفاصلہ

وذی خطل فی القول یحسب انہ — مصیب فما یلمم بہ فہو قائلہ

عبأت لہ حلما و اکرمت غیرہ — و اعرضت عنہ و ہو باد مقاتلہ

قرآن مجید مین جہان بلیغ کا لفظ آیا ہی، اسی معنی مین آیا ہی، مثلاً قل لہم فی انفسہم قولاً بلیغا، یعنی اے محمدؐ! ان لوگون سے ایسی بات کہہ جو بلیغ ہو، یعنی ان کے دل مین اتر جائے، اسی طرح اس آیت مین بھی وللہ الحجۃ البالغۃ یہی معنی مراد ہین، حاصل یہ کہ جو مضمون جس قدر زیادہ دلنشین اور دلپذیر ہوگا اسی قدر زیادہ بلیغ ہوگا،

ایک اور واضح مثال سے یہ نکتہ ذہن نشین ہو سکتا ہی، فرض کرو ایک شخص کسی آدمی کو گالیان دیرہا ہے، اور گالیون مین ہر قسم کی سخن آرائی، لفاظی، جدت پسندی، استعارہ بندی صرف کرتا ہی، الفاظ بھی نہایت شستہ با محاورہ اور فصیح ہین، تو کیا تم

ارسطو اور پیروانِ ارسطو کے نزدیک یہ دوسری شرط ضروری نہین، ان کے نزدیک نطق کا کام صرف یہ ہے کہ وہ مضمون کو بعینہٖ ادا کرے مضمون فی نفسہٖ برا ہو یا بھلا اس سے غرض نہین،

ابو جعفر قدامہ نقد الشعر مین لکھتا ہو کہ

"اگر کسی شعر مین کوئی بیہودہ اور لغو مطلب ادا کیا گیا ہو، تو اس سے شعر کی خوبی پر کوئی اثر نہین پڑتا"

شعر کی خوبی کے لئے اسی قدر کافی ہو، کہ جو مضمون ادا کیا گیا، کس خوبی اور لطافت سے ادا کیا گیا،

لیکن یہ خیال تمامتر غلط ہو، اور چونکہ یہ ایک اہم بحث ہو، اس لئے اس کو ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے ہین، یہ مسلّم ہے کہ نطق صرف آواز اور صوت کا نام نہین ہے بلکہ دو چیزون کے مجموعہ کا نام ہے، آواز اور معنی اور جب تک ان دونون مین حسن نہ پایا جائے، نطق کا کمال نہین ہو سکتا، خوش چشم آدمی اگر ایک آنکھ کا کانڑا ہو تو حسین نہین کہا جا سکتا،

حسن کلام کی بھی یہی حالت ہو، اکثر ایسا ہوتا ہو کہ ایک عمدہ اور پر اثر مضمون نحو و صرف کی معمولی پابندیون مین مقید رہکر ادا نہین ہو سکتا، اس حالت مین الفاظ، مضمون کا حجاب بنجاتے ہین، اور اس وجہ سے مضمون، اس حجاب کو چاک کر کے دل مین اتر جاتا ہے، اسکی یہ مثال ہو کہ کوئی بادشاہ ضرورت کے وقت آدابِ سلطنت چھوڑ کر خود سفیر بنکر جائے اور اپنا پیغام خود پہونچا آئے، اس بیان سے ثابت ہوا کہ حسن کلام، الفاظ کا پابند نہین اور یہ کہ بلیغ دراصل مضمون ہوتا ہو، نہ الفاظ، لغت مین بلیغ کے معنی "پہونچنے والے" کے ہین، اور جو چیز دل مین پہونچتی ہو، وہ دراصل معانی ہین نہ الفاظ،

مین آسکتی ہی، اہل عرب چونکہ شاعری کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے، اس لئے انھون نے اسکا نام بھی ایسا رکھا جو خود شعر کی حقیقت پر دلالت کرتا ہی، شاعر کے لفظی معنی، صاحب شعور کے ہین، شعور احساس (فیلنگ) کو کہتے ہین، یعنی شاعر وہ شخص ہی جسکا احساس قوی ہو، انسان پر خاص خاص حالتین طاری ہوتی ہین، مثلاً، رونا، ہنسنا، انگڑائی لینا، یہ حالتین جب انسان پر غالب ہوتی ہین تو اس سے خاص خاص حرکات صادر ہوتے ہین، مثلاً رونے کی حالت مین آنسو جاری ہوتے ہین، ہنسنے کے وقت ایک خاص آواز پیدا ہوتی ہی، انگڑائی کی حالت مین، اعضا تن جاتے ہین، اسی طرح شعر بھی ایک خاص احساس کا نام ہی، شاعر کی طبیعت پر رنج یا خوشی یا غصہ یا استعجاب کے طاری ہوتے ہی ایک خاص اثر پڑتا ہی، یہ اثر الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہی، اسی کا نام شاعری ہی، شاعر کا احساس اورون کے احساس سے قوی ہوتا ہی، لیکن اس کے یہ معنی نہین کہ اسکو اورون کی بہ نسبت، زیادہ رنج یا زیادہ خوشی ہوتی ہی، بلکہ اس کے یہ معنی ہین کہ احساس کے وقت اس کی تمام قوتین جوش مین آجاتی ہین، احساس اس کی قوت متخیلہ کو، نطق کو، آواز کو، لہجہ کو، سب کو یکبارگی مشتعل کر دیتا ہی، شاعر گویا نو دمیدہ سبزہ ہی، کہ جب اسپر پانی پڑتا ہی تو رگ رگ مین سرایت کر جاتا ہی اور وہ لہلہانے لگتا ہی،

خطیب (لکچرار) کا احساس بھی شاعر کے احساس سے کم نہین ہوتا، لیکن خطیب اس احساس سے مغلوب نہین ہوتا، اس کی غرض، دوسرون پر اثر ڈالنا ہوتا ہی، وہ اپنے احساس کو قابو مین رکھ سکتا ہی، اور اس سے اسی حد تک اور اسی ترتیب اور مناسبت سے کام لیتا ہی جہان تک اورون کے متاثر کرنے مین کام آئے، شاعر کو صرف موجودہ حالت سے کام ہوتا ہی لیکن خطیب یہ بھی دیکھتا ہی کہ آیندہ کیا ہوگا، اس بنا پر خطیب، شاعر کی بہ نسبت، زیادہ عاقل،

ارسطو اور پیروان ارسطو کے نزدیک یہ دوسری شرط ضروری نہین، ان کے نزدیک نطق کا کام صرف یہ ہے کہ وہ مضمون کو بعینہٖ ادا کرے مضمون فی نفسہ برا ہو یا بھلا اس سے غرض نہین

ابوجعفر قدامہ نقد الشعر مین لکھتا ہو کہ

"اگر کسی شعر مین کوئی بیہودہ اور لغو مطلب ادا کیا گیا ہو، تو اس سے شعر کی خوبی پر کوئی اثر نہین پڑتا"

شعر کی خوبی کے لئے اسی قدر کافی ہو کہ جو مضمون ادا کیا گیا، کس خوبی اور لطافت سے ادا کیا گیا،

لیکن یہ خیال تمامتر غلط ہو، اور چونکہ یہ ایک اہم بحث ہو، اس لئے اس کو ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے ہین، یہ مسلّم ہے کہ نطق صرف آواز اور صوت کا نام نہین ہے بلکہ دو چیزون کے مجموعہ کا نام ہے، آواز اور معنی اور جب تک ان دونون مین حسن نہ پایا جائے، نطق کا کمال نہین ہو سکتا، خوش چشم آدمی اگر ایک کان کا نڑا ہو تو حسین نہین کہا جا سکتا،

حسن کلام کی بھی یہی حالت ہو، اکثر ایسا ہوتا ہو کہ ایک عمدہ اور پر اثر مضمون نحو و صرف کی معمولی پابندیون مین مقید رہکر ادا نہین ہو سکتا، اس حالت مین الفاظ، مضمون کا حجاب بنجاتے ہین، اور اس وجہ سے مضمون، اس حجاب کو چاک کر کے دل مین اتر جاتا ہے اسکی یہ مثال ہو کہ کوئی بادشاہ ضرورت کے وقت آداب سلطنت چھوڑ کر خود سفیر بنکر جائے اور اپنا پیغام خود پہونچا آئے، اس بیان سے ثابت ہوا کہ حسن کلام، الفاظ کا پابند نہین اور یہ کہ بلیغ دراصل مضمون ہوتا ہو، نہ الفاظ، لغت مین بلیغ کے معنی "پہونچنے والے" کے ہین، اور جو چیز دل مین پہونچتی ہو، وہ دراصل معانی ہین نہ الفاظ،

حرکاتِ نفسانی کے مشابہ ہوتے ہین، اس لئے وہ حرکاتِ نفسانی پر اسی طرح دلالت کرتے ہین، جس طرح، الفاظ معانی پر دلالت کرتے ہین،

غرض جس طرح نطق، ایک فطری چیز ہی، اسی طرح یہ اشارات وحرکات بھی فطری ہین، جو بے اختیار سرزد ہوتے ہین، وہ محاکات کی غرض سے نہین کئے جاتے گو یہ ممکن ہی کہ محاکات کا مقصد، اس سے حاصل ہوجائے،

اس موقع پر پہونچکر ایک اور عام غلطی کا رفع کردینا بھی ضرور ہی، اکثر لوگ، شعر اور نثر بلیغ کو ایک سمجھتے ہین، چنانچہ قدما مین ارسطو اور متاخرین مین جان مل کا یہی مذہب ہی ارسطو کا خیال ہے، کہ محاکات کے مختلف طریقے ہین، اور خود کلام، جو محاکات کا ایک خاص طریقہ ہی اس مین محاکات کے تین ذریعہ پائے جاتے ہین، وزن، الفاظ، نغمہ یہ چیزین، تنہا اور کبھی مل کر، وارداتِ قلبی کی تصویر کھینچتی ہین، یہی محاکات شعر ہے، یہ محاکات کبھی صرف الفاظ کے ذریعہ سے ہوتی ہے، جس طرح سقراط کا مکالمہ اور کبھی الفاظ اور نظم دونون کے ذریعہ سے وزن شعر کے لئے کوئی ضروری چیز نہین، لیکن عام لوگون نے اس کو شاعری کا ضروری جز قرار دیدیا ہے،

ارسطو کا خیال اس حد تک صحیح ہے کہ وزن پر شعر کا مدار نہین، لیکن اس کے یہ معنی نہین کہ وزن شعر کے اجزا مین داخل نہین، وزن شعر کا جزء ہے، لیکن چونکہ کل کے لئے محض ایک جز کافی نہین ہوتا، اس لئے تنہا وزن سے شعر نہین بن سکتا، لیکن ارسطو کی یہ غلطی ہے کہ وہ سقراط کے مکالمہ اور ہومر کے کلام، دونون کو شعر قرار دیتا ہی،

جان مل کی رائے اس حد تک صحیح ہے کہ شاعری جذبات کے اظہار کا نام ہے، اور یہ کہ شاعر دوسرون کو نہین بلکہ صرف اپنے آپ کو مخاطب کرتا ہی، اس تشریح سے جان مل

نے شاعر کو خطیب سے الگ کر دیا، اور اس بنا پر وہ سقراط کے مکالمہ کو شاعری نہین کہتا، لیکن جان مل نے بھی یہ غلطی کی کہ وہ وزن کو شعر کا کوئی ضروری جز نہین قرار دیتا،

اب دوبارہ غور کرو کہ شعر کس چیز کا نام ہے، انسان پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو کسی نہ کسی ذریعہ سے ظاہر ہونا چاہتا ہے، اور چونکہ انسان کی تمام قوتون مین سے نطق سب سے زیادہ قوی اور اسی کی مخصوص قوت ہے، اس لئے یہ جذبہ نطق ہی کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے، جس طرح کہ حیوانات کے جذبات مختلف قسم کی آوازون سے ظاہر ہوتے ہین، مثلاً شیر کا ہمہمہ، طاؤس کی جھنکار، کویل کی کوک وغیرہ وغیرہ بعض وقت یہ جذبہ موزون حرکات کی صورت مین ظاہر ہوتا ہے، مثلاً طاؤس اور کبوتر کا رقص، یا راگ سننے کے وقت سانپ کا لہرانا، قدرت نے جن اشخاص کو نطق اور نطق کے ساتھ نغمہ کی بھی قوت دی ہے اس سے جذبات کی حالت مین شعر ادا ہوتے ہین، اور ساتھ ہی وہ غنغنانے بھی لگتا ہے اور جب جذبہ زیادہ قوی ہوتا ہے، تو رقص کے حرکات بھی سرزد ہونے لگتے ہین، اس بنا پر شعر، وزن، نغمہ اور رقص کے مجموعہ کا نام ہے، لیکن چونکہ یہ چیزین جذبات کے کمالِ شدت کے وقت پیدا ہوتی ہین، اس لئے ہر شعر مین ان چیزون کا پایا جانا ضروری نہین، تاہم کوئی شعر نغمہ اور راگ سے بالکل خالی نہین ہو سکتا، خود وزن جو شعر کا ایک ضروری جزو ہے راگ کی ایک قسم ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اہل عرب ہمیشہ شعر کو گا کر پڑھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ شعر پڑھنے کو اہل عرب انشاد کہتے ہین جسکے معنی گانے کے ہین، اب تم نے سمجھا ہوگا کہ شعر کو وزن سے، نغمہ سے، رقص سے کیا تعلق ہے در حقیقت یہ سب ایک ہی مخرج سے نکلے ہین، البتہ وزن کو شعر سے بہ نسبت نغمہ اور رقص کے زیادہ قوی تعلق ہے، اور اسیوجہ سے ہمیشہ لوگ وزن اور شعر کو ایک چیز سمجھتے آئے ہین،

اس بحث کے بعد مصنف نے بلاغت کے اصول اور قواعد اور جزئیات بیان کئے ہین، انکو ہم آیندہ پرچے کیلئے اٹھا رکھتے ہین،

شعرالعربؔ

رجحانِ طبع کی اور بات ہی، ورنہ یہ ظاہر ہے کہ اقتضاے حالات کے لحاظ سے مجھکو شعرالعجم
سے پہلے شعرالعرب لکھنا چاہئے تھا، بلکہ سچ یہ ہی کہ قومی ضروریات کی فہرست مین شعرالعجم کا
نام سیکڑون نمبرون کے بعد آنے کی چیز ہے لیکن کیا کیا جائے؟ شعرالعرب لکھتا تو سمجھنے والے
کہان سے آتے؟ مدرسون مین فن ادب کا مذاق نہین، اور کالج والے عربی خود نہین پڑھتے
بلکہ یہ لقمہ زبردستی ان کے منہ مین ڈالا جاتا ہی، جس کو امتحان کے بعد وہ اگل دیتے ہین،
یہ سب کچھ سہی لیکن یہ کانٹا مرتے دم تک دل سے نہین نکل سکتا، کہ عربی شاعری اس قدر
وسیع پر اثر اور قومی جذبات سے لبریز اور اس کے متعلق ہماری زبان مین ایک حرف بھی
نہین زیادہ افسوس یہ کہ شعرالعرب کے لئے کچھ بہت زیادہ کدوکاوش کی ضرورت
نہین کسی قدیم تصنیف کو سامنے رکھ لیا جائے اور انھین عنوانون کو کچھ پھیلا کر، کچھ نئے
مذاق کا رنگ چڑھا کر لکھ دیا جائے، تو اچھی خاصی تالیف ہو جائیگی اس قسم کی قدیم
تصنیفون مین سب سے بہتر اور سب سے جامع ابن رشیق قیروانی کی کتاب العمدہ ہی، اسکا
نسخہ ہندوستان مین موجود نہ تھا، مدت ہوئی مین نے بہ صرف کثیر مصر کے کتبخانہ سے لکھوا
کر منگوایا تھا، لیکن وہ ایک دوست کی نذر ہوا، اور شاید ایشیا سے یورپ مین پہونچ گیا،
اتفاق سے اب کی ڈاک مین جو مصری کتابین آئین ان مین کتاب العمدہ کا بھی
ایک نسخہ تھا، یار گم گشتہ کے ملنے سے جو خوشی ہوئی اس کا بیان نہین ہو سکتا، شعرالعرب

کی یاد پھر تازہ ہو گئی، کتاب تو جب لکھی جائیگی، لکھی جائیگی، لیکن سردست اس کتاب کا ریویو لکھتا ہون جس سے شعر العرب کی داغ بیل پڑ جائیگی اسی پر کبھی عمارت بھی بنجائیگی اور مین اس کام کو نہ کرسکونگا تو کوئی اور خدا کا بندہ پیدا ہو جائے گا ع

مردے از غیب برون آید و کارے بکند

ابن رشیق افریقیہ کا رہنے والا تھا، اس کا باپ ایک رومی غلام تھا، اور زرگری کا پیشہ کرتا تھا، باپ نے ابتدا مین خاندانی پیشہ سکھلایا، لیکن اس نے اسی کے ساتھ علوم ادبیہ کی بھی تحصیل کی، اور یہ مذاق غالب آیا کہ ۴۰۶ھ مین قیروان گیا جو افریقیہ کا دار العلم تھا، یہان اس نے ان علوم کی تکمیل کی لیکن جب وحشی عربون نے اس شہر کو برباد کر دیا تو وہ سسلی چلا آیا اور مازر مین قیام کیا، ۴۶۳ھ مین وفات پائی،

ادب مین اس کی بہت سی تصنیفات ہین، لیکن سب کی سرتاج کتاب العمدہ ہے جو ہمارے مضمون کا عنوان ہی، علامہ ابن خلدون نے اس کتاب کی نسبت لکھا ہی کہ اس فن مین کوئی کتاب اس درجہ کی نہین لکھی گئی، اس کتاب کا موضوع اگرچہ عرب کی شاعری اور اس کے اصول اور آئین ہین، لیکن چونکہ اس وقت تک زبان یا شاعری کی تاریخ اور اصول و آئین کا منضبط کرنا کوئی فن نہین قرار پایا تھا، اس لئے مصنف نے شاعری کے اصول پر کم اور صنائع و بدائع پر زیادہ لکھا ہی، تاہم جو کچھ لکھا ہی کسی قدر ترتیب بدل دینے سے مذاقِ حال کے سانچہ مین ڈھل سکتا ہی، اور ہم اس وقت ریویو مین یہی مقصد پیش نظر رکھتے ہین،

شاعری کی ابتدا عرب کا ملک ہزارون برس سے موجود ہی اس کا تمدن بھی کچھ نو عمر نہین تاہم تعجب ہی کہ شاعری کا پتہ اسلام سے سو ڈیڑھ سو برس آگے نہین چلتا، سبب

پہلا شاعر جس سے قصیدہ کی ابتدا ہوئی مہلہل بن ربیعہ ہی جو امرء القیس کا ماموں تھا، فرزدق کہتا ہی، ع دمھلھل الشعراء ذاک الاول،

امرء القیس آنحضرت صلعم سے تقریباً ۸۰ برس پہلے تھا، اس لئے مہلہل کا زمانہ بھی اس کے قریب قریب سمجھ لینا چاہئے، یہ بات عرب کی تاریخ کا طغرائے زرین ہی کہ وہان شاعری کی ابتدا شریفانہ اور مردانہ جذبات سے ہوئی، ایران کی طرح مداحی اور خوشامد گوئی مین اس کی زبان نہین کھلی، عرب ہمیشہ سے جنگجو، بہادر، مہمان نواز، سیر چشم، غیور، اور بلند ہمت تھے، انھین باتون کو نظم مین ادا کرتے تھے، اور یہی ان کی شاعری تھی، کوئی قبیلہ کسی شاعر کی خانہ جنگیون مین کسی قسم کی مدد کرتا تھا تو شکریہ کے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے مثلاً امرء القیس نے بنو تیم کی مدح مین کہا،

اقرّ حشا امرء القیس بن حجر بنو تیم مصابیح الظلام

سب سے پہلا شخص جس نے بادشاہ کی مدح لکھی وہ زہیر بن ابی سلمی تھا جس نے ہرم بن سنان کی مداحی کی تاہم اس نے یہ آن قایم رکھی کہ ہرم نے جب یہ حکم دیا کہ زہیر جس وقت دربار مین آئے، اور مجھ کو سلام کرے تو اس کو انعام دیا جائے، اس حکم کے بعد زہیر جب کبھی دربار مین جاتا تھا تو کہہ دیتا تھا کہ بادشاہ کے سوا اور سب کو سلام کرتا ہون،

زہیر کے بعد نابغہ ذبیانی نے سلاطین کی مداحی کی، اور اس وجہ سے تمام عرب اس کو ذلیل سمجھنے لگا اور اس کی قدر و منزلت جاتی رہی کتاب العمدہ مین ہی،

فسقطت منزلتہ وتکسب مالا جسیماً تو اس کی عزت جاتی رہی، اور اس نے مداحی سے بڑی دولت پیدا کی،

اہل عرب مداحی کو جس قدر ذلیل سمجھتے تھے اسکا اندازہ واقعات ذیل سے ہوگا،

کی یاد پھر تازہ ہوگئی، کتاب تو جب لکھی جائیگی، لکھی جائیگی، لیکن سردست اس کتاب کا ریویو لکھتا ہون جس سے شعر العرب کی داغ بیل پڑجائیگی اسی پر کبھی عمارت بھی بنجائیگی اور مین اس کام کو نہ کرسکون گا تو کوئی اور خدا کا بندہ پیدا ہوجائے گا ع

مردے از غیب برون آید و کارے بکند

ابن رشیق افریقیہ کا رہنے والا تھا، اس کا باپ ایک رومی غلام تھا، اور زرگری کا پیشہ کرتا تھا، باپ نے ابتدا مین خاندانی پیشہ سکھلایا، لیکن اس نے اسی کے ساتھ علوم ادبیہ کی بھی تحصیل کی، اور یہ مذاق غالب آیا کہ ۴۰۶ھ مین قیروان گیا جو افریقیہ کا دار العلم تھا، یہان اس نے ان علوم کی تکمیل کی، لیکن جب وحشی عربون نے اس شہر کو برباد کردیا تو وہ سسلی چلا آیا اور مازر مین قیام کیا، ۴۶۳ھ مین وفات پائی،

ادب مین اس کی بہت سی تصنیفات ہین، لیکن سب کی سرتاج کتاب العمدہ ہے جو ہمارے مضمون کا عنوان ہی، علامہ ابن خلدون نے اس کتاب کی نسبت لکھا ہی کہ اس فن مین کوئی کتاب اس درجہ کی نہین لکھی گئی، اس کتاب کا موضوع اگرچہ عرب کی شاعری اور اس کے اصول اور آئین ہین، لیکن چونکہ اس وقت تک زبان یا شاعری کی تاریخ اور اصول و آئین کا منضبط کرنا کوئی فن نہین قرار پایا تھا، اس لئے مصنف نے شاعری کے اصول پر کم اور صنائع و بدائع پر زیادہ لکھا ہی، تاہم جو کچھ لکھا ہی کسی قدر ترتیب بدل دینے سے مذاقِ حال کے سانچہ مین ڈھل سکتا ہی، اور ہم اس وقت ریویو مین یہی مقصد پیش نظر رکھتے ہین،

شاعری کی ابتدا | عرب کا ملک ہزارون برس سے موجود ہی اس کا تمدن بھی کچھ نوعمر نہین تاہم تعجب ہی کہ شاعری کا پتہ اسلام سے سو ڈیڑھ سو برس آگے نہین چلتا، سبب

ہون اور بغداد جاتا ہون۔

یزید ثقفی، حجاج کا ہموطن شاعر تھا، حجاج نے اس کو فارس کا گورنر مقرر کیا جب وہ رخصت ہونے کے لئے آیا تو حجاج نے کہا کچھ شعر سناتے جاؤ، حجاج سمجھا تھا کہ اس کی مدح پڑھیگا، یزید نے برجستہ کہا:۔

وابی الذی سلب ابن کسری رایۃ　　بیضاء تخفق کالعقاب الطائر

میرا باپ وہ ہے جس نے نوشیروان کے بیٹے سے علم چھین لیا تھا جو عقاب کی طرح لہراتا جاتا تھا،

حجاج نے عرض بیگی سے کہا کہ جب یزید باہر نکلے تو سندِ حکومت چھین لینا اور کہنا کہ تیرے باپ نے یہ چیز تجھکو وراثت مین دی تھی،

یزید نے کہا حجاج سے کہدینا کہ:۔

وورثت جدّی مجدہ وفعالہ　　وورثت جدّک اعنزا بالطائف

مین نے اپنے باپ کا شرف اور کارنامے وراثت مین پائے، اور تیرے باپ نے وراثت مین بکریان چھوڑین

فرزدق بنی امیہ کے دربار کا شاعر تھا تاہم جب سلیمان بن عبد الملک نے اس سے شعر پڑھنے کی فرمائش کی تو بجائے اس کے کہ وہ سلیمان کی مدح مین کچھ پڑھتا اپنے خاندان کی مدح مین فخریہ اشعار پڑھے، سلیمان سخت برہم ہوا، اتفاق سے دربار کا ایک اور شاعر جسکا نام نصیب تھا موجود تھا اس نے برجستہ یہ اشعار پڑھے:۔

اقول لرکب قافلین رأیتہم　　قفا ذات اوشال ومولاک قارب

قفوا اخبرونی عن سلیمان اننی　　لمعروفہ من اھل ودّان طالب

فعاجوا فاثنوا بالذی انت اھلہ　　ولو سکتوا اثنت علیک الحقائب

سلیمان نے نصیب کو پانسو اشرفیان دلوائین اور کہا کہ فرزدق سے کہ دے کہ

کہ اپنے باپ کی آگ کے پاس جائے، فرزدق غصہ مین آکر یہ شعر پڑھتا ہوا دربار سے اٹھا،

وخیر الشعر اکرمہ رجالا　　وشر الشعر ما قال العبید

اچھے شعر شرفا کہتے ہین،　　اور سب سے برا شعر وہ ہے جو غلامون نے کہا،

غیر قومون کے میل جول اور شخصی حکومت کی بد اثری سے عرب مین مداحی کا رواج ہوا، تاہم شروع شروع مین اتنی آن قائم رہی کہ خلفا، اور سلاطین اور امرا کے سوا اور کسی کی مدح نہین کرتے تھے اور نہ صلہ لیتے تھے، مروان ابن ابی حفصہ کہتا ہے:-

ولقد حبیت بالف الف لم تکن　　الا بکف خلیفۃ و وزیر

مین نے لاکھون روپیے حاصل کئے　　لیکن صرف خلیفہ یا وزیر سے،

ما زلت انف ان اؤلف مدحۃ　　الا لصاحب منبر او سریر

مین ہمیشہ اس بات کو عار سمجھتا رہا　　کہ بجز صاحب تخت ومنبر کے اور کسی کی مدح کرون،

ذوق سخن مین یہ بحث زیادہ پھیل گئی اصل مضمون یہ تھا کہ عرب مین شاعری کی ابتدا کیونکر ہوئی اور کب ہوئی،

ابن رشیق نے شاعری کی ابتدا اور رفتہ رفتہ مختلف قبیلون مین پھیلنے کا ایک سلسلہ بیان کیا ہے جو مختصراً حسب ذیل ہے:-

قبیلہ ربیعہ، اس قبیلہ کے مشہور شعرا یہ ہین مہلہل بن ربیعہ، مرقش اصغر و اکبر، طرفہ بن عبد، حارث بن حلزہ، متلمس، اعشی ان مین سے دو شاعر سبعہ معلقہ والے ہین،

بنو قیس، اس قبیلہ مین نابغہ ذبیانی، نابغہ جعدی، زہیر بن ابی سلمیٰ کعب بن زہیر، لبید بن ربیعہ، حطیئہ، شماخ، مشہور شعرا

گذرے ہین ان مین بھی دو سبعہ معلقہ والے ہین،

تمیم — اس قبیلہ مین مدت تک شاعری قایم رہی اوس بن حجر اسی قبیلہ کا شاعر تھا،

ابتدا مین صرف قصیدے کہتے تھے ارجز دو تین شعر سے زیادہ نہین ہوتے تھے جو معرکہ جنگ یا مفاخرت وغیرہ کے موقع پر بے اختیار شاعر کی زبان سے نکل جاتے تھے، سب سے پہلے عجاج نے رجز کو وسعت دی، اور تمام وہ خیالات ادا کئے جو قصائد مین ادا کئے جاتے تھے، روبہ بن عجاج نے اسکو اور بھی ترقی دی یہ دونون بنی امیہ کے زمانے مین تھے، افسوس یہ کہ رجز انھین دونون پر ختم ہو گیا ورنہ اگر اس صنف کو ترقی ہوتی تو عرب مین بھی مثنوی کا رواج ہو جاتا جو شاعری کی سب سے بڑی شاخ ہے اور جس کی بدولت عجم نے اس میدان مین عرب سے علانیہ بازی جیتی، تاہم یہ صنف بالکل معدوم نہین ہوئی، ابن المعتز وغیرہ نے چھوٹی چھوٹی مثنویان لکھین، اور الفیہ بن مالک وغیرہ بھی گویا اسی کے پرتوے ہین، گو وہ شعر نہین بلکہ نظم ہین،

زمانے کے اعتبار سے شعرائے عرب کے چار دور ہین،

جاہلی، یعنی اسلام سے قبل کے شعراء،

مخضرمی، یعنی جنھون نے دونون زمانے پائے، مثلاً لبید، حسان، نابغہ،

اسلامی، یعنی آنحضرت صلعم کے زمانے سے لیکر بنو امیہ تک،

محدث، یعنی دولت عباسیہ کے شعرا، اور ان کے مابعد،

ایران مین شاعر کے لئے مختلف علوم و فنون مین کامل ہونا ضرور تھا، چنانچہ تمام مشاہیر شعرا، نامور علما اور فضلا تھے، لیکن عرب مین اس کے برخلاف وہی شعرا فن شعر

کے امام اور پیشوا خیال کئے جاتے ہین، جو جاہل مطلق تھے اور ایک حرف لکھ پڑھ نہین سکتے تھے، یہان تک کہ کسی اسلامی شاعر کی بے انتہا تعریف کرنا چاہتے ہین، تو کہتے ہین کہ اگر اس نے زمانۂ جاہلیت کا ایک دن بھی پایا ہوتا، تو سب سے بڑا شاعر ہوتا، اس کی وجہ یہی ہو کہ شاعری دراصل خالص فطری جذبات کے اظہار کا نام ہے، اور تمدن کے زمانے مین کوئی فطری حالت باقی نہین رہتی، بلکہ تصنع اور آورد کا اثر آجاتا ہو، اس کے علاوہ تمدن کے زمانے مین جذبات کا جوش و خروش نہین رہتا جو شاعری کی جان ہو، غور کرو ایک بہت بڑا متمدن شاعر فخریہ مین کہتا ہو اور یہ فخریہ شاعری کا بہترین نمونہ خیال کیا جاتا ہو،

اذا مضر الحمراء کانت ارومتی	وقام بمجدی حازم وابن حازم
جب کہ قبیلہ مضر میرا مورث اعلیٰ ہو	اور میری شرافت کے بانی حازم اور ابن حازم ہین،
عطست بانفی شامخا وتناولت	یدای الثریا قاعدا غیر قائم
تو غرور سے ناک چڑھاتا ہون اور	میرے ہاتھ بیٹھے بیٹھے ثریا کو چھو لیتے ہین،

لیکن ایک جاہلی شاعر یون فخر کرتا ہو،۔

الا لا یجهلن احد علینا	فنجهل فوق جهل الجاهلینا
ہان دیکھو! کوئی ہم سے جہالت نہ کرے	ورنہ ہم جاہلون سے بڑھکر جاہل ہین،
اذا بلغ الفطام لنا صبی	تخر له الجبابر ساجدینا
جب ہمارا کوئی بچہ دودھ چھوڑتا ہے	تو بڑے بڑے جبار اسکے سامنے سجدہ مین گر پڑتے ہین

شاعری کا رتبہ اور شاعر کا اثر

ایران بلکہ تمام ایشیا مین شاعری تفریح طبع کی چیز تھی، اس لئے انوری نے ایک قطعہ مین ثابت کیا ہو کہ انسانی جماعت مین شاعر کی اتنی بھی ضرورت نہین، جس قدر کفشگر اور خاکروب کی ہو، لیکن عرب مین شاعر ایک جنرل،

ایک فاتح ایک سردار اعظم کا رتبہ رکھتا تھا، ایک شاعر صرف اپنے کلام کے اثر سے قبیلہ کے قبیلہ کو برباد اور گمنام کر دیتا تھا، عرب مین ایک نہایت معزز قبیلہ نبو نمیر تھا کسی مجمع مین اس قبیلہ کا کوئی آدمی بیٹھا ہوتا تھا اور کوئی اسکا نام ونسب پوچھتا تھا تو نمیر کا نام لیتے وقت اس کی آواز مین غرور کا لہجہ پیدا ہوجاتا تھا، جریر اس قبیلہ سے ناراض ہوا، رات کو ان کی ہجو لکھنے بیٹھا تو اپنے بیٹے سے کہا کہ ذرا چراغ مین تیل زیادہ ڈالدینا، آج دیر تک جاگونگا، یہ کہکر ہجو لکھنی شروع کی جب یہ شعر کہا :-

فغض الطرف انک من نمیر   فلا کعبا بلغت ولا کلابا

تو زور سے اچھلا اور پکار اٹھا واللہ اخزیتہ لا یفلح ابدا (یعنی خدا کی قسم مین نے اس قبیلہ کو برباد کر دیا، اب یہ قیامت تک ابھر نہین سکتے، اسی وقت یہ شعر تمام عرب مین پھیل گیا اور یہ حالت ہوگئی کہ اس قبیلہ کا کوئی آدمی کہین جا نکلتا تھا، اور کوئی اسکا نام ونشان پوچھتا تھا تو قبیلہ کا نام بدل کر بتاتا تھا یہانتک کہ رفتہ رفتہ اس قبیلہ کا نام ہی مٹ گیا،

اسی طرح وہ قبیلے جنکو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا، صرف ایک شاعر کی بدولت نامور ہوگئے، اور بڑے بڑے معزز قدیم قبیلون نے ان کو اپنا ہمسر مان لیا، یہی وجہ ہے کہ جب کسی گھرانے مین کوئی شاعر پیدا ہوتا تھا، تو تمام قبیلون کی طرف سے مبارکباد کے پیام آتے تھے، دعوتین ہوتی تھین، عورتین جمع ہوکر مبارکباد کے گیت گاتی تھین، قربانیان کیجاتی تھین، بخلاف اس کے ایران مین کوئی شخص شاعری مین در آتا تھا تو قوم سمجھتی تھی کہ گداگرون کی فہرست مین ایک نام کا اور اضافہ ہوا،

ایشیا مین شاعری نے کبھی کوئی ملکی یا قومی انقلاب نہین پیدا کیا، بلکہ یہ کہنا چاہیے

کہ شخصی حالتوں پر بھی اس کا کوئی نمایاں اثر نہیں ہوا، تم کہوگے کہ خواجہ حافظ کی شاعری نے تمام ایران کو رند بنادیا، لیکن یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ خواجہ حافظ پر موجودہ سوسائٹی کا اثر تھا، یا خواجہ صاحب نے سوسائٹی کو متاثر کیا یعنی خواجہ صاحب نے اس وقت کی موجودہ معاشرت کی تصویر کھینچی، یا انھوں نے وہ حالت اپنے کلام سے پیدا کردی،

لیکن عرب مین شاعری ایک قوت تھی اور شاعر کا ایک شعر بھی کسی نمایان نتیجہ سے خالی نہین جا سکتا تھا، عمرو بن کلثوم کے ایک قصیدہ نے قبیلہ تغلب کو دو سو برس تک غیرت اور شجاعت کے نشہ مین چور رکھا، اس قبیلہ کے ایک ایک بچہ کو پورا قصیدہ یاد ہوتا تھا اور وہ مجامع عام مین پڑھتا تھا، امیر معاویہ لیلۃ الہریر کے دن حضرت علیؓ کے مقابلہ مین بھاگ نکلنے کے لئے بالکل تیار ہو چکے تھے محض ان اشعار نے ان کو روک دیا:۔

وقولی کلما جشأت وجاشت　　مکانک تحمدی او تستریحی

لادفع عن مأثر صالحات　　واحمی بعد عن عرض صحیح

رسول اللہ صلعم کے مقابلہ کے لئے کفار جو بار بار مدینہ پر چڑھائیاں کرتے تھے انمین متعدد لڑائیاں شعرا ہی نے برپا کرائی تھین،

اسی بنا پر شعرا سلاطین اور رؤسا تک سے نہین دبتے تھے، عرب کے مشہور بادشاہ عمرو بن ہند نے جب سلطنت کے نشہ مین آکر کہا کہ اب بھی کوئی عرب مین رہگیا ہی جسکو میرے سامنے گردن جھکانے سے انکار ہو، تو درباریون نے کہا کہ ہان عمرو بن کلثوم شاعر، بادشاہ نے اس کو اور اس کی ماں کو بلا بھیجا، ماں شاہی محل مین گئی، تو بادشاہ کی ماں نے اس سے کسی چیز کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ ذرا اٹھا دینا، اس نے کہا اپنا کام خود کرنا چاہیئے، بادشاہ کی ماں نے دوبارہ کہا، اس پر غصہ مین آکر اس نے نعرہ مارا کہ

واذلاہ یعنی ہائے ذلت، عمرو کلثوم نے باہر سے سنا، سمجھا کہ میری ماں کی توہین کی گئی، اسی وقت تلوار میان سے کھینچ کر جھپٹا اور بادشاہ کا سر اڑا دیا، پھر بہت سخت رن پڑے دونون طرف کے ہزارون آدمی کٹ گئے، عمرو کلثوم نے یہ تمام واقعہ قصیدہ مین لکھا اور سالانہ دنگل کے موقع پر عکاظ مین پڑھا،

الالا یجھلن احد علینا	فنجھل فوق جھل الجاھلینا
ہان! ہم سے کوئی جہالت نہ کرے	ورنہ ہم جاہلون سے بڑھکر جاہل ہین
فانا نورد الرایات بیضا	ونصدرھن حمرا قد روینا
ہم اپنی برچھیان میدانِ جنگ مین	سفید لیجاتے مین اور سرخ واپس لاتے مین

(۲)

مدح، مدح اگرچہ عرب کی اصلی شاعری مین داخل نہین، لیکن اسلام کے بعد تمدن کی وسعت اور شخصی حکومتون کے قایم ہونے کی وجہ سے شاعری کے چار ارکان مین سے مدح بھی ایک رکن قرار پاگئی، اب چار ارکان یہ ہین، مدح، ذم، عشقیہ، فخریہ، اس بنا پر اہل ادب نے مدحیہ شاعری کے اصول اور ضابطے مقرر کئے، جنکو ابن رشیق نے نہایت تفصیل اور توضیح سے کتاب العمدہ مین لکھا ہی،

ایران مین مدحیہ بلکہ ہر قسم کی انواعِ سخن کے لئے مبالغہ اور غلو سب مقدم شرط تھی، ممدوح کے وصف مین جسقدر زیادہ ناممکن باتین جمع کیجائین، اسی قدر شاعری کا کمال خیال کیا جائیگا، مثلاً:-

نہ کرسیِ فلک نہد اندیشہ زیر پائے	تا بوسہ بر رکابِ قزل ارسلان دہد

لیکن عرب نے اس کے لئے جو اصول قرار دیئے حسب ذیل ہین:-

(۱) الفاظ گزیدہ اور شستہ ہون، سوقیانہ الفاظ اور محاورے نہ آنے پائین،

(۲) زیادہ اشعار نہ ہون چنانچہ بحتری سلاطین کی جب مدح لکھتا تھا تو بہت کم شعر لکھتا تھا، جریر مشہور شاعر کہا کرتا تھا، اذا مدحتم فلا تطیلوا،

ایک دفعہ فرزدق، عبدالرحمن بن ام الحکیم کے پاس گیا، اور اسکی مدح پڑھنی چاہی عبدالرحمن نے کہا مجھکو ایسی مدح سے معاف رکھو کہ اخیر اشعار تک پہونچتے پہونچتے پہلے مضامین بھول جائین، صرف دو شعر پر اکتفا کرو تو مین تمکو اس قدر انعام دونگا کہ کسی نے تم کو نہ دیا ہوگا، فرزدق نے صرف دو شعر مین مدح ادا کی اور عبدالرحمن نے دس ہزار درہم عطا کئے،

(۳) مدح مین تفاوتِ مراتب کا لحاظ رکھا جائے یعنی بادشاہ وزیر دبیر افسر فوج حاکم عدالت ہر ایک کی مدح مین اس کے خاص اوصاف کا خیال رکھا جائے، مثلاً دبیر کی مدح مین اگر دلیری اور شجاعت کا وصف بیان کیا جائے، یا قاضی کو صاحب ہیبت و جلال کہا جائے تو ناموزون ہوگا،

لیکن ایرانی شاعری مین ایک قلی کی مدح مین بھی تمام شاہانہ اوصاف ثابت کر دیئے جاتے ہین، علامہ ابن رشیق نے اس بحث مین لکھا ہی کہ جب ممدوح بادشاہ ہو تو شاعر کو خیال رکھنا چاہئے، کہ ایسے اوصاف نہ بیان کرے جو عام رئیسون مین بھی پائے جاتے ہین، مثلاً اخطل کے اس شعر

وقد جعل اللہ الخلافۃ منھم ۔۔۔ لابیض لا عاری الخوان ولا جدب

یعنی خلافت خدا نے ایسے شخص کو دی ۔۔۔ جس کا دستر خوان تنگ نہین،

پر لوگون نے اعتراض کیا ہی کہ یہ وصف تو بادشاہ کے ایک ادنی نوکر مین بھی پایا جا سکتا

ہے، اسی طرح احوص کے اس شعر پر

وادٰاک تفعل ما تقول و بعضھم　　مذاق الحدیث یقول ما لا یفعل

آپ جو کہتے ہین کرتے ہین اور اور لوگ　　صرف باتین بناتے ہین کچھ کرتے نہین،

لوگون نے یہ نکتہ چینی کی کہ یہ ایک معمولی بات ہے، بادشاہون کی تعریف مین اغراق اور مبالغہ ہونا چاہیے، یعنی وہ اوصاف لکھنے چاہئین جو عام انسانون کے رتبہ سے بالاتر ہون

علامہ ابن رشیق پانچوین صدی ہجری مین تھے، جب کہ عرب کا مذاق عجم کے اختلاط سے بالکل بدل گیا تھا، ورنہ وہ جانتے کہ عرب کی شاعری کی یہی خوبی تھی کہ کسی موقع پر اصلیت اور واقعہ سے تجاوز نہین ہو سکتا تھا، شعرائے عرب سلاطین کی مدح مین بھی وہی باتین لکھتے تھے، جو واقعی ہوتی تھین، یاد ہوگا کہ جب عرب کے ایک بادشاہ نے ایک شاعر سے کہا کہ میری مدح کرو تو اس نے کہا پہلے تم کچھ کرکے دکھاؤ تو مین کہون

(۴) ممدوح جب بادشاہ ہو تو اس کے اوصافِ ذیل کا ذکر کرنا چاہیے، یعنی عقل عفت، عدل، شجاعت، چنانچہ شعرائے متقدمین انھین اوصاف کا بیان کرتے تھے لیکن متاخرین نے وسعت دیکر ان اوصاف کی شاخون اور شاخ در شاخ اوصاف کو لیا اور اس مین وسعت پیدا کی، مثلاً وہ ممدوح کی نکتہ رسی، شرم و لحاظ، قوت تقریر، سیاست حلم وغیرہ کا بھی بیان کرتے ہین، اور ان سب اوصاف کو عقل کے نتائج قرار دیتے ہین

(۵) زیادہ تر اصلی اور ذاتی اوصاف بیان کرنے چاہئین، جو اوصاف عارضی ہین، مثلاً حسن دولتمندی جاہ و مال وغیرہ ان چیزون کے ذکر کی ضرورت نہین، کیونکہ یہ سب چیزین چلتی چھاؤن ہین، آج ہین کل نہین، بخلاف ذاتی اوصاف کے جو مرتے دم تک انسان کے ساتھ ہین،

یہ قدامہ کی رائے ہے لیکن علامہ ابن رشیق کا خیال ہے کہ عارضی اوصاف کو سرے سے ترک نہین کرنا چاہیئے، البتہ ذاتی اوصاف کو مقدم رکھنا چاہیے،

اہل ادب مین یہ مسئلہ بحث طلب ہے کہ مدح مین سب سے بڑھکر کونسا شعر ہے، ہم اس موقع پر علامہ ابن رشیق کی کتاب سے مختلف اقوال نقل کرتے ہین، جس سے عرب کے مذاق کا اندازہ ہوگا،

ایک دفعہ خلیفہ معتصم باللہ کے دربار مین شعرا کا مجمع ہوا معتصم باللہ نے کہا کہ تم مین کوئی شخص ایسے شعر کہہ سکتا ہے یہ کہکر منصور نمیری کے یہ اشعار پڑھے جو اس نے ہارون الرشید کی مدح مین لکھے تھے،

ان المکارم والمعروف اودیۃ	احلک اللہ منہا حیث تجتمع
شریفانہ خصائل نہرین ہین،	اور یہ نہرین جہان جاکر ملگئی ہین وہ تیری جگہ ہے
اذا رفعت امرأ فاللہ رافعہ	ومن وضعت من الاقوام متضع
تو جس شخص کو اونچا کرے خدا بھی اسکو اونچا کردیتا ہے	اور تو جس کو گرادے وہ گرجاتا ہے،
ان اخلف الغیث لم تخلف انا ملہ	او ضاق امر ذکرناہ فیتسع
بادل رک جائین تو اسکا دست کرم نہین رکتا	جب کوئی مشکل آپڑتی ہے تو ہم ممدوح کا نام لیتے ہین اور وہ حل ہوجاتی ہے

محمد بن وہیب نے بڑھ کر کہا کہ ہم اس سے بڑھکر کہہ سکتے ہین، پھر یہ شعر پڑھے:-

ثلاثۃ تشرق الدنیا ببھجتھم	شمس الضحی و ابواسحق والقمر
تین چیزین ہین جنکی رونق سے دنیا روشن رہتی ہے	آفتاب، چاند اور معتصم باللہ
تحکی افاعلہ فی کل نائبۃ	الغیث واللیث والصمصامۃ الذکر
بادل، شیر، اور تلوار	اسکے کارنامون کی نقل اتارتے ہین

حطیہ ایک مشہور شاعر تھا، جب مرنے لگا تو کہا کہ انصار کو یہ پیغام پہونچا دینا کہ تمھارا بھائی سب سے بڑا مدح گو ہی جسکا یہ شعر ہی،

یغشون حتی ما تھر کلابھم ۔۔۔ لا یسألون عن السواد المقبل

عرب مین عموماً لوگ کتے پالتے تھے، یہ کتے اجنبی آدمی کو دیکھکر بھونکتے تھے، شاعر کہتا ہے کہ ممدوح کے پاس اس کثرت سے مہمان اور آیندورروند آتے جاتے رہتے ہین کہ اس کے کتے کسی کو دیکھکر بھونکتے نہین، کیونکہ تمام لوگون سے مانوس ہو گئے ہین، یہ ایک سچی مدح تھی لیکن ثعلب نے جب یہ حطیہ کا یہ قول سنا تو کہا کہ یہ غلط ہی سب سے عمدہ شعر مدح کا یہ ہی:-

فتی لو یباری الشمس القت قناعہا ۔۔۔ او القمر الساری لالقی المقالدا

وہ اگر آفتاب و ماہتاب کا مقابلہ کرے تو آفتاب اپنے ۔۔۔ اوپر نقاب ڈال لے اور چاند سپر ڈال دے

ثعلب اس زمانہ کا آدمی ہی جب عرب کا صحیح مذاق خراب ہو چکا تھا، اس لئے اس نے تکلف اور مبالغہ کو واقعیت پر ترجیح دی،

عرب مین مدحیہ شاعری کے جو عمدہ نمونے خیال کئے جاتے ہین، ان مین سے بعض ہم نقل کرتے ہین، ان سے اندازہ ہو گا کہ عرب کی شاعری کس قدر صحیح اور سچے خیالات کا آئینہ ہی،

اخی ثقة لا تھلک الخمر مالہ ۔۔۔ ولکنہ قد یھلک المال نائلہ

قابل اعتماد ہی شراب اسکی دولت کو ضایع نہین کر سکتی ۔۔۔ البتہ فیاضی اس کی دولت کو برباد کر دیتی ہی

تراہ اذا ما جئتہ متھللاً ۔۔۔ کانک تعطیہ الذی انت سائلہ

اس کے پاس کچھ مانگنے جاؤ تو اسکا چہرہ ۔۔۔ ایسا شگفتہ ہو جائیگا کہ گویا تم ہی اسکو دے رہے ہو

فمن مثل حصن فی الحروب ومثله | لانکار ضیم او لخصم یجادله

لڑائی کے وقت یا دشمن کے مقابلہ مین یا عزت | کی پاسداری مین ممدوح کا ہمسر کہان مل سکتا ہی

وفیهم مقامات حسان وجوهها | واندیة ینتابها القول والفعل

ان لوگون کے کارنامے روشن ہین | ان کی مجلسون مین قول اور فعل ساتھ ساتھ آتے ہین

وان جئتهم الفیت حول بیوتهم | مجالس قد یشفی باحلامها الجهل

ان سے ملنے جاؤ تو وہان | ایسے لوگ نظر آئینگے جنکی دانشمندی جہالت کی دوا ہی،

علی مکثریهم حق من یعتریهم | وعند المقلین السماحة والبذل

انمین جو دولتمند ہین وہ مفلسونکی حاجت روا کر دیتے ہین | اور جو نادار ہین وہ سائلون سے خندہ پیشانی سے پیش آتے ہین

سعی بعدهم قوم لکی یدرکوهم | فلم یفعلوا ولم یلاموا ولم یألوا

اور دون نے بھی چاہا کہ انکا رتبہ حاصل کرین | لیکن نہ کر سکے اور اس پر انکو الزام نہین دیا جا سکتا

فما کان من خیر اتوه فانما | توارثه اباء ابائهم قبل

یہ جو کچھ کرتے ہین ان کے باپ دادا آ | ان کو وراثت مین پہونچا ہے ،

یہ اشعار زہیر کے ہین جو اسلام سے پہلے زمانے کا شاعر ہی، اور جو بالکل لکھا پڑھا نہ تھا، اس لئے اس کے خیالات نہایت سادہ اور بے تکلف ہین لیکن جب اسلام کے بعد آورد اور تکلف آگیا، اسوقت بھی اصلیت اور واقعیت کا عنصر موجود تھا، متنبی، ابو تمام بحتری نے اکثر جگہ بالکل عجمیون کی طرح مبالغہ غلو اور دور از کار خیالات سے کام لیا ہی لیکن ان کے کلام کا بھی بہترین حصہ وہی خیال کیا جاتا ہی جسمین واقعیت کی جھلک موجود ہوتی ہی، متنبی جب شام مصر اور بغداد ہر جگہ پھر کر عضد الدولہ کے دربار مین گیا ہی تو اسکو مخاطب کر کے کہتا ہی :-

وقد رأیت الملوک قاطبۃ	وسرت حتی رأیت مولاھا
مین نے سب بادشاہون کو دیکھا	اور اب آگر بادشاہون کے آقا کو دیکھا
اباشجاع بفارس عضد الدولۃ	فنا خسرو شہنشاھا
جس کا نام ابوشجاع عضدالدولہ	فنا خسرو شہنشاہ ہے،
اسامیا لم تزدہ معرفۃ	وانما لذۃ ذکرناھا

یہ سب نام اور لقب مین نے اسلیئے نہین گنائے کہ لوگ ایک لقب سے نہ پہچانین تو دوسرے سے پہچان لین، بلکہ اسلئے کہ بار بار اسکے لینے مین مجھکو مزہ آتا ہی،

برخلاف اس کے ایران کی شاعری مین ایک شعر بھی مدحیہ ایسا نہین مل سکتا جو عمدہ خیال کیا جاتا ہو، اور اسکو واقعیت سے بھی کچھ علاقہ ہو،

فخریہ، عرب کی شاعری کا ایک رکن اعظم فخریہ شاعری ہی ایرانی شعرا نے بھی فخریہ شعر لکھے ہین، لیکن وہ صرف شاعری یا علم و فضل کا فخر ہوتا ہی، یعنی میری شاعری اس درجہ کی ہی یا علم و فضل مین میرا کوئی ہمسر نہین مثلاً فیضی کہتا ہی،

امروز نہ شاعرم حکیمم	دانندۂ حادث و قدیمم
آنم کہ بہ سحر کاری زرف	از شعلہ تراش کردہ ام حرف
بانگ قلم درین شب تار	بس معنیٔ خفتہ کرد بیدار
اسراف معانیم نظر کن	زین گنج بہ مفلسان خبر کن
آنان کہ بمن نظر فگندند	در معرکہ ام سپر فگندند
گر عشق چنین بسوزدم پاک	مہتاب برون بریزم از خاک
بگداختہ آبگینۂ دل	آئینہ دہم بدست محفل

عرفی نے یہ جدت پیدا کی کہ علم وفضل کے ساتھ اپنے حسن وجمال کی بھی تعریف کرتا ہی، اور چونکہ وہ واقعی خوبصورت بھی تھا، اس لئے یہ نازبیجا نہ تھا، لیکن فخر کا پہلو نہایت برا اختیار کیا ہی، چنانچہ کہتا ہی:-

سر بر زدہ ام بامہ کنعان ز یکی جیب — معشوق تماشا طلب و آئینہ گیرم
میگویم و اندیشہ ندارم ز ظریفان — من زہرہ را مشگر د من بدر منیرم

مہ کنعان کے مقابلہ اور معشوقیت کا مضائقہ نہیں، لیکن زہرہ رقاص بننا کون سی آدمیت ہی،

لیکن عرب کی فخریہ شاعری بالکل مختلف حیثیت رکھتی ہی، عرب مین سیکڑون مختلف قبیلے تھے، ان مین جنگ وجدل رہتی تھی، اور ہر ایک کو اپنی مدد کے لئے اور قبیلون سے کام لینا پڑتا تھا، اس غرض کے لئے شاعری سب سے بڑا کارگر آلہ تھا، اشعار مین وہ اپنے رتبہ اور شان کو اس حیثیت سے دکھاتے تھے کہ دوسرون پر اثر ہوتا تھا اور لوگ خواہ مخواہ ان کے حلقہ بگوش یا یار وفادار بنجاتے تھے، اسطرح فخریہ شاعری کی بنیاد پڑی، رفتہ رفتہ اسکو وسعت ہوتی گئی، اور فخریہ شاعری کے بہت سے موقع نکل آئے، جنکی تفصیل یہ ہے،

(۱) قبایل کے مقابلہ مین فخر کا اظہار،

(۲) معرکۂ جنگ مین فخر کا اظہار،

(۳) شعرا مین باہم مفاخرت، لیکن یہ عجیب بات ہی کہ ان مین کہین شاعری کا فخر نہین ہوتا تھا بلکہ ایک شاعر، شاعر کے مقابلہ مین بھی جب فخر اور ترجیح کا دعوی کرتا تھا، تو علو نسب، جود وکرم یا رزم آرائی کے معرکون کی بنا پر کرتا تھا،

جاہلیت اور ابتدائے اسلام کے فخریہ مین نسب کا فخر سب سے ضروری عنصر تھا لیکن متاخرین مین یہ عنصر کم ہوتا گیا، متنبی کہتا ہی:۔

ما بقومی شرفت بل شرفوا بی   وبنفسی فخرت لا بجدودی

میرا شرف خاندان کی وجہ سے نہین ہی، بلکہ خاندان کو مجھ سے شرف ہی، مجھکو اپنے باپ دادا پر ناز نہین بلکہ اپنے آپ پر ناز ہی

یہ وہی خیال ہی جسکو مرزا غالب نے ثبوت کے ساتھ ادا کیا ہی،

گوہر نہ بہ کان، کان بہ گوہر ہی شناست   بر فرخی ذات دلیسلم اب وعم را

متنبی نے اگرچہ فخر کا صحیح مفہوم سمجھا، لیکن طرز ادا سے شبہہ پیدا ہوتا ہی، کہ نسب کا ہیٹا ہوگا، اس لئے دوسرے شعرا نے اس پہلو کا بھی لحاظ رکھا، عامر بن طفیل کہتا ہی:۔

فانی وان کنت ابن سید عامر   وفارسها المشہور فی کل موکب

مین اگرچہ قبیلۂ عامر کے سردار کا بیٹا ہون   جو ہر معرکہ مین نامور رہا تھا،

فما سودتنی عامر عن وراثۃ   ابی اللّٰہ ان اسمو بام ولا اب

تاہم مجھکو عامر کی وراثت نے سردار نہین بنایا   خدا یہ نہین چاہتا کہ میری عزت، مان باپ کی ممنون ہو

اب ہم فخریہ شاعری کے چند عمدہ نمونے نقل کرتے ہین، جو حقیقی جوش کی تصویرین ہین،

ما ینکر الناس طرا حین نملکھم   کانوا عبیدا وکنا نحن اربابا

لوگون کو اس سے انکار نہین   کہ وہ غلام اور ہم آقا ہین،

تری الناس ان سرنا یسیرون خلفنا   وان نحن اومانا الی الناس وقفوا

لوگ ہمارے پیچھے پیچھے چلتے ہین، اور جب ہم رکنے کا اشارہ کر دیتے ہین تو سب ٹھہر جاتے ہین،

اذا ما غضبنا غضبۃ مضریۃ[1]   ھتکنا حجاب الشمس او امطرت دما

جب ہمکو مضری غصہ آتا ہی تو ہم آفتاب کو چاک کر دیتے ہین، کہ اس سے خون ٹپکنے لگتا ہے،

[1] یعنی اس قسم کا غصہ جو قبیلہ مضر کا خاصہ ہے

اذا ما اعز ناسید امن قبیلۃ　　ذری منبر صلی علینا و سلما

جب کسی قبیلہ کا سردار منبر پر چڑھتا ہے　　تو ہم پر درود اور سلام پڑھتا ہے،

ومن یفتقر منا یعش بحسامہ　　ومن یفتقر من سائر الناس سائل.

ہمارے خاندان کا آدمی مفلس ہو جاتا ہے تو تلوار سے معاش پیدا کرتا ہے اور دوسرے خاندان کے آدمی بھیک مانگنے لگتے ہیں

وانا لنلهو بالحروب کما لهت　　فتاۃ بعقد او سخاب قرنفل

ہم لڑائیوں کو اس طرح کھیل سمجھتے ہیں　　جس طرح چھوکری، ہار سے کھیلتی ہے

(از الندوہ جلد ۶ نمبر ۱۱ ماہ دسمبر ۱۹۰۹ء)

عربی[1] اور فارسی شاعری کا موازنہ

اوپر کے بیانات سے اس قدر تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ فارسی شاعری عرب کی دست پرورد ہے، لیکن یہ سوال پیدا ہوگا کہ استاد و شاگرد مین کیا فرق ہی، شاگرد نے استاد پر کیا اضافہ کیا، اور کن باتون مین اب بھی وہ استاد کا ہمسر نہین ہو سکتا؟

حقیقت یہ ہے کہ فارس کی شاعری اگرچہ بالکل عرب کا سایہ ہی لیکن دونون ملکون کے تمدن، معاشرت اور مقامی حالات مین اس قدر اختلاف ہی کہ ہر طرح کے تعلقات کے ساتھ بھی، دونون شاعریون مین زمین آسمان کا فرق پیدا ہو گیا ہی، عرب کا تمدن یہ تھا کہ بڑے بڑے جھتے پہاڑون اور میدانون مین رہتے تھے، کسی بادشاہ یا فرمان روا کے محکوم نہین تھے، آزادی اور خودسری کے خیالات ساتھ لیکر پیدا ہوتے تھے اور ساتھ لیکر جاتے تھے، طبیعت جنگجو اور شوریدہ سر تھی، اس لئے آپس مین لڑتے بھڑتے رہتے تھے اور ذرا ذرا سی بات پر قبیلے کے قبیلے لڑ کر فنا ہو جاتے تھے، فصاحت و بلاغت کا ملکہ فطرتی تھا، اس لئے جو حالت پیش آتی اور جو خیالات پیدا ہوتے ان کو اسی اصلیت اور جوش و خروش کے ساتھ ادا کر دیتے تھے،

رزمیہ شاعری، ان باتون کا اثر یہ تھا کہ ان کے اشعار مین شجاعت، جانبازی، مخاطرۂ نفس

---

[1] عربی شاعری سے مراد اسلام کے ماقبل کی شاعری ہی یا زیادہ سے زیادہ بنو امیہ کے عہد تک اسکے بعد کی شاعری عربی نہین بلکہ عجمی ہی، صرف زبان کا فرق ہی جسطرح حکومت کہ برائے نام عباسیہ کی تھی اصلی حکمران فارس اور ترک تھے،

اندھا دھند یہ دلیری کے جو خیالات پائے جاتے ہین، فارس بلکہ دنیا کی کسی قوم کو نصیب نہین ہو سکتی، اس قسم کے اشعار کو حماسیات کہتے ہین ان حماسیات کو پڑھو تو یہ عالم نظر آتا ہی کہ جنگل مین شیر گونج رہا ہی، فردوسی نے بھی شاہنامہ مین بڑے بڑے زور کے معرکے لکھے ہین، لیکن وہ اورون کے افسانے ہین، فردوسی داستان گو بنکر ان کو بیان کرتا ہی، لیکن عرب کا شاعر جو کہتا ہے، اپنی سرگذشت کہتا ہی، اور اس لئے اسکا جو اثر ہوتا ہی، شاہنامہ کا نہین ہو سکتا، عرب مین جو مشہور شاعر گذرے ہین، وہی مشہور بہادر اور جنگ آور تھے، مثلاً امرء القیس، عمرو بن کلثوم عمرو معدیکرب، اس لئے وہ زبان سے وہی کہتے تھے جو ہاتھ سے کرتے تھے،

اس کے مقابلہ مین عجم کے شعرا کی یہ حالت تھی کہ انوری ایک دفعہ ڈاکو ؤن مین گھر گیا ایک حکیم صاحب اور ایک درزی بھی ساتھ تھا سب جان بچا کر بھاگ نکلے، انوری بطور علوم متعارفہ کے کہتا ہی، ع

حکیم و شاعر و درزی چگونہ جنگ کنند

آزادانہ خیالات، | اسباب مذکورۂ بالا نے عرب کی شاعری کو آزادانہ خیالات سے لبریز کر دیا تھا، فارسی شاعری ہمکو یہ سکھاتی ہی،

اگر شہ روز را گوید شب ست این   بباید گفت اینک ماہ و پروین

بخلاف اس کے عرب کا شاعر اتفاق سے فلاکت مین پڑ جاتا ہی، ایک فرمان روا رئیس جو نسب مین اس سے کم رتبہ ہی، اس کو حاجتمند دیکھکر چاہتا ہی کہ اس سے قرابت پیدا کرے شاعر کو خبر ہوتی ہی، وہ یہ اشعار جواب مین بھیجتا ہی،

یعنی ابن کوز والسفاھۃ کاسمھا   لیستادمنا ان شتونا لیالیا

ابن کوز رئیس کا نام ہی، نے جسکا نام بھی ویسا ہی کمینہ ہی جیسا وہ خود کمینہ ہی یہ خواہش ظاہر

کی کہ ہمارے ہان قرابت کرکے شریف بنجائے اور یہ اس بنا پر کہ ہم نے چند روز فاقہ سے گذارے،

وانا علی عض الزمان الذی تری ‌ ‌ ‌ ‌ لعالج من کرہ المخازی الدواهیا

ہان زمانہ نے ہم کو ستایا تاہم ہم ‌ ‌ ‌ ‌ ذلت کے مقابلہ مین مصائب کو برداشت کرتے ہین

فلا تطلبنہا یا ابن کوز فانہ ‌ ‌ ‌ ‌ غذا الناس مذ قام النبی الجواریا

ابن کوز اس خیال سے درگذر، جب سے رسول اللہؐ پیدا ہوئے لڑکیان ہی لڑکیان ہین اور کہین شادی کرلو،

متنبی کے زمانے مین عرب کی تمام خصوصیات مٹ چکی تھین، تاہم جب سیف الدولہ نے متنبی کی نازبرداریون مین کمی کی اور شعرا کو اسکا ہم رتبہ قرار دیا، تو اس نے ایک قصیدہ لکھکر دربار مین پڑھا جسکا ایک شعر یہ ہی،

وما انتفاع اخی الدنیا بناظرہ ‌ ‌ ‌ ‌ اذا استوت عندہ الانوار والظلم

یعنی جب انسان کو روشنی اور تاریکی یکسان معلوم ہو تو آنکھ سے کیا حاصل،

تمام قصیدہ مین اسی قسم کے آزادانہ خیالات ظاہر کئے اور بگڑ کر دربار سے چلا آیا،

مفاخرت، اسی بنا پر عرب کی شاعری کا ایک بڑا میدان مفاخرت ہے، جسمین شاعر اپنے کارنامون کو بڑے جوش و خروش سے فخریہ بیان کرتا ہی، اور وہ اسکو زیب دیتا ہے، عرب کا ایک مشہور بادشاہ عمرو بن ہند گزرا ہی، اس کا اثر واقتدار جب زیادہ بڑھا تو اس نے ایک دن درباریون سے کہا کہ کیا اب عرب مین کوئی ایسا شخص بھی ہی جسکی مان کو میری مان کے سامنے گردن جھکانے سے عار ہو، انھون نے کہا، ہان، عمرو بن کلثوم (قبیلہ تغلب کا مشہور شاعر تھا) بادشاہ نے اسکو دعوت دیکر بلایا اور لکھا کہ مستورات

بھی ساتھ آئین، عمرو بن کلثوم دربار مین آیا، اور عورتین شاہی حرم مین گئین، اِدھر اُدھر کی باتین ہو رہی تھین کہ بادشاہ کی والدہ نے عمرو بن کلثوم کی ماں سے کسی چیز کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ بی ذرا اس کو اٹھا دینا، اس نے کہا آدمی کو اپنا کام آپ کرنا چاہیے، بادشاہ کی ماں نے دوبارہ کہا، وہ چیخ کر پکاری وا تغلباہ واذلاہ یعنی ہائے تغلب کی ذلت، عمرو بن کلثوم نے باہر سے آواز سنی اور سمجھا کہ ماں کے ساتھ کوئی نامناسب برتاؤ ہوا، اسی وقت تلوار سے بادشاہ کا سر اڑا دیا اور خود بچ کر نکل آیا، پھر دونون قبیلون مین بڑے زور کا رن پڑا اور ہزارون سر کٹ گئے، عمرو بن کلثوم نے اس پر ایک قصیدہ لکھا اور جب عکاظ کا مشہور میلا قائم ہوا تو مجمع عام مین جوش و خروش کے ساتھ پڑھا ایک مدت تک یہ حالت رہی کہ قبیلۂ تغلب کا بچہ بچہ اس قصیدہ کو زبانی یاد رکھتا تھا، بالآخر یہ قصیدہ آب زر سے لکھکر در کعبہ پر آویزان کیا گیا، اسی بنا پر اسکو معلقہ کہتے ہین اور آج وہ سبعہ معلقہ مین داخل ہی، اس قصیدہ کا ایک ایک شعر، جوش و غیرت، حمیت و آزادی دلیری و فخر کے صاعقہ کی گرج ہی، بادشاہ کو مخاطب کر کے کہتا ہی،

ابا هند فلا تعجل علینا	وانظرنا نخبرك الیقینا
اے ابوہند! جلدی نہ کر	ہم تجھکو سچے واقعات بتاتے ہین
بانا نورد الرایات بیضا	ونصدرهن حمرا قد روینا
ہم معرکۂ جنگ مین سفید جھنڈے لیکر جاتے ہین	لیکن انکو سرخ کر کے لاتے ہین،
الا لا یجهلن احد علینا	فنجهل فوق جهل الجاهلینا
ہان ہم سے کوئی جہالت نہ کرے	ورنہ ہم جاہلون سے بڑھکر جاہل ہین
تهددنا وتوعدنا رویدا	متی کنا لامك مقتوینا

تو ہمکو دھمکاتا اور ڈراتا ہے، لیکن ہم کیا تیرے ماں کے غلام ہین

فان قناتنا یا عمرو اعیت علی الاعداء قبلک ان تلینا

اے عمر! تجھ سے پہلے بھی، ہمارے نیزون کو لوگون نے لچانا چاہا لیکن تھک کر رہگئے

وانا المانعون لما اردنا وانا النازلون بحیث شینا

ہم جسکو چاہتے ہین روک دیتے ہین اور خود جہان چاہین پڑاؤ ڈال دیتے ہین

اذا بلغ الفطام لنا صبی تخر لہ الجبابر ساجدینا

ہماری قوم کا بچہ جب دودھ چھوڑتا ہے، تو بڑے بڑے جبار اسکے آگے سجدہ مین گر پڑتے ہین

غور کرو، شعراے فارس اس کے مقابلہ مین کس چیز پر فخر کرسکتے ہین، نظامی اور عرفی نے بڑے زور کے فخریہ لکھے ہین، لیکن فخر کی ساری کائنات یہ ہے کہ ہم اقلیم سخن کے بادشاہ ہین، الفاظ اور حروف ہمارے باجگذار ہین، مضامین ہمارے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے ہین، اس سے آگے بڑھے تو یہ کہ ہم پری پیکر ہین، چنانچہ عرفی فرماتے ہین،

سر بر زدہ ام بامہ کنعان زیکے جیب معشوق تماشا طلب و آئینہ گیرم

میگویم و اندیشہ ندارم ز ظرافان من زہرہ رامشگر و من بدر منیرم

مناظر قدرت | مناظر قدرت مثلاً پہاڑ، صحرا، جنگل، سبزہ زار، آب رواں، ان چیزون کی تصویر بھی جس طرح عرب کا شاعر کھینچ سکتا ہی، ایران کے شاعر سے نہین کھنچ سکتی، اول تو اس قسم کی شاعری ایران مین کم ہی، اور ہے تو وہ اصلیت اور مرقع نگاری نہین جو عرب کا خاصہ ہی البتہ باغ و بہار کے مضامین نہایت بہتات کے ساتھ ہین، اور عرب اس باب مین ایران کا مقابلہ نہین کرسکتا، اور یہ بھی عرب کی واقعیت پسندی کی دلیل ہی، وہ جو کچھ دیکھتا ہی، وہی کہتا ہی، اور یہ ظاہر ہے کہ عرب کو باغ و بہار کہان نصیب تھے، یہ ہمارے

ہندوستان کا جوہر ہے کہ نرگس یاسمن، سنبل، بنفشہ، کبھی خواب مین بھی نہین دیکھا، لیکن بہاریہ قصائد ایران مین بیٹھکر لکھتے ہین، یہان کی کوئی چیز گویا دیکھی ہی نہین،

جذبات انسانی | یہ شاعری بھی عرب کے ساتھ مخصوص ہی، جذبات انسانی مین سب سے بڑھکر رنج وغم کا جذبہ ہی جو مرثیہ کی بنیاد ہی لیکن ایران کے مرثیے بھی دراصل قصائد ہین، فرق یہ ہے کہ قصائد مین زندہ ممدوح کی مدح ہوتی ہی، اور مرثیون مین مردہ کے اوصاف بیان ہوتے ہین، بخلاف اس کے عرب اپنی اولاد، عزیز دوست، احباب بلکہ اونٹ اور گھوڑے کا مرثیہ لکھتا ہی، اور اس جوش وخروش کے ساتھ لکھتا ہی کہ دل پانی ہوجاتے ہین، مرثیہ پر ختم نہین ایران کے تمام جذبات کا یہی حال ہی، فارسی مین چار شعر ایسے نہین ملتے جنمین کسی شاعر نے خاص اپنے غیظ وغضب کے جذبہ کا اظہار کیا ہو، بخلاف اس کے چونکہ عرب کے تمام جذبات نہایت سخت اور مشتعل ہوتے ہین، اس لئے اسکو غصہ آتا ہی، تو منہ سے شرر جھڑنے لگتے ہین، ایران مین غزل کو بہت ترقی ہوئی جو ایک خاص جذبۂ عشق کا اثر ہی، لیکن یہان بھی جسقدر آورد ہی آمد نہین،

تمدن ومعاشرت کی خصوصیات، | عرب کی شاعری اس بات مین بھی ایران سے ممتاز ہی کہ عرب کا شاعر معاشرت اور خانگی زندگی کی خصوصیات اسقدر بیان کرتا ہی کہ اس سے اس زمانہ کی رفتار گفتار، نشست وبرخاست، وضع قطع، رہنے سہنے کے طریقے زندگی کی ضرورتین، اسباب خانہ داری، ایک ایک چیز کا حال معلوم ہوسکتا ہی، بخلاف اسکے فارسی شاعری مین یہ بھی نہین معلوم ہوسکتا کہ لوگ زمین پر رہتے تھے، یا آسمان پر بسر کرتے تھے

معشوق، | عرب کا معشوق بھی ایران سے جدا ہی یعنی ایران مین بجائے عورت کے مرد کو معشوق قرار دیتے ہین، اور اس نے ایرانی شاعری پر سخت برا اثر ڈالا ہی، تفصیل اسکی آگے آئیگی،

تو ہمکو دھمکاتا اور ڈراتا ہے ،	لیکن ہم کیا تیرے ماں کے غلام ہیں
فان قناتنا یا عمرو اعیت	علی الاعداء قبلک ان تلینا
اے عمر! تجھ سے پہلے بھی ،	ہمارے نیزوں کو لوگوں نے لچانا چاہا لیکن تھک کر رہ گئے
وانا المانعون لما اردنا	وانا النازلون بحیث شینا
ہم جسکو چاہتے ہیں روک دیتے ہیں	اور خود جہاں چاہیں پڑاؤ ڈال دیتے ہیں
اذا بلغ الفطام لنا صبی	تخر لہ الجبابر ساجدینا
ہماری قوم کا بچہ جب دودھ چھوڑتا ہے ،	تو بڑے بڑے جبار اسکے آگے سجدہ میں گر پڑتے ہیں

غور کرو، شعرائے فارس اس کے مقابلہ میں کس چیز پر فخر کرسکتے ہیں، نظامی اور عرفی نے بڑے زور کے فخریہ لکھے ہیں، لیکن فخر کی ساری کائنات یہ ہے کہ ہم اقلیم سخن کے بادشاہ ہیں، الفاظ اور حروف ہمارے باجگذار ہیں، مضامین ہمارے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں، اس سے آگے بڑھے تو یہ کہ ہم پری پیکر ہیں، چنانچہ عرفی فرماتے ہیں،

سر برزدہ ام بامہ کنعان زیک جیب	معشوق تماشا طلب و آئینہ گیرم
میگویم و اندیشہ ندارم ز ظرفان	من زہرہ رامشگر و من بدر منیرم

مناظر قدرت مناظر قدرت مثلاً بہار، صحرا، جنگل، سبزہ زار، آب رواں، ان چیزوں کی تصویر بھی جس طرح عرب کا شاعر کھینچ سکتا ہی، ایران کے شاعر سے نہیں کھنچ سکتی، اول تو اس قسم کی شاعری ایران میں کم ہی، اور ہے تو وہ اصلیت اور مرقع نگاری نہیں جو عرب کا خاصہ ہی البتہ باغ و بہار کے مضامین نہایت بہتات کے ساتھ ہیں، اور عرب اس باب میں ایران کا مقابلہ نہیں کرسکتا، اور یہ بھی عرب کی واقعیت پسندی کی دلیل ہی، وہ جو کچھ دیکھتا ہی، وہی کہتا ہی، اور یہ ظاہر ہے کہ عرب کو باغ و بہار کہاں نصیب تھے، یہ ہمارے

اس بنا پر گوناگون اور رنگ برنگ کے خیالات جو فارسی مین پائے جاتے ہین، عرب مین نہین مل سکتے،

جدتِ تشبیہات، ایران آب و ہوا، اور زمین کی شادابی کی وجہ سے بہشت کا چمن زار ہی اسلئے ایرانی شاعری کیلئے تشبیہات کا جو سرمایہ ہاتھ آسکتا تھا، عرب کو نصیب نہین ہوسکتا تھا، مثلاً عرب کا شاعر دہن کی تعریف مین بڑی قوتِ تخیل صرف کرتا ہی تو انگوٹھی کے حلقہ سے تشبیہ دیکر رہجاتا ہی، لیکن ایران کا خیال بند درج گوہر چشمہ نوش، پستہ، غنچہ، ذرہ جوہر فرد سب کچھ دیجاتا ہی، اور پھر اس کی تشبیہ کا خزانہ خالی نہین ہوتا،

امرء القیس عرب کا سب سے بڑا شاعر معشوق کی انگلی کو مسواک اور اسروع سے تشبیہ دیتا ہی جو جنگل کا ایک کیڑا ہوتا ہی لیکن فارسی کا شاعر اسکو دم قاقم سے تشبیہ دیتا ہی،

آن دلآویز دارد از نرمی ، سر انگشت چون دمِ قاقم

غرض تشبیہات کی لطافت اور استعارات کی نزاکت جو فارس مین پائی جاتی ہی عرب مین اسکا پتہ نہین لگ سکتا، بے شبہہ متاخرینِ عرب کے کلام مین بھی ہر قسم کے لطیف استعارات و تشبیہات پائے جاتے ہین، لیکن یہ شعرا یا تو خود عجمی ہین یا عجم مین نشو ونما پایا ہی اس لئے انکی شاعری درحقیقت فارسی شاعری ہی، صرف زبان کا فرق ہی،

(الندوہ، ج ۵ نمبر ۳، اپریل ۱۹۰۸ء)

تو ہمکو دھمکاتا اور ڈراتا ہے، لیکن ہم کیا تیرے مان کے غلام ہین

فان قناتنا یا عمرو اعیت علی الاعداء قبلک ان تلینا

اے عمر! تجھ سے پہلے بھی، ہمارے نیزون کو لوگون نے لچانا چاہا لیکن تھک کر رہ گئے

وانا المانعون لما اردنا وانا النازلون بحیث شینا

ہم جسکو چاہتے ہین روک دیتے ہین اور خود جہان چاہین پڑاو ڈال دیتے ہین

اذا بلغ الفطام لنا صبی تخر له الجبابر ساجدینا

ہماری قوم کا بچہ جب دودھ چھوڑتا ہے، تو بڑے بڑے جبار اسکے آگے سجدہ مین گر پڑتے ہین

غور کرو، شعرائے فارس اس کے مقابلہ مین کس چیز پر فخر کر سکتے ہین، نظامی اور عرفی نے بڑے زور کے فخریہ لکھے ہین، لیکن فخر کی ساری کائنات یہ ہے کہ ہم اقلیم سخن کے بادشاہ ہین، الفاظ اور حروف ہمارے باجگذار ہین، مضامین ہمارے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے ہین، اس سے آگے بڑھے تو یہ کہ ہم پری پیکر ہین، چنانچہ عرفی فرماتے ہین،

سر بر زدہ ام بامہ کنعان زیکے جیب معشوق تماشا طلب و آئینہ گیرم

میگویم و اندیشہ ندارم ز ظرفان من زہرہ رامشگر و من بدر منیرم

مناظر قدرت

مناظر قدرت مثلاً بہار، صحرا، جنگل، سبزہ زار، آب روان، ان چیزون کی تصویر بھی جس طرح عرب کا شاعر کھینچ سکتا ہی، ایران کے شاعر سے نہین کھینچ سکتی، اول تو اس قسم کی شاعری ایران مین کم ہی، اور ہے تو وہ اصلیت اور مرقع نگاری نہین جو عرب کا خاصہ ہی البتہ باغ و بہار کے مضامین نہایت بہتات کے ساتھ ہین، اور عرب اس باب مین ایران کا مقابلہ نہین کر سکتا، اور یہ بھی عرب کی واقعیت پسندی کی دلیل ہی، وہ جو کچھ دیکھتا ہی، وہی کہتا ہی، اور یہ ظاہر ہے کہ عرب کو باغ و بہار کہان نصیب تھے، یہ ہمارے

اول وہ رواج عام کے اقتضا سے شاعری کے میدان مین آئے آہی تخلص اختیار کیا اور اردو مین ایک چھوٹی سی مثنوی لکھی جسکا ایک مصرعہ انھین کی زبانی سنا ہوا مجھے یاد ہے، ع نام میرا تھا کام انکا تھا،

لیکن حقیقت یہ ہی کہ انکو شاعری سے مناسبت نہ تھی اس لئے وہ بہت جلد اس کوچے سے نکل آئے، اور نثر کی طرف توجہ کی، چونکہ حقایق اور واقعات کی طرف ابتدا سے میلان تھا، اس لئے دلی کی عمارتون اور یادگارون کی تحقیقات شروع کی اور نہایت محنت و کوشش سے اس کام کو انجام دیکر ۱۸۴۷ء مین ایک مبسوط کتاب لکھی جو آثار الصنادید کے نام سے مشہور ہے،

اس وقت اگرچہ سر سید کے سامنے اردو نثر کے بعض بعض عمدہ نمونے موجود تھے، خصوصًا میر امن صاحب کی چہار درویش جو ۱۸۰۲ء مین تالیف ہوئی تھی، اور جس کی سادگی، صفائی اور واقعہ طرازی آج بھی موجودہ تصنیفات کی ہمسری کا دعوی کر سکتی ہے، اس کے ساتھ مضمون جو اختیار کیا گیا تھا یعنی عمارات اور ابنیہ کی تاریخ وہ تکلف اور آورد سے ابا کرتا تھا تاہم آثار الصنادید مین اکثر جگہ بیدل اور ظہوری کا رنگ نظر آتا ہی،

اس کی وجہ یہ تھی کہ سر سید کی رات دن کی صحبت مولانا امام بخش صہبائی سے رہتی تھی اور مولانائے موصوف بیدل کے ایسے دلدادہ تھے کہ انکا کلمہ پڑھتے تھے، اور جو کچھ لکھتے تھے اسی طرز مین لکھتے تھے،

سر سید نے مجھ سے خود بیان کیا کہ آثار الصنادید کے بعض بعض مقامات بالکل مولانا امام بخش صہبائی کے لکھے ہوئے ہین جو انھون نے میری طرف سے اور میرے نام

سے لکھدیئے تھے،

بہرحال اس کتاب مین جہان جہان انشا پردازی کا زور دکھایا ہی اسکا نمونہ یہ ہے

"ان حضرت کی طبع رسا شکل رابع سے پہلے اس سے نتیجہ حاصل کرتی ہو کہ بدیہی الانتاج سے ارباب فہم و ذکا، اور ناخن فکر عقدۂ لاینحل کو پہلے اس سے وا کرتا ہو کہ گرہ حباب کو انگشت موج دریا معنی فہمی اس درجہ کہ راست و درست سمجھ لیا کہ زبان سوسن نے کیا کہا اور رمز شناسی اس مرتبہ کہ واقعی معلوم ہو گیا کہ نگاہ نرگس نے کیا اشارہ کیا، اگر ان کی رائے روشن معجز نما ہو تو نقطہ موہوم کو انگشت سے تقسیم کرے اور جزو لایتجزی کو دو نیم"

اگرچہ اس سے بہت پہلے یعنی ۱۸۳۶ء مین مولوی محمد حسین آزاد کے والد بزرگوار مولوی محمد باقر نے اردو اخبار کے نام سے اردو کا ایک پرچہ نکالا تھا، اور خود سر سید نے ایک پرچہ جاری کیا تھا جس کا نام سید الاخبار تھا اور دونون پرچون کی زبان، ضرورت کے اقتضا سے سادہ اور صاف ہوتی تھی تاہم، اس وقت تک یہ زبان علمی زبان نہین سمجھی جاتی تھی، اس لئے جب کوئی شخص علمی حیثیت سے کچھ لکھتا تھا تو اسی فارسی نما طرز مین لکھتا تھا، سر سید نے بھی اسی وجہ سے آثار الصنادید مین جہان انشا پردازی سے کام لیا اسی طرز کو برتا،

آثار الصنادید جس زمانہ مین نکلی اس کے تھوڑے ہی دنون کے بعد تقریباً ۱۸۵۰ء مین دلی کے مشہور شاعر مرزا غالب نے اردو کی طرف توجہ کی، یعنی مکاتبات وغیرہ اردو مین لکھنے شروع کئے اور چونکہ وہ جس طرف متوجہ ہوتے تھے، اپنا کوچہ الگ نکال کر رہتے تھے، اس لئے انھون نے تمام ہمعصرون کے برخلاف مکاتبہ کو مکالمہ کردیا، مکاتبات

مین وہ بالکل اس طرح ادائے مطلب کرتے تھے، جیسے دو آدمی آمنے سامنے بیٹھے باتین کر رہے ہین، اس کے ساتھ بہت سے خطوط مین انسانی جذبات، مثلاً رنج و غم، مسرت و خوشی، حسرت و بیکسی، کو نہایت خوبی سے ادا کیا ہی، اکثر جگہ واقعات کو اس بیساختگی سے ظاہر کیا ہی کہ واقعہ کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاتی ہی، اس لحاظ سے یہ کہنا بیجا نہین کہ اردو انشاپردازی کا آج جو انداز ہی، اور جس کے مجدد اور امام سرسید مرحوم تھے اس کا سنگِ بنیاد درصل مرزا غالب نے رکھا تھا،

سرسید کو مرزا سے جو تعلق تھا وہ ظاہر ہے، اس لئے کچھ شبہہ نہین ہو سکتا کہ سرسید ضرور مرزا کی طرز سے مستفید ہوئے،

اسی زمانہ مین ہندوستان کے ہر حصہ مین کثرت سے اردو اخبارات جاری ہو گئے اور اردو انشاپردازی کو روز بروز ترقی ہوتی گئی، اخبارات کو ہر قسم کے اخلاقی، تمدنی، ملکی، مذہبی، تاریخی مسائل سے کام پڑتا تھا، اس لئے ہر قسم کے مضامین لکھے گئے تاہم انشاپردازی کا کوئی خاص اسٹائل متعین نہین ہوا تھا، اس کے علاوہ جو کچھ تھا ابتدائی حالت مین تھا

۱۲۸۷ھ مین جسکو آج کم و بیش ۲۷ برس ہوئے، سرسید نے قوم کی حالت کی اصلاح کے لئے تہذیب الاخلاق کا پرچہ نکالا اور اردو انشاپردازی کو اس رتبہ پر پہونچا دیا جس کے آگے، اب ایک قدم بڑھنا بھی ممکن نہین، سرسید نے اردو مین جو باتین پیدا کین اسکو وہ مختصراً تہذیب الاخلاق مین خود ایک مقام پر لکھتے ہین، ان کی خاص عبارت یہ ہے :۔

"جہان تک ہم سے ہو سکا ہم نے اردو زبان کی علم ادب کی ترقی مین اپنے ان ناچیز پرچون کے ذریعہ سے کوشش کی، مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف

طریقہ اختیار کیا، رنگین عبارت سے جو تشبیہات اور استعارات خیالی سے بھری ہوئی ہے، اور جس کی شوکت صرف لفظوں ہی لفظوں مین رہتی ہی، اور دل پر اس کا کچھ اثر نہین ہوتا، پرہیز کیا، اُس مین کوشش کی کہ جو کچھ لطف ہو مضمون کے ادا مین ہو، جو اپنے دل مین ہو وہی دوسرے کے دل مین پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل مین بیٹھے"

اس آرٹکل مین سر سید نے انشاپردازی کے اور بہت سے اصول بتائے ہین جنکو اس موقع پر ہم اختصار کی وجہ سے قلم انداز کرتے ہین،

سر سید کی انشاپردازی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ہر قسم کے مختلف مضامین پر کچھ نہ کچھ بلکہ بہت کچھ لکھا ہی اور جس مضمون کو لکھا ہی اسدرجہ پر پہونچا دیا ہی کہ اس سے بڑھکر نا ممکن ہی، فارسی اور اردو مین بڑے بڑے شعرا اور نثار گذرے ہین، لیکن انمین ایک بھی ایسا نہ تھا جو تمام قسم کے مضامین کا حق ادا کر سکتا،

فردوسی بزم مین رہجاتا ہی، سعدی رزم کے مرد میدان نہین، نظامی رزم و بزم دونون کے استاد ہین، لیکن اخلاق کے کوچہ سے آشنا نہین، ظہوری صرف مدحیہ نثر لکھ سکتا ہی، برخلاف اس کے سر سید نے اخلاق، معاشرت، پالیٹکس، مناظر قدرت وغیرہ وغیرہ سب پر لکھا ہی، اور جو کچھ لکھا ہی لاجواب لکھا ہی، مثال کے طور پر بعض بعض مضامین کے جستہ جستہ فقرے نقل کرتے ہین، امید کی خوشی پر ایک مضمون لکھا ہی جسمین امید کو مخاطب کیا ہے، اس کے چند فقرے یہ ہین :-

"دیکھ نادان بے بس بچہ گہوارہ مین سوتا ہی، اسکی مصیبت زدہ مان اپنے دھندے مین لگی ہوئی ہی، اور اس گہوارہ کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہی، ہات کام

مین اور دل بچہ مین ہے اور زبان سے اسکو یون لوری دیتی ہے' سو رہ میرے بچے سو رہ،
اے اپنے باپ کی مورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سو رہ، اے میرے دل کی کونپل
سو رہ، بڑھ اور پھل پھول، تجھ پر کبھی خزان نہ آئے، تیری ٹہنی مین کبھی کوئی خار
نہ پھوٹے، کوئی کٹھن گھڑی تجھکو نہ آئے، سو رہ میرے بچے سو رہ، میری آنکھون
کے نور اور میرے دل کے سرور میرے بچے سو رہ، تیرا مکھڑا چاند سے بھی زیادہ
روشن ہوگا، تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ہوگی، تیری شہرت تیری لیاقت
تیری محبت جو تو ہم سے کریگا ہمارے دل کو تسلی دیگی، سو رہ میرے بچے سو رہ۔
سو رہ میرے بالے سو رہ"

" یہ امید کی خوشیان مان کو اس وقت تھین جبکہ بچہ غون غان بھی نہین کرسکتا
تھا، مگر جب وہ ذرا اور بڑا ہوا اور معصوم ہنسی سے مان کے دل کو شاد کرنے لگا
اور امان امان کہنا سیکھا، اسکی پیاری آواز ادھورے لفظون مین اسکی مان کے
کان مین پہونچنے لگی، آنسوؤن سے اپنی مان کی آتشِ محبت کے بھڑکانے کے قابل
ہوا، پھر مکتب سے اسکو سروکار پڑا، رات کو مان کے سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق
غرض وہ دل سے سنانے لگا، اور جبکہ وہ تارون کی چھاؤن مین اٹھکر منھ ہاتھ دھوکر
اپنے مان باپ کے ساتھ صبح کی نماز مین کھڑا ہونے لگا، اور اپنے بے گناہ دل بے گناہ
زبان سے، بے ریا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا، تو امید کی خوشیان اور کس قدر
زیادہ ہوگئین، اور ہماری پیاری امید! تو ہی ہے جو مہد سے لحد تک ہمارے
ساتھ رہے"

" وہ دلاور سپاہی لڑائی کے میدان مین کھڑا ہے، کوچ پر کوچ کرتے تھک گیا

ہے، لڑائی کے میدان مین جبکہ بہادرون کی صفین چپ چاپ کھڑی ہوتی ہین اور لڑائی کا میدان ایک سن سان کا عالم ہوتا ہی، دلون مین عجیب قسم کی خوف ملی ہوئی جرات ہوتی ہی، اور جبکہ لڑائی کا وقت آتا ہی، اور وہ آنکھ اٹھا کر نہایت بہادری سے بالکل بے خوف ہوکر لڑائی کے میدان کو دیکھتا ہی، اور جبکہ بجلی سی چمکنے والی تلوارین اور سنگینین اسکی نظر کے سامنے ہوتی ہین اور بادل کی سی کڑکنے والی اور آتشین پہاڑ کی سی آگ برسانے والی توپون کی آواز سنتا ہی، اور جبکہ اپنے ساتھی کو خون مین لتھڑا ہوا زمین پر پڑا ہوا دیکھتا ہی، تو اے بہادرون کی قوت بازو! اور اے بہادرون کی مان! تیرے ہی سبب سے فتحمندی کا خیال اسکے دل کو تقویت دیتا ہی، اسکا کان نقارہ مین سے تیرے ہی نغمہ کی آواز سنتا ہی"

تم دیکھ سکتے ہو کہ ان چند سطرون مین کس طرح نیچر کی تصویر کھینچی ہی اور اسمین کس قدر درد اور اثر پیدا کیا ہی،

پالٹیکس کا رستہ اس سے بالکل الگ ہی،

پنجاب مین جب یونیورسٹی قایم ہو رہی تھی، جسمین اورنٹیل تعلیم پر بہت زور دیا گیا تھا، سرسید کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس سے پالٹیکس کی بنا پر ہم کو اعلی تعلیم سے روکنا مقصود ہی، اس وقت سرسید نے پے درپے تین آرٹیکل لکھے، ان آرٹیکلون نے یونیورسٹی کے بانیون کو اس قدر گھبرادیا کہ خاص ان آرٹیکلون کے جواب مین سیکڑون مضامین لکھے گئے، اور انکا مجموعہ یکجا کرکے ایک مستقل کتاب طیار کی، افسوس ہے کہ اختصار کی وجہ سے ہم ان آرٹیکلون کا کوئی حصہ نقل نہین کرسکتے،

سرسید نے انشاپردازی کی ترقی کے جو طریقے ایجاد کئے، ان مین ایک یہ تھا کہ بہت سے

اعلیٰ درجہ کے انگریزی مضامین کو اردو زبان کا قالب پہنایا، لیکن ترجمہ کے ذریعہ سے نہین، کیونکہ یہ طریقہ اب تک بے سود ثابت ہوا ہی، بلکہ اس طرح کہ انگریزی کے خیالات اردو مین اردو کی خصوصیتیں کیساتھ ادا کئے، امید کی خوشی کا مضمون جس کے ہم نے بعض فقرات اوپر نقل کئے دراصل ایک انگریزی مضمون سے ماخوذ ہے، انگریزی مین اڈیسن اور اسٹیل بڑے مضمون نگار گذرے ہین، سر سید نے ان کے متعدد مضامین کو اپنی زبان مین ادا کیا،

سر سید کی انشا پردازی کا بڑا کمال اس موقع پر معلوم ہوتا ہی جب وہ کسی علمی مسئلہ پر بحث کرتے ہین، اردو زبان چونکہ کبھی علمی زبان کی حیثیت سے کام مین نہین لائی گئی اسمین علمی اصطلاحات، علمی الفاظ اور علمی تلمیحات بہت کم ہین، اس لئے اگر کسی علمی مسئلہ کو اردو مین لکھنا چاہو تو الفاظ مساعدت نہین کرتے، لیکن سر سید نے مشکل سے مشکل مسائل کو اس وضاحت، صفائی اور دلآویزی سے ادا کیا ہی کہ پڑھنے والا جانتا ہی کہ وہ کوئی دلچسپ قصہ پڑھ رہا ہی،

پروفیسر رینان نے جو فرانس کا ایک بڑا مشہور مصنف گذرا ہی، اپنے ایک مضمون مین لکھا ہی، کہ "عربی زبان مین یہ صلاحیت نہین کہ وہ فلسفی مسائل کو ادا کر سکے" رینان جن مسائل کے ادا کرنے کے لئے عربی زبان کو ناقابل سمجھتا ہی گویا اسکا خیال محض غلط ہی، سر سید نے اردو جیسی کم مایہ زبان مین وہ مسائل ادا کر دیئے ہین، سر سید نے فلسفہ الٰہیات پر جو کچھ اپنی مختلف تحریرون مین لکھا ہی، وہ فلسفہ کے اعلیٰ درجہ کے مسائل ہین،

زمانہ جانتا ہی کہ مجھکو سر سید کے مذہبی مسائل سے سخت اختلاف تھا، اور مین ان کے بہت سے عقائد و خیالات کو بالکل غلط سمجھتا تھا، تاہم اس سے مجھکو کبھی انکار نہ ہو سکا، کہ ان مسائل کو سر سید نے جس طرح اردو زبان مین ادا کیا ہی، کوئی اور شخص کبھی ادا نہین کر سکتا،

سرسید کی تحریروں میں جا بجا ظرافت اور شوخی بھی ہوتی ہے، لیکن نہایت تہذیب اور لطافت کے ساتھ، مولوی علی بخش خان صاحب مرحوم جو سرسید کے رد میں رسالے لکھا کرتے تھے، حرمین شریفین گئے اور وہاں سے سرسید کی تکفیر کا فتویٰ لائے، اس پر سرسید ایک موقع پر تہذیب الاخلاق میں لکھتے ہیں :-

"جو صاحب ہماری تکفیر کے فتوے لینے کو مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے، اور ہماری کفر کی بدولت ان کو حج اکبر نصیب ہوا، اُن کے لائے ہوئے فتوؤں کے دیکھنے کے ہم بھی مشتاق ہیں،

یہ ہیں کرامت بتخانۂ مرا اے شیخ — کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد

سبحان اللہ ہمارا کفر بھی کیا کفر ہے کہ کسی کو حاجی اور کسی کو حاجی اور کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان بناتا ہے،

باران کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس"

تہذیب الاخلاق جب بند ہوا ہے، تو سرسید نے خاتمہ پر جو مضمون لکھا ہے اس کے ابتدائی فقرے یہ ہیں :-

"سوتوں کو جھنجوڑتے ہیں کہ جاگ اٹھیں، اگر اٹھ کھڑے ہوئے تو مطلب پورا ہوگیا، اور اگر نیند میں اٹھانے سے کچھ بڑبڑائے، کچھ جھنجھلائے، اِدھر ہات جھٹک دیا، اُدھر سر جھٹک دیا، اور اینڈے پڑے سوتے رہے تو بھی توقع ہوئی کہ تھوڑی دیر بعد جاگ اٹھیں گے، شاید ہمارے بھائیون کی اس اخیر درجہ تک نوبت آگئی ہے اگر یہ خیال ٹھیک ہو تو ہمکو بھی زیادہ نہ چھیڑنا چاہئے، بچے اٹھاتے وقت کہا کرتے ہیں کہ ہم کو اٹھائے جاؤ گے، تو ہم اور پڑے رہیں گے، تم ٹھہر جاؤ ہم آپ ہی اٹھ کھڑے ہونگے۔

بچہ کڑوی دوا پیتے وقت بسورکر ماں سے کہتا ہی کہ بی! یہ مت کہے جاؤ کہ شاباش بیٹا پی لے، پی لے، تم چپ رہو مین آپ ہی پی لونگا، لو بھائیو! اب ہم بھی نہین کہتے کہ "اٹھو اٹھو پی لو پی لو"

حقیقت یہ ہے کہ سرسید نے اردو انشا پردازی پر جو اثر ڈالا ہی اس کی تفصیل کیلئے دو چار صفحے کافی نہین ہو سکتے، یہ کام درحقیقت مولانا حالی کا ہے، وہ لکھین گے، اور خوب لکھین گے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ لکھ چکے ہین، اور خوب لکھا ہو گا، مین کالج کی طرف سے مجبور کیا گیا تھا کہ اس وقت جبکہ تمام ملک مین سرسید کا آوازۂ ماتم گونج رہا ہی، اور ہر شخص انکے کارنامون کے سننے کا شائق ہی، کچھ نہ کچھ مختصر طور پر فوراً لکھنا چاہئے مین نے اسی کی تعمیل کی، ورنہ مین مولانا حالی کی مقبوضہ سرزمین مین مداخلت کا کوئی حق نہین رکھتا، اور اس شعر کا مصداق بننا نہین چاہتا،

اٹھا چکے ہین زمیندار جن زمینون کو	بھلا تردد بیجا سے اسمین کیا حاصل

(محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج میگزین علی گڈھ مئی ۱۸۹۸ء)

املا و صحت الفاظ

ایک معزز اور محترم بزرگ نے جو ہندوستان کے مشہور صاحب قلم، اور معاملات ملکی مین بڑے اہل الرائے ہین، ہم کو ایک نہایت طولانی خط لکھا ہی جسمین سخت افسوس کے ساتھ اس بات کی شکایت کی ہی، کہ نااہلون کی وجہ سے اردو زبان روز بروز بگڑتی جاتی ہی، اور اگر اس کا تدارک نہین کیا جاتا تو ہماری قومی زبان برباد ہوئی جاتی ہی، ان کے خاص الفاظ یہ ہین :-

"آج کل مین دیکھتا ہون کہ اردو کے اخبار اور رسالے جو انگریزی پڑھے ہوئے مضامین نگار لوگ نکال رہے ہین یا اخبارون وغیرہ مین مضامین لکھتے ہین، ان غریبون کے ہاتھ سے بیچاری اردو کی ایسی مٹی خراب ہونی شروع ہوئی ہی کہ توبہ،

مضامین کا عمدہ ہونا دوسری بات ہی، مگر زبان یعنی الفاظ اور املا کی غلطیان ایسی ہوتی ہین کہ میرا تو اکثر ان کے پڑھنے تک سے دل نفرت کرتا ہی یہ حالت خود انھین کے لئے قابل افسوس نہین ہے، بلکہ ایسی غلط عبارتون اور لفظون کے شیوع سے آیندہ بہت ہی برے نتائج پیدا ہون گے، لاہور کے ایک غیر انگریزی دان پرانے اخبار نویس نے جو بیچارہ سوائے عربی کے صرف معمولی سی فارسی پڑھا ہوا تھا، لفظ حباب کا مونث حبابہ بنایا، اب مین دیکھتا ہون کہ انکی بدولت یہ حبابت

ایسی بری طرح پھیلتی جاتی ہی کہ توبہ،

لفظ نذر اور نظر مین فرق نہین کیا جاتا بجاے نافیہ کے منفی میرے خیال مین غلط ہے، اسکا استعمال برابر ہو رہا ہی موافقت کے مقابلہ مین لفظ اتفاق لکھا جارہا ہی اور جو کوئی کسی امر مین راے مخالف رکھتا ہو اس کو اس طرح بر خواہ مخواہ منافق کہا جاتا ہی، آپ فلان امر کے لئے مجاز نہین ہین اسکی جگہ لکھتے ہین کہ آپ کو اس بات کا کیا مجاز ہی، محاذی کی جگہ محاذ اور ایک بڑی ضخیم کتاب کے نویسندہ صاحب نے بجاے لفظ منادی یعنی واعظ کے مناد بر وزن قناد و شداد اختراع کیا ہی، وغیرہ وغیرہ، آپ کی خدمت مین یہ شکایت اس لئے لکھتا ہون کہ آپ کے اہتمام سے (جو شاید براے نام ہی) رسالہ کالج میگزین شایع ہوتا ہی، اسمین ایسی ایسی فاش غلطیان ہوتی ہین کہ جنکو دیکھکر بہت رنج ہوتا ہی، اور غضب یہ ہی کہ جبکہ اسپر لکھا جاتا ہی کہ مولانا محمد شبلی صاحب کے اہتمام سے شایع ہوا تو غور فرمائیے کہ بیچارے انگریزی خوان اردو نویسون کے لئے تو گمراہ ہوجانے کے لئے ایک بڑی دلیل ہوگی، جب کوئی انکو سمجھانا چاہے گا، تو وہ یہی جواب دین گے، کہ فلان مقام پر ہم نے ایسا ہی لکھا دیکھا ہی، اور چونکہ وہ رسالہ جناب مولانا جیسے مستند شخص کے اہتمام سے شایع ہوتا ہی، تو یہ لفظ یا املا وغیرہ وغیرہ غلط کس طرح ہو سکتا ہی، اسی طرح ہمارے ایک عالی کرم فرما مصنف و مضمون نگار نے کہین ہمارے عرفی کا یہ شعر پڑھ لیا ہوگا ؎

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ آثار پدید است صنادید عجم را

یا جناب سید صاحب کی کتاب کا نام آثار الصنادید سن لیا ہوگا، اب بے تکلف آثار قدیمہ کی نسبت لفظ صنادید لکھنا شروع کردیا، اور ان کی دیکھا دیکھی اور

لوگ بھی غلطی مین پڑتے جاتے ہین، ایک رسالہ آج کل بہار سے بنام اصلاح جاری
ہوا ہے، اسکے ٹائٹل پیج پر جو ایک عربی کا حصہ ہے وہ قابل ملاحظہ ہی،

اگر آپ اخبار علی گڈھ کا ایک حصہ واسطے اصلاح ایسے اغلاط کے مخصوص
فرماکر الفاظ و املاہاے غلط و محاورات غیر صحیح کی تصحیح فرمایا کرین تو دنیا پر خصوصًا
ہماری زبان اردو پر بڑا احسان ہو ورنہ چند ہی سال مین ایک ایسی "گڈمڈ امی"
اردو پیدا ہوگی کہ باید و شاید، فانظر الی ہٰذا ابل کیف خلقت، یہ ضرور نہین
کہ کاتب مضمون کا نام لیکر اخبار مین نکتہ چینی کیجائے، بلکہ صرف اشارہ کے طور
پر لکھا جا سکتا ہی، اور جبکہ ایک آدھ کالم اسی کام کے لیے وقف کیا جائیگا تو لوگ
خواہ مخواہ ناراض بھی نہ ہون گے، کیونکہ اس عام طریق سے کسی کی تضحیک اور
توہین مقصود نہ ہوگی، بلکہ محض اصلاح زبان، زیادہ کہان تک سامعہ خراشی کرون"

سب سے پہلے مین اپنے محترم بزرگ کی خدمت مین یہ گذارش کرتا ہون کہ مین سال
بھر سے کالج میگزین کا اڈیٹر نہین ہون، اس لئے اس کی غلطیون کا (اگر واقع مین ہین)
مین ذمہ دار نہین،

اصل بحث کی نسبت اس امر سے انکار نہین ہو سکتا کہ اردو زبان مین بہت سے ایسے
الفاظ داخل ہو گئے اور ہوتے جاتے ہین، جو لغت اور ترکیب کے لحاظ سے غلط ہین لیکن سوال
یہ ہے کہ آیا یہ عام قاعدہ قرار پا سکتا ہی یا نہین، کہ جو لفظ، اصل لغت کے لحاظ سے غلط ہی، اسکا
استعمال بھی عمومًا غلط ہی، فارسی زبان مین جب عربی کا اختلاط ہوا تو عربی کے سیکڑون
الفاظ اور جملے شامل ہو گئے، فارسی کے شعرا، اور نثار عمومًا علوم عربیہ مین نہایت مہارت
رکھتے تھے لیکن عربی الفاظ جو انھون نے برتے اس قدر غلط برتے کہ آج کم پایہ اردو دان اس سے زیادہ

غلطی نہین کرسکتے، تاہم وہی فارسی آجتک مستند اور فصیح اور شیرین سمجھی جاتی ہو
چند مثالین مین اس موقع پر نقل کرتا ہون،

ع بہ سخنہاے دروغِ تو تسلی شد و رفت، شبلی
" بنشست و قرآن خواند و بجنبانیدہمی سر قاآنی
" حجام شریعت شد مزیب والہ
" شاخ بنفشہ چون بروزِ لفین دوست گشت منوچہری
" قوم اشرب الصبوح یا ایہا النائمین "
" در و لبسیرو بہ بندیش کاین خجستہ نہاد عرفی
" سرِ دمن طرح نوانداختہ یعنی چہ حزین

اصل حقیقت یہ ہو کہ زبان کی ابتدا عوام سے ہوتی ہو، اور یہ گروہ صحتِ الفاظ سے بالکل بیخبر ہوتا ہو، خواص اسی زبان کو لیکر کاٹ چھانٹ کر اصلاح کرتے ہین، اصلاح مین وہ بہت سے الفاظ کو اسی طرح چھوڑ دیتے ہین، جسکی وجہ کبھی تو یہ ہوتی ہو کہ وہ غلط الفاظ اس قدر عام استعمال مین رواج پا چکے ہوتے ہین کہ صحت کے ساتھ بولے جائین تو عام لوگون کی سمجھ مین نہ آئین، اور کبھی یہ کہ یہ امر زبان کی عزت اور خودمختاری کی دلیل سمجھی جاتی ہو کہ دوسری زبان کے الفاظ اسمین آئین تو اسی کے قالب مین ڈھلکر آئین،

فارسی اور اردو پر موقوف نہین، ہر زبان مین دوسری زبان کے الفاظ اگر اصلی حالت پر نہین رہتے، البتہ چونکہ اردو کوئی مستقل زبان نہین، بلکہ عربی، فارسی، ہندی کا مجموعہ ہے، اسلیئے اسکو عربی فارسی وغیرہ الفاظ پر تصرف کا بہت کم حق حاصل ہو، اس لئے جہان تک ہو سکے اسبات کا التزام زیادہ موزون ہو کہ غیر زبانون کے الفاظ صحیح تلفظ اور ترکیب کے ساتھ قائم رکھے جائین

لیکن اس سے بھی انکار نہین ہو سکتا، کہ اساتذۂ قدیم وجدید نے عربی فارسی کے بہت سے الفاظ کو اردو زبان مین غلط طور سے برتا اور آج وہی غلط استعمالات فصیح اور بامحاورہ خیال کئے جاتے ہین

بہرحال اس قسم کے الفاظ کے استعمال وعدم استعمال کیلئے جو قاعدہ کلیہ قرار پا سکتا ہی، وہ ہے کہ جو الفاظ فصحا اور مسلّم الثبوت اہل زبان کے عام استعمال مین آجائین وہ صحیح الاستعمال ہین اور جنکو اہل زبان نے عموماً نہ قبول کر لیا ہو انکا استعمال صحیح نہین، اسی بناپر جب مشہور اساتذہ مثلاً انیس، دبیر، آتش وغیرہ نے غلط الفاظ استعمال کئے تو لوگون نے اسیوقت اعتراض کیا، کیونکہ وہ الفاظ فصحا کے نزدیک استعمال عام کی سند نہین پا چکے تھے، اسلئے صرف ایک دو بزرگون کا استعمال گو وہ کیسے ہی مسلّم الثبوت استاد ہون صحت کی دلیل نہین قرار پا سکتا تھا،

ہمارے محترم بزرگ نے جن الفاظ کا ذکر کیا ہو وہ یقیناً فصحاے اہل زبان کے ہان مستعمل نہین ہین، اسلئے انکے غلط ہونے مین کچھ کلام نہین ہو سکتا، بے شبہہ ایسے الفاظ کو بہت سختی سے روکنا چاہئے ورنہ زبان پر بہت برا اثر پڑیگا کیونکہ اگر اس قسم کے الفاظ تحریر و تقریر مین کثرت سے پھیل گئے تو ہر شخص کہان تک یہ تحقیق کرتا پھریگا کہ ان مین سے کون سے فصحا کے نزدیک مقبول ہو چکے ہین، اور کون غیر مقبول،

(محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج میگزین علی گڈھ) مارچ ۱۸۹۵ء
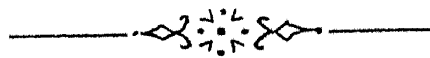
اردو ہندی

"سنہ ۱۹۱۲ء مین الہ آباد گورنمنٹ نے ایک ورنیکولر اسکیم کمیٹی قائم کی تھی جسکا مقصد یہ تھا کہ اسکولون اور کالجون مین دیسی زبان کا کورس ایسی زبان مین مرتب کیا جائے جو اردو و ہندی دونون زبانون مین ایک ہی عبارت و الفاظ کے ساتھ پڑھا جائے نیز اردو کے کورس مین بھاشا لٹریچر بھی ضروری قرار دیا جائے،

مسٹر برن چیف سکریٹری نے اس کے متعلق ایک اسکیم مرتب کی مولانا مرحوم اس کمیٹی کے ممبر تھے، اس اسکیم کے متعلق انھون نے جو خیالات ظاہر کئے تھے، وہ حسب ذیل تحریر ہی،

یہ تحریر اس درجہ موثر رہی کہ مسئلہ کا فیصلہ خود ہندو ممبرون کی تائید سے مولانا ہی کی رائے پر ہوا، اور اس طرح اردو ہندی بنجانے سے بال بال بچ گئی"،

مسٹر برن نے اپنی یادداشت مین جو تجویزین پیش کی ہین، ان مین اصلی اور مہتم بالشان مسائل دفعہ ۳ و ۴ ہین، ان دفعات کا ورنیکولر پر نہایت وسیع اور دیرپا اثر پڑسکتا ہی اس لئے ہمکو نہایت غور اور توجہ سے ان پر نظر ڈالنی چاہئے،

دفعات ۳ و ۴ کا ماحصل یہ ہی:-

"اردو زبان اور ہندی زبان، در اصل ایک ہی زبانین ہین، کیونکہ انکی گرامر متحد ہے اور جن دو زبانون کی گرامر متحد ہوتی ہی، وہ زبانین در اصل ایک ہی ہوتی ہین، اس بنا پر

ورنیکولر کورس ایسی مشترک زبان مین بنناچاہیئے کہ صرف رسم خط دکیرکٹر) کے فرق سے

وہ اردو اور ہندی دونون بنجائے،

"لیکن ہندی زبان کی ایک یہ خصوصیت ہے کہ اس کی نظم و نثر کی گرامر مختلف ہے اس لئے

ہندی نظم کی گرامر کی واقفیت اور مہارت کے لئے، راماین تلسی داس، کورس مین داخل

ہونی چاہیئے، ہندوؤن کے لئے وہ لازمی کردیجائے، اور مسلمانون کے لئے بھی، اس کا پڑھنا

مناسب ہوگا،

اس تجویز پر بحث کرنے کے لئے ہم کو پہلے یہ فیصلہ کرلینا چاہیئے کہ ہندی کے لفظ سے

مسٹر برن کی کیا مراد ہے؟ ہندی دو قسم کی ہے، ایک جو دیہات مین بولی جاتی ہے، اور گنوار

بولتے ہین، دوسری جو شہر مین تعلیم یافتہ ہندو روزمرہ استعمال کرتے ہین،

پہلی قسم کی ہندی تو کسی طرح کورس کی صلاحیت نہین رکھتی، جس کے دلائل حسب

ذیل ہین :-

(۱) یہ ہندی ہر ضلع کی الگ ہے، اور ان مین باہم اس قدر اختلاف ہے کہ ایک

ضلع کا آدمی دوسرے ضلع کی ہندی کو مشکل سے سمجھ سکتا ہے، اس لئے یہ فیصلہ کرنا ناممکن

ہوگا کہ کس ضلع کے دیہات کی زبان کورس مین داخل کیجائے،

(۲) دیہات اور گنوارون کی زبان کسی ملک مین داخل نصاب نہین کیجاتی، اور نہ

وہ کبھی علمی زبان قرار پاتی ہے، انگلستان مین دیہات کی انگریزی کسی نصاب تعلیم مین داخل

نہین ہے، ایران اور عرب وغیرہ کا بھی یہی حال ہے،

(۳) یہ زبان معمولی روزمرہ کے مطالب کے ادا کرنے کے لئے کافی ہوسکتی ہے لیکن

وہ کوئی علمی زبان نہین بن سکتی، حالانکہ ورنیکولر کو اس حد تک ترقی دینا مقصود ہے کہ کا

کلاسون مین اخیر تک اس کا سلسلہ قائم رہے،

اب جو کچھ بحث ہو سکتی ہی، وہ دوسری قسم کی ہندی کے متعلق ہو سکتی ہی،

اس مین شبہہ نہین کہ شہرون مین عموماً ہندو جو زبان بولتے ہین، وہ اور اردو زبان، ایک ہی زبانین ہین، یعنی ان کے افعال اور اکثر مفرد الفاظ اور گرامر ایک ہی ہین، فرق یہ ہے کہ عام ہندو جو بالکل تعلیم یافتہ نہین ہوتے، یا جو پنڈت بھاشا اور سنسکرت مین زیادہ توغل رکھتے ہین، وہ فارسی عربی الفاظ کے بجاے، زیادہ تر برج بھاشا یا سنسکرت کے الفاظ استعمال کرتے ہین، لیکن، عام تعلیمیافتہ ہندو جو ہندوستانی زبان مین مضامین اور آرٹکل اور رسالے لکھتے ہین، ان کی اردو اور مسلمانون کی اردو مین مطلق فرق نہین ہوتا، متعدد علمی میگزین جن کے مالک و اڈیٹر ہندو ہین، مثلاً زمانہ کانپور، ادیب الہ آباد، زبان دہلی، ان مین ہندو انشا پرداز جو مضامین لکھتے ہین، ان کی زبان اور اعلی درجہ کے مسلمان انشا پردازون کی زبان مین کچھ فرق نہین ہوتا، وہ عموماً عربی اور فارسی علمی الفاظ کثرت سے استعمال کرتے ہین، کیونکہ علمی خیالات کے لئے معمولی ہندی کے الفاظ کافی نہین ہو سکتے اور سنسکرت کے الفاظ کی نسبت وہ جانتے ہین، کہ اگر استعمال کئے جائین تو سمجھنے والون کی تعداد بھوڑی رہجائیگی،

مسٹر برن کی غالباً یہ مراد ہوگی کہ ان دونون زبانون کا ایک ہی نصاب بنناچاہیے، اسکی مثال بھی موجود ہی، کیونکہ پرائمری اسکولون مین پانچوین درجہ تک جو کورس پڑھایا جاتا ہے اور جس مین سے جنرل ریڈر اس سلسلہ کی اخیر کتاب ہی، دونون زبانون کے کورس مین داخل ہی،

لیکن اس کے متعلق حسب ذیل امور قابل لحاظ ہین،

اس قسم کی مشترک زبان، صرف اس حد تک کے لٹریچر کے لئے کافی ہو سکتی ہی جو نہایت معمولی مطالب اور خیالات کے ادا کرنے کے لئے کافی ہو، جیسے کہ جنرل ریڈر کی زبان ہی لیکن جبکہ یہ مقصود ہے کہ ورنیکولر کا سلسلہ کالج کے اخیر کلاسون تک قائم رہے تو ایسے نصاب کے بنانے کی ضرورت ہوگی، جسمین ہر طرح کے علمی مضامین اور علمی خیالات ادا کئے جائین، اس حالت مین ان مضامین اور خیالات اور اصطلاحات کے ادا کرنے کے لئے عام روزمرہ کے الفاظ کافی نہ ہون گے، بلکہ کسی علمی زبان سے مستعار لینے پڑین گے، یہ علمی زبان، عربی یا سنسکرت ہوگی، اور یہان سخت کشمکش پیدا ہوگی، مسلمان ہرگز اس بات پر رضامند نہ ہونگے کہ بجاے ان عربی الفاظ کے جنکو ہر تعلیمیافتہ مسلمان نہایت آسانی سے فوراً سمجھ سکتا ہے سنسکرت کے الفاظ سیکھین جو ان کے لئے بالکل گوش ناآشنا ہین، ہندو بھی اگرچہ ان الفاظ سے درحقیقت گوش آشنا نہین ہونگے، لیکن وہ بطور ایثار کے اس محنت کو برداشت کرین گے بہرحال جنرل ریڈر، مروجہ حال سے آگے چل کر صاف فیصلہ کر دینا ہوگا کہ ہندی اور اردو کے کورس الگ الگ ہوجائین، ورنہ ان دونون زبانون کے مخلوط کرنے سے حسب ذیل نقصانات ہونگے،

(۱) ہمیشہ ایک کشمکش رہیگی، نصاب بنانے مین ہندو اور مسلمان، دونون اپنی اپنی قومی زبان یعنی عربی اور سنسکرت کی طرفداری کرین گے، اور کبھی کوئی اور کبھی کوئی فریق کامیاب ہوگا،

(۲) دونون سے ملکر ایک نئی زبان پیدا ہوگی، جو نہ اردو ہوگی نہ ہندی، اردو اور ہندی دونون زبانون کو اس حد تک ترقی دینا چاہئے کہ وہ علمی زبانین بنجائین، اور ان مین ہر قسم کے خیالات اور مضامین ادا کئے جاسکین، اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہی جب دونون کو علحدہ علحدہ آزادی کے ساتھ ترقی کا موقع دیا جائے، اور ایک دوسرے کی راہ مین حائل نہ ہو،

ہم کو اس بات پر بھی سب سے زیادہ نظر رکھنی چاہئے، کہ زبان کو اس حد تک ترقی دینی چاہئے کہ اس کی تصنیفات ہمارے صوبہ تک محدود نہ رہین، بلکہ ہندوستان کے تمام تعلیم یافتہ لوگون مین رواج پا سکین، یہ امر بالکل بدیہی ہی کہ ہندوستان کے تمام تعلیمیافتہ مسلمانون کی زبان اردو ہے، پنجاب بنگال، مدراس، بمبئی مین قابل اور لائق مسلمان جو تصنیفات انگریزی زبان کے علاوہ کرتے ہین، وہ اردو مین ہوتی ہین، اور یہ وہی اردو ہے، جو سنسکرت الفاظ سے بالکل خالی ہی، اس لئے اگر اس زبان کو سنسکرت الفاظ ملا کر ہندی اور اردو کی ایک زبان بنائی جائے گی، تو ایک زبان جو تمام ہندوستان کی اور کم از کم یہ کہ تمام مسلمانون کی لینگوا فرنکا ہے گھٹ کر ایک صوبہ بلکہ ایک ضلع کی زبان رہجائے گی،

اب مین مسٹر برن کی اس منطق کی طرف متوجہ ہوتا ہون جو ان کی تمام تجویزون کا سنگ بنیاد ہی، یعنی یہ کہ ہندی اور اردو کی گرامر ایک ہین۔

دو زبانون کی گرامر کے متحد ہونے سے صرف یہ ثابت ہو سکتا ہی کہ دونون ایک ہی خاندان کی زبان ہین، یا ایک دوسرے سے نکلی ہین، اسیرین زبانون مین گرامر کے اعتبار سے ایک عام اتحاد پایا جاتا ہی، اور یہ اتحاد بعض زبانون مین بہت زیادہ ہوتا ہے، تاہم وہ زبانین مختلف رہتی ہین، اور ان سے مشترک کورس نہین تیار ہو سکتا، عبری زبان کی جو گرامر آج کل بیروت مین شائع ہوئی ہے، اور جو ایک قدیم مستند تصنیف ہے، وہ عربی کے نہایت قریب ہے، اور اس اتحاد سے کسی طرح کم نہین جس قدر کہ ہندی اور اردو مین اتحاد ہی، تاہم عبری اور عربی زبان کا کوئی مشترک کورس نہین بن سکتا،

اس کے علاوہ اگر دو زبانون کی گرامر ایک ہو لیکن الفاظ بالکل مختلف ہون تو

ان کو ایک زبان نہین کہہ سکتے مشرقی ہندوستان کی زبانون کی گرامر قریباً بالکل متحد ہے، باوجود اس کے نہ وہ ایک زبانین کہی جا سکتی ہین نہ ان کا کوئی مشترک کورس بن سکتا ہی،

مسٹر برن کا یہ دعویٰ اور سخت حیرت انگیز ہے کہ ہندی کی نظم کی ایک یہ خصوصیت ہے کہ اس کی گرامر، نثر کی گرامر سے مختلف ہے، نظم و نثر مین گرامر کا ایک خفیف فرق تمام زبانون مین اس لحاظ سے ہوتا ہی کہ نظم مین وزن کی ضرورت سے الفاظ آگے پیچھے کر دیے جاتے ہین لیکن اس کے لئے علحدہ گرامر بنانے کی ضرورت نہین ہوتی، متعلم خود سمجھ لیتا ہی کہ وزن کی ضرورت نے یہ تغیر کر دیا ہی، ہندی زبان کی نظم کی گرامر نثر سے مختلف ہوگی تو اسی قدر ہوگی اس سے زیادہ اختلاف کی کوئی وجہ نہین ہو سکتی،

نظم کی گرامر کے مختلف ہونے سے جو استدلال کیا گیا ہی اسمین سخت منطقی مغالطہ ہی، رامائن کی گرامر مختلف ہے، لیکن اسکی یہ وجہ ہی کہ آج سے تین سو برس پہلے کی زبان ہے اس زمانہ کی اگر کوئی نثر ملے گی، تو آج کی نثر کی گرامر سے اسی قدر مختلف ہوگی جسقدر کہ نظم کی گرامر مختلف ہی،

رامائن کی زبان آج کل کی ہندی نہین ہی، اسلیئے اسکا کورس مین داخل کرنا اگر اس لحاظ سے ہی کہ زبان کی وسیع واقفیت کے لئے اسکی ابتدائی حالت اور عہد بعہد کی تبدیلیون سے واقفیت ضروری ہی تو یہ رائے بالکل بجا ہے، لیکن اس غرض کے لئے دو امر کا لحاظ ضروری ہے ایک یہ کہ ایسا کورس اسکول کے لئے موزون نہین، بلکہ کالج کلاسون مین داخل ہونا چاہیے جس طرح کہ قدیم انگریزی زبان کی کوئی کتاب انٹرنس تک داخل نہین ہے، دوسرے یہ کہ اس قسم کا کورس خالص ہندی زبان کے لئے ہونا چاہیے جو صرف

ان لوگون کے لئے بنایا جائے جو ہندی بھاشا اور سنسکرت کی تحصیل کرنا چاہتے ہین۔ ایسا کورس عام ورنیکولر کے لئے بالکل موزون نہین ہو سکتا،

اخیر مین مین نہایت زور سے کہتا ہون کہ نہایت ابتدائی درجون تک ایک سادہ زبان جو عربی اور سنسکرت دونون سے قریباً آزاد ہو اختیار کیجا سکتی ہی، لیکن ہائر کلاسون کیلئے اردو اور ہندی زبانون کو بالکل الگ الگ قایم کرنا چاہئے اور اسی صورت مین دونون اعلی درجہ تک ترقی کر سکتی ہین،

گرامرون کے معمولی اشتراک سے دونون زبانون کو ایک قرار دینا اور اس کی بنا اخیر درجہ تک دونون کا ایک نصاب بنانا سخت غلطی ہی، جس سے دونون زبانین برباد ہو جائینگی

(معارف اکتوبر ۱۹۱۶ء)

بھاشا زبان

اور

مسلمان

"ناظرین کو یاد ہوگا کہ ایک سر برآوردہ ہندو اڈیٹر نے ایک مضمون لکھا تھا جسمین دعوی کیا تھا کہ مسلمانون نے تعصب مذہبی کی وجہ سے ہندی علم ادب پر کبھی توجہ نہین کی، اور اگر اتفاقیہ کسی نے کچھ کی تو اس کو مسلمانون نے کافر کہکے پکارا۔ اس کا جواب الندوہ کے پرچہ مین "مسلمانون کی بے تعصبی" کے عنوان سے لکھا گیا تھا، جسمین مسلمانون کی اُن فیاضیون کو بہ تفصیل دکھایا گیا تھا، جو سنسکرت اور بھاشا کی تصنیفات کی حفاظت، ترجمہ اور اشاعت کے متعلق ان سے ظہور مین آئین،

یہ مضمون اسی کا دوسرا حصہ ہو، اسمین یہ دکھایا کہ ترجمہ اور اشاعت کے علاوہ مسلمانون نے خود بھاشا زبان مین کیا کیا تصنیفات کین، اور بھاشا کی شاعری مین کس درجہ کا کمال پیدا کیا،

یہ امر بھی اس موقع پر لحاظ کے قابل ہو کہ سنسکرت زبان ایک مدت سے متروک ہے، یعنی ایک زمانۂ دراز سے خود ہندو بھی اس زبان مین تصنیف و تالیف نہین کرتے، اور اسلام کے زمانہ سے تو غالباً کوئی کتاب اس زبان مین نہین لکھی گئی، ہندوون کی تصنیفات

یا شاعری جو کچھ ہے بھاکھا زبان مین ہے، اس لئے مسلمانون نے بھی جو کچھ لکھا اسی بھاشا زبان مین لکھا"

عام طور پر مشہور ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے بھاکھا زبان مین شعر و شاعری کی، وہ حضرت امیر خسرو ہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ کا پتہ آگے تک چلتا ہے، مسعود سعد سلمان جو سلطنت غزنویہ کا مشہور شاعر گذرا ہے، اور جو حضرت امیر خسرو سے تقریباً دو سو برس پہلے تھا، اسکی نسبت تمام تذکرے متفق اللفظ ہین کہ ہندی زبان مین بھی اس نے ایک دیوان لکھا تھا تذکرہ مجمع الفصحاء مین لکھا ہے :-

"الحاصل وے را سہ دیوان بود تازی، ہندی، و پارسی"

اس واقعہ سے صرف والہ داغستانی نے اس بنا پر انکار کیا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے ملک کی زبان مین اس قدر کمال نہین پیدا کر سکتا کہ اسمین شاعری کر سکے، لیکن مولوی غلام علی آزاد نے اس شبہہ کو اس طرح رفع کر دیا کہ مسعود سعد سلمان، گو خاندان کے لحاظ سے ایرانی تھا، لیکن پیدا لاہور مین ہوا تھا، اس لئے ایک ہندوستانی کا ہندی مین اس درجہ کا کمال پیدا کرنا کچھ بعید نہین،

حضرت امیر خسرو نے سنسکرت اور بھاکھا مین جو کمال پیدا کیا، وہ محتاج اظہار نہین مثنوی نہ سپہر مین انھون نے خود اپنی سنسکرت دانی کا ذکر کیا ہے، افسوس ہے کہ ان کے بھاکھا کے خالص اشعار آج ناپید ہین، عام زبانون پر صرف وہ اشعار ہین جنمین انھون نے فارسی اور بھاکھا کو پیوند دیا ہے، مثلاً:-

چون شمع سوزان، چو ذرہ حیران	ز مہر آن مہ بگشتم آخر
نہ نیند نینان نہ انگ چینان آنکھ بدن آرام	نہ آپ آوین نہ بھیجین پتیان خط

اس طرز کے اُن کے اشعار عام طور پر مشہور ہین، اس لئے ہم اُن کو قلم انداز کرتے ہین،

امیر خسرو کے بعد شیر شاہی عہد مین ملک محمد جایسی پیدا ہوئے وہ بھاکا زبان کے ایسے بڑے زبردست شاعر تھے کہ خود ہندوؤن مین آج تک کوئی انکا ہمسر نہین پیدا ہوا، پدماوت اُن کی مثنوی آج موجود ہے، اور گھر گھر پھیلی ہوئی ہی، ہندوؤن مین سب سے بڑا شاعر آخر زمانہ کا کالیداس گذرا ہے، جس نے رامائن کا بھاکا مین ترجمہ کیا ہی، نکتہ شناسون کا بیان ہے، کہ قدرتِ زبان کے لحاظ سے پدماوت کسی طرح رامائن سے کم نہین، اور اس قدر تو ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ پدماوت کے صفحے پڑھتے چلے جاؤ، عربی فارسی کے الفاظ مطلق نہین آتے اور یون شاذونادر تو رامائن بھی ایسے الفاظ سے خالی نہین، ملاحظہ ہو،

رامائن کے بعض اشعار،

رام اینک گریب نواجے	لوگ بر بر برد بر اجے
گنی، گریب، گرام، نرناگر	پنڈت موٹے ملین اوجاگر

(غریب نواز) (غنی) (غریب)

ملک محمد جایسی نے پدماوت کے سوا بھاکا مین اور بھی دو مثنویان لکھین جو ان کے خاندان مین اب بھی موجود ہین، لیکن افسوس کہ ان کے چھپنے کی نوبت نہین آئی،

اکبر کے زمانہ مین ہندی زبان کو اور بھی قبول عام حاصل ہوا، نوبت یہان تک پہونچی کہ امرا اور شہزادے تک ہندی زبان مین شاعری کرتے تھے، شہزادہ دانیال (پسر اکبر شاہ) کے ضمنی تذکرہ مین جہانگیر اپنی تزک مین لکھتا ہے:-

"وبہ نغمۂ ہندی مائل بود، گاہے بہ زبان اہل ہندو باصطلاح ایشان شعرے مگفت، بد نبود"

عبد الرحیم خان خانان جو دربار اکبری کا گل سرسبد تھا ہندی شاعری مین کمال

کا درجہ رکھتا تھا، اسی کتاب مین خان خانان کے وفات کے ذکر مین لکھا ہی،

"خان خانان در قابلیت و استعداد یکتائے روزگار بود و زبان عربی و ترکی و فارسی و ہندی می دانست و از اقسام دانش عقلی و نقلی حتی علوم ہندی بہرہ وافی داشت، و بہ زبان فارسی و ہندی شعر نیکو گفتے"

جہانگیر کے زمانہ مین غواصی نام ایک شاعر تھا اس نے طوطی نامہ کو جو نثر مین تھا اس طرح نظم کیا کہ ایک مصرعہ فارسی اور ایک ہندی مین تھا، اس سے اس کی قدرت زبان کا اندازہ ہوسکتا ہی، میر حسن[1] صاحب اپنے تذکرہ شعرا مین لکھتے ہین :۔

"غواصی تخلص در وقت جہانگیر بادشاہ بود، طوطی نامہ بخشی را نظم نمودہ است بزبان قدیم نصفے فارسی و نصفے ہندی لبطور ریکٹ کہانی، سرسری دیدہ بودم شعر آن نظم بیاد نیست"

اسی زمانہ مین ملا نوری ایک بزرگ تھے جو قصبہ اعظم پور کے قاضی زادون مین تھے اور فیضی سے نہایت اتحاد رکھتے تھے، وہ اگرچہ فارسی کہتے تھے، لیکن کبھی کبھی ہندی مین بھی طبع آزمائی کرتے تھے، ریختہ یعنی اردو زبان کی ترکیبین بھی ان کے کلام مین پائی جاتی ہین، چنانچہ میر حسن صاحب نے اپنے تذکرہ مین انکا ایک شعر نقل کیا ہی،

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد　　　بیچارۂ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

اکبری اور جہانگیری دور مین سب سے زیادہ جس نے اس فن مین نام پیدا کیا، وہ شیخ شاہ محمد بن شیخ معروف فرملی تھے، یہ بلگرام کے رہنے والے تھے، اور حصار کی حکومت پر ممتاز تھے، ایک دفعہ سفر مین ایک ہندو لڑکی کی حاضر جوابی ان کو بہت پسند آئی، اسکو ساتھ لائے، اور تربیت کی چنانچہ ان کے اکثر دوہے اور کبت، اسی کے ساتھ سوال جواب مین ہین،

[1] میر حسن مصنف بدر منیر کا تذکرہ شعرا ہمارے کتب خانے مین موجود ہے،

ایک دفعہ سفر سے آئے اپنے انکو مدت کے بعد دیکھا تو جوش محبت سے اسکی آنکھون سے آنسو نکل آئے، انھون نے کہا،

کم درگ ڈھری سنار — مم آیو بھایو نہین

کیون تیری آنکھ آبدیدہ ہوئی اے نازنین — کیا میرا آنا پسند نہین ہوا؟

اس نے برجستہ کہا،

لیپھن نین پکھار — لن ہتی تو کو درس بن

آنکھ صاف کرنا — گرد آلود تیرے دیدار کے بغیر

یعنی چونکہ میری آنکھین تمھاری جدائی مین گرد آلود ہو رہی تھین، اس لئے مین نے ان کو آنسوؤن سے دھو لیا،

شیخ محمد کے اشعار نہایت کثرت سے سرو آزاد کے دوسرے[1] حصہ مین نقل کئے ہین،

---

[1] یہ بات جتا دینے کے قابل ہے کہ مولوی غلام علی آزاد نے سرو آزاد جو تذکرہ لکھا اس کے دو حصے کئے، ایک فارسی شعرا کے ذکر مین اور دوسرا ہندی یعنی بھاشا کہنے والون کے حالات مین، اس دوسرے حصہ کی تمہید مین لکھتے ہین،

"فصل ثانی در ذکر قافیہ سنجان ہندی جزاہم اللہ بجائزۃ الخیر من ہیچمدان بازبان عربی و فارسی و ہندی آشنائیم وازہرسہ میکدہ بقدر حوصلہ قدحے می پیمایم، مشق سخن ہندی ہرچند اتفاق نیفتادہ، اما سامعہ را از نوائے طوطیان ہند حظے وافر است و ذائقہ را از چاشنی شکر فروشان این گل زمین نصیبے متکاثر، افسون خوانان ہند ہم درین وادی پائے کمی ندارند بلکہ در فن نایکا بید قدم سحر سازی پیش می گذارند، موزونان زبان ہندی، در بلگرام فراوان جلوہ نمودہ اند، لہذا فصل این جماعہ علحدہ بہ تحریر رسید، و شمامہ معطرے بدست بوشناسان حوالہ گردید"

پھر اس حصہ کے خاتمہ مین لکھتے ہین:—

"بہ اقتضائے ترتیبے کہ درین تالیف اختیار افتادہ ختم کتاب بر نظم ہندی دست بہم دادہ، چہ مضائقہ بعض الفاظ ہندی جزو فرقان عظیم است"

سرو آزاد کا یہ حصہ، ہمارے دوست نواب نور الحسن خان خلف اکبر (بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۴ پر ہے)

تیموری سلاطین بھاشا زبان کی شاعری کی اسی طرح قدردانی کرتے تھے جس طرح وہ اپنی شاہی زبان (فارسی) کے قدردان تھے اور یہ اس بات کا بڑا سبب تھا کہ ہندی شاعری بھی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی، راجہ سورج سنگھ نے جب ایک ہندو شاعر کو جہانگیر کے دربار مین پیش کیا، اور راس نے ایک اچھوتے مضمون کی نظم پڑھی تو جہانگیر نے ایک ہاتھی انعام مین دیا چنانچہ خود تزک مین لکھتا ہے:-

"باین تازگی مضمونے از شعرائے ہندکم بگوش رسیدہ بہ جلدوے این مدح فیلے بہ او مرحمت کردم"[1]

جہانگیر کے حکم سے ان اشعار کا فارسی مین ترجمہ بھی کیا گیا،

گر پسر داشتے جہان افروز | شب نہ گشتے ہمیشہ بودے روز
زان کہ چون او نہفت افسر زر | بہ نمودے کلاہ گوشہ پسر،
شکر کز بعد او چنان پدرے، | جانشین گشت این چنین پسرے
کہ ز شنقار گشتن آن شاہ | کس بہ ماتم نہ کرد جامہ سیاہ

ان اشعار کا حاصل یہ ہے کہ اگر آفتاب کے کوئی بیٹا ہوتا تو کبھی رات نہ ہوتی، کیونکہ جب آفتاب چھپ جاتا تو اُس کا بیٹا اُس کے بجائے عالم افروزی کرتا، خدا کا شکر ہے کہ آپ کے والد (اکبر شاہ) کو خدا نے ایسا بیٹا دیا کہ لوگون نے ان کے انتقال کا غم نہ کیا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) جناب نواب صدیق الحسن خان مرحوم نے اپنے تذکرہ طور کلیم مین تمامہ شامل کرلیا چنانچہ فروغ دوم مین جہان سے ہندی شعراء کا تذکرہ ہی عبارت تمہیدی بھی وہی سرو آزاد کی ہی مین اس مضمون مین بلگرامی شعرائے بھاکا کا جو تذکرہ لکھونگا اور انکے اشعار نقل کرونگا وہ طور کلیم سے منقول ہونگے لیکن طور کلیم کا یہ حصہ در اصل سرو آزاد ہی طور کلیم چھپ گیا ہی اور ہر جگہ ملتا ہی اسلئے ناظرین کو وہ باسانی ہاتھ آسکتا ہی [1] تزک جہانگیری مطبوعہ علیگڈھ صفحہ

ہندی تصنیفات کے ساتھ مسلمانون کی توجہ کی یہ نوبت پہونچی کہ لوگ ہندی کی مشہور کتابون کو زبانی یاد کرتے تھے، امین رازی تذکرۂ ہفت اقلیم مین میر ہاشم محرم کے حال مین لکھتے ہین :-

" امروز در ہندست، تمام کتاب مہابھارت را کہ مستجمع اسامی غریبہ و حکایات عجیب است در نظر دارد "

اس مسئلہ مین حیرت انگیز بات یہ ہے کہ عالمگیر کو نہایت متعصب کہا جاتا ہی اور عام خیال ہے کہ وہ ہندوون کے علوم اور زبان سے نہایت نفرت رکھتا تھا، لیکن مسلمانون نے بھاشا زبان پر جس قدر اُس کے زمانہ مین توجہ کی پہلے کبھی نہین کی تھی ضمیر ایران کا ایک مشہور شاعر تھا، وہ عالمگیر کے زمانہ مین ایران سے آیا اور شاہی منصب دارون مین مقرر ہوا، اُس نے بھاشا زبان مین انتہا درجہ کا کمال پیدا کیا، اگرچہ بھاشا و سنسکرت کے الفاظ کا وہ صحیح تلفظ نہین کر سکتا تھا، تاہم اس زبان مین نہایت برجستہ اشعار کہتا تھا، ہندی مین اُس کا تخلص پتھی تھا، پارجاتک جو موسیقی مین ہندی زبان کی مشہور کتاب ہے اس کا ترجمہ اُسی نے فارسی زبان مین کیا، مولوی غلام علی آزاد بلگرامی ید بیضا مین اُس کے حالات کے ذیل مین لکھتے ہین :-

" در عہد عالمگیر بادشاہ از ولایت ایران بہ ہند آمدہ و در سلک منصبداران شاہی انتظام داشت، با وجود آن کہ بہ ہند آمدہ زبان این ولایت آموخت اما بواسطہ حدت ذہن در نظم ہندی طبع او آن قدر دخیل شد کہ از جملہ استادان فن برآمد زبانش بہ تلفظ این زبان خوب نمی گردید اما نظم بسیار رنجتہ واقع می شد و در ہندی پتھی تخلص میکرد ترجمہ پارجاتک در فن رقص و نغمات ہندی از وست "

تیموری سلاطین بھاشا زبان کی شاعری کی اسی طرح قدردانی کرتے تھے جس طرح وہ اپنی شاہی زبان (فارسی) کے قدردان تھے اور یہ اس بات کا بڑا سبب تھا کہ ہندی شاعری بھی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی، راجہ سورج سنگھ نے جب ایک ہندو شاعر کو جہانگیر کے دربار میں پیش کیا، اور راس نے ایک اچھوتے مضمون کی نظم پڑھی تو جہانگیر نے ایک ہاتھی انعام مین دیا چنانچہ خود تزک مین لکھتا ہے:-

"باین تازگی مضمونے از شعرائے ہندکم بگوش رسیدہ بہ جلدوے این مدح فیلے بہ او مرحمت کردم"

جہانگیر کے حکم سے ان اشعار کا فارسی مین ترجمہ بھی کیا گیا،

گر پسر داشتے جہان افروز	شب نہ گشتے ہمیشہ بودے روز
زان کہ چون او نہفت افسر زر	بہ نمودے کلاہ گوشہ پسر،
شکر کز بعد او چنان پدرے،	جانشین گشت این چنین پسرے
کہ ز شنفار گشتن آن شاہ	کس بہ ماتم نہ کرد جامہ سیاہ

ان اشعار کا حاصل یہ ہے کہ اگر آفتاب کے کوئی بیٹا ہوتا تو کبھی رات نہ ہوتی، کیونکہ جب آفتاب چھپ جاتا تو اس کا بیٹا اس کے بجائے عالم افروزی کرتا، خدا کا شکر ہے کہ آپ کے والد (اکبر شاہ) کو خدا نے ایسا بیٹا دیا کہ لوگون نے ان کے انتقال کا غم نہ کیا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) جناب نواب صدیق الحسن خان مرحوم نے اپنے تذکرہ طور کلیم مین تمامہ شامل کر لیا چنانچہ فروغ ودم مین جہان سے ہندی شعرا کا تذکرہ ہی عبارت تمہیدی بھی وہی سرو آزاد کی ہی ہین اس مضمون مین بلگرامی شعرائے بھاکا کا جو تذکرہ لکھونگا اور انکے اشعار نقل کرونگا وہ طور کلیم سے منقول ہونگے لیکن طور کلیم کا یہ حصہ در اصل سرو آزاد ہی طور کلیم چھپ گیا ہی اور ہر جگہ ملتا ہی اسلئے ناظرین کو وہ با آسانی ہاتھ آسکتا ہی۔ ؎ تزک جہانگیری مطبوعہ علیگڈھ صفحہ

اسیس دیکھے، کے ہندوی مین نونیت   رہے جگت مین اچل باس یہ فریسدا

یہ ذوق اس قدر ترقی کرتا گیا کہ محمد شاہ کے زمانہ مین جب راجہ جے سنگھ والی جیپور نے بتیس لاکھ کے صرف سے رصدخانہ قائم کیا، اور فن ریاضی کے ساتھ نہایت اہتمام کیا تو علماے اسلام نے اس کے حکم سے شرح چغمینی اور ہیئت کی اور کتابون کا ترجمہ بھاشا زبان مین کیا، چنانچہ آزاد، سبحۃ المرجان مین لکھتے ہین:-

وقد نقل العلماء الاماند بامر جی سنگھ شرح الچغمینی وغیرہ من کتب الهیئة والهندسة من العربیة الی الهندیة (سبحۃ المرجان صفحہ ۱۳۵)	ہندوستان کے علمانے جے سنگھ کے حکم سے شرح چغمینی وغیرہ کتابون کا جو علم ہیئت اور ہندسہ مین تھی عربی زبان سے ہندی زبان مین ترجمہ کیا،

شرح چغمینی اس درجہ کی مشکل کتاب ہے کہ اردو مین اس کا ترجمہ نہین کیا جا سکتا اس سے قیاس کرنا چاہیے کہ جو علما بھاشا زبان مین اس کا ترجمہ کر سکے، ان کی بھاشادانی کا کیا رتبہ ہوگا

اسی زمانہ مین سید نظام الدین بلگرامی نے سنسکرت اور بھاشا کے علم ادب مین نہایت شہرت حاصل کی، سنسکرت کے حاصل کرنے کے لئے بنارس کا سفر کیا اور وہان رہکر اس علم کی تکمیل کی، ہندی موسیقی مین اس درجہ کا کمال پیدا کیا کہ لوگ ان کو نایک کہتے تھے، چنانچہ اس فن کے متعلق بھاشا مین دو کتابین تصنیف کین نادچندرکا اور مدھنایک سنگار بھاشا مین مدھنایک تخلص کرتے تھے ۱۱۷۳ھ مین وفات پائی، کلام کا نمونہ یہ ہے

جو چترا ان چیت چڑھے، نہ بڑھے بدھ بیدن گرنتھ نہ گائے
فرشتہ   دل   ترکیب و صورت، عقلا کتب ہائی قدیم کتابین

بھارتھی، بھوبی کری. بھرین، جپ، جوگن، جوگ، اتھپ گناسے
گویائی   سبحہ گردانی ریاضت   مرتاض

جو مکھ جوت جگی، نہ تھگی بدھنا یک گھونگھٹ چنچل پیارے

چہرہ روشنی نام شاعر شوخی

جھینی، دو کول، تتھے جھلکی، انجھ، براجت، اچھ رجھاوے

باریک دوپٹہ زیب دینا بے مثل فریفتہ کرنا

مطلب یہ ہے کہ تیری آنکھیں نقاب کے اندر جس قدر خوش نما ہیں اسکی خوبی فرشتوں کے خیال میں بھی نہیں آ سکتی اور نہ آسمان کی کتابوں میں ان کی توصیف پائی جاتی ہے،

قوت نطق خود محو حیرت ہے اور زاہد مرتاض ہیچ گردانی سے بھی زیادہ، اس کا مداح ہے نقاب ان آنکھوں کی خوبی کو چھپا نہیں سکتی، بلکہ باریک ڈوپٹہ اس کی خوبی اور بھی دوبالا کر دیتا ہے،

ان کا اور بہت سا کلام سرو آزاد میں نقل کیا ہے لیکن چونکہ ناظرین کے لئے وہ نامانوس صدا ہوگی، اس لئے ہم اسکو قلم انداز کرتے ہیں،

سید رحمت اللہ پسر سید خیر الدین بلگرامی بھاشا زبان کے مشہور استاد تھے سلطنت کی طرف سے دو صدی منصب اور جاگیر مقرر تھے، اس زمانہ میں بھاشا کا مشہور شاعر چنتامن ایک ہندو تھا، اس کا ایک شاگرد رحمت اللہ کا شہرہ سنکر ان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور چنتامن کا دوہا ان کے سامنے پڑھا،

ہیو ہرت ار کرت ات چنتامن چت چین
وا مرگ نینی کی لکھی وا ہی کی سی نین،

سید رحمت اللہ نے اس دوہہ میں غلطی نکالی اور چنتامن نے سنا تو غلطی تسلیم کر کے اُس کی اصلاح کر دی، چنتامن نے سید رحمت اللہ کی مدح میں ایک دوہہ بھی لکھا، جس کا مطلع یہ ہے:-

گرب، گھ سنگ، جیون، سبل، گل گاج من، پرل گج باج دل، ساج دھایو

غرور شیر بطور قوی اظہار دلیری زبردست ہاتھی گھوڑا فوج آراستہ حملہ کیا

بجت اِک جمک رِگھن گھمک د بندھن کی ترنگ، گھر دہمک بھوتل ہلایو

ایک طرح پر گردون شگافت نقارہ گھوڑیگا سم زمین

سید رحمت اللہ نے ۲۳ ربیع الثانی ۱۱۱۸ھ مین وفات پائی، ان کے بہت سے دوہے سرو آزاد مین نقل کئے ہین، ہم صرف ایک پر اکتفا کرتے ہین،

کر اچاے جھماے تیہ وھاری بھج یہ بھاے،

ہاتھ بلند کرنا انگڑائی بازو خوشنما معلوم ہوے

منو چپلا دوی چمک ہوئے گری بھوم پر آئے،

گویا بجلی زمین

یعنی محبوب نے جمہائی لیتے ہوئے، جب دونون ہاتھ اٹھا کر نیچے کر لئے تو یہ معلوم ہوا کہ گویا دو بجلیان چمک کر زمین پر گر پڑین،

سید غلام نبی پسر سید محمد باقر، سید عبد الجلیل بلگرامی کے بھانجے تھے، ۲ محرم ۱۱۱۱ھ مین پیدا ہوئے، سید عبد الجلیل اس زمانہ مین عالمگیر کے ساتھ دکن کے مہم پر تھے، بھانجے کے پیدا ہونے کی خبر سنی تو سال تاریخ کی فکر ہوئی اسی حالت مین سو گئے، اور خواب مین یہ مادہ تاریخ آیا ع

نور چشم باقر عبد الحمید

تفاول کے طور پر پیشین گوئی کی کہ یہ لڑکا شاعر ہوگا، خدا کی قدرت پیشین گوئی صحیح اتری، اگرچہ عربی و فارسی مین بھی مہارت رکھتے تھے لیکن بھاشا کی شاعری مین نہایت کمال پیدا کیا، ۱۱۶۳ھ مین نواب وزیر اور افاغنہ کی لڑائی مین، نواب کی ہمرکاب تھے، اور عین معرکہ جنگ مین مارے گئے، مولوی غلام آزاد سے نہایت درجہ کا اتحاد تھا، چنانچہ آزاد نے تاریخ کہی

ع رقم کردہ ہے غلام نبی،

بھاشا زبان مین ایک دیوان لکھا جسمین ۰ ۰ ۰ دوہے ہین، اس کا نام انگ درپن رکھا، بھاشا مین انکا تخلص درس لین ہے، درس کے معنی بھاشا مین دیدار کے ہین، اور لین کے

معنی محو کے ہین، درسلین کا لفظی ترجمہ محو دیدار ہے، ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے،

توحید

تیری منور تھ کو ہوت ہے سین، لوک تون ہی ہوئی اکاش کرت نکہت اودوت ہے

مطلب اشارہ دنیا آسمان ستارہ روشنی

تون ہی چار و تو سیل، ترپیس پنچھی، ہوت تون ہی میگھ لو جی، کوت اور اکوت ہے

اربعہ عناصر پہاڑ درخت چرند پرند بادل تو بنتا ہی حساب بےحساب

تون ہی بن ناری بھرتا، کی رسلین ہوت تون ہی ہوئی کی ستر پیپ این تن لوت ہے

عورت شوہر دشمن

جاگ پرین جھونٹون جیون سپن، لوگ ہوت تیو نہین اتما بچاری لوک جاگت کو ہوت ہے

بیداری خواب روح

یعنی تیرے ہی اشارہ سے دنیا پیدا ہوتی ہی، تو ہی آسمان بنکر ستارون کو روشن کرتا ہی،

تو ہی اربعہ عناصر اور پہاڑ، درخت، چرند، اور پرند بنجاتا ہے، تو ہی بادل بنکر بحساب بارش کرتا ہی

تو ہی عورت کے قالب مین آکر مرد کا راحت رسان ہی، تو ہی بالآخر موت کی صورت مین جان

کا دشمن ہے، تو جس طرح کہ جاگنے کے بعد خواب بالکل وہم معلوم ہوتا ہی، اسی طرح خداشناسون

کے نزدیک یہ دنیا تمامتر خواب ہی،

سید برکت اللہ بہت بڑے فقیہ تھے، بھاشا مین شعر کہتے تھے، اور پیمی تخلص کرتے

تھے بھاشا مین جو ان کے نظمون کا مجموعہ ہے اس کا نام خود پیم پرکاس رکھا تھا سر آزاد

مین ان کا بہت سا کلام نقل کیا ہی، ہم صرف ایک دوہے پر اکتفا کرتے ہین،

چکہ جوگی کنٹھا گرین، ارن سیام اور سیت
آنکھ گلا سرخ سیاہ سفید

آنسو بوند سمرن لین درسن بھچا ہیت
قطرہ تسبیح دیدار خیرات

یعنی آنکھین ایک ریاضت کش جوگی ہین جو سرخ سیاہ اور سفید دانون کا مالا پہنے ہوئے

اور آنسوون کی تسبیح لئے ہوئے دیدار کی بھیک کی طالب ہین،

ان بزرگون کے سوا اور بہت سے اہل کمال گذرے ہین جنھون نے بھاشا زبان کی

انشاپردازی اور شاعری مین ناموری حاصل کی اور جن کے حالات مختلف تذکرون مین مل سکتے ہین، کیا ان واقعات کے بعد بھی ہمارے ہندو دوست کا یہ بیان قابل تسلیم ہے کہ مسلمانون نے کبھی ہندو لٹریچر پر توجہ نہین کی اور جو کرنا چاہتا تھا وہ کافر قرار پاتا تھا، ہمارے ہندو دوستون کو یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمانون سے زیادہ بے تعصب قوم، نہ صرف دنیا کی پچھلی تاریخ بلکہ موجودہ اور آیندہ زمانہ بھی قیامت تک نہ پیش کر سکے گا۔

(الندوہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۶ء)

"تحفۃ الہند"

مسلمانون کی توجہ برج بھاشا پر، برج بھاشا کا فن معانی و بیان۔

یاد ہوگا کہ ہمارے ایک عزیز ہندو دوست نے اردوے معلی مین ایک مضمون لکھا تھا جسمین اس پر معترضانہ افسوس ظاہر کیا تھا کہ مسلمانون نے ۷ سو برس تک اس ملک مین حاکم رہکر کبھی ملکی زبان کی طرف توجہ نہ کی ہم نے اس کا جواب الندوہ مین بہ تفصیل دو نمبرون مین لکھا تھا، جسمین بتایا تھا کہ مسلمانون نے ہندؤن کی زبان کے ساتھ کس قدر اعتنا کیا، اور خود برج بھاشا مین کس درجہ کی قابلیت پیدا کی، یہ مضمون بھی اس سلسلہ کا گویا تتمہ ہی،

تحفۃ الہند جو ہمارے مضمون کا عنوان ہی، ایک کتاب کا نام ہی، جو اورنگزیب عالمگیر کے زمانہ مین تصنیف ہوئی، مصنف کا نام میرزا خان بن فخر الدین محمد ہی، دیباچہ مین لکھا ہے کہ مین نے یہ کتاب شہنشاہ عالمگیر کے زمانہ مین شہزادہ اعظم شاہ کے مطالعہ کے لئے تصنیف کی کتاب کا موضوع ہندؤن کا فن بلاغت اور عروض و قافیہ وغیرہ ہے، اسمین ۷ باب ہین:

۱- پنگل یعنی علم عروض
۲- تک، یعنی قافیہ،
۳- النکار یعنی علم بدیع
۴- سرنگار رس یعنی عشق و محبت،
۵- سامدک یعنی علم قیافہ
۶- کوک، یعنی علم النساء،
۷- لغات ہندی، اس مین برج بھاشا کے ضروری کثیر الاستعمال الفاظ لکھے ہین

اور ان کے معنی بتائے ہین،

یہ کتاب عالمگیر کے زمانہ مین تصنیف ہوئی ہے، اور اس کے سب سے چہیتے اور منظور نظر فرزند کے مطالعہ کے لئے تصنیف ہوئی ہے، عالمگیر کی نسبت اس کے مخالفون کا دعویٰ ہے کہ وہ تعصب کا دیوتا تھا، اور اس نے ہندوؤن کی نہ صرف عمارات، بلکہ ان کے لٹریچر کو بھی مٹا دینا چاہا تھا، اور اس لئے ان کی تمام درسگاہین، اور پاٹ شالے بند کرادیئے تھے،

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ تاریخ کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ عالمگیر ملک کے ایک ایک جزئی واقعہ سے اس قدر واقفیت رکھتا تھا کہ کسی حصۂ ملک کا ادنیٰ سا واقعہ بھی اسکی نگاہ تجسس سے مخفی نہین رہ سکتا تھا، باوجود اس کے برج بھاشا کو جس قدر اس کے زمانہ مین ترقی ہوئی مسلمانون نے جس قدر اس کے زمانہ مین ہندی کتابون کے ترجمے کئے، اور خود جس قدر برج بھاشا مین نظم ونثر لکھی گئی زمانہ مین اس قدر ہندی کی طرف التفات نہین ظاہر کیا گیا تھا، چنانچہ اسکی تفصیل ہم ایک مستقل مضمون مین لکھ چکے ہین، یہ کتاب (تحفۃ الہند) اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے،

یہ ناممکن ہے کہ عالمگیر جو اپنے بیٹون کی ایک ایک حرکت سے خبر رکھتا تھا، اسکی نظر سے ایک ایسی کتاب جو اس کے محبوب ترین شہزادہ کے لئے لکھی جائے مخفی رہ جائے۔ نعمت خان عالی نے وقائع لکھی اور عالمگیر سے چھپانے کی بے انتہا کوشش کی، لیکن چھپ نہ سکی،

اس کتاب مین سے ہم صرف صنائع وبدائع کے حصہ کا اقتباس درج کرتے ہین، جس سے اندازہ ہوگا کہ ہندی زبان کے فن بدیع کو عربی سے کیا نسبت ہے؟ اس موقع پر یہ بات بھی اظہار کے قابل ہے کہ مصنف نے ہندی صنائع وبدائع کی تفصیل لکھ کر،

چند صنعتین خود اضافہ کی ہین، ان کے خود نام رکھے ہین، اور ان صنعتون مین خود ہندی اشعار لکھکر، درج کتاب کئے ہین جس سے اندازہ ہو سکتا ہو کہ مصنف کو خود اس زبان مین کہان تک قدرت تھی، یہ صنائع اکثر بلکہ قریبًا کل عربی سے لئے ہین، اور عربی نامون کا ترجمہ بھاشا مین کر دیا ہی:

بھاشا مین علم بدیع کو النکار کہتے ہین، چونکہ بلاغت کا اصلی کام جذبات اور احساسات پر اثر ڈالنا ہی، اس لئے النکار کی تین قسمین قرار دی ہین،

۱۔ نورس: اسمین تمام احساسات کا استقصاء کیا ہی اور ان کی نو قسمین قرار دی ہین جنکی تفصیل حسب ذیل ہے،

سرنگار رس، اس کی دو قسمین ہین، سنجوگ، بیوگ سنجوگ یعنی وصال و فراق،

ہاسیہ رس۔ مسرت و خوشی، کرنا رس رحم و ہمدردی،

ویر رس۔ شجاعت بہادری رودر رس۔ غیظ و غضب،

بھے رس۔ خوف و بیم، بی بھبس رس۔ نفرت و کراہت،

شانت رس۔ سکون و اطمینان، ادبھت رس۔ استعجاب،

عربی اور فارسی زبان مین اس قسم کی سائنٹفک تقسیم نہین ہی اور اس لحاظ سے ہندی کو فارسی اور عربی پر ترجیح ہے،

۲۔ سے نیگ کسی مضمون کو لطیف نازک، اور شوخ پیرایہ مین ادا کرنے کو کہتے ہین، مثلاً عورت اپنے محبوب شوہر سے جو کسی اور عورت پر عاشق ہی کہتی ہے کہ پیارے! تیری پیشانی پر جو سرخی ہے، یہ تیری سُرخ ٹوپی کا عکس ہے، یا رقیبہ کی حنا کا اثر ہے،

سوال سے بظاہر صرف اس قدر مفہوم ہوتا ہی کہ عورت کو اپنے شوہر سے رقیبہ کے پاس جانے، اور اس سے ملنے کی شکایت ہی لیکن در پردہ وہ یہ بات ثابت کرنا چاہتی ہو کہ شوہر نے رقیبہ کے پاؤن پر پیشانی رگڑی ہے، جس سے پیشانی مین سرخی آگئی ہی، یہ وہ صنعت ہی جسکو عربی مین تعریض کہتے ہین،

سنسکرت کا انشا پرداز اس صنعت کو اس قدر وسعت دیتا ہی کہ الفاظ اور عبارت کی ضرورت نہین، صرف حالت کا دکھا دینا بھی اس صنعت مین داخل ہی، مثلاً محبوب، رات بھر کا جاگا ہوا کسی صحبت سے آیا ہے، جس کی وجہ سے بال پریشان ہین آنکھین مخمور ہین، انگڑائیون پر انگڑائیان آرہی ہین، عاشق زبان سے کچھ نہین کہتا، صرف آئینہ لاکر سامنے رکھ دیتا ہے کہ یہ سب کچھ کہدیگا، یہ بھی اسی صنعت مین داخل ہی،

۳- **اُپمان** اس کے معنی تشبیہ کے ہین، تشبیہ ایک نہایت لطیف صنعت ہے، عربی مین اسکو نہایت وسعت دی ہی، اور اس کی بہت سی قسمین کی ہین، بھاشا مین بعض باتین تو مشترک ہین مثلاً **ملکہ اپمان** یعنی جب تشبیہ کے الفاظ مذکور ہون، مثل چون، مثل وغیرہ **لُپت اپمان**، حرف تشبیہ مذکور نہین لیکن مقدر ہے جیسے "قندلب" یعنی لب چون قند، اسکو عربی مین استعارہ کہتے ہین،

لیکن بعض باتون مین جدت ہی، مثلاً،

مالُو اپمان، تشبیہ کا یہ طریقہ عربی اور فارسی مین نہین، یا ہی تو اس کا کوئی خاص نام نہین، یہ وہ صورت ہے کہ مشبہ بہ کے اجزاء اور عوارض سے تشبیہ دیتے ہین، مثلاً چاند کی تشبیہ مین کہا جائے کہ وہ ایک باغ ہی، اسمین جو سیاہی ہے، وہ درختون کی چھاؤن ہی اسکی کرنین، درختون کی ٹہنیان ہین، اس کو تشبیہ مرکب کہہ سکتے ہین، لیکن کسی قدر اس سے

مختلف الصورۃ ہے،

شرنکھلا ایان۔ اسمین سلسلہ بہ سلسلہ تشبیہ دیتے جاتے ہین یعنی ایک چیز کو ایک چیز سے تشبیہ دی، پھر اسکو کسی اور چیز سے تشبیہ دی، پھر اسکو بھی کسی اور چیز سے تشبیہ دی،

اننیتی ایان، یہ وہ صورت ہی جسکو فارسی مین تشبیہ الشی بنفسہ کہتے ہین یعنی کسی شے کو خود اسی شے سے تشبیہ دینا، مثلاً فارسی مین ع

چو تو گر کسے باشد آن ہم تو ئی

اردو مین آج کل کہتے ہین وہ شخص آپ اپنا نظیر ہے،

حقیقت مین یہ مبالغہ کی ایک صورت ہے یعنی جب یہ کہنا ہوتا ہو کہ اس شخص کی نظیر نہین، تو یون کہتے ہین کہ وہ اپنا آپ ہی نظیر ہے، اور کوئی اسکا نظیر نہین، اس صنعت کو فارسی مین اور بھی ترقی دی ہے یعنی یون کہتے ہین کہ وہ "خود بھی اپنا نظیر نہین" اردو مین کسی کا مصرع ہی، ع

تم سے جب تم ہی نہین پھر کوئی تم سا کیا ہو

النکار، یہ ایک عام لفظ ہی جس کے معنی صنعت و بدیع کے ہین سنسکرت مین اسکی بہت سی انواع ہین، ان مین سے، از یادہ متداول ہین، جنکی تفصیل حسب ذیل ہی،

وترکتا النکار یہ وہ صورت ہو کہ جس چیز سے ممدوح کو تشبیہ دیتے آئے ہین، اس مین عیب ثابت کیا جائے تاکہ ممدوح کی ترجیح ثابت ہو، مثلاً سخاوت اور فیاضی مین ممدوح کو بادل سے تشبیہ دیتے ہین، لیکن عنصری کہتا ہی ؎

او ہمی بخشد و ہمی گرید	تو ہمی بخشی و ہمی خندی

یعنی بادل برستا ہی تو روتا جاتا ہو اور تو برستا ہو تو ہنستا ہی،

درودّہا بھاس النکار یعنی عبارت کے معنی واقع میں صحیح ہوں لیکن بظاہر غلط معلوم ہوں جب ایک لفظ کے معنی مختلف ہوتے ہیں، تو اس صنعت سے کام لیتے ہیں مثلاً بھاشا میں سیام، سیاہ کو بھی کہتے ہیں، اور معشوق کو بھی، اسی طرح لال، سرخ کو بھی کہتے ہیں اور محبوب کو بھی، اب اگر یہ کہا جائے کہ "سیام زرد ہے" تو بظاہر غلط ہوگا، کیونکہ سیاہ چیز زرد نہیں ہو سکتی، لیکن اگر سیام کے معنی محبوب کے لئے جائیں تو یہ جملہ صحیح ہو سکتا ہے،

عربی میں اس صنعت کو نہایت وسعت دی ہے، مقامات حریری میں سو فقہی سوال اور جواب ہیں، جوابات تمامتر غلط معلوم ہوتے ہیں لیکن واقع میں صحیح ہیں، مثلاً ایک سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وضو کے بعد نعل کو چھوئے تو کیا حکم ہے، جواب دیا ہے کہ "وضو ٹوٹ جائیگا" نعل عربی میں جوتی کو کہتے ہیں اور یہی معنی زیادہ متداول ہیں لیکن نعل عورت کو بھی کہتے ہیں اور شافعیوں کے نزدیک عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے،

سکارن ات بریچھا حسن تعلیل کو کہتے ہیں، یہ صنعت عربی اور فارسی میں بہت مستعمل ہے، بھاشا میں اس کے نہایت لطیف نئے نئے پیرایے ملتے ہیں، مثلاً چاند معشوق کا حسن چرا کر آسمان پر بھاگ گیا، اسی وجہ سے ہمیشہ چوروں کی طرح رات کو نکلتا ہے فارسی کا شاعر کہتا ہے، ؎

از شرم ابروانِ بلندِ تو ماہِ نو خود را چنان نمود کہ کس دید کس ندید

یعنی معشوق کے ابرو کی شرم سے، ماہِ نو اس طرح چھپ کر نکلا کہ کسی نے دیکھا کسی نے نہیں دیکھا،

اکارن ات بریچھا مبالغہ اور اغراق کو کہتے ہیں،

انکرن النکار لف و نشر کو کہتے ہیں،

سندیھا النکار، یعنی دو چیزون مین جان بوجھکر شک کرنا مثلاً یون کہین کہ یہ چہرہ ہے، یا چاند، زلف ہے، یا سانپ، عربی مین اسکو تجاہل عارفانہ کہتے ہین،

سچھمان النکار، یعنی الفاظ و عبارت کے بغیر کسی مطلب کو محض اشارے و کنایے سے ادا کرنا، مثلاً عاشق معشوق سے سوال کرتا ہی کہ مین کب آؤن؟ معشوق کچھ جواب نہین دیتا بلکہ اسکی بجائے ایک گورے چٹے آدمی کو نیلگون برقع پہنا کر بھیجتا ہی جس سے یہ اشارہ ہوتا ہی کہ جب چاند ڈوب جائے اور تاریکی چھا جائے تب آنا،

اپنا پدیسا النکار، کسی بات ڈھال کے کہنا، مثلاً ایک وفا کیش معشوقہ کا عاشق آیا ہے، وہ دوسرے شخص کی طرف مخاطب ہو کر کہتی ہی کہ آہ! آج میرا شوہر ایک کام کو گیا ہے ساس بھی کہین گئی ہی، گائے بھینس کا باندھنا مجھ پر کس قدر شاق ہی، اور اندھیری رات مین مجھکو سخت ڈر معلوم ہوتا ہی، لیکن ان باتون کا اصلی مخاطب درحقیقت عاشق ہی، اردو فارسی مین اس کی مثالین نہایت کثرت سے ملسکتی ہین، لیکن مصنف نے جو مثال دی ہے، اس سے ہندوستان کی قدیم طرز معاشرت کا اندازہ ہوتا ہی،

ات سیوکت النکار، اس کی چار قسمین ہین یعنی

تگر جا دہوسان، یعنی مشبہ بہ کو ذکر کر کے مشبہ مراد لیتے ہین، مثلاً یہ کہ چاند، سانپ، ہرن، چیتا، میرا دل اوڑا لے گئے، رخسار، زلف، آنکھ، کمر کو چاند، سانپ ہرن اور چیتے سے تشبیہ دیتے ہین، لیکن اس جگہ خود ان چیزون کو بول کر رخسار وغیرہ مراد لیا ہی،

برکتیا تہا بھان، اس مین تشبیہ کا شائبہ بھی باقی نہین رہتا، اور نہ مشبہ و مشبہ بہ کا ذکر ہوتا، بلکہ مشبہ کی نفی کر کے اسکو عین مشبہ بہ فرض کر لیتے ہین، مثلاً کہتے ہین، کہ اب تم وہ نہین رہے، بلکہ دوسری چیز ہو گئے،

کارن کالج پرتیجی، اس صنعت مین مسبب سبب سے پہلے واقع ہوتا ہی، مثلاً جرم مواخذہ کا سبب ہی لیکن یون کہتے ہین اس شہر مین عجیب رسم ہے کہ گناہ کرنے سے پہلے مواخذہ کرتے ہین،

جدّیارتہ، اس مین مشبہ کو مشبہ بہ پر ترجیح دیتے ہین، مثلاً چاند سے معشوق کو تشبیہ دیتے ہین لیکن اگر یون کہین کہ چاند معشوق کے برابر اس وقت ہوسکتا ہی کہ اس کے یاقوت کے مثل لب، موتی کی طرح دانت، سانپ کی طرح زلف اور ہرن جیسی آنکھین ہون،

عربی و فارسی مین اسکی مثالین کثرت سے ہین،

اچھیر جتیکا النکار، یعنی صنعت سوال وجواب، فارسی مین یہ صنعت نہایت کثرت سے مستعمل ہے، لیکن بھاشا مین یہ جدت ہی کہ مسلسل سوالات کیے جاتے ہین، اس کے بعد صرف ایک ایسا مفرد لفظ بولتے ہین، جو کل سوالون کا جواب ہوتا ہی، مثلاً ان سوالات کے جواب مین کہ "زمین وزمان کی روشنی، بینائی، انسان کی معاش کا سبب کیا ہی؟" صرف عین کا لفظ کافی ہوگا کیونکہ عین آفتاب، آنکھ، سونا کو کہتے ہین، اور وہ ان سوالات پر حاوی ہی،

بھرمان النکار، مغالطہ مین پڑنا، مثلاً یہ کہ میرا دل معشوق کے تل کو دانہ سمجھکر اسکی زلف کے جال مین جا پھنسا، ایک ہندی شاعر نے اس مضمون کو عجیب لطیف پیرایے مین ادا کیا ہے، وہ کہتا ہی کہ ایک بھونرا طوطے کی چونچ کو ڈھاک کا پھول سمجھ کر رس چوسنے کے لیے اس پر جا بیٹھا، طوطے نے اس کو جامن کا پھل سمجھا اور نگل گیا،

ان صنائع مین سے ہم نے بہت سے چھوڑ دیئے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اولاً تو ان مین سے بہت سے فارسی اور عربی مین بہ کثرت مستعمل ہین، دوسرے سنسکرت الفاظ کا تلفظ ہم سے صحیح ادا نہین ہوتا،

اس موقع پر یہ نکتہ خاص لحاظ کے قابل ہے کہ اگرچہ ہمارے انشا پردازون نے سنسکرت اور برج بھاشا کے علم ادب کے نکتہ نکتہ کو سمجھا، اور اس سے بہت فائدہ اٹھایا، لیکن اسکے فیض سے وہی محروم رہگیا، جو سب سے زیادہ حقدار تھا، یہ ظاہر ہے کہ اردو بھاشا سے نکلی اور اس کے دامن مین پلی لیکن بھاشا سے جو سرمایہ اسکو ملا، صرف الفاظ تھے، مضامین اور خیالات سے اسکا دامن خالی رہا، بخلاف اس کے عربی زبان جسکو بھاشا سے کسی قسم کا تعارف نہ تھا، وہ سنسکرت اور بھاشا دونون سے مستفید ہوئی (تفصیل اسکی آگے آئیگی)

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آج سے ۵۰ برس پہلے مسلمان، اردو کو کوئی علمی زبان نہین سمجھتے تھے، خط کتابت تک فارسی مین تھی، اردو شعرا جسقدر گذرے ان مین سے ایک بھی عربی کا فاضل نہ تھا، یا یون کہو کہ کوئی عالم اردو کو اس قابل نہین سمجھتا تھا کہ اسمین انشا پردازی یا شاعری کا کمال دکھائے، علمی زبان اس وقت صرف عربی تھی، اس لئے جہان سے جو سرمایہ ملتا تھا اسی کے خزانہ مین جمع کیا جاتا تھا، بہرحال ہندی شاعری کے مضامین، عربی زبان مین بعینہ نقل ہوئے یعنی علمائے ادب نے سنسکرت اور بھاشا کی نظمون کا بعینہ عربی مین ترجمہ کیا، ہم چند مثالین ذیل مین لکھتے ہین، یہ مثالین سبحۃ المرجان سے لی گئی ہین، مولوی غلام علی آزاد نے ہرجگہ تصریح کردی ہے کہ وہ ہندی سے ترجمہ کی گئی ہین،

لقد نحلت فی یوم راح حبیبها | الی ان هوی من یدها عند بها تصارها
ولما اتاها مخبر عن قدومها | علی ساعد الملاک ضاق سوارها

(یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہندی مین عاشق، عورت ہے، اور مرد معشوق ہے)

یعنی جس دن معشوق نے سفر کیا، مین اس قدر دبلی ہوگئی کہ ہاتھ کے کڑے ڈھیلے ہوکر گر پڑے لیکن جس دن قاصد نے آکر معشوق کے آنے کی خبر دی، اور مین نے کڑون کو پہننا چاہا

تو اب وہ تنگ ہو گئے اور چڑھتے نہ تھے،

مالاح فی شفتیک لحل راق ... انی ابینہ بحسن بیان

ختمت علی شفتیک ذات تدلل ... کیلا تکلمنی علی الاحیان

واقعہ یہ ہے کہ شوہر کسی اور محبوبہ سے مل کر آیا ہے، اور چونکہ اس نے اس کی سرمگین آنکھوں کو چوما تھا، اس لئے اس کے ہونٹوں پر سیاہی لگ گئی ہے، اب عورت شوہر سے کہنے آئی ہے کہ تیرے ہونٹوں پر جو سیاہی ہے میں بتاؤں کیوں ہے، اور کہاں سے آئی ہے، کسی کافر ادانے تیرے ہونٹوں پر مہر کر دی ہے، کہ تو کبھی مجھ سے بات نہ کرے،

رات المہاۃ العامریۃ صدرہ ... بالظفر مکلوما فقالت مرحبا

ھذا ھلال تبتغیہ طیعتی ... روحی فداءک لا العبا

ایک بھولی کمسن عورت نے اپنے شوہر کے سینہ پر ناخن کا خراش دیکھا جو ناخن کے مشابہ تھا، بھولے پن سے شوہر سے کہتی ہے کہ یہ تو نئی رات کا چاند ہے مجھکو بہت پیارا معلوم ہوتا ہے، مجھکو دیدو، میں اس سے کھیلوں گی،

بات الحبیب مع الحناء یا رحمۃ ... حتی بدی حاجب من احظر الشھب

ونرا ارزوجتہ فی الصبح فانقبضت ... لما رات طرفہ الحمر کالسکب

قالت نقاہ لہا فی العین منعکس ... یاقوت سیمک النقی عن لہب

تبسمت من سماع القول وامتعۃ ... فضل الحمار علی ضوء من الشلب

فصار یغضب للصہباء کیف غدت ... تملی رضابک وازورت عن الادب

قالت لہ لا تکن غضبان مرحمۃ ... فہمت طرفک محمر عن الغضب

شوخی ادا، عارفانہ تجاہل اور نزاکت خیال کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی، اور صرف

ان اشعار سے اندازہ ہو سکتا ہو کہ بھاشا کی شاعری کس قدر لطیف اور نازک ہو،

صورت حال یہ ہے کہ شوہر رات بھر کا جاگا ہوا کہین سے آیا ہو، اور اسکی آنکھین سرخ ہین،
عورت کو بدگمانی ہوتی ہو کہ کسی محبوبہ کے ہان رات گذاری ہے، اس لئے آنکھین سرخ ہین،
ایک سہیلی بدگمانی کو مٹانا چاہتی ہو، اور کہتی ہو کہ نہین، یہ تمھارے ہوٹون کی سرخی کا عکس ہے،
عورت شرما کر آنچل کا گوشہ منہ پر رکھ لیتی ہے (اس سے اصل مین یہ غرض ہو کہ اگر ہونٹون کی
سرخی تھی تو وہ آنچل مین چھپ گئی، اب کیون سرخی نظر آتی ہو) شوہر غصہ کی صورت بنا کر کہتا
ہے کہ شراب کو کیا حق ہو جو تیرے آب دہن کا مقابلہ کرے، عورت کہتی ہو، آپ غصہ نہ ہون، مین
سمجھی، آپ کی آنکھین غصہ کی وجہ سے سرخ ہین،

اردو زبان مین، اگر اس لطافت کی کوئی نظیر ہے، تو یہ شعر ہے،

پسینہ پونچھئے اپنی جبین سے — نہ مین سمجھا نہ آپ آئے کہین سے

جس زمانہ مین مولوی غلام علی آزاد بلگرامی اورنگ آباد دکن مین تھے، ان کے ماموں مولانا
طفیل احمد نے بلگرام سے ایک ہندی نظم عربی مین ترجمہ کرنے کے لئے بھیجی آزاد نے حسب ذیل
اسکا ترجمہ کیا (سبحۃ المرجان صفحہ ۲۵)

زارت سعاد بلا نعد فقلت لھا — یا مرحبا بک من القاک فی التعب
قالت لقد جاءتی غیم دکلفنی — انی احوی الیک الارض بالھدب
فقلت کیف طویت الارض ماشیۃ — وقت الدجی وسکوب الدمع من سحب
قالت ھدانی شعاع البرق حیرۃ — فتلہ سرت فی القیعان والکثب
فقلت سیرت فی جنح الدجی غلط — بلا رفیق شریک فی خطی الطلب
قالت خیالک طول السیر کان معی — فی حالۃ عن تجاہ العین لم یغب

یعنی معشوقہ میرے پاس اچانک آئی، مین نے کہا خیر ہے؟ اس وقت کیونکر تکلیف کی، بولی کہ بادل آگئے، انھون نے مجھکو آمادہ کیا کہ تیرے پاس آؤن، مین نے کہا رات اور بادل کی تاریکی مین راستہ کیونکر نظر پڑا، بولی کہ بجلی نے رہنما ساتھ کردیا تھا، مین نے کہا لیکن رات کو اکیلے سفر کرنا کسی طرح مناسب نہین، بولی کہ مین تنہا نہین آئی، تیرا خیال برابر میرے ساتھ رہا، اور ساتھ آیا،

واقعات مذکورۂ بالا کو پڑھکر ایک دفعہ اور ہمارے ہندو دوست کے وہ الفاظ یاد کرو کہ "مسلمانون نے کبھی ہندوستان کے لٹریچر سے فائدہ نہین اٹھایا" ہم وہ لوگ ہین کہ:۔

ہیچ گہ ذوقِ طلب از جستجو بازم نداشت　　　دانہ می چیدم من آن روزے کہ خرمن داشتم

(الندوہ، فروری ۱۹۱۱ء)

مولانا شبلیؒ کے مجموعۂ مضامین کی پہلی جلد

فہرست مضامین

لکھائی چھپائی اعلےٰ قیمت:۔ عہ

منیجر

(طابع وناشر محمد ادریس وارثی)

سلسلۂ دار المصنفین

(۴۰)

مقالاتِ شبلی

(تعلیمی)

جلد سوم

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

کے

تمام تعلیمی مضامین کا مجموعہ جنکو مختلف رسالوں سے یکجا کیا گیا ہے

باہتمام مسعود علی ندوی

در مطبع معارف اعظم گڈھ طبع شد

سنہ ۱۳۵۱ھ — سنہ ۱۹۳۲ء

فہرستِ مضامین

مقالاتِ شبلی جلد سوم (تعلیمی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم

"مسلمانون کی گذشتہ تعلیم" میرے مضمون کا عنوان ہی یہ ایک ایسا وسیع مضمون ہی کہ اگر اسکے ذیل مین مسلمانون کے تمام علمی کارنامے بیان کئے جائین تو شاید ناموزون نہ ہو لیکن مین نے اپنے مضمون کے لئے ان مین سے صرف دو بحثین انتخاب کی ہین (۱) مسلمانون نے علوم و فنون کس طرح حاصل کئے، (۲) دنیا کی تمام قومون کو ان علوم کی کیونکر تعلیم دی، غالباً تعلیم کے خاص لفظ سے جو اس مضمون کا اصلی عنوان ہی، یہی دو بحثین توی تعلق رکھتی ہین،

مسلمانون نے جن علوم کی اشاعت کی ان مین سے کچھ انکے ذاتی علوم ہین جو خود انھون نے ایجاد کئے، یا خاص طرح پر انکو ترتیب دیا، کچھ ایسے ہین جو دوسری قومون سے حاصل کئے اور پھر ایسی ترقی دی کہ گویا انھین کے ایجادات سے ہین، میرا مضمون گو ان دونون قسم کے علوم سے تعلق رکھتا ہی، لیکن علوم کی ذاتی حیثیت سے نہین، بلکہ انکی طرز تعلیم کے اعتبار سے۔

مین افسوس کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرتا ہون کہ ان دو بحثون کی تفصیل کیلئے جس قسم کے ضروری حالات درکار ہین یعنی فلسفہ یونانی وغیرہ کے ترجمے، ترجمون اور تصنیفات کے نام

اسلامی دار العلوم اور مدرسون کی تفصیل طریقۂ درس نصاب تعلیم غرض اس قسم کے حالات مجھ کو کسی مستقل تصنیف مین نہین ملے، اور شاید لکھے بھی نہین گئے کشف الظنون[1] جیسی بڑی فہرست مین صرف ایک کتاب کا نام ملتا ہی لیکن غالباً خود کشف الظنون کے مصنف کو بھی اسکا دیکھنا نصیب نہین ہوا چند اجمالی حالات جو گبن کی رومن امپائر و ہسٹری آف فلاسفی مصنفہ ہنری لوئیس و واقوام المسالک و چیمبرس انسائیکلوپیڈیا و برٹانیکا انسائیکلوپیڈیا وغیرہ مین ملتے ہین، وہ اس غرض سے بیشبہ مفید ہین، کہ جب مسلمانونکی پچھلی ترقی کے عام ذکر مین کسی پرجوش خطیب کی زبان سے ادا ہون تو سنے دلون کو ملادین لیکن ان سے ایک مفصل تاریخی آرٹیکل کیونکر مرتب ہو سکتا ہی، مین نے مختلف تاریخون اور دوسری قسم کی تصنیفون کے جستہ جستہ مقامات سے کچھ حالات بہم پہنچائے ہین، اور غالباً یہ پہلی تحریر ہی جسمین اس قدر واقعات جمع کئے گئے ہین اصل مضمون شروع کرنے سے پہلے مین ایک اجمالی طریقے پر مسلمانون کے خاص علوم انکی ابتدائی تاریخ اور سبب ایجاد کا تذکرہ کرنا مناسب خیال کرتا ہون"

اسلام سے پہلے گو عرب کی قومین رسمی علوم و فنون سے بالکل بے بہرہ تھین، تاہم ان خانہ بدوش صحرائیون مین علمی مذاق کی جان پائی جاتی تھی نظم و نثر انکا مایۂ خمیر تھا لیکن وہ طوطی و بلبل کیطرح محض نیچرل فصیح اللسان نہ تھے بلکہ فصاحت و بلاغت کے دقیق نکتون تک انکی نگاہ پہنچتی تھی، بازار عکاظ کے پرجوش مشاعرے اور انکے باہمی مباحثے اور نکتہ چینیان بتاتی ہین کہ جو کچھ وہ کہتے تھے جانتے تھے کہ کیا کہتے ہین اور کیا کہنا چاہیے، **امرء القیس** اور **علقمۃ الفحل** کی شاعرانہ نزاع کا ایک عام عورت نے جس خوبی سے فیصلہ کیا آج فن انشا کے بڑے ماہر بھی اس سے عمدہ ریمارک نہین کر سکتے اسکے سوا نسب کے فخر اور رشتہ و قرابت کی پابندیون کی وجہ سے اہل عرب

[1] یہ ایک نہایت ضخیم کتاب کئی جلدون مین ہے، جسمین قریباً پچاس ہزار اسلامی تصنیفون کے نام اوران کے حالات ہین، اچھے ضخیم جلدون مین بمقام لندن ۱۸۳۵ء مین چھاپی گئی ہی،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمانون کی گذشتہ تعلیم

"مسلمانون کی گذشتہ تعلیم" میرے مضمون کا عنوان ہے، یہ ایک ایسا وسیع مضمون ہے کہ اگر اسکے ذیل مین مسلمانون کے تمام علمی کارنامے بیان کئے جائین تو شاید ناموزون نہ ہو، لیکن مین نے اپنے مضمون کے لئے ان مین سے صرف دو بحثین انتخاب کی ہین (۱) مسلمانون نے علوم و فنون کس طرح حاصل کئے، (۲) دنیا کی تمام قومون کو ان علوم کی کیونکر تعلیم دی، غالباً تعلیم کے خاص لفظ سے جو اس مضمون کا اصلی عنوان ہے، یہی دو بحثین قوی تعلق رکھتی ہین،

مسلمانون نے جن علوم کی اشاعت کی ان مین سے کچھ انکے ذاتی علوم ہین جو خود انھون نے ایجاد کئے، یا خاص طرح پر انکو ترتیب دیا، کچھ ایسے ہین جو دوسری قومون سے حاصل کئے اور پھر ایسی ترقی دی کہ گویا انھین کے ایجادات سے ہین، میرا مضمون گو ان دونون قسم کے علوم سے تعلق رکھتا ہے، لیکن علوم کی ذاتی حیثیت سے نہین، بلکہ انکی طرز تعلیم کے اعتبار سے۔

مین افسوس کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرتا ہون کہ ان دو بحثون کی تفصیل کیلئے جس قسم کے ضروری حالات درکار ہین یعنی فلسفۂ یونانی وغیرہ کے ترجمے، ترجمون اور تصنیفات کے نام

آنحضرت صلعم کے طریق عمل پر منحصر تھیں، اس ضرورت سے آنحضرت صلعم کے اقوال و افعال کے متعلق روایتوں کے جمع کرنے کی طرف خیال مائل ہوا، اور رفتہ رفتہ **علم الحدیث و اسماء الرجال و علم الدرایہ** پیدا ہو گئے، ان تحقیقات مین گو کسی قدر نکتہ چینی کیجائے، مگر عموماً ہر منصف یہ فیصلہ کریگا کہ جس بے انتہا کوشش اور تفتیش سے مسلمانون نے پیغمبر صلعم کے اقوال و افعال محفوظ رکھے، دنیا کی کسی قوم مین اسکی نظیر نہین مل سکتی اور یہ کہ انسانی سعی اور جستجو کی یہ آخری سرحد ہے، جہانتک مسلمان پہنچ گئے تھے،

حدیث، اسماء الرجال، علم الدرایہ

علم نحو

علم نحو اگرچہ کوئی مذہبی فن نہ تھا، لیکن مذہبی ہی ضرورت سے اسکی تدوین کیطرف خیال مائل ہوا، اسلام دور دور دراز ملکون مین پھیلتا جاتا تھا اور سینکڑون نئی قومین اسمین شامل ہوتی جاتی تھین، دوسری زبانون کے الفاظ عربی زبان مین بہت جلد جگہ پا گئے تھے جس سے احتمال تھا کہ مشتقات اور اصول اعراب مین بھی فرق آجائے، اس قسم کے تصرفات سے جو صدمہ زبان پر پڑتا اسکا بہت بڑا اثر قرآن اور حدیث پر ہوتا، چند واقعات نے اس احتمال کو قوی کر دیا، اور ابا الاسود دوئلی المتوفی ۶۹ھ جس نے خود اس قسم کے تجربے حاصل کئے تھے، مسائل نحو کی تدوین کیطرف مائل ہوا، اس نے چند قاعدے منضبط کئے جو رفتہ رفتہ وسعت حاصل کرتے گئے، ہارون رشید کے زمانہ مین خلیل بن احمد بصری المتوفی ۱۷۰ھ و سیبویہ و کسائی وغیرہ کی توجہ سے وہ ایک مستقل فن بنگیا جسکو متاخرین نے بھی بہت کچھ ترقی دی،

غرض مذہب کے متعلق جس قدر ضروری اور مہتم بالشان علوم تھے گویا مذہب کیساتھ پیدا ہوئے اور مسجدون کے صحن یا عام مجلسون مین اُن کے مسائل رواج پانے لگے، خود صحابہ کے عہد مین ایسے متعدد اشخاص[۱] موجود تھے جو کثرت معلومات کیساتھ طرز استدلال، طریق استنباط، تخریج احکام مین اجتہاد کا حق رکھتے تھے، اور زمانہ مابعد مین جب صحابہ کے حالات زندگی قلمبند

[۱] ابن حزم نے انکی تعداد بیس تک خیال کی ہے، دیکھو فتح المغیث مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۴۰

عہد صحابہؓ کے علماء

ہوئے تو وہ مجتہدین کے لقب سے پکارے گئے، کچھ لوگ ایسے تھے جو حدیثون کے یاد رکھنے مین مشہور تھے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے ۵۳۶۴ ابن عمرؓ سے ۲۶۳۰ انسؓ سے ۲۲۸۶ ابن عباسؓ سے ۱۶۶۰ اور جابرؓ سے ۱۵۴۰[۱] حدیثین مروی ہین، چودہ صحابی مفسر تھے جو قرآن پاک کی فقہی اور تاریخی آیتون کے متعلق نہایت کافی معلومات رکھتے تھے، باوجودیکہ ایک مدت تک قدیم یونانیون کیطرح تعلیم و تعلم جو کچھ تھا زبانی تھا تاہم سیکڑون ہزارون اشخاص ان مسائل کے سیکھنے سکھانے مین مصروف تھے، اور تمام ممالک اسلامیہ مین حدیثین اور فقہ کے مسائل اسی تیزی سے رواج پا رہے تھے جسطرح خود اسلام عالمگیر ہو رہا تھا عرب کی بلند حوصلگی اور عظمت کے لئے حجاز زمین کی وسعت کافی نہ تھی، اسلئے ہزارون صحابہ سرزمین عرب سے نکلکر تمام نئے فتح کئے ہوئے ملکون مین پھیل گئے اور بعضون نے وہین مستقل سکونت اختیار کرلی اس طرح شام مین دس ہزار کوفہ مین ایکہزار حمص مین پانسو مصر مین کم و بیش تین سو صحابہ موجود تھے،[۲] یہ لوگ جہان گئے حدیثون اور عام مذہبی مسائل کا ذخیرہ بھی اپنے ساتھ لیتے گئے، جو انکی عظمت و قبول کا بہت بڑا قوی سبب ہوتا تھا چنانچہ صرف اُن صحابہ کی تعداد جن سے لوگون نے حدیثین سیکھین یا روایت کی کم از کم ڈیڑھ ہزار بیان کی گئی ہے،

ایک مدت تک کچھ اس تقلیدی خیال سے کہ آنحضرت صلعم نے حدیثون کے قلمبند کرنے کی طرف خود توجہ نہین فرمائی، اور کچھ اس وجہ سے کہ اہل عرب کو اپنے حافظہ کے بھروسے پر تدوین اور تصنیف کی چندان پروا بھی نہ تھی، کاغذ اور قلم سے کام نہین لیا گیا، مگر جسقدر زمانہ کو امتداد ہوتا جاتا تھا، ان روایتون کے دفتر تیار ہوتے جاتے تھے، جنکو زبانی محفوظ رکھنا، انسانی قوت کا کام نہ تھا، غرض سنہ ۱۴۳ھ مین تالیف و تدوین شروع ہو گئی، ابن جریجؒ نے مکہ مین، امام مالکؒ نے مدینہ مین،

---

[۱] دیکھو فتح المغیث صفحہ ۳۸۱۔ [۲] ایضاً صفحہ ۳۸۲ مصر کے صحابہ کے نام و نسب اور ان کی تعداد سیوطی نے ایک مستقل رسالے مین لکھی ہے جس کا نام در السحابۃ ہے، دیکھو حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر و قاہرۃ مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۹ھ صفحہ ۹۹،

تصنیف و تدوین شروع ہوئی۔

اوزاعی نے شام مین، ابن ابی عروبہ اور حماد نے بصرہ مین معمر نے یمن مین سفیان ثوری نے کوفہ مین
حدیث اور تفسیر کی کتابین لکھین امام ابوحنیفہ نے دلائل کیساتھ **فقہ** کو ترتیب دیا ابن اسحٰق نے **مغازی**
وسیر کی تدوین[1] کی یہان تک کہ جب فضل بن یحییٰ برمکی کے اہتمام اور توجہ سے **کاغذ** بنانے کا
کارخانہ جاری ہوگیا[2] تو یہ علوم و فنون گھر گھر پھیل گئے۔ جس کثرت کے ساتھ مذہبی تصنیفین ہوئین اسکا
اندازہ اس سے ہوسکتا ہی کہ صرف تفسیر کے متعلق سو سے زیادہ ایسے مضامین پیدا ہوگئے جنکو الگ الگ
علم کا لقب دیا گیا اور ہر ایک پر متعدد اور بعض پر سیکڑون بلکہ ہزارون کتابین لکھی گئین،[3]

علم بیان

اس زمانہ مین اور دو علم مذہبی ضرورت سے ایجاد ہوئے علم البیان و کلام۔ اسلام کا جو بڑا معجزہ
اور جو ہمیشہ استعمال کیا جا سکتا ہی **قرآن** تھا، اسکے معجزہ ہونے کا دعویٰ جب اہل عرب کے سامنے
پیش کیا جاتا تھا، توکسی دلیل لانے کی ضرورت نہین پڑتی تھی، کفار عرب گو انکار کرنا چاہتے تھے
مگر انکا مذاقِ زباندانی اس دعویٰ کے تسلیم کرنے پر انکو مجبور کرتا تھا، وہ منہ سے انکار کرتے تھے مگر
قرآن پڑھے جانے کے وقت انکی بے اختیاری حالت، بے قصد تحسین، بے تابانہ تاثر انکے اظہار کے
خلاف شہادت دیتے تھے لیکن اس طرح پر یہ دعویٰ صرف عرب کے سامنے چل سکتا تھا، اہل عجم اولاً
تو زبان عربی سے ناواقف، اور واقف بھی ہون تو عرب کا سا قدرتی ذوق کہان سے لائین اسلئے
ضرورت پڑی کہ فصاحت و بلاغت کے اصول مرتب کئے جائین تاکہ دوسری قومین اگر مذاق سے
نہین تو علمی طور پر اس دعویٰ کے تسلیم کرنے پر مجبور ہون، اول اول جعفر برمکی وزیر ہارون الرشید
اور جاحظ نے کچھ قاعدے لکھے[4]، پھر متاخرین نے کلام کے ہر ایک حصہ کے متعلق مسائل استنباط کئے اور علامہ سکاکی

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی، خلافت منصور واقعات ۱۴۳ھ۔ [2] مقدمہ ابن خلدون فصل ۱۳ از فصل ۴

[3] اتقان فی علوم القرآن مین مختصراً ان علوم اور ان کے متعلق تصنیفات کا تذکرہ کیا گیا ہی،

[4] مقدمہ ابن خلدون ذکر علم بیان،

عہد صحابہؓ کے علماء

ہوئے تو وہ مجتہدین کے لقب سے پکارے گئے، کچھ لوگ ایسے تھے جو حدیثون کے یاد رکھنے مین مشہور تھے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے ۵۳۶۴، ابن عمرؓ سے ۲۶۳۰، انسؓ سے ۲۲۸۶، ابن عباسؓ سے ۱۶۶۰، جابرؓ سے ۱۵۴۰ حدیثین مروی ہین[۱]، چودہ صحابی مفسر تھے جو قرآن پاک کی فقہی اور تاریخی آیتون کے متعلق نہایت کافی معلومات رکھتے تھے، باوجودیکہ ایک مدت تک قدیم یونانیون کیطرح تعلیم و تعلم جو کچھ تھا زبانی تھا، تاہم سیکڑون ہزارون اشخاص ان مسائل کے سیکھنے سکھانے مین مصروف تھے، اور تمام ممالک اسلامیہ مین حدیثین اور فقہ کے مسائل اسی تیزی سے رواج پا رہے تھے جسطرح خود اسلام قائم ہو رہا تھا، عرب کی بلند حوصلگی اور عظمت کے لئے حجاز زمین کی وسعت کافی نہ تھی، اسلئے ہزارون صحابہ سرزمین عرب سے نکلکر تمام نئے فتح کئے ہوئے ملکون مین پھیل گئے اور بعضون نے وہین مستقل سکونت اختیار کرلی، اس طرح شام مین دس ہزار، کوفہ مین ایک ہزار، حمص مین پانسو، مصر مین کم و بیش تین سو صحابہ موجود تھے[۲]، یہ لوگ جہان گئے حدیثون اور عام مذہبی مسائل کا ذخیرہ بھی اپنے ساتھ لیتے گئے، جو انکی عظمت و قبول کا بہت بڑا قوی سبب ہوتا تھا، چنانچہ صرف اُن صحابہ کی تعداد جن سے لوگون نے حدیثین سیکھین یا روایت کی کم از کم ڈیڑھ ہزار بیان کی گئی ہے،

ایک مدت تک کچھ اس تقلیدی خیال سے کہ آنحضرت صلعم نے حدیثون کے قلمبند کرنے کی طرف خود توجہ نہین فرمائی، اور کچھ اس وجہ سے کہ اہل عرب کو اپنے حافظہ کے بھروسے پر تدوین اور تصنیف کی چندان پروا بھی نہ تھی، کاغذ اور قلم سے کام نہین لیا گیا، مگر جسقدر زمانہ کو امتداد ہوتا جاتا تھا، ان روایتون کے دفتر تیار ہوتے جاتے تھے، جنکو زبانی محفوظ رکھنا، انسانی قوت کا کام نہ تھا، غرض سنہ ۱۴۳ھ مین تالیف و تدوین شروع ہو گئی، ابن جریج نے مکہ مین، امام مالک نے مدینہ مین،

---

[۱] دیکھو فتح المغیث صفحہ ۳۸۱۔ [۲] ایضاً صفحہ ۳۸۲، مصر کے صحابہ کے نام و نسب اور ان کی تعداد سیوطی نے ایک مستقل رسالے مین لکھی ہے جس کا نام در السحابۃ ہے، دیکھو حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر و قاہرۃ مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۹ھ صفحہ ۹۹،

مسلمانون کے مذہبی علوم کا یہ ایک مختصر سا نا کہ تذکرہ ہو، مسلمانون نے جن علوم و
فنون پر کتابین لکھین انکی تعداد تقریباً ۳۰۰ ہو جو کشف الظنون، ور مدینۃ العلوم مین انکا بیان
مع تصنیفات کی تفصیل کے مل سکتا ہو، مگر مجھکو یہ بھولنا نہ چاہیے کہ میرے مضمون کا عنوان مسلمانون
کی گذشتہ تعلیم ہو، نہ گذشتہ علوم، مذہبی علوم جس طرز سے تعلیم دیے جاتے تھے انکا تفصیلی بیان
آگے آئیگا، مسلمانون نے جو کچھ دوسری قومون سے سیکھا وہ منطق، الٰہی، ہندسہ، طبعی، ہیئت تھے حساب و
طب مین بھی انھون نے زیادہ تر دوسری قومون کی شاگردی کی، اس بات کی بہت کم مثالین ہین
کہ مسلمان عالمون نے خود یونانی و سریانی زبانون کی تحصیل کی ہو اور اصل کتابون سے یہ علوم
سیکھے ہون، بے شبہہ خلفاء کے دربارون مین **مترجمون** کا ایک گروہ موجود تھا، مگر ہیری لونیس
صاحب کے چھپتے ہوئے اعتراض کا کچھ جواب نہین ہو کہ ان مین اکثر **عیسائی** تھے حنین، حبیش، متی، یو
اسحٰق، یعقوب کندی وغیرہ جو بہت بڑے مترجم مشہور ہین سب عیسائی تھے، **حکمائے اسلام** مین
صرف فارابی ایک ایسا شخص ہو جو ان زبانون کا پورا ماہر تھا، اور اس نے خود ایک عیسائی عالم یوحنا
بن خیلان سے یہ علوم اور زبانین سیکھی تھین، ارسطو کی کتابون کی شرح اور توضیح مین بوعلی سینا
اور ابن رشد بہت زیادہ نامور ہین، اور یورپ نے بھی اسکا اعتراف کیا ہو، تاہم مجھکو شبہہ ہے
کہ ان دونون مین سے ایک کو بھی یونانی یا سریانی زبان آتی ہو،

مسلمانون نے دوسری [قومون سے] کیا سیکھا،

[اکثر] یونانی کے مترجمین عیسائی تھے،

ترجمے مختلف عہدون کی کوششین ترجمون کی صحت و غلطی، عام رائے

عام مورخین کا بیان ہو کہ اول جس نے **ترجمون** کی بنیاد ڈالی، وہ **دولت عباسیہ** کا
دوسرا خلیفہ ابوجعفر منصور تھا، لیکن میرا خیال یہ ہو کہ منصور کے حق مین مورخین کی یہ ایک بیجا فیاضی

سلہ خاص فلسفیون کی الٰہی مراد ہو، ورنہ مسلمانون نے الٰہی کے عمدہ مسائل خود قرآن مجید سے حاصل کیے تھے،

عہد صحابہؓ کے علماء

ہوئے تو وہ مجتہدین کے لقب سے پکارے گئے، کچھ لوگ ایسے تھے جو حدیثون کے یاد رکھنے مین مشہور تھے، چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے ۵۳۶۴، ابن عمرؓ سے ۲۶۳۰، انسؓ سے ۲۲۸۶، ابن عباسؓ سے ۱۶۶۰، جابرؓ سے ۱۵۴۰ حدیثین مروی ہین[۱]، چودہ صحابی مفسر تھے جو قرآن پاک کی فقہی اور تاریخی آیتون کے متعلق نہایت کافی معلومات رکھتے تھے، باوجودیکہ ایک مدت تک قدیم یونانیون کیطرح تعلیم و تعلم جو کچھ تھا زبانی تھا، تاہم سیکڑون ہزارون اشخاص ان مسائل کے سیکھنے سکھانے مین مصروف تھے، اور تمام ممالک اسلامیہ مین حدیثین اور فقہ کے مسائل اسی تیزی سے رواج پارہے تھے جسطرح خود اسلام قائم ہورہا تھا عرب کی بلند حوصلگی اور عظمت کے لئے حجاز زمین کی وسعت کافی نہ تھی، اسلئے ہزارون صحابہ سرزمین عرب سے نکلکر تمام نئے فتح کئے ہوئے ملکون مین پھیل گئے اور بعضون نے وہین مستقل سکونت اختیار کرلی اس طرح شام مین دس ہزار کوفہ مین ایکہزار حمص مین پانسو مصر مین کم وبیش تین سو صحابہ موجود تھے[۲]، یہ لوگ جہان گئے حدیثون اور عام مذہبی مسائل کا ذخیرہ بھی اپنے ساتھ لیتے گئے، جو انکی عظمت و قبول کا بہت بڑا قوی سبب ہوتا تھا چنانچہ صرف اُن صحابہ کی تعداد جن سے لوگون نے حدیثین سیکھین یا روایت کی کم از کم ڈیڑھ ہزار بیان کی گئی ہے۔

ایک مدت تک کچھ اس تقلیدی خیال سے کہ آنحضرت صلعم نے حدیثون کے قلمبند کرنے کی طرف خود توجہ نہین فرمائی، اور کچھ اس وجہ سے کہ اہل عرب کو اپنے حافظہ کے بھروسے پر تدوین اور تصنیف کی چندان پروا بھی نہ تھی، کاغذ اور قلم سے کام نہین لیا گیا، مگر جسقدر زمانہ کو امتداد ہوتا جاتا تھا، ان روایتون کے دفتر تیار ہوتے جاتے تھے، جنکو زبانی محفوظ رکھنا، انسانی قوت کا کام نہ تھا، غرض سنہ ۱۴۳ھ مین تالیف و تدوین شروع ہوگئی، ابن جریج نے مکہ مین، امام مالک نے مدینہ مین،

---

[۱] دیکھو فتح المغیث صفحہ ۳۸۱، [۲] ایضاً صفحہ ۳۸۲ مصر کے صحابہ کے نام و نسب اور ان کی تعداد سیوطی نے ایک مستقل رسالے مین لکھی ہے جس کا نام در السحابہ ہے، دیکھو حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر و قاہرہ مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۹ھ صفحہ ۹۹۔

نوبخت منجم، ابو سہل مجوسی تھے، ابن المقفع اس کے دربار کے مشہور مترجم و حکیم[۵۱] تھے، البطریق نے یونانی اور ابن المقفع نے فارسی زبان سے ترجمے کیے، ۱۵۶ھ[۵۲] میں ہندوستان کا ایک بڑا ریاضی دان ہندو عالم منصور کی پایہ شناسی کا شہرہ سنکر دار الخلافہ میں داخل ہوا اس نے ایک نہایت عمدہ زیچ جس کو اس نے ایک عمدہ اور جامع تصنیف سے جو ایک بادشاہ ہندوستان مسمی بہ پھگر کی طرف منسوب ہے، خلاصہ کیا تھا منصور کی خدمت میں پیش کی محمد بن ابراہیم فزاری نے منصور کے حکم سے عربی زبان میں اس کا ترجمہ کیا اور اس سے ایک کتاب مرتب کی جو ریاضی دانون میں سند ہند کے نام سے مشہور رہے، ماموں الرشید کے زمانے تک اعمال کواکب میں اسی زیچ پر اعتماد کیا جاتا تھا[۵۲]،

منصور کے نامور فرزند مہدی نے اگرچہ اس طرف کچھ توجہ نہین کی بلکہ ایک محکمۂ تحقیقات زنادقہ قایم کرکے آزادی راے کو بالکل روک دیا، لیکن خاندان برامکہ نے جو اس کے عہد مین سلطنت کا ایک بڑا رکن تھا اس باب مین بڑی ناموری حاصل کی، ان کے اہتمام سے یونانی اور فارسی کی بہت سی کتابین ترجمہ ہوئین، ابن ناعمہ، سلام ابرش[۵۳]، عبد اللہ اہوازی ان کے عہد کے نامور مترجم تھے،

ہارون الرشید کا عہد

ہارون الرشید اعظم نے جس کے نام سے یورپ ایشیا دونون واقف ہین پچھلی کوششون مین اور بہت کچھ اضافہ کر دیا، اس نے ترجمہ اور تصنیفات کا ایک بڑا محکمہ قایم کیا، جس مین ہر زبان کے بڑے بڑے ماہر تصنیف اور ترجمہ کے کام پر

---

[۵۱] دیکھو مختصر الدول حالات حکماے عہد منصور، یہ ایک مختصر اور مفید تاریخ ہے، جو ابو الفرج ملطی ایک عیسائی عالم کی تصنیف ہے اور عربی زبان مین ہے، ڈاکٹر پوکاک پروفیسر آکسفورڈ کالج نے لیٹن مین اس کا ترجمہ کیا ہے اصل کتاب مع ترجمہ لیٹن ۱۶۶۳ء مین بمقام لندن چھاپی گئی ہے، جہان کہین اس آرٹیکل مین مختصر الدول کا نام آئے اس سے یہی تاریخ مراد ہے، ابن البطریق و ابن المقفع کے لیے دیکھو کشف الظنون حرف حا ذکر حکمت، [۵۲] یہ تفصیل مع حالات ناندجاں[?] مع القصص اللہ مین ہے، جو ہندوستان کے حالات مین چند رسالون کا ایک مجموعہ ہے، اور فرانس مین بمقام پیرس ۱۸۳۸ء مین چھپا ہے،

[۵۳] ابن ناعمہ اور سلام ابرش کا ذکر بحیثیت مترجمین برامکہ صاحب کشف الظنون نے حکمت کے ذکر مین کیا ہے آگے فہرست مین چند کتابون کے نام ملین گے، جو برامکہ کے لیے ترجمہ کی گئین،

مامون[1] تھے، یوحنا بن ماسویہ، ایک عیسائی عالم جس کی مادری زبان سریانی تھی، قدیم یونانی طب کی تصنیفات کے ترجمے کے لئے انتخاب کیا گیا، اس محکمہ سے جس کو بیت الحکمۃ کہتے تھے، اَدوار یونانی و عجمی و سنسکرت زبانون کے ترجمے ہمیشہ تیار ہوتے تھے اور اشاعت پاتے تھے منکہ اور صالح دو ہندو حکیم اس کے دربار مین تھے جو ترجمون کے علاوہ صاحب تصانیف بھی تھے، شاناق ہندی کی کتاب السموم منکہ ہی نے فارسی مین ترجمہ کرائی تھی، چرک اور سُشرت کی تصنیفات طبی جو عربی مین ترجمہ ہوئین، غالبًا اسی عہد مین اور انھین ہندو حکیمون کے اہتمام مین ہوئین[2]،

مامون الرشید کا عہد

اب تک جو کچھ ہوا تھا گو بہت کچھ تھا، مگر مامون الرشید کے فیاضانہ حوصلون کے سامنے تمام پچھلی کوششین گمنامی کے پردے مین چھپ گئین، مورخین نے مامون کے اس جوش التفات کی ایک عجیب دلچسپ حکایت لکھی ہے، یعنی ایک رات اُس نے خواب مین دیکھا کہ ایک محترم شخص تخت پر جلوہ فرما ہے، مامون نے بڑھکر پوچھا آپ کون بزرگ ہین، تخت نشین نے کہا ارسطو، مامون پھر کچھ اٹھا اور عرض کی اے حکیم، اچھی کیا چیز ہے، خیالی ارسطو نے جواب دیا کہ جسے عقل اچھا کہے، دوبارہ مامون نے درخواست کی کہ میرے لئے کچھ نصیحتین ارشاد ہون، جواب ملا کہ توحید، اور صحبت نیک، خواب کا کچھ اثر ہوا ہو یا نہین، مگر اس واقعہ سے مامون کے شوق اور محویت کا ضرور اندازہ ہوتا ہے، غرض سبب جو کچھ ہو مامون نے قیصر روم کو نامہ لکھا کہ ارسطو کی کل تصانیف بہم پہنچائی جائین،

---

[1] ان ترجمون کا ذکر پامر صاحب کی تاریخ ہارون الرشید صفحہ ۲۲۲ و چیمبرس انسائیکلوپیڈیا جلد اول مطبوعہ لندن ۱۸۹۰ء صفحہ ۲۴۴، اور کشف الظنون مین صراحۃً اور ضمنًا ملے گا، [2] الفنسٹن صاحب نے تاریخ ہندوستان حصہ مسلمانان مین لکھا ہے کہ منکہ و سالی دو ہندی طبیب ہارون الرشید کے دربار مین تھے، الفنسٹن صاحب نے صالح کو سالی پڑھا ہے اور غالبًا یہی صحیح ہے، شاناق کا اصلی نام شاید سنگھ ہو جو عربی خراد پر چڑھکر شاناق ہو گیا ہے، چرک حضرت عیسٰی علیہ السلام سے کئی سو برس پہلے ایک طبیب تھا، ۱۲

یہ وہ زمانہ تھا کہ خلفاء کے معمولی خطوط قیصر و فغفور پر فرمان کا اثر رکھتے تھے، قیصر تعمیل ارشاد کے لئے آمادہ ہوا، مگر روم کے اطراف میں فلسفہ خود گمنام ہو چکا تھا، بڑی تلاش سے ایک راہب ملا جس نے پتہ دیا کہ یونان میں ایک مکان ہے جو قسطنطین کے زمانے سے مقفل ہے، اور جتنے بادشاہ تخت نشین ہوتے گئے قفل کی تعداد بڑھاتے گئے، قسطنطین نے اس مکان میں اس غرض سے فلسفہ کی کتابیں بند کرا دی تھیں کہ اگر فلسفہ و حکمت کو آزادی ملی تو دین مسیحی کو سخت صدمے اٹھانا پڑیں گے، قیصر روم کے حکم سے یہ پرخطر خزانہ کھولا گیا، تاہم خیال ہوا کہ مسلمانوں کے ساتھ اس قسم کی فیاضی مذہباً ممنوع تو نہ ہو، لیکن ارکان دولت نے قیصر کی تسکین کر دی، کہ اچھا ہے، فلسفہ مسلمانوں میں پہنچا تو ان کے مذہبی جوش کو بھی ٹھنڈا کر کے رہے گا، غرض پانچ اونٹ لاد کر فلسفہ کی کتابیں مامون کی خدمت میں روانہ کی گئیں[1]،

مامون نے خود بھی حجاج بن المطر و ابن البطریق کو جو یونانی و سریانی زبان کے بڑے ماہر تھے اس غرض سے روم بھیجا کہ اپنی پسند سے کتابیں انتخاب کر کے لائیں، بیت الحکمۃ کا مہتمم اور افسر جس کا نام سلما تھا، وہ بھی ان دونوں کے ساتھ گیا[2]، مامون نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ جیسا کہ گبن[3] صاحب لکھتے ہیں، اس کے کارندوں نے آرمینیہ، شام، مصر میں فنون یونانی کی کتابیں جمع کیں جن کا ترجمہ اس کے حکم سے نہایت حاذق مترجم نے زبان عربی میں کیا، اسی زمانہ میں قسطا بن لوقا بعلبکی ایک عیسائی فلاسفر اپنے شوق سے روم گیا، اور فلسفہ کی بہت سی کتابیں اپنے ساتھ لایا، مامون نے اس کی شہرت سے مطلع ہو کر بلا بھیجا[4] اور بیت الحکمۃ میں ترجمہ کے کام پر مقرر کیا، سہل بن ہرون کو جو ایک خاندانی النسل حکیم تھا فارسی کتابوں کے ترجمہ کا اہتمام سپرد ہوا[5]، سب سے بڑا

---

[1] تاریخ التواریخ مؤلفہ لسان الملک سپہر جلد اول حالات ارسطو کے ذیل میں یہ پوری تفصیل مذکور ہے، ۱۲

[2] یہ پوری تفصیل کشف الظنون باب الحکمۃ میں ہے، [3] گبن صاحب کی رومن امپائر حصہ مسلمانان، باب پنجم آغاز دولت عباسیہ

[4] مختصر الدول، حالات یعقوب کندی

[5] فوات الوفیات ترجمہ سہل بن ہرون،

نامور حکیم اور مختلف زبان کا ماہر اور مترجم یعقوب کندی تھا جو خاص تصنیفات ارسطو کے ترجمہ پر مامور تھا[1]، وہ ایک عیسائی امیر تھا اور اس کا باپ کوفہ کا گورنر رہ چکا تھا، فارسی، ہندی، یونانی زبان جانتا تھا، اور مامون کا نہایت معتمد اور مقرب تھا، غالباً مامون نے خود بھی یونانی زبان سیکھ لی تھی، چیمبرس انسائیکلوپیڈیا میں ہے[2] "مامون نے یونان کے بادشاہ کو پانچ ٹن سونا دیا اور صلح دائمی کا اس شرط پر عہد کیا کہ حکیم لیو کو اجازت دیجائے کہ وہ کچھ دنون کے لئے آکر مامون کو فلسفہ سکھا جائے"

فلسفہ کے لئے اتنی قیمت صرف کرنے کی مثال بہت کم مل سکتی ہے" شاکر منجم کے تینون بیٹے محمد، احمد و حسن نے بھی جو ہندسہ و نجوم و موسیقی میں اپنا جواب نہین رکھتے تھے، اور مامون کے خاص مقرب اور ندیم تھے اس کام پر بہت توجہ کی، اپنے ذاتی شوق سے روم کے اطراف مین قاصد بھیجے، اور فلسفہ وغیرہ کی بہت سی کتابین منگوائین۔ دور دور از ملکون مین قاصد بھیجکر مترجم بلوائے اور ان کتابون کے ترجمون پر مامور کیا[3]۔ مامون کی بیت الحکمۃ کا ذکر اوپر ہو چکا ہے کہ ان نامور بھائیون کی کوشش بھی مامون کے کارنامہ مین لکھی گئی، اس عہد مین جن زبانون کے ترجمے ہوئے، وہ یونانی، فارسی، کالڈی، قبطی، شامی زبانین تھین،

ہارون الرشید کا پوتا متوکل باللہ بھی اسی قسم کی فیاضیون مین نامور ہوا، مترجمون مین جس نے کثرت اور عمدگی تراجم کے لحاظ سے سب سے زیادہ شہرت حاصل کی ہے وہ متوکل ہی کے عہد کا نامور حکیم **حنین بن اسحاق** تھا، حنین نے بلاد روم مین دو برس مستقل رہکر یونانی زبان اور فلسفہ کامل طور سے سیکھا، روم سے واپس آکر وہ بصرہ چلا گیا، اور خلیل بن احمد بصری سے عربیت کی تحصیل کی، اور چونکہ دونون زبانون کا پورا ماہر ہو چکا تھا اپنے شوق سے فلسفہ کی کتابین عربی مین ترجمہ کرنی

---

[1] ہسٹری آف فلاسفی مصنفہ ہنری لوئیس صاحب فلسفہ عرب حالات یعقوب کندی، [2] کتاب مذکور ذکر عرب

[3] ابن خلکان ترجمہ محمد بن موسیٰ،

متوکل باللہ

شروع کین، اس کی شہرت روز افزون نے اس کو متوکل باللہ کے دربار مین پہنچایا، متوکل نے بیش قرار تنخواہ اور جاگیرین مقرر کر دین، حنین کا ایک بیٹا اسحق اور اس کا بھانجا حبیش یہ دونون بھی یونانی و سُریانی زبان کے بڑے ماہر تھے، اس لئے محکمہ ترجمہ مین مقرر ہوئے، عربی مین جو ترجمے ہوئے، اکثر اسی اسحاق و حنین کی طرف منسوب ہین[1]۔

مترجمون کی تنخواہین،

حنین بن اسحاق و ثابت بن قرہ، حبیش بن الحسن اور دوسرے نامور مترجمون مین سے ہر ایک کی ماہانہ تنخواہین پانسو اشرفیان تھین[2]، معتضد باللہ کے عہد کا مشہور مترجم ثابت بن قرہ حرانی ہے، ثابت نے محمد بن موسیٰ کے گھر مین پرورش پائی اور اس کی سفارش سے معتضد کے دربار مین داخل ہوا، معتضد اس کی نہایت عزت کرتا تھا، حتیٰ کہ وزراء اور خواص بھی اس کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے[3]، ترجمون کا اہتمام اور بیت الحکمۃ کا انتظام غالباً دو سو برس سے زیادہ قایم نہ رہا، کیونکہ اتنی مدت کی پیہم تلاش اور جستجو مین روم و یونان کا کوئی علمی خزانہ ایسا باقی نہین رہا جو اہل عرب کی آنکھون سے چھپا رہ گیا ہو، اس کے علاوہ اس مدت مین مسلمان فلاسفرون کا ایک بڑا گروہ طیار ہو چکا تھا، اسحاق، ابو معشر، محمد بن موسیٰ، احمد سرخسی، ابو نصر فارابی، وغیرہ حکماء کی تازہ اختراعات اور خاص تصنیفات نے فلسفہ کو فلاطون و ارسطو کی اطاعت سے آزاد کر دیا تھا[4]، تاہم خلفاء کا دربار ایک مدت تک ہر ملت اور مذہب کے فلاسفرون سے بھرا رہا، جو اپنے ذاتی شوق یا بعض اوقات خلفاء کی فرمایش سے تصنیفات کے علاوہ دوسری زبانون سے ترجمہ بھی کرتے تھے، راضی باللہ کے عہد خلافت قریباً ۳۲۲ھ مین متی بن یونس منطق کا بڑا عالم مشہور ہوا، اور ارسطو کی بعض کتابین ترجمہ کین[5]، ہنری کو تیس متی

---

[1] یہ تمام تفصیل مختصر الدول عہد متوکل مین موجود ہے۔ [2] تاریخ التواریخ جلد اول، حالات ارسطو۔ [3] مختصر الدول۔ [4] گبن صاحب لکھتے ہین کہ حکماء سے مسوعہ، جابر، رازی، ابن سینا کے نام حکمائے یونانی کے ہم پلہ کئے گئے ہین، غالباً یورپ مین یہ شہادت زیادہ قابل اعتبار ہوگی۔ [5] مختصر الدول۔

ہسٹری آف فلاسفی مین لکھتے ہین، "دسوین صدی عیسوی مین یحییٰ بن عدی اور عیسیٰ بن زرع نے نئے ترجمے کئے، اور پہلے ترجمون کی اصلاح کی، اسی طرح محمد بن یحییٰ جو زمانی جو ۳۴۸ھ مین تھا اور ابو الفرج المتوفی ۴۳۵ھ وغیرہ نے سریانی وغیرہ سے نئے ترجمے کئے"[1] اور شہر مین ۴۸۵ھ ابوریحان بیرونی جو بوعلی سینا کا معاصر اور فلسفہ و ہئیت مین اس کا حریف مقابل تھا ہندوؤن کے علوم کے شوق مین ہندوستان گیا، اور برسون رہکر فلسفہ وغیرہ کی تحصیل کی، سنسکرت سے ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ ہندوون کو فلسفۂ یونان کے مسائل ان کی زبان مین سکھائے اور اس طرح ہندوون کی شاگردی کے حق سے بھی ادا ہو گیا،[2] محمد بن اسمٰعیل تنوخی نے بھی ہیئت و نجوم سیکھنے کے لئے ہندوستان کا سفر اختیار کیا اور وہان رہکر علوم و فنون کی تحصیل کی،

بعض اتفاقی طریقون سے بھی مسلمانون کو دوسری قومون کے خیالات و مسائل معلوم ہوئے جس زمانہ مین فتوحاتِ اسلامی کا سیلاب ہندوستان کی سرحد کے اونچے اونچے مقامات سے گذر رہا تھا، بنارس کا ایک صوفی عالم جسکا نام بھوجر برہمن تھا مسلمانون سے مذہبی مباحثہ کے لئے روانہ ہوا، اور سلطان علی مردس کے زمانہ مین شہر اکفوت پہنچکر قاضی رکن الدین سمرقندی سے ملاقات کی، مباحثہ کا ارادہ تو جاتا رہا بجائے اس کے علوم عربیہ سیکھنے شروع کئے، اس نے قاضی صاحب کی خدمت مین ایک کتاب جسکا نام ابنرت کنڈ تھا پیش کی اور اس کے مطالب بیان کئے، قاضی صاحب اس کے مسائل سے پوری آگہی حاصل کرنے کے ایسے شایق ہوئے کہ اس سے سنسکرت پڑھنی شروع کی، اور اصل زبان سے واقف ہوکر پہلے فارسی مین اور پھر عربی مین کتاب مذکور کا ترجمہ کیا، تاہم

---

[1] مختصر الدول، [2] دیکھو جامع القصص الہندیہ و مختصر الدول، بیرونی کی ایک کتاب جسمین سفر ہندوستان اور یہان کی معاشرت اور تمدن کا حال اس نے لکھا ہے، لندن مین نہایت اہتمام سے چھاپی گئی ہے، جسپر پروفیسر سی شو نے جو جرمن کا مشہور عالم ہے ایک دیباچہ لکھا ہے، بیرونی کے شوق علمی اور تحقیقات کا اندازہ اس دیباچہ سے ہو سکتا ہے،

اس کے مشکل مقامات ہنوز شرح کے محتاج تھے، اتفاق سے بھوجر کا ایک شاگرد انہوناتھ بلادِ اسلام مین پہنچا، تو ایک سنسکرت دان عالم نے اُس سے یہ کتاب پڑھی اور عربی زبان مین اس کا نہایت عمدہ ترجمہ کیا جس کا نام مراۃ المعانی لادراک العالم الانسانی ہے،

سلطان فیروز شاہ والی ہندوستان قریباً ۷۵۰ھ مین جب جوالا مکھی پہاڑ پر گیا تو لوگون نے اطلاع کی کہ اس بتخانہ مین[۵۲] ۱۳۰۰ سو کتابین قدیم زمانہ کی موجود ہین، فیروز شاہ نے ان کے ترجمہ کیے جانے کا حکم دیا اور موسیقی و نجوم وغیرہ کی تصنیفات ترجمہ کی گئین، نجوم کی ایک کتاب عزالدین نے نظم مین ترجمہ کی،

علوم و فنون کے تراجم کی یہ ایک مختصر سی تاریخ ہے، اب ہم کو دیکھنا ہے کہ کس قسم کی کتابین ترجمہ ہوئین اور اس انتخاب کے کیا اسباب تھے، ان ترجمون کو اسلامی تصنیفات سے کیا تعلق ہے، ان ترجمون کی صحت پر کہان تک اعتبار ہو سکتا ہے، مسلمانون نے اس کام مین دوسری قومون کا احسان کیون اُٹھایا اور خود ترجمہ کرنے پر کیون نہین مائل ہوئے، جہان تک ہم کو معلوم ہے طب اور فلسفہ کے سوا جس مین منطق، طبعی، الٰہی، موسیقی، فلکیات، ہیئت، ہندسہ، حساب، جبر مقابلہ وغیرہ شامل ہین، اور علوم کی تصنیفات کم ترجمہ ہوئین،

فلسفہ اور طب کے سوا اور علوم کے ترجمہ کیون نہین ہوئے،

اصل یہ ہے کہ عرب مسلمانون کو اپنی زبان اور مذہب پر اس قدر ناز تھا کہ وہ دوسری قومون کی ان تصنیفات کو ہمیشہ بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے، اور واقعی جو شخص فصاحت و بلاغت کے متعلق جزئیات کے انضباط، قواعد کی ترتیب، مسائل کے استنباط مین ان کی موشگافیان دیکھیگا

---

[۵۱] یہ پوری تفصیل جامع القصص الہندیہ مین مذکور ہے، یہ پہلی مثال ہو کہ ایک عربی دان مصنف نے سنسکرت یا بھاشا الفاظ کو صحیح اور پورا ادا کیا ہے، جس طرح مین نے یہ سب پورے نام لکھے ہین، اصل کتاب مین بھی اسی طرح ہین،

[۵۲] دیکھو تاریخ بدایونی، حالات فیروز شاہ، ان کتابون مین سے بعض کے ترجمے مثلاً رزم نامہ وغیرہ لاہور مین بدایونی نے خود بھی دیکھے،

مان جائیگا کہ ایسے نکتہ دانون کو علم انشا مین کسی قوم کا زلہ ربا ہونا نہین چاہئے، علامہ ابن اثیر جس نے علم البیان کو بہت کچھ ترقی دی ہے، فخر کے ساتھ کہتا ہے کہ "مین یونانی زبان مطلق نہین جانتا اور اس فن کے متعلق ان کے خیالات سے مین بالکل ناآشنا ہون" یونانی ورومی تصنیفات، فلسفہ وطب کے سوا زبان دانی یا مذہب سے متعلق تھین مسلمانون نے بے شبہ، دانستہ ان دونون سے بے اعتنائی کی، اور افسوس ہے کہ اس غیر معتدل فخر نے ان کو دوسری قومون کے علم تاریخ سے بھی محروم رکھا،

مسلمان فلسفہ وطب کے پہلے مرحلے مین بے شبہ یونان وروم کے احسانمند ہین، ان کی تصنیفات کے ہر صفحے سے اس احسانمندی کا اظہار ہوتا ہے اور سچ یہ ہے کہ افلاطون وارسطو (وغیرہ) کے نامون کو عموماً اسلامی ممالک نے جو عزت دی یونان مین ان کو نصیب نہ ہوئی ہوگی لیکن مسلمانون نے ایک ذرہ پایا تھا اور اس کو آفتاب بنادیا، ہیئت کو بہت کچھ ترقی دی، طبعیات کے متعلق ارسطو کی بہت سی غلطیان دریافت کین منطق کو بالکل نئے طرز سے ترتیب دیا اور چند اصول اضافہ کئے، نئے نئے آلات رصدیہ ایجاد کئے، نور کی رفتار دریافت کی علم مناظر مین انعکاس کا قاعدہ معلوم کیا، جبر ومقابلہ جو چند جزئی مسئلون کا نام تھا انھین کی طباعی سے ایک علم کے رتبہ پر پہنچگیا، دوا سازی نسخون کی ترتیب، عرق کھینچنے کے آلے، موالید ثلاثہ کی تحلیل، تیزابون کے فرق باہمی اور مشابہت کا امتحان، انھین کی ایجادات سے ہین، کیمسٹری کی انھین نے بنیاد ڈالی، علم نباتات مین اپنے تجربون سے دو ہزار پودے اور اضافہ کر دیئے، غرض آج یونانی وعربی تصنیفات کا کوئی شخص اگر موازنہ کرے تو قطرہ و دریا کا فرق پائیگا،

عیسائی مترجمون کو بے شبہ ترجمے کا فخر حاصل ہے لیکن مسلمان دعوی کے ساتھ کہہ سکتے

سلہ اگر زمانے نے مساعدت کی تو ان تمام باتون کی تفصیل اس طرح پر جس سے صاف ظاہر ہو جائے کہ مسلمانون کو جب یہ علوم ملے تو کیا تھے، اور ان کی کوششون نے ہر ایک علم کو کس قدر آگے بڑھا دیا، ایک مستقل رسالے مین لکھونگا اور شاید اسی انجمن کے کسی دوسرے جلسے مین اس کے پیش کرنے کا اتفاق ہو،

ہین کہ ان کے مستقل مرتب جامع تصنیفات کے سامنے یہ ترجمے تقویم پارینہ سے کچھ زیادہ رتبہ نہین رکھتے یہی وجہ ہے کہ چند روزون کے بعد ترجمون کا کسی کو خیال نہین رہا، اور دنیا مین جس چیز نے علوم وفنون کو ناپید ہونے سے بچا لیا وہ خاص اسلامی تصنیفات تھین، آج مسلمانون کی بڑی بڑی لائبریریون مین ترجمے کا پتہ بھی نہین ہے، اور جن لوگون کی قسمت مین یورپ کا استاد بننا لکھا تھا مثلاً بوعلی سینا ابن طفیل، محقق طوسی، امام غزالی وہ ان ترجمون کے کبھی احسانمند نہین ہوئے،

ترجمون کی صحت وغلطی

ترجمون کی صحت وغلطی کی نسبت ہم کوئی خاص فیصلہ نہین کر سکتے، آج یورپ عربی ویونانی دونون زبانون پر قابض ہے، اور قریباً دو سو برس تک اس نے عربی ہی کے ذریعہ سے فلسفہ کی تحصیل کی ہے، اس وجہ سے اور نیز اس وجہ سے کہ بعض قدیم تصنیفات (مثلاً پانچوین او چھٹی اور ساتوین جلدین ترا شہاے مخروطی مصنفہ اپالونیس پرجیس (APOLO NIUS PERGEOUS وغیرذلک) عربی ہی زبان کے ذریعے سے محفوظ ہین، ورنہ ان کی اصل جاتی رہی ہے، یورپ اسلامی کوششون کا ممنون ہے، اور امید ہے کہ ان ترجمون کی نسبت اس کا فیصلہ تعصب کی آلایش سے خالی ہوگا، گبن صاحب لکھتے ہین "ان عربی ترجمون کی خوبی پر رناوٹ (RENAUDOT نے خوب بحث کی ہے اور گسیرا (GASIRA) نے دیانت داری سے اسکی حمایت کی ہے" ہسٹری آف فلاسفی مصنفہ ہنری لوئیس (G. HENERY LEWES مین ہے، منک کہتا ہے کہ "بعض ترجمے نہایت خوبی سے کئے گئے" لیکن ایک فرانسیسی مصنف کا بیان ہے کہ "اکثر ترجمے اصل یونانی سے نہین بلکہ شامی ترجمون سے ہوئے اور ترجمہ در ترجمہ ہونے کی وجہ سے بہت غلطیان رہ گئین"، گو ہم اس امر کو کسی قدر تسلیم کرتے ہین اور نہ صرف اسی بنا پر بلکہ اس وجہ سے بھی کہ ترجمہ گو کتنا ہی عمدہ ہو تاہم یہ دعوی نہین ہو سکتا ہے کہ اصل مطلب بالکل پورا پورا ادا ہو گیا، لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس قسم کی غلطیون نے اسلامی تصنیفات پر

کوئی محسوس اثر پیدا نہین کیا، مسلمان فلاسفر یونانی فلاسفرون کی اصلی غلطیون کے درست کرنے والے تھے، ان جزئی غلطیون سے ان پر کچھ اثر نہین ہو سکتا تھا،[۵]

مسلمانون کا خود ترجمہ کرنے کی طرف مائل نہ ہونا گبن صاحب کے نزدیک اُسی فخر اور غرور کا اثر ہے یا عرب کا مخصوص خاصہ ہے، وہ لکھتے ہین کہ "اہل عرب اپنی ملکی زبان کی کثرت الفاظ پر فخر کر کے غیر زبان کے محاورہ کو حقیر سمجھتے تھے، انھون نے اپنی عیسائی رعایا مین سے یونانی مترجم چھانٹے" عرب کی پر فخر طبیعت کا خاصہ ہم کو بھی معلوم ہے، لیکن افسوس ہے کہ گبن صاحب کی بدگمانی نے [illegible] اندازہ اعتدال سے زیادہ کیا ہے، اصل یہ ہے کہ عرب مین فلسفہ کا چرچا منصور عباسی کے عہد سے اور اس کے ذاتی شوق سے شروع ہوا، یہ وہ وقت تھا کہ مذہبی بے شمار روایتون اور مسائل کے انبار کا لوگون کی قوت حافظہ پر ایک بڑا بھاری بوجھ تھا، اور سب کو یہ پڑی تھی کہ کاغذ کے حوالے کر کے ذرا سبکدوش ہون، مذہبی علوم کے بہت سے مبادی اور مقدمات بھی مرتب کرنے تھے، اسلام کا جوش ابھی شباب پر تھا، اور کم و بیش ہر مسلمان مین اس کا اثر پایا جاتا تھا، یہ ظاہر ہے کہ ایک سرگرم مذہبی گروہ کو اپنے مذہبی علوم اور مسائل کے سامنے دوسری باتون پر کس قدر توجہ ہوگی، اس وقت تعلیم یافتہ گروہ حدیث، فقہ، تفسیر، اسماء الرجال وغیرہ کی تدوین و ترتیب مین مصروف تھا، اس پر طرہ یہ ہوا کہ فلسفہ کا جو کچھ تھوڑا بہت رواج ہوا اس نے طبیعتون مین آزادی پیدا کر دی، اور بڑے بڑے نامور امام و مجتہد اس خیال سے اس کے مخالف ہو گئے کہ فلسفہ و مذہب ایک ساتھ بسر نہین کر سکتے،

خلفا (وہ بھی سب نہین) بے شبہ فلسفہ کے حامی تھے لیکن گبن صاحب خود فیصلہ کر سکتے

مسلمانون نے ترجمہ کا کام دوسری قوم سے کیون لیا،

---

[۵] طبعیات مین ارسطو اور موسیقیات مین فیثاغورث پر بوعلی سینا و فارابی نے جو قابل قدر نکتہ چینیان کی ہین وہ عام طرح سے مشہور ہین، ہنری لوئیس صاحب نے بھی مانا ہے کہ فارابی نے فیثاغورث کی غلطیاں درست کر دین، ۱۲

ہین کہ یونانی زبان سیکھنے سے ان کو مہمات ملکی مانع تھے، یا دوسری قومون کی زبانون کی حقارت
کئی صدیون تک فلسفہ ایوانِ خلافت کا خاص مہمان رہا، تیسری صدی [illegible] اسنے
قبولِ عام کی سند حاصل کی، لیکن اس وقت جیسا کہ ہم لکھ آئے ہین بے شمار ترجمے اور اسلامی مصنفین
موجود تھین، اور فلسفہ حاصل کرنے کے لئے یونانی و رومی زبانون کا دریوزہ گر ہونا چندان ضروری
نہ تھا، یہ خیال بھی کلیۃً صحیح نہین ہے، کہ ترجمہ کے کام مین مسلمان سرے سے شریک ہی نہین
ہوئے، عبد الکریم شہرستانی نے ملل و نحل مین جہان مترجمون کے نام لئے ہین ان مین ہم کو
مسلمانون کے بھی نام ملتے ہین، مثلاً ابو سلیمان بن بکر مقدسی، یوسف بن محمد نیشاپوری، ابو زید
احمد بلخی، ابو الحارث حسن بن سہیل قمی، احمد بن محمد اسفرائنی، طلحۃ النسفی اور محمد بن ابراہیم فزاری
سہل بن ہرون، ابو ریحان بیرونی، محمد بن اسمٰعیل تنوخی، قاضی رکن الدین وغیرہ بھی تو آخر مسلمان
ہی تھے، بہت سے اولو العزم خلفا اور امرا کی پیہم کوششون نے ترجمون کی تعداد جسقدر کثیر کر دی ہے
اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے، تاہم نمونے کے طور پر مین چند ترجمون کی ایک فہرست ناظرین
کے سامنے پیش کرتا ہون، مین نے ان ترجمون کو مطلقاً چھوڑ دیا ہے، جنکے مترجمون کے نام
یا ان کے زائد حالات مین نہین معلوم کر سکا ہون، جن حکمار کی کتابون کے ترجمے ہوئے ان مین سے
بعض کے نام یہ ہین :-

Ammouius, Themistius, Pyrianus, Sunphei-
us, Philoponus, Pythagoras, Diogenes. Dimo
critus. Hippocrates, Socrates. Aristotle. Archi-
medes Galen. Ptolemy.
Appollonius. Pangaeaus. Plato

ثاؤذوسیوس، مانالاوس، برقلس، ارسطیقوس، ولیقوریدس، ادطوقولس، بارلوقا قسطوس، ابقلاوس،
ابلینوس، نیقولاوس، یدلیس الاصانطی، دیوقنطوس،

نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	
الٰہیات	ارسطو	یحییٰ بن عدی وغیرہ	اسحاق بن حنین، ابن عدی، اسطاث، الکندی، ابوالبشر متی ہر ایک نے اس کا پورا ترجمہ کیا، اور بعض مقالون کا حنین بن اسحٰق نے بھی،
السماع الطبعی	"		آٹھ مقالون مین ہے، شیخ بوعلی سینا، اور دوسرے علماے اسلام نے اس کی تفسیر کی ہے،
کتاب السماء والعالم	"	متی	یہ کتاب چار مقالون مین ہے، قاضی ابوالولید ابن الرشد نے اسکا خلاصہ کیا، (معجب)
کتاب النیازک	"		حنین بن اسحٰق نے اس کی شرح لکھی، اور خلاصہ کیا،
کتاب جرمی الشمس والقمر وابعدهما	"		علامہ نصیر الدین طوسی نے اس کی اصلاح کی،
کتاب النبات	"	اسحٰق	دو مقالے ہین، ثابت بن قرہ نے اصلاح کی،
کتاب المرآۃ	"	حجاج بن مطر	
کتاب الحس والمحسوس	"	متی بن یونس	قاضی ابوالولید نے اس کا خلاصہ کیا، اور شرح لکھی (معجب) ۳ مقالون مین ہے،
سر الاسرار	"		مامون رشید کے حکم سے ترجمہ ہوئی، اس مین سکندر کیلئے ارسطو نے وصیتین کی ہین،

نام کتاب	نام مصنّف	نام مترجم	
کتاب السیاسته	ارسطو		سات مقالون مین ہے اس کو ارسطو نے سکندر کے لیے لکھا تھا۔
کتاب الاخلاق	"	حنین بن اسحٰق و یحییٰ بن عدی	اس مین بارہ۱۲ مقالے ہین، فرفوریوس نے اسکی تفسیر کی ہے،
کتاب النفس	"	" وغیرہ	حنین نے پوری کتاب کا ترجمہ سریانی مین کیا، اور بعض مقالون کا اسحٰق نے، ثامسطیوس نے اس کتاب کی جو مبسوط شرح لکھی تھی اسکا ترجمہ اسحٰق نے ایک خراب نسخہ سے کیا، اور پھر ایک عمدہ نسخہ سے مقابلہ کرکے صحیح کیا،
قاطیغوریاس	"	حنین بن اسحٰق	یعنی مقولات عشرہ، ابونصر فارابی، ابوبشر متی، ابن مقفع، و ابن بہریز، و کندی، و اسحٰق بن حنین، و احمد بن طیب و رازی نے شرحین لکھین،
باریمنیاس	"	" و اسحٰق	یعنی مباحث الفاظ، حنین نے سریانی مین اور اسحٰق نے عربی مین ترجمہ کیا، اور یحییٰ نحوی و ابوبشر متی، و فارابی نے شرحین لکھین، اسحٰق بن مقفع کندی. ابن بہریز، رازی، ثابت بن قرۃ،

نام کتاب	نام مصنّف	نام مترجم	
			احمد بن طیب نے ملخص اور مختصر کیا،
انالوطیقا	ارسطو	ثیاوزوس	یعنی تحلیل قیاس، حنین نے سریانی مین اور اسحق نے عربی مین اس کے بعض اجزاء ترجمہ کئے، یحیی نحوی و کندی نے اس کی شرح لکھی، ابو بشر متی نے دو مقالون کی شرح کی،
انولوطیقاے ثانی	”	اسحق وغیرہ	یعنی برہان، حنین نے بعض اجزا سریانی مین ترجمہ کئے، اور متی نے اس ترجمہ کی عربی کی، یحیی نحوی، و ابو یحیی مروزی نے اصل کتاب پر نکتہ چینیان کی ہین، متی کندی، فارابی نے شرحین لکھین،
طوبیقا		یحیی بن عدی	یعنی جدل، اسحق نے سریانی مین ترجمہ کیا اور یحیی بن عدی نے اس ترجمہ کی عربی کی، دمشقی نے بھی سات مقالون کا ترجمہ کیا، اور ابراہیم بن عبد اللہ نے آٹھ مقالون کا، یحیی بن عدی نے اس کی جو تفسیر لکھی وہ ہزار ورق مین ہے، فارابی متی نے شرحین لکھین، اسکندر او البینوس نے جو شرحین

نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	
سوفسطیقا	ارسطو	ابن ناعمہ وغیرہ	اس پر لکھی ہین، ان کا ترجمہ اسحق نے عربی مین کیا، یعنی مغالطہ، ابن ناعمہ و ابو بشر متی نے سریانی مین ترجمہ کیا، اور یحیی بن عدی و قویری و ابراہیم نے عربی مین نقل کیا، اور شرح لکھی، کندی کی بھی اس پر شرح ہے،
ریطوریقا	"	اسحق و ابراہیم	یعنی خطابیات، فارابی نے شرح لکھی جو سو ورق مین ہے،
انوطیقا	"	ابو بشر متی یحیی بن عدی	یعنی شعر، کندی نے اس کو مختصر کیا،
سماع طبعی مشہور بہ سمع الکیان	"		یہ کتاب آٹھ مقالون مین ہے، مقالہ اولی کی تفسیر اسکندر افرودسی نے کی جس کا ترجمہ ابو الروح صابی نے عربی مین کیا، اور یحیی بن عدی نے اس کی اصلاح کی، دوسرا مقالہ حنین نے سریانی مین ترجمہ کیا، اور یحیی نے اسکو عربی مین نقل کیا، تیسرا مقالہ موجود نہین ہے، چوتھے مقالہ کی تفسیر اسکندر افرودسی نے تین مقالون مین کی ہے جنمین سے دو مقالے کامل اور تیسرے کا

نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	
			کچھ حصہ قسطا بن لوقا نے ترجمہ کیا، قسطا نے پانچوین اور ساتوین مقالے کا ترجمہ کیا، اور آٹھوین کی شرح لکھی، فرفوریوس یونانی نے اس کے چار مقالون کی جو شرح لکھی ہے، اس کا ترجمہ بسیل نے کیا، اور ابو البشر متی نے دوبارہ نقل کیا، ثامسطیوس نے بھی اس پر شرح لکھی ہے، جس کا ترجمہ متی نے سریانی مین کیا، ابواحمد نے مقالہ اولی و چہارم کی شرح لکھی، ثابت بن قرہ نے مقالہ اولی و ثانیہ پر حاشیہ لکھا، ابراہیم بن الصلت نے مقالہ اولی کی شرح کی، ابوالفرج بن قدامہ نے رومی زبان مین جو شرح لکھی ہے، عربی زبان مین اس کا بھی ترجمہ ہوا، اس کتاب پر علمائے اسلام نے بہت سی شرحین اور حاشیے لکھے،
سماع عالم	ارسطو	یحیی بن عدی وغیرہ	چار مقالون مین ہے، ابن بطریق متی نے اس کے بعض حصے ترجمے کئے، حنین بن اسحق نے اس کے سوالہ مسئلون پر گفتگو کی ہے، ابوزید بلخی

نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	
			نے ابوجعفر خازن کے لئے اس کی شرح لکھی، ابوہاشم نے اصل کتاب پر ردوقدح کیا، اور اعتراضات لکھے، جو تصفح کے نام سے مشہور ہین،
کتاب الکون والفساد	ارسطو	حنین وغیرہ	حنین نے سریانی مین ترجمہ کیا، اور اسحٰق دمشقی نے عربی مین، اسکندر نے اس کی شرح لکھی ہے، جس کا ترجمہ متی نے کیا، اور ابوزکریا یحیی بن عدی نے اس کی اصلاح کی، یحیی انحوی نے بھی اس کی شرح لکھی، مقالہ اولی کا ترجمہ قسطا نے بھی کیا، لاینذروس یونانی نے جو شرح لکھی ہے، اس کا ترجمہ بھی عربی زبان مین کیا گیا،
کتاب فی الآثار العلویۃ	”	یحیی بن البطریق وغیرہ	لاینذروس یونانی نے اسکی شرح لکھی ہے جسکو ابوبشر متی نے عربی مین نقل کیا، اسکندر افرودوسی کی بھی تفسیر ہے جسکا ترجمہ عربی زبان مین کیا گیا، ثامسطیوس کی شرح کا ترجمہ اسحٰق نے عربی مین کیا، یحیی بن عدی و حنین وغیرہ نے بھی اصل کتاب کے ترجمے سریانی وعبرانی مین کئے،
کتاب الحیوان	”	ابن البطریق	۱۹ مقالون مین ہے، نیقولاؤس نے اسکو مختصر کیا ہے جس کا ترجمہ ابوعلی بن ذرعہ نے عربی مین کیا،

تقی الدین سپہر نے ناسخ التواریخ مین لکھا ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کے وقت ارسطو کی کتابون مین سے کتاب اثالوجیا و کتاب زبرجد و کتاب الیاقوت میری نظر سے گذرین ،

اقلیدس

حجاج ابن یوسف کوفی نے دو ترجمے کئے ، پہلا ہارونی کے لقب سے مشہور ہے اور دوسرا ماموفی کے نام سے ، مگر یہ دوسرا ترجمہ عمدہ اور صحیح ہونے کی وجہ سے زیادہ شایع ہوا ، حجاج کے نسخے مین کل شکلین ۴۶۸ ہین مگر ثابت کے نسخے مین ۱۰ شکلین اور زیادہ ہین ، کچھ مقالے ابو عثمان دمشقی نے بھی ترجمے کئے ، عبد اللطیف طبیب نے جو رومی نسخہ دیکھا اسمین چالیس شکلین اور زائد تھین جنکا اس نے ترجمہ کرنا چاہا تھا علماے اسلام نے نہایت کثرت سے اقلیدس پر شرحین اور حواشی لکھے مثلاً یزیدی ، جوہری ، ہامانی ، ابو حفص الحرث الخراسانی ، ابو الوفا البوزجانی ، ابو القاسم انطاکی ، احمد بن محمد الکرابیسی ، ابو یوسف الرازی ، قاضی ابو محمد عبد الباقی البغدادی المشہور بہ قاضی بیمارستان ، (ہسپتال) ابو علی الحسن بن الحسین بن الہیثم البصری ، ابو جعفر خازن اہوازی ، ابو داؤد سلیمان بن عقبہ ، محقق طوسی ، ہامانی نے صرف پانچوین مقالے کا ترجمہ کیا اور ابو یوسف رازی نے صرف دسوین مقالہ کا ، قاضی عبد الباقی کی شرح نہایت بسیط ہے ، اس نے اشکال کی مثالین عدد سے بھی دی ہین ، ابن ہیثم نے اس کے مصادرات کی شرح لکھی ، اور ایک کتاب اس پر اعتراض وجواب کی لکھی ، ابو جعفر خازن و اہوازی کی شرح صرف دسوین مقالے پر ہے ، ثابت بن قرہ نے ان علل کی تشریح کی جن پر اقلیدس نے شکلون کی ترتیب رکھی ہے ، اس کتاب کی بہت سی اصلاحین بھی ہوئین ، جنکو تحریر کا لقب ملا مثلاً تحریر تقی الدین ، اس تحریر کا نام تہذیب الاصول ہے ، اور تحریر محقق طوسی جو نہایت عمدہ تر اور شایع ہے ، اور اسی وجہ سے بہت سے علمائے اس پر حواشی لکھے جنمین سے علامہ سید شریف قاضی زادہ رومی نامور ہین ،

نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	
المعطیات	اقلیدس	اسحق	اسحق نے عربی مین ترجمہ کیا، ثابت نے اصلاح کی، علامہ طوسی نے تحریر کی، ۹۵ شکلون مین ہے۔
المناظر	"	"	۶۴ شکلون مین ہے، علامۂ طوسی نے اس کی تحریر کی،
ظاہرات الفلک	"	"	۲۳ شکلین ہین، نصیر الدین طوسی نے تحریر کی، تبریزی نے اُس کی شرح لکھی۔
کناشش	اہرون القیس	ماسرجویہ	یہ حکیم ماسرجویہ بصرہ کا رہنے والا، اور یہودی المذہب تھا، مروان کے زمانے مین (غالبًا اس کی فرمایش سے) یہ ترجمہ اس نے عربی مین کیا،
کتاب الجبر والمقابلہ	ایوقسطیوس	"	محمد بن محمد یحیٰی ابن ابی البقار البوزجانی نے جو ۳۴۳ھ مین موجود تھا، اس کتاب کی تفسیر کی، (مختصر)
المطالع	السبقلاوس	قسطا بن لوقا بعلبکی	کندی نے اصلاح کی اور علامہ طوسی نے تحریر کی، ۳ مقدمے اور دو شکلون پر مشتمل ہے،
المنی	افلاطون	"	موفق الدین بغدادی نے اس کو مختصر کیا، اور ترتیب دی،
الفلاحۃ الرومیہ	قسطوس بن	سرجس بن	اس نے پہلا ترجمہ رومی سے عربی زبان مین کیا

نامِ کتاب	نامِ مصنف	نامِ مترجم	
	اسکوراالسکینہ	ہلیا	پھر قسطا بن لوقا بعلبکی، ابوزکریا بن یحییٰ بن عدی، اسطاس نے عربی مین الگ الگ ترجمے کئے، فارسی مین بھی اس کا ترجمہ ہوا، جس کا نام ورزنامہ ہے،
الکرۃ المتحرکہ	اوطولوقس	ثابت	ثابت نے اصلاح کی، اور محقق طوسی نے تحریر کی، ایک مقالہ اور بارہ شکلین ہین،
کتاب اللیل والنہار	ثاودسیوس		دو مقالے ہین، اور ۳۳ شکلین، علامہ طوسی نے تحریر کی،
کتاب[1] المساکن	″	قسطا بن لوقا	۱۲ شکلین ہین، علامہ طوسی نے تحریر کی،
کتاب الحشائش	ولیسقوریدس	اصطفن بن بسیل	اس کتاب مین نباتات کی تصویرین یونانی قدیم حرفون مین بنی ہوئی تھین،
کتاب السموم	باربوقا نبطی من اہل بپروسایہ	ابوبکر احمد	یہ کتاب نبطی زبان مین تھی، ابوبکر احمد بن علی المعروف بابن وحشیہ نے عربی مین ترجمہ کیا،
کتاب الادویہ	ولیسقوریدس		۵ مقالے ہین، ابن بیطار شیخ عبداللہ بن احمد مالقی نے اس کی تفسیر کی،
کتاب تسطیح الکرہ	بطلیموس		ابوجعفر احمد بن محمد الطیب المتوفی سنہ ۳۲۶ھ نے اس کی شرح لکھی، جوکہ رجب سنہ ۳۴۲ھ مین تمام ہوئی،
الفرق	جالینوس		

[1] اس کتاب کا ترجمہ مین نے خود دیکھا ہے،

نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	
کتاب القوی الطبیعیہ	جالینوس	حنین بن اسحٰق	۳ مقالون مین ہے۔
کتاب الحمیات	"		ابو جعفر احمد بن محمد الطبیب نے اس پر شرح لکھی
کتاب الکرۃ والاسطوانۃ	ارشمیدس مصری		ثابت بن قرۃ نے اصلاحات کی مگر چونکہ اصل ترجمہ خراب تھا اصلاح مین بھی بعض مصادرات چھوٹ گئے اوطوقیوس عسقلانی نے اس کے مشکلات کی شرح لکھی جس کا ترجمہ عربی مین اسحٰق بن حنین نے کیا، علامہ طوسی نے اس کی تحریر کی، ثابت کے نسخے مین اس کی ۴۸ شکلین ہین اور اسحٰق کے نسخے مین صرف ۴۳،
الماخوذات فی الاصول	"	ثابت ابن قرہ	ابو الحسن علی ابن احمد النسوی نے اس کی تفسیر کی، ۱۵ شکلین ہین، علامہ طوسی نے اصلاح کی، ابو سہل نے بھی کچھ اس کی اصلاح کی، جس کا نام تزیین کتاب ارشمیدس ہے،
المخروطات فی احوال الخطوط المنحنیہ	ایلینوس النجار	احمد بن موسی الحصمی ثابت ابن قرہ	مامون رشید نے روم سے جو کتابین منگواکر ترجمہ کرائین ان مین اسکا بھی ترجمہ ہوا، یہ سات مقالون مین تھی، مگر مقدمے کی عبارت سے معلوم ہوا کہ اصل کتاب آٹھ مقالون مین ہے، اور اس آٹھوین مقالہ مین سب پہلے مقالون

نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	
			کے مطالب مع فوائد دیگر موجود ہین، لیکن آٹھوین مقالے کا باوجود تلاش کے پتہ نہ لگا' ابو موسی شاکر کا بیان ہے کہ اب جس قدر یہ کتاب موجود ہے، اس مین سات مقالے اور کچھ حصہ آٹھوین کا موجود ہے، جسمین کہ صرف چار شکلین ہین، چار پہلے مقالون کا ترجمہ احمد بن موسیٰ نے کیا، اور تین پچھلے مقالون کا ثابت ابن قرہ نے جسکو کہ حسن و احمد (دونون ابن موسیٰ بن شاکر) نے اصلاح کرکے درست کیا، اہلِ یورپ نے اس کتاب کو صرف مشرقی ترجمون کے ذریعہ سے پایا، کیونکہ اس کی اصل بالکل جاتی رہی، (گبن رد من امپائر)
نسبۃ الجذر	ابلیتوس النجار		دو مقالون مین ہے، پہلے مقالے کے ترجمہ کی تو ثابت نے اصلاح کی، مگر دوسرے مقالے کا ترجمہ بے معنی ہے،
مابعد الطبیعۃ	ثاوفرسطوس	یحیی بن عدی	یہ مصنف ارسطو کا برادر زادہ تھا، اصل کتاب سریانی مین تھی (مختصر الدول)
کتاب الحس و المحسوس		ابراہیم بن بکوس	(از مختصر الدول)

نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	
اسباب المنیات	ثاوفردیطوس	ابراہیم بن بکوین	(مختصر الدول)
کتاب من حل فلسفۃ ارسطو	نیقلاوس	حنین	حنین نے پوری کتاب کا ترجمہ سریانی مین کیا، (مختصر الدول)،
ثالوجیا	برقلس	ابوعثمان دمشقی	
الحدود	ارسطیقوس یونانی	ابوالوفا	ابوالوفا محمد بن محمد حاسب نے ترجمہ کیا، اور اصلاح کی، پھر اس پر شرح لکھی جسمین دلائل ہندسی قائم کئے،

مجسطی

اس کتاب کے ۳ ترجمے نہایت مقبول اور مشہور ہوئے پہلا حجاج ابن مطر کا، دوسرا اسحق کا جس کو ثابت نے صحیح کیا تیسرا خود ثابت کا، اول اس کا ترجمہ یحیی بن خالد برمکی کے لئے کیا گیا جس کی نسبت سے لوگون نے تعلیقات اور تفسیرین لکھین، مگر وہ سب ترجمے اور تفسیرین مبہم اور مجمل تھین ابوحسان وسلمان نے جنکو بیت الحکمۃ کا اہتمام سپرد تھا ان ترجمون کی خوب توضیح وتصحیح کی، چونکہ مامون رشید کو اس کتاب کے ساتھ نہایت شیفتگی تھی، تو اس کی فرمایش سے حنین بن اسحق نے بھی ترجمہ کیا اور حجاج ابن یوسف وثابت بن قرہ نے زوائد سے پاک کر کے خلاصہ لکھا، ابوالریحان بیرونی نے اسکا اختصار کیا اور عمرو بن فرخان وابراہیم بن الصلت وفضل ابن حاتم وشمس الدین سمرقندی، نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری ودیگر علما نے شرحین لکھین، شیخ یحیی بن محمد بن ابی الشکر المغربی الاندلسی نے مجسطی کا ملخص ملطیہ کے پوپ ابوالفرج غریغورس بن ہارون کے اشارے سے لکھا،

نامِ کتاب	نامِ مصنّف	نامِ مترجم	
فصول بقراط	بقراط	ابو عثمان سعید ابن یعقوب	یہ مترجم نہایت نامور حکیم اور مقتدر باللہ کے وزیر کا خاص طبیب تھا،
نموذار فی الاعمار	کنکہ ہندی	"	یہ حکیم ہندوستان کا رہنے والا ہارون الرشید کے دربار مین داخل تھا، اور علاوہ طبابت کے ترجمے کا کام بھی اس کے متعلق تھا، الفنسٹن نے تاریخ ہند مین اس کا نام منکا لکھا ہی،
اسرار الموالید	"	"	
والقرانات الکبیر	"	"	
والقرانات الصغیر	"	"	
کتاب حساب العدد			یہ کتاب سنسکرت زبان مین تھی جس کی توضیح وتفسیر ابو جعفر محمد بن موسیٰ خوارزمی نے کی، (جامع القصص العربیہ)
رسالۃ السر فی الکیمیا	ہرمس بودشیر قسطانس بن اراسیس		یہ رسالہ اخمیم مصر مین ایک قبہ مین پایا گیا، اس قبہ مین ایک عورت کی ممی تھی، اور اس کے بال پاؤن تک لٹک رہے تھے، سات نہایت عمدہ حلے اس کے بدن پر تھے اور اس کے ارد گرد چند تخت تھے جن پر چھوٹی چھوٹی لڑکیون کے میان تھین، یہ رسالہ سونے کی تختی پر لکھا ہوا تھا، اور اس عورت کے سر کے نیچے تھا، مامون الرشید جب مصر گیا تو اس نے اس رسالہ کا ترجمہ کرایا جس کو ایک حمیر کے شخص نے کیا تھا،

نام کتاب	نام مصنف	نام مترجم	
کلیلہ دمنہ		عبداللہ بن المقفع	یہ کتاب ہندی زبان سے نوشیروان کے لئے ترجمہ کی گئی پھر اس فارسی کا ترجمہ عبداللہ بن المقفع نے عربی مین کیا جوکہ ابوجعفر منصور کا منشی تھا، دوسرا ترجمہ عربی مین عبداللہ ابن ہلال اہوازی نے یحیی بن خالد برمکی کے لئے کیا جوکہ ۱۶۵ھ مین تمام ہوا پھر سہل بن نوبخت حکیم نے یحیی بن خالد کے لئے نظم کیا، جسکا صلہ اس کو اکہزار دینار ملا، کلیلہ دمنہ کے ڈھنگ پر سہل بن ہارون نے ایک کتاب مامون الرشید کے لئے لکھی جس مین ہر ایک باب وفصل کلیلہ دمنہ کے معارضے کے طور پر لکھی،
کتاب الادویہ	ولیقوریدس		عبداللہ مالقی نے اس کی شرح لکھی،
کتاب سبرک ہندی	سبرک ہندی	عبداللہ بن علی	پہلے اس کتاب کا ترجمہ فارسی مین ہوا، پھر عبداللہ بن علی نے فارسی سے عربی مین ترجمہ کیا،
کتاب الطلوع والغروب	اوطولوقس		ثابت بن قرہ نے اصلاح کی، اور محقق طوسی نے تحریر، دو مقالے ہین، اور ۳۶ شکلین،
کتاب السموم	شاناق ہندی	ابوحاتم بلخی	یحیی بن خالد برمکی کے حکم سے منکہ ہندی نے باعانت ابوحاتم بلخی فارسی مین ترجمہ کیا پھر مامون الرشید کے حکم سے علی بن العباس بن احمد نے عربی مین نقل کیا

نام کتاب	نام مصنف	نام مستر جم	
الاکر المتحرکہ	اوطوقولس		مامون الرشید کے عہد مین ترجمہ ہوا اور یعقوب کندی نے اصلاح کی،
اکر	ثاوذوسیوس	قسطابن لوقا	یہ کتاب تین مقالون مین ہے، ثابت بن قرہ نے اصلاح کی اور محقق طوسی و تقی الدین الراصد نے تحریر کی،
اکر	مانالاوس		اس کتاب کے بہت سے ترجمے ہوئے، ماہانی و ابوالفضل احمد بن سعید ہروی نے اصلاح کی، اس مین تین مقالے ہین،

یہ فہرست زیادہ تر کشف الظنون سے مرتب کی گئی ہے، خاص ارسطو کی تصانیف کے متعلق کسی قدر زائد تفصیل تاریخ التواریخ جلد اول حالات ارسطو سے لی گئی ہے،

ریمارک،

یہ فہرست نہایت مختصر ہے، ہم نے خود اختصار کی غرض سے بہت سے ترجمون کے نام نہین لکھے، گو عام طور پر ان مفصل واقعات سے لوگ بہت کم واقف ہین، تاہم ترجمون کی اجمالی تاریخ آج قوم کے ایک ایک ممبر کو معلوم ہے، انھین واقعات پر خیال کرنے سے بانیان سین ٹیفک سوسائٹی علی گڈھ کو دھوکا ہوا، اور وہ سمجھے کہ جس طرح ہمارے مورثون نے بذریعہ ترجمون کے علوم کو ترقی دی ہم بھی یورپ کے علوم و فنون کو اپنی زبان مین ترجمہ کر کے اپنے علوم اور اپنی قوم کو ترقی کے رتبے پر پہنچائین گے، مگر انکا یہ قیاس غلط اور قیاس مع الفارق تھا، اول تو ترجمون کا

اہتمام اور لاکھون روپیہ کا خرچ جو خلفاے عباسیہ کے زمانے مین ہوا اب غیر ممکن ہے۔ **دوسرے** اس زمانے مین علوم محدود تھے۔ اور ترقی رک چکی تھی جب قدر کتابین ترجمہ کرلی گئین یونانیون کے علوم پر گویا احاطہ کر لیا گیا اس زمانہ مین نہ علوم کی ترقی کی انتہا ہے نہ ان کتابون کے شمار کی کوئی حد ہے جن کی تصنیف کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ **تیسرے** بڑی غلطی اس قیاس مین یہ تھی کہ اُس زمانے مین عربی زبان جس مین ترجمے ہوئے تمام ممالک اسلامی مین حکومت کرنے والی زبان تھی، دنیا مین ایسی کوئی مثال موجود نہین ہے کہ قوم نے اُس زبان مین علوم و فنون کو ترقی دی ہو، جو ان پر حکومت کرنے والی نہین ہے۔ مگر ہم کو اس بات کے معلوم کرنے سے خوشی ہے کہ خود **سید احمد خان صاحب** نے جو سینٹیفک سوسائٹی کے بانی ہین متعدد تحریرون مین اپنی غلطی کا اعتراف کیا ہے۔

مدرسے اور دار العلوم

اگرچہ سنہ ۴۳ھ کے متصل ہی تمام ممالک اسلامی مین درس وتدریس کا ایک عظیم الشان سلسلہ قایم ہوگیا، اور انھین دو تین صدیون مین جس درجے کے سیکڑون ہزارون مجتہد، فقیہ، ادیب، شاعر، فلاسفر، مورخ پیدا ہوگئے، زمانے کو نو سو برس کی وسیع مدت مین بھی اس پایہ کے لوگ نصیب نہین ہوئے، لیکن تعجب ہے، کہ تاریخ کے صفحون مین چوتھی صدی کے اخیر تک بھی کسی کالج یا اسکول کا نشان نہین ملتا، مسجدون کے صحن، خانقاہون کے حجرے، علما کے معمولی مکانات یہی اس وقت کے مدرسے یا دار العلوم تھے، چیمبرس انسائیکلوپیڈیا مین لکھا ہے کہ مامون الرشید کے زمانہ مین عمدہ عمدہ مدرسے بغداد، بصرہ، کوفہ، بخارا مین قائم ہوئے[1] اس سے بھی زیادہ واضح انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی شہادت ہے کہ مامون نے اپنی ولیعہدی کے زمانے مین خراسان مین ایک کالج بنوایا جس مین مختلف ملکون سے نہایت لایق لایق استاد بلاکر مقرر کئے، اور میسوع ایک بڑے فاضل کو جو دمشق کا رہنے والا اور مذہباً عیسائی تھا، کالج کا پرنسپل مقرر کیا،[2] اگر یہ روایتین صحیح ہون تو مدرسون کی ابتدائی تاریخ تصنیفات کے عہد سے بہت قریب ہوجاتی ہے، لیکن ہم کو معلوم ہے کہ "ایشیا کا وسیع النظر مورخ ان شہادتون کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھے گا، اور یہ کہکر ٹال دیگا کہ اپنے گھر کا حال ہم تم سے زیادہ جانتے ہین"۔

مدرسون کی ابتدا

عام خیال تو یہ ہے اور تعجب ہے کہ علامہ ابن خلکان بھی اس سے متفق ہین کہ "اسلامی دنیا

---

[1] کتاب مذکور ذکر عرب،

[2] کتاب مذکور حالات مامون الرشید

مین اول جس نے مدرسون کی بنیاد ڈالی وہ دولت سلجوقیہ کا وزیر اعظم نظام الملک طوسی تھا اولیت کی تعیین تو ہم بھی نہین کر سکتے مگر یہ بتا سکتے ہین کہ نظام الملک سے پہلے بھی مدرسون کے آثار موجود تھے، ۳۹۵ھ مین حاکم مصر نے مصر مین ایک بڑا مدرسہ بنوایا بہت سی کتابین اس پر وقف کین اور فقہا و محدثین درس و تدریس کے لئے مقرر کئے۔[1]

سلطان محمود غزنوی نے بھی ہندوستان کی بے انتہا دولت کا ایک حصہ اس عمدہ کام مین صرف کیا، متھرا کی فتح سے واپس جاکر قریباً ۴۱۰ھ مین خاص دارالسلطنت غزنین مین ایک نہایت عالیشان مدرسہ بنوایا، ایک کتبخانہ بھی اس مین شامل تھا جس مین مختلف زبانون کی کتابین نہایت کثرت سے جمع کی گئی تھین، مدرسہ کے مصارف کے لئے بہت سے دیہات اور مواضع وقف کئے تھے، محمد قاسم فرشتہ کا بیان ہے کہ اس عمدہ نظیر کی تقلید تمام ارکان دولت اور امرا نے بھی کی اور تھوڑے ہی دنون مین غزنین علمی یادگارون سے معمور ہو گیا،[2] دارالسلام بغداد اس فخر کے لئے ہنوز نظام الملک کا انتظار کر رہا تھا، لیکن نیشاپور مین بڑے بڑے کالج و اسکول قائم ہو چکے تھے، سلطان محمود کے بھائی امیر نصر نے ایک مدرسہ بنوایا جو سعیدیہ کے نام سے مشہور ہوا، مدرسہ بیہقیہ کے مدرس اعظم ابو القاسم اسکاف اسفرائنی تھے،

امام الحرمین نے جو امام غزالی کے استاد ہین اسی مدرسہ مین تعلیم پائی تھی، استاد ابوبکر فورک کو لوگون نے خطوط بھیجکر بلایا، اور جب وہ تشریف لائے تو خاص ان کے درس کے لئے ایک مدرسہ تعمیر ہوا، جس کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ تاریخ اسلام مین اگر کوئی مدرسہ عام قومی چندہ سے بنا تو شاید یہی تھا، استاد ابوبکر نے ۴۰۶ھ مین وفات پائی، ان کی تصنیفات کا اندازہ

---

[1] حسن المحاضرۃ علامہ سیوطی ذکر حوادث غریبہ بمصر ۳۹۵ھ و تاریخ کامل واقعات ۳۹۵ھ۔

[2] تاریخ فرشتہ فتح متھرا،

سو کے قریب کیا گیا ہے، اسی طرح ایک اور مشہور مدرسہ علامہ ابو اسحٰق اسفراینی المتوفی ۴۱۸ھ کیلئے قایم ہوا[۱] حکیم ناصر خسرو سفر کرتا ہوا ۴۳۷ھ ہجری مین جب نیشاپور پہنچا تو اس نے ایک مدرسہ دیکھا جو طغرل بیگ سلجوقی کے حکم سے تعمیر ہو رہا تھا[۲] ایک اور مدرسہ تھا جو ابو سعد اسمٰعیل استرآبادی کی طرف منسوب ہے،

اور شاید سب سے اخیر وہ مدرسہ تھا جو نظام الملک کی علمی فیاضی کا پہلا دیباچہ تھا یہ مدرسہ بھی نظامیہ کے نام سے مشہور تھا لیکن جب بغداد کا مشہور دار العلوم قائم ہوا، تو اسکی علمی شہرت دب گئی اور اب اگر اسکو نظامیہ کہتے ہین تو ساتھ ہی نیشاپور کی قید لگانی پڑتی ہے، تاہم اس کا یہ فخر کوئی نہین گھٹا سکتا کہ امام غزالی کے استاد علامہ ابو المعالی امام الحرمین اسکے مدرس اعظم تھے، اور امام غزالی سے فخر روزگار اسی مدرسہ کے ایک مستعد طالب العلم تھے[۳] حقیقت یہ ہے کہ نظامیہ کی عزت کچھ اس وجہ سے نہین ہے کہ وہ دنیا مین سب سے پہلا مدرسہ تھا، بلکہ اس لئے ہے کہ اس کی عالمگیر شہرت نے تمام پچھلی یادگارون کو اس طرح دلون سے بھلا دیا کہ گویا اس سے پہلے کوئی دار العلم بنا ہی نہ تھا، خود بغداد مین بھی تو اس سے کچھ پہلے الپ ارسلان سلجوقی کا ایک مدرسہ موجود تھا، جو زر خطیر کے صرف سے تیار ہوا تھا مگر آج کتنے آدمی ہین، جو اسکا نام بھی بتا سکین،

عرب کے سوا اسلامی ممالک مین جتنے خاندان فرمانروا ہوئے، ان سب مین پر عظمت اور قوی تر آل سلجوق تھے، الپ ارسلان و ملک شاہ جنکی شہرت نے یورپ و ایشیا دونون پر

---

[۱] اس مدرسہ اور مدرسہ بیہقیہ، و مدرسہ سعیدیہ کے لئے دیکھو حسن المحاضرہ علامہ سیوطی "ذکر امہات مدارس" باقی مدرسون کے حالات ابن خلکان مین ان علماء کے تراجم مین ملین گے جن کے لئے وہ قائم کئے گئے، ابن خلکان مین امام الحرمین کے حالات بھی دیکھو [۲] سفرنامہ ناصر خسرو مطبوعہ دہلی صفحہ ۴، [۳] دیکھو ابن خلکان ترجمہ امام الحرمین و امام غزالی،

برابر قبضہ کیا ہے، اسی خاندان کے یادگار تھے، اور نظام الملک طوسی جس کے مبارک ہاتھوں نے نظامیہ بغداد کی بنیاد ڈالی انھیں دور کے دربار میں وزیر اعظم تھا[1]، وہ صرف وزیر نہ تھا، بلکہ سفید وسیاہ کا مالک تھا، اس نے چھ لاکھ دینار کی رقم خاص اس فیاضانہ کام کے لئے خزانۂ شاہی سے مقرر کی تھی، اور تمام عملداری میں مکتب اور مدرسے قائم کئے تھے، خاص اپنی کل جاگیرات میں سے بھی دسواں حصہ مدرسوں کے لئے وقف کر دیا تھا[2]، لیکن سب سے بڑا کام جو اس کے ہاتھوں پورا ہوا نظامیہ کی تعمیر تھی، گبن صاحب اس کی نسبت لکھتے ہیں کہ ایک سلطان کے وزیر نے بغداد میں مدرسہ قائم کرنے کے لئے دو لاکھ دینار[3] وقف کئے، اور پندرہ ہزار دینار سالانہ اس کے صرف کے لئے مقرر کئے، نتائج علمی سے چھ ہزار درجہ کے طلبا مختلف فنون میں بہرہ اندوز ہوئے ان میں امراء کے لڑکے بھی تھے اور اہل حرفہ کے بھی، غریب طالب علموں کیلئے کافی آمدنی مقرر تھی اور مدرسوں اور محققوں کی تنخواہیں بیش قرار تھیں،"

نظامیہ بغداد

۴۵۷ھ میں اس کی تعمیر شروع ہوئی اور ۱۰ ذیقعدہ روز شنبہ ۴۵۹ھ کو بڑی شان و شوکت سے کھولا گیا، اگر مورخین کا یہ بیان صحیح ہے کہ رسم افتتاح کے وقت سارا بغداد امنڈ آیا تھا، اور دار الخلافہ کی کل عظمت اور قوت نظامیہ کے ہال میں مجتمع تھی۔ تو قوم کے علمی جوش اور سلسلہ عمارت کی وسعت کا بھی ہم صحیح اندازہ کر سکتے ہیں علامہ ابو اسحق شیرازی جو ان ممالک میں استاد کل تسلیم کئے جاتے تھے، مدرس اعظم منتخب ہوئے، لیکن انھوں نے ایک شبہہ کی بنا پر اس عہدہ

[1] ملک شاہ کی سلطنت کاشغر سے بیت المقدس تک طول میں اور قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک عرض میں پھیلی ہوئی تھی اس عہد میں گویا وہ تمام ممالک اسلامی کا مالک تھا، ۴۰۸ھ میں پیدا ہوا، اور ۴۸۵ھ میں وفات پائی نظام الملک نے بیس برس تک اس کے دربار میں وزارت کی (ابن خلکان ترجمہ ملک شاہ و نظام الملک) [2] آثار البلاد علامہ قزوینی ذکر طوس ورو ضتین فی اخبار الدولتین، [3] دینار کم از کم پانچ روپیہ کا ہوتا ہے، اگر اسی شرح سے حساب لگائیں تو بھی دس لاکھ روپیہ ہوتے ہیں،

کو ناپسند کیا، اس لئے سردست ابو نصر مصنف شامل کو یہ خدمت سپرد ہوئی، اور بیس دن کے بعد علامہ ابو اسحق بڑے اصرار سے اس منصب کے قبول کرنے پر راضی کئے گئے، نظامیہ کی عمر مین خدا نے بڑی برکت دی اور جب تک بغداد کی حکومت قایم رہی، اس کی فیاضیان بھی دور دور از ملکون تک اپنا اثر پہنچاتی رہین، ہمارے مخدوم سعدی شیرازی اُس کے اخیر زمانہ کے طالب العلم ہین،[۵۱] امام غزالی، امام طبری، ابن الخطیب، تبریزی شارح حماسہ، ابو الحسن فصیحی شاگرد امام عبد القاہر جیلانی وغیرہ، مدرس اعظم اور امام احمد غزالی ابو المعالی قطب الدین شافعی کیا ہراسی، وغیرہ وقتاً فوقتاً اس مین نائب مدرس رہ چکے ہین، ہر زمانے مین علما کے لئے نظامیہ کی پروفیسری سے بڑھکر کوئی بات اعزاز کی نہین ہوسکتی تھی، اور دو سو برس کی مدت مین کوئی ایسا شخص اس منصب پر نہین مقرر ہوا جو اپنے زمانے مین یکتاے فن و یگانۂ دہر نہ سمجھا جاتا ہو، نظامیہ کے احاطہ مین ایک بڑا کتبخانہ بھی تھا، جو خود نظام الملک کے عہد مین تیار ہوا تھا، علامہ ابو زکریا تبریزی جو ایک مشہور مصنف عالم تھے، کتبخانہ کے منتظم تھے، (آثار البلاد قزوینی ذکر شہر تبریز)

۵۸۹ھ مین ناصر لدین اللہ خلیفہ عباسی کے حکم سے ایک اور کتبخانہ اُس کے احاطے مین تعمیر ہوا اور ہزارون نایاب کتابین شاہی کتبخانہ سے اس کے لئے عنایت ہوئین،[۵۲] نظامیہ کی مخصوص فیاضیون مین یہ بات بھی شمار کی گئی ہے، کہ اس نے طلبا کے لئے وظیفے اور تنخواہین مقرر کین جس کا اس سے پہلے شاید کبھی رواج نہین تھا،[۵۳] نظام الملک نے عام مدرسون کے علاوہ نیشاپور، ہرات، موصل،

---

[۵۱] نظامیہ کے یہ حالات کامل ابن الاثیر واقعات ۴۵۷ھ و ۴۵۹ھ و اعلام تاریخ مکہ مطبوعہ جرمن ۱۸۵۷ء صفحہ ۱۶۵ و تاریخ الخلفا سیوطی حالات ۴۵۹ھ و تاریخ ابن خلکان ترجمہ ابو اسحق شیرازی و ابو نصر صباغ و گبن صاحب کی رومن امپائر حصہ مسلمانان آغاز دولت عباسیہ، و حسن المحاضرہ علامہ سیوطی ذکر مدارس مصر مین اجمالاً و تفصیلاً مل سکتے ہین،

[۵۲] کامل ابن الاثیر واقعات ۵۸۹ھ،

[۵۳] حسن المحاضرہ بحوالہ طبقات سبکی فصل امہات مدارس،

اصفہان مین جو بڑے بڑے کالج قائم کئے تھے وہ بھی نظامیہ کہلاتے تھے، اور مدت تک نہایت مشہور فایق علما ان کے پروفیسر مقرر ہوتے رہے ہے، مثلاً نظامیہ ہرات کے مدرس ابوسعد محمد بن یحیٰی شاگرد امام غزالی تھے، نظامیہ موصل مین ابوحامد محی الدین المتوفی ۵۸۶ھ نے درس دیا، ارجانی المتوفی ۵۴۴ھ نے نظامیۂ اصفہان مین تحصیل کی، لیکن نظامیہ بغداد گویا یونیورسٹی تھی اور یہ تمام کالج اس کی شاخین تھین،

نظام الملک نے جو صرف کثیر مدارس وغیرہ کے لئے شاہی خزانہ سے مقرر کیا تھا، اس پر **ملک شاہ** کو بھی خیال ہوا، اور اس نے نظام الملک کو بلا کر اپنے معمولی طریقے کے موافق کہا کہ "پیارے باپ اس قدر زر کثیر سے تو ایک فوج مرتب ہو سکتی ہے، جن لوگون پر آپ یہ فیاضیان کر رہے ہین ان سے ایسا بڑا کام کیا نکل سکتا ہے، نظام الملک نے کہا "جان پدر! مین تو بوڑھا ہون لیکن تم جوا ایک نوجوان ترک ہو، اگر بازار مین بیچنے کے لئے کھڑے کئے جاؤ تو امید نہین کہ تیس دینار سے زیادہ تمھاری قیمت اٹھے، اس پر خدا نے تم کو اتنا ملک عنایت کیا، کیا اس کا اتنا شکریہ بھی تم ادا نہین کر سکتے، تمھاری فوج کے تیر چند قدم پر کام دے سکتے ہین، لیکن مین جو فوج تیار کر رہا ہون انکی دعاؤن کے تیر آسمان کی سپر سے بھی نہین رک سکتے" ملک شاہ بیساختہ بول اٹھا کہ "مرحبا پیارے باپ ایسی فوجین جس قدر ممکن ہون اور تیار کرنی چاہئین[۱]"،

مسلمانون کی علمی تاریخ مین یہ بات بھی نہایت عجیب اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب ماوراء النہر کے علماء کو نظامیہ کے قائم ہونے کے تمام حالات سے اطلاع ہوئی تو سب نے ایک مجلس ماتم منعقد کی اور اس بات پر روئے کہ اب علم علم کیلئے نہین، بلکہ جاہ و ثروت حاصل کرنے کے لئے سیکھا جائیگا، اس روایت سے آیندہ ہمکو ایک رائے قائم کرنے مین مدد ملیگی، نظامیہ نے اپنے اثر سے

---

[۱] اعلام تاریخ مکہ ذکر مدرسہ نظامیہ،

ایک عجیب گرمجوشی تمام ملک میں پیدا کر دی، وہ پانچوین صدی مین قائم ہوا، اور چھٹی صدی تک اسلامی دنیا کا کوئی کونہ (بجز اسپین کے) علمی عمارتون سے خالی نہ رہا، خراسان کے بڑے بڑے صوبے مثلاً مرو، نیشاپور، ہرات، بلخ، اور ایران کے علاقے، گو پہلے سے علم و فضل کے مرکز تھے، مگر نظامیہ کے اثر نے اور بھی مالا مال کر دیا، یاقوت حموی قریباً چھٹی صدی مین جب مرو پہنچا تو وہان بہت سے مدرسے اور کتبخانے موجود پائے جن مدرسون کے متعلق بڑے بڑے کتبخانے تھے، ان کے یہ نام ہین، مستوفیہ، شرف الملک ابو سعد محمد بن منصور المتوفی ۴۹۴ھ کا قائم کیا ہوا، عمیدیہ، خاتونیہ اس مین چند کتبخانے تھے، نظامیہ، نظام الملک حسن بن اسحٰق کا قائم کیا ہوا،

یاقوت حموی، معجم البلدان[۵۱] جیسی عجیب اور جامع کتاب انھین کتبخانون کی مدد سے لکھ سکا[۵۲]، خاص شہر نیشاپور کی کثرت مدارس کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ ۵۵۶ھ مین جب اندرونی فسادات نے اس کو غارت کیا تو عام عمارتون کے ساتھ ۲۵ حنفیہ اور شافعیہ مدرسے بھی برباد ہوئے ان کے علاوہ بارہ کتب خانے بھی جل گئے، یا لوٹ لئے گئے، یزد مین صرف علامہ حسین بن احمد ابو الفضل المتوفی ۵۹۱ھ کے اہتمام مین بارہ مدرسے تھے جنمین بارہ سو طلبہ تعلیم پاتے تھے[۵۳]، خوارزم کا بڑا کالج امام فخر الدین رازی المتوفی ۶۰۶ھ کی پروفیسری سے ممتاز تھا، مسٹر شارڈن سیاح فرانس جنھون نے دولت صفویہ کے زمانہ مین ایران کے اکثر مقامات کی سیر کی، اپنے سفرنامہ مین لکھتے ہین کہ "سلیمان صفویہ کے عہد مین خاص شہر اصفہان مین اڑتالیس مدرسے موجود تھے"

(مرأت البلدان ناصری، جلد اول صفحہ ۴۵، مطبوعہ ایران)

[۵۱] یہ عربی زبان مین ایک جغرافیہ کی کتاب ہے، جو کم و بیش چار ہزار صفحون مین ہے اور اس جامعیت سے لکھی گئی ہے، کہ عقل حیران ہوتی ہے، یورپ مین چھاپی گئی ہے،

[۵۲] دیکھو معجم البلدان حالات مرو"

[۵۳] حسن المحاضرہ جلد اول، صفحہ ۴۷۲ مطبوعہ مصر سنہ ۱۲۹۹ھ،

خود بغداد مین نظامیہ کے ہوتے تیس[1] بڑے بڑے کالج موجود تھے، جن کے بلند ایوانات اور وسعت عمارت کی نسبت علامہ ابن جبیر کا بیان ہے کہ ہر ایک بجائے خود ایک مستقل شہر معلوم ہوتا ہے[1]، علامہ موصوف نے ۵۸۰ھ مین بغداد کو دیکھا تھا، بغداد کے بعض مدرسون کا ہم ایک مختصر سا نقشہ فہرست کے طور پر درج کرتے ہین:-

بغداد کے مدرسے

مدرسہ	بانی	کیفیت
مدرسہ تاجیہ	تاج الملک مستوفی السلطان	غالباً ۴۸۲ھ مین تعمیر ہوا، امام ابوبکر شاشی مدرس اعظم مقرر ہوئے، (کامل بن الاثیر واقعات ۴۸۲ھ)
مدرسہ مستوفیہ	شرف الملک ابوسعد محمد بن منصور	یہ سلطان ملک شاہ سلجوقی کا مستوفی تھا، ۴۹۴ھ مین وفات پائی، یہ مدرسہ باب الطاق کے پاس تھا، (کامل واقعات ۴۹۴ھ)
مدرسہ کمالیہ	کمال الدین ابوالفتوح	صاحب المخزن تھا، یہ مدرسہ ۵۳۳ھ مین تیار ہوا رسم افتتاح مین بغداد کے تمام اعیان شریک تھے، (کامل واقعات ۵۳۳ھ)
مدرسہ ابوالمظفر	ابوالمظفر عون الدین	۵۴۴ھ مین خلیفۃ المقتفی بامر اللہ کے دربار مین منصب وزارت پر ممتاز ہوا، (ابن خلکان حالات وزیر مذکور)
مدرسہ ثقۃ الدولہ	علی بن محمد معروف بثقۃ الدولہ	خلیفہ المقتفی کا مقرب تھا، یہ مدرسہ شافعیون

[1] سفرنامہ علامہ ابن جبیر حالات بغداد بمقام لیڈن ۱۸۵۲ء مین چھاپا گیا ہے،

مدرسہ	بانی	کیفیت
		کے لئے خاص تھا، دجلہ کے کنارے پر اس کی عمارت تھی ثقۃ الدولہ نے ۵۹۴ھ مین وفات کی (ابن خلکان ترجمہ شہدۃ فخرالنساء)
مدرسہ بہائیہ		نظامیہ کے متصل ہے ابو منصور محمد ہروی جن کی عظمت وشان ان کے حالات کے پڑھنے سے معلوم ہوتی ہے، قریباً ۵۶۷ھ مین پروفیسر مقرر ہوئے، مدرسہ نظامیہ مین بھی وعظ کہا کرتے تھے نظامیہ کی پروفیسری کیلئے بھی امیدوار کئے گئے تھے، (ابن خلکان، حالات ابو منصور مذکور)
مدرسہ فخریہ	فخرالدولہ	ان کا باپ وزیر تھا، فخرالدولہ نے ۵۶۰ھ مین وفات پائی، (کامل بن الاثیر واقعات ۵۶۰ھ)
مدرسۂ والدہ ناصرلدین اللہ	خلیفہ ناصرلدین اللہ کی والدہ،	
مستنصریہ	خلیفہ المستنصر باللہ	اس مدرسہ کا کسی قدر تفصیلی حال ہم لکھتے ہین، ان مدرسون کے علاوہ بغداد مین مشہد ابی حنیفہ، وقفیہ، زیرکیہ، معنیہ، عنائیۃ، مدرسۃ قدیمۃ عباسیہ شہرت عام رکھتے تھے طبقات الحنفیہ وغیرہ مین انکے مدرسین وغیرہ کے حالات مل سکتے ہین، بغداد کے اکثر مدرسے بغداد کے

دولت عباسیہ کی تاریخ مین یہ بات بڑے الزام کے قابل تھی، ان تمام علمی عمارتون
مین سے ایک بھی کسی عباسی خلیفہ کے نام سے نہ تھی، اور دار الخلافہ بغداد اس حیثیت سے
بالکل دوسری نسلون کا ممنون تھا، خلیفہ المستنصر باللہ جو رجب ۶۲۳ھ مین تخت نشین
ہوا، اس الزام کو اٹھانا چاہا، اتنی مدت کی غلطی کا کفارہ بھی اسی مقدار سے ہونا چاہیے تھا، اور
انصاف یہ ہے کہ ایسا ہی ہوا، باتفاق تسلیم کیا گیا ہے کہ جس عظمت و شان کا یہ مدرسہ بنا اسکی
نظیر سے گذشتہ اور موجودہ دونون زمانے خالی ہین ۶۲۵ھ مین دجلہ کے کنارے اس کی بنیاد
کا مبارک پتھر رکھا گیا، اور چھ برس کی مدت مین سلسلۂ عمارت پورا تیار ہوا، عمارت کا ایک حصہ عین
دجلہ مین تھا (مستنصریہ کے آثار اب بھی موجود ہین ناصر الدین بادشاہ حال ایران نے سفر نامۂ
ایشیا مین اس کی گذشتہ شوکت یاد دلانے والی ٹوٹی ہوئی عمارت کا ذکر کیا ہے) اسی سنہ
مین ماہ رجب جمعرات کے دن اس کی رسم افتتاح بڑی شوکت و شان سے ادا ہوئی جسمین
بغداد کے تمام اعیان و افسران فوج و علما، مدرسین و قضاۃ و اہل منصب شریک تھے مستنصر
نے تمام اعیان و امرا کو خلعتین عنایت کین، اور موید الدین علقمی جس کے اہتمام مین عمارت
تیار ہوئی تھی اس کی جاگیر مضاعف کر دی، مذاہب اربعہ کے فقہا، اور شیخ الحدیث، شیخ النحو،
شیخ الفرائض، شیخ الطب، درس کے لئے مقرر ہوئے، ایک سو ساٹھ اونٹ پر لادکر عمدہ
عمدہ کتابین کتبخانہ شاہی سے اس کے استعمال کے لئے آئین، مدرسہ ہی کے احاطہ مین ایک
ہسپتال اور مزملہ بھی تھا، (جس سے گرمیون مین پانی ٹھنڈا کرتے ہین) دو سو اڑتالیس مستعد طلبا
مدرسہ کھلنے کے ساتھ بورڈنگ مین داخل ہوئے، جنکو مکان، فرش، خوراک، روغن، کاغذ،
قلم وغیرہ مدرسہ کی طرف سے ملتا تھا، ان کے دسترخوان پر معمولی کھانے کے علاوہ شیرینی الگ

میوے بھی چنے جاتے تھے، ان سب کے علاوہ ایک اشرفی ماہوار الگ وظیفہ کے طور پر مقرر تھی سیکڑون دیہات اور مواضع مدرسہ کے سالانہ مصارف کے لئے وقف تھے جنکی مجموعی آمدنی ستر ہزار مثقال سونا یعنی آج کل کے حساب سے تقریباً ساڑھے چار لاکھ سالانہ تھی،[۱] (علامہ ذہبی نے تاریخ دول الاسلام مین ان مواضع کی پوری فہرست دی ہے) حنفیون کے مدرس اعظم شیخ عمر ملقب بہ رشید الدین فرغانی تھے جو فقہ اصول حکمۃ کلام مین بڑے ماہر گنے جاتے تھے پہلے سنجار کے مدرسہ مین مدرس تھے پھر مستنصر باللہ نے فرمان بھیجکر بلالیا[۲] تھا، مدرسے کے دروازے پر ایک ایوان تھا جسمین ایک نہایت عجیب اور بیش قیمت گھڑی رکھی تھی[۳] جس کو علی بن تغلب بن ابی الضیا البعلبکی ایک مشہور ہیئت دان و منجم نے تیار کیا تھا[۴] جو بعد کو الساعاتی یعنی گھڑی ساز کے نام سے مشہور ہوا،

---

[۱] دیکھو تاریخ الخلفا اسیوطی، حالات مستنصر باللہ و اعلام تاریخ مکہ صفحہ ۱۸۴، و مرات البلدان ناصری مطبوعہ ایران جلد اول صفحہ ۴۴۴ و دول الاسلام علامہ ذہبی، و جواہر مضیہ فی طبقات الحنفیۃ ترجمہ عمر بن محمد بن الحسین بن ابی عمر بن محمد ابو حفص فرغانی مدرس اول مستنصریہ جواہر مضیہ مین مدرسین شافعیہ و مالکیہ و حنبلیہ کے نام بھی لکھے ہین،

[۲] آثار البلاد قزوینی ذکر شہر فرغانہ،

[۳] شاید یہ دوسری گھڑی ہے جو دولت عباسیہ کے عہد مین تیار ہوئی اس سے بہت پہلے ہرون الرشید نے جو گھڑی شاہ فرانس کو بھیجی تھی، یورپ مین وہ تعجب کی نگاہ سے دیکھی گئی، فرانس کے مورخون کا بیان ہے کہ ہمارے ملک مین پہلے گھڑی وہ ظاہر ہوئی، جو ہرون الرشید نے ۸۰۷ء مین شارلمین بادشاہ فرانس کو تحفہ کے طور پر بھیجی تھی، یہ گھڑی ایسی عجیب و غریب تھی کہ تمام دربار فرانس حیرت مین رہگیا، اس گھڑی مین بارہ دروازے تھے، جب گھنٹہ پورا ہوتا تھا تو ایک دروازہ خود بخود کھل جاتا تھا اور ایک مونگری جو تانبے کی بنی ہوئی تھی وہ جرس پر پڑتی تھی یہ دروازے کھلے رہتے تھے اور جب ایک دورہ پورا ہو جاتا تھا، تو دروازون سے بارہ سوار نکلتے تھے اور گھڑی کی پیشانی پر چکر لگاتے تھے، (دیکھو کشف المخباعن فنون اوریا مطبوعہ جوائب ۱۲۹۹ھ صفحہ ۲۱۸ و ۲۱۹) ایک انگریزی تصنیف مین بھی قریب قریب یہی تفصیل مذکور ہے،

[۴] دیکھو جواہر مضیہ فی طبقات الحنفیہ ترجمہ احمد بن علی بن تغلب بن ابی الضیاء المذکور، کسی قدر اس گھڑی کے حالات آثار البلاد علامہ قزوینی مین بذیل عجائبات بغداد ملین گے،

عبدالرزاق ابن الفوطی جو محقق طوسی کا شاگرد رشید تھا، اور دس برس تک مراغہ کی رصدگاہ مین محقق صاحب کے ساتھ خزانۃ الرصد کا مہتمم رہ چکا تھا، واقعہ تتار کے بعد کتبخانے کا افسر مقرر ہوا، جہان رہکر اس نے تاریخ کی ایک کتاب ۵۰ جلدون مین لکھی۔[1]

چھٹی صدی مین جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، ممالک اسلامیہ کا کوئی حصہ علمی یادگارون سے خالی نہ رہا، عرب اور مصر بھی جہان اب تک اس قسم کی ایک عمارت بھی موجود نہ تھی، اس صدی مین کالج اور اسکولون سے معمور ہوگئے، مصر مین خلیفہ عبیدی حاکم بامر اللہ نے سنہ [illegible]ھ مین جو دارالعلم قایم کیا تھا، سنہ ۴۰۳ھ مین خود اس کو برباد کردیا، اور اس وقت سے پھر کسی نے اس طرف توجہ نہین کی، چھٹی صدی مین دو خاندان نوریہ و صلاحیہ اسلامی عظمت و شوکت کی اصلی مرکز تھے، نورالدین محمود زنگی المتوفی سنہ ۵۶۹ھ جو شوال سنہ ۵۴۱ھ مین تخت نشین ہوا، دولت نوریہ کا بانی اور مصر و شام کا مستقل فرمان روا تھا، اس نے قریبًا پچاس شہر و قلعے یورپ کے پنجۂ غصب سے واپس لئے تھے، صلاح الدین المتوفی سنہ ۵۸۹ھ نے نورالدین ہی کے دامنِ فیض مین تربیت پائی تھی، لیکن کروسیڈ کی لڑائیون اور خصوصًا بیت المقدس کی فتح نے اُس کو اپنے آقا سے بھی زیادہ شہرت اور عزت دی، یہ دونون خاندان صرف اسی بات مین نامآور نہ تھے، کہ انھون نے مسلمانون کی بھولی ہوئی عظمت ایک بار اور یورپ کو یاد دلادی، بلکہ اس بات مین بھی کہ اُن کی وجہ سے ممالک مصر و شام مین علم کا آوازہ نہایت بلند ہوگیا،

صلاح الدین و نورالدین کا عہد

نورالدین نے حلب، حماۃ، حمص، بعلبک، منبج، رحبہ مین بڑے بڑے مدرسے قائم کئے، خاص دمشق مین جو اس کا پایہ تخت تھا، ایک ایسا عظیم الشان مدرسہ بنایا کہ مدت تک بے نظیر خیال کیا جاتا تھا، یہ فخر بھی خاص نورالدین کی قسمت مین تھا کہ تمام دنیا مین جو پہلا دارالحدیث

---

[1] دیکھو تتمہ ابن خلکان ترجمۂ ابن الفوطی،

قائم ہوا، اس کے نام سے ہوا، ورنہ اس سے پہلے خاص علم حدیث کے درس کے لئے کوئی مدرسہ نہین تعمیر ہوا تھا[1] علامہ ابن جبیر نے ۵۸۰ھ مین جب دمشق کو دیکھا تو خاص شہر مین ۲۰ کالج تھے، عام حکم تھا کہ جو شخص کوئی مدرسہ قایم کرے اُس کو تمام مصارف خزانہ شاہی سے ملین گے، مغربی طلبا کے لئے خاصۃً سات باغ اور کچھ زمین وقف تھی جس کی سالانہ آمدنی پانسو اشرفیان تھین، جو لڑکے قرآن ختم نہین کر سکتے تھے ان کو صرف سورہ کوثر سے اخیر تک پڑھایا جاتا تھا، ان مین سے پانسو لڑکون کا وظیفہ خزانۂ شاہی سے مقرر تھا[2] نور الدین نے خاص اپنے ذاتی مال سے مدارس اور مکاتب وغیرہ پر جو جاگیرین وقف کی تھین، اور جو اس کی وفات کے بعد بھی سیکڑون برس تک قائم رہین ان کی آمدنی نو ہزار صوریہ اشرفیان تھین[3]،

اسی طرح سلطان صلاح الدین نے، اسکندریہ، قاہرہ، بیت المقدس، دمشق وغیرہ مین مدرسے قائم کئے، اور بے انتہا آمدنی ان پر وقف کی[4] علامہ ابن جبیر لکھتے ہین کہ اسکندریہ کے بورڈنگ مین اون عام تھا کہ جو شخص کہین سے بطلب علم آئے، اس کو مکان، خوراک، حمام، ہسپتال سب کچھ سلطنت کی طرف سے مہیا ملے گا[5] صلاح الدین کے عہد مین علما کی جو تنخواہین مقرر تھین اُن کی تعداد تین لاکھ دینار سالانہ تھی جس کے آج کل کے حساب سے کم از کم پندرہ لاکھ روپیے ہوتے ہین، (روضتین فی اخبار الدولتین جلد ثانی صفحہ ۱۳۸ مطبوعہ مصر)

صلاح الدین کے عہد مین علماء کی تنخواہین،

صلاح الدین کا تمام خاندان اس قسم کی فیاضیون مین نامور تھا، عموماً امرا اور اعیانِ دولت بلکہ خواتین مین بھی یہ جوش پھیل گیا تھا، اور یہ بات نہایت ذلت کی سمجھی جاتی تھی کہ کوئی

---

[1] ابن خلکان ترجمہ نور الدین و حسن المحاضرۃ ذکر مدرسہ کاملیہ، [2] یہ تمام حالات سفرنامہ علامہ ابن جبیر (دمشق کے ذکر مین) ملین گے، [3] روضتین فی اخبار الدولتین مطبوعہ مصر ۱۲۸۷ھ جلد اول صفحہ ۱۱، روضتین کے مصنف نے ایک عہدہ دار سے جو ان جاگیردن سے تعلق رکھتا تھا، ۶۰۸ھ مین یہ تعداد تحقیق کی تھی، [4] ابن خلکان ترجمہ صلاح الدین [5] سفرنامہ ابن جبیر صفحہ ۳۸،

دولتمند شخص مرے اور دنیا مین کوئی علمی یادگار نہ چھوڑ جائے،

دولت صلاحیہ

سلطان صلاح الدین کا نامور فرزند الملک الظاہر ابو الفتح غازی جس زمانہ مین حلب کا فرمان روا تھا، قاضی ابو المحاسن بہاء الدین شافعی جو مدرسہ نظامیہ مین نائب رہ چکے تھے اور نہایت مشہور فاضل تھے، ۵۸۹ھ مین اس کی خدمت مین باریاب ہوئے، حلب مین اگرچہ اس وقت بھی چند مدرسے موجود تھے[1] لیکن قاضی صاحب نے ان کو کافی نہین سمجھا، ور الملک الظاہر سے کہہ کر بہت سی جاگیرین خاص ان مصارف کے لئے مقرر کرائین، خود بھی دو مدرسے، شافعیہ و دار الحدیث قائم کیے، علامہ ابن خلکان لکھتے ہین کہ اس وقت سے حلب کی علمی شہرت نہایت عام ہوگئی، اور دور دور دراز ملکون سے اہل علم نے وہان آنا شروع کیا، تھوڑے ہی دنون مین حلب بھی دمشق و مصر کی طرح علوم وفنون کا مرکز بن گیا،[2]

اس زمانہ مین مصر قاہرہ، دمشق، حلب، اربل کے تمام علاقون مین جو بے انتہا مدارس قائم ہوگئے، انکو کون شمار کر سکتا ہے، اگر کوئی شخص چاہے تو جواہر مضیہ فی طبقات الحنفیہ، حسن المحاضرہ فی تاریخ مصر و قاہرہ، وفیات الوفیات وابن خلکان وغیرہ سے ایک بڑی فہرست تیار کر سکتا ہے، لیکن ہم اس موقع پر صرف ان بڑے بڑے مدرسون کا ایک نقشہ دیتے ہین جو خاصۃً صلاحیہ و نوریہ خاندان سے تعلق رکھتے ہین، بعض مدرسین کے بھی ہم نام لکھین گے جس سے معلوم ہوگا کہ جو علماء اس زمانہ مین علم وفضل کے امام تھے اکثر انھین مدرسون کے منصب درس پر ممتاز تھے،

---

[1] ۵۸۰ھ مین جب علامہ ابن جبیر نے حلب کو دیکھا تو وہان چند مدرسے موجود تھے، جنمین سے ایک مدرسہ نہایت عالیشان اور عمارت کی خوبی مین وہان کے مشہور جامع مسجد کا ہمسر تھا، اس کے بورڈنگ اور عام مکانات پر انگور کی بیلین چڑھادی تھین اور طالب العلم اپنی جگہ سے بے ہلے انگور کھا سکتے تھے، (سفرنامہ ابن جبیر ذکر حلب)

[2] ابن خلکان ترجمہ قاضی صاحب موصوف،

دولت صلاحیہ

مدرسہ	بانی	مقام مدرسہ	کیفیت
شافعیہ یا صلاحیہ	صلاح الدین المتوفی ۵۸۹ھ	مصر	علامہ نجم الدین خبوشانی بمشاہرہ ۴۰ دینار مدرس اعظم اور مہتمم مقرر ہوئے اور دس مدرس ان کے ماتحت تھے، تقی الدین بن دقیق العید، سراج بلقینی، حافظ ابن حجر، بہاء الدین قاضی القضاۃ وغیرہ وقتاً فوقتاً اس میں مدرس مقرر ہوئے، نہایت کثیر آمدنی اس پر وقف تھی، علامہ ابن جبیر لکھتے ہین کہ اس کی سلسلہ عمارات پر ایک مستقل آبادی کا گمان ہوتا ہے،
شافعیہ	"	"	شاید مصر مین صلاح الدین نے پہلا مدرسہ ۵۶۶ھ مین یہی قائم کیا، (روضتین: جلد اول صفحہ ۱۹۱)
مالکیہ یا قمحیہ،	"	"	محرم ۵۶۶ھ مین قایم ہوا، قریبا ۷۸۶ھ مین علامہ ابن خلدون نے بھی اس مین درس دیا (تاریخ ابن خلدون، حالات مصنف)

مدرسہ	بانی	مقام مدرسہ	کیفیت
			روضتین فی اخبار الدولتین)
زین التجار (یا) شریفیہ	صلاح الدین المتوفی ۵۸۹ھ	مصر	عماد الدین عباسی، سراج الدین بلقینی، (استاد جلال الدین سیوطی) تقی الدین قاضی القضاۃ وغیرہم اس مین درس دیتے تھے،
مشہد	"	قاہرہ	یہ مدرسہ صلاح الدین کے نام سے مشہور ہے (ابن خلکان، حالات صلاح الدین)
سوفیہ	"	"	حنفیون کے لئے خاص تھا،
صلاحیہ	"	بیت المقدس	اس کے مدرسین کی تنخواہین بیش قرار تھین، (انس الجلیل تاریخ بیت المقدس)
	"	.	
صلاحیہ	"	دمشق	
افضلیہ	الملک الافضل بن صلاح الدین	بیت المقدس	مالکیہ کے لئے خاص تھا،
ظاہریہ	الملک الظاہر بن صلاح الدین	حلب	ابو الحسن سیاح مدرس اعظم تھے،
عزیزیہ	الملک العزیز بن صلاح الدین	دمشق	نہایت مشہور اور عظیم الشان مدرسہ تھا، علامہ سیف الدین آمدی المتوفی ۶۳۱ھ مدرس اعظم تھے
اسدیہ	اسد الدین شیرکوہ عم صلاح الدین	حلب	علامہ ابن الصلاح کے والد مدرس اعظم تھے،

کیفیت	مقام مدرسہ	بانی	مدرسہ
زمرد اور اس کے شوہر اور بھائی کی قبرین اسی مدرسہ مین ہین،	دمشق	زمرد ہمشیرۂ صلاح الدین	ستیہ (یا) زمردیہ
جزیرۂ روضہ کا کل خراج، وحمام الذہب کی آمدنی اس پر وقف تھی، (روضتین جلد اول صفحہ ۱۹۱) شافعیون کے لئے خاص تھا، ۵۶۶ھ مین قایم ہوا تھا،	مصر	الملک المظفر تقی الدین المتوفی ۵۸۷ھ برادرزادۂ صلاح الدین	منازل العز (یا) تقویہ
مالکیون کے لئے خاص تھا،	″	″	مالکیہ
		″	تقویہ
	رہا دمشق	عذرا صلاح الدین کی بھتیجی تھی،	عذراویہ
علامہ ابن الصلاح المتوفی ۶۴۳ھ مدرس اعظم تھے، علامہ ابن خلکان نے ایک برس تک ان کی خدمت مین تحصیل علم کی،	″	الملک الاشرف برادرزادۂ صلاح الدین،	دار الحدیث
الملک المعظم اور ان کے اکثر عزیز اسی مدرسہ مین مدفون ہین، ملک المعظم تصنیف اور فن ادب وفقہ مین نامور تھا، اس نے عام حکم دیا تھا کہ جس کو زمخشری کی مفصل زبانی یاد ہو سو اشرفیان اس کو انعام دیجاوین	″	الملک المعظم برادرزادۂ صلاح الدین	معظمیہ

مدرسہ	بانی	مقام مدرسہ	کیفیت
			اس تقریب سے اکثرون نے یہ مفید کتاب حفظ کر لی تھی،
معظمیہ	الملک المعظم برادرزادہ صلاح الدین	بیت المقدس	اس مدرسہ پر بہت سے دیہات و مواضع وقف تھے، سنہ ۶۶۰ھ مین قائم ہوا۔
دار الحدیث الکاملیہ	الملک الکامل برادرزادہ صلاح الدین المتوفی سنہ ۶۳۵ھ	قاہرہ	یہ دوسرا دار الحدیث ہے، جو ممالک اسلامی مین دار الحدیث نوریہ کے بعد قایم ہوا، حافظ ابن وحیہ، زکی الدین منذری قطب قسطلانی، ابن دقیق العید ابن سید الناس حافظ زین الدین عراقی استاد حافظ ابن حجر، وقتاً فوقتاً اس کے مدرس مقرر ہوئے، یہ سب علما اپنے زمانہ مین بے مثل خیال کئے گئے ہین،
صالحیہ	الملک الصالح نجم الدین ایوب بن الملک الکامل	"	یہ مدرسہ چار مدرسون پر مشتمل تھا مقریزی کا بیان ہے کہ وہ قاہرہ کے نامور اور عظیم الشان مدرسون مین گنا جاتا ہے، جب وہ کھولا گیا تو شعرائے نے قصائد و قطعے لکھے، حسن المحاضرہ مین چند اشعار نقل کئے ہین،

مدرسہ	بانی	مقام مدرسہ	کیفیت
			سنہ ۶۳۹ھ مین قائم ہوا
معینیہ	معین الدین خسر سلطان صلاح الدین	دمشق	
شبلیۃ	شبل الدولہ	"	نہایت مشہور مدرسہ ہے، شبل الدولہ زمرد خاتون (ہمشیرہ صلاح الدین) کا غلام تھا،
عزیۃ	عزالدین ایبک	"	عزالدین الملک المعظم کا غلام اور صرخد کا حاکم تھا، یہ مدرسہ میدان اخضر مین واقع ہے
شہابیہ	شہاب الدین طغرل	حلب	الملک العزیز اسی مدرسہ مین مدفون ہے،
مجیریہ	مجیرالدین	قاہرہ	مجیرالدین مشہور عالم اور سلطان صلاح الدین کا وزیر تھا، یہ مدرسہ درب ملوخیہ کے پاس ہے، محرم سنہ ۵۸۶ھ مین قائم ہوا،
بہائیۃ	ابوالمحاسن یوسف بہاء الدین	حلب	علامہ ابن خلکان اسی مدرسہ کی بورڈنگ مین مدت تک رہے ہین، اور علوم کی تحصیل کی ہے،
دارالحدیث	"	"	
فاضلیہ	قاضی فاضل المتوفی ۵۹۶ھ	قاہرہ	قاہرہ کا مشہور مدرسہ ہے، قاضی فاضل سلطان صلاح الدین کے دربار کا منشی اور نہایت نامور شخص تھا
فلکیۃ	فلک الدین برادر الملک العادل	دمشق	

خاندان نوریہ

مدرسہ	بانی	مقام مدرسہ	کیفیت
نوریہ حنفیہ،	نور الدین محمود زنگی المتوفی سنہ ۵۶۹ھ	دمشق	نور الدین کی تربت اسی مدرسہ مین ہے، عرقلة ایک شاعر نے اسی مدرسہ کی شان مین لکھاہے، ودمشق فی المداین بیت ملک وہذی فی المدارس بیت ملک (روضتین)
دار الحدیث نوریہ	"	"	ممالک اسلامی مین حدیث کے درس کے لئے پہلا مدرسہ یہی تعمیر ہوا،
نوریہ شافعیہ	"	"	یہ مدرسہ خاص شافعیون کے لئے بڑی عظمت وشان سے تعمیر ہونا شروع ہوا مگر تیار ہونے سے پہلے نور الدین نے وفات کی پھر الملک العادل برادر صلاح الدین کے اہتمام سے اتمام کو پہنچا، حافظ ابو شامہ لکھتے ہین کہ تمام مدارس مین اس کا کوئی ہمسر نہین ہے، حافظ مذکور نے کتاب الروضتین اسی مدرسہ مین رہ کر لکھی ہے،
نوریہ	"	حلب	قطب الدین شافعی جو مدرسہ نظامیہ بغداد

مدرسہ	بانی	مقام مدرسہ	کیفیت
			مین نائب مدرس رہ چکے تھے، اس مدرسہ کے مدرس اعظم مقرر ہوئے (ابن خلکان ترجمہ قطب الدین)
عمادیہ	نور الدین محمود زنگی المتوفی ۵۶۹ھ	حلب	نور الدین نے ۵۶۷ھ مین عماد کاتب کو اسکا مہتمم اور افسر مقرر کیا، اس وجہ سے یہ مدرسہ انھین کے نام سے مشہور ہو گیا، ۵۶۹ھ مین نور الدین نے عماد کاتب کے پاس مدرسہ کے دروازہ پر مینا کاری اور سنہری کام بنوانے کے لئے یاقوت وغیرہ اور سونا بھجوایا، (روضتین)
عزیہ	عز الدین نبیرۂ نور الدین المتوفی ۵۸۹ھ	موصل	یہ مدرسہ ایوان شاہی کے مقابل واقع ہے شافعیہ و حنفیہ دونون فرقون کے لئے تھا، عمدہ اور مشہور مدرسہ ہے، عز الدین کی قبر بھی اسی کے احاطہ مین ہے، (ابن خلکان و روضتین)
سیفیہ عتیقیہ	سیف الدین غازی برادر نور الدین المتوفی ۵۴۴ھ	"	عالیشان اور مشہور مدرسہ ہے، سیف الدین اسی کے احاطہ مین مدفون تھے، حنفیہ و شافعیہ کے لئے تھا،

مدرسہ	بانی	مقام مدرسہ	کیفیت
ارسلانیۃ	ارسلان نورالدین شاہ ابن عزالدین مذکور،	موصل	عزالدین کے مدرسہ کے سامنے ہے، علامہ ابن خلکان لکھتے ہین کہ حسن و خوبی مین یہ مدرسہ لاجواب کہا جا سکتا ہے،
مدرسۃ الملک القاہر	الملک القاہر ابن نورالدین ارسلان شاہ المتوفی ۶۱۵ھ	"	الملک القاہر اسی مدرسہ مین مدفون ہے،
مدرسہ ابوسعد	ابوسعد شرف الدین المتوفی ۵۸۵ھ	دمشق	نورالدین نے مساجد کے اوقاف کا انتظام ان کے متعلق کیا تھا، اور اُن کے ایما سے بہت سے مدرسے بنوائے،
قایمازیہ	ابومنصور قایماز	موصل	ابومنصور سیف الدین غازی کی طرف سے موصل کا حاکم تھا، علامہ ابن اثیر مصنف مثل السائر اسی کے دربار مین منشی تھے ۵۵۹ھ مین قائم ہوا،
قائمازیہ	"	اربل	اس مدرسہ پر بہت سے مواضع وقف تھے،
زینیہ	زین الدین علی المتوفی ۵۶۳ھ	"	ابومنصور قایماز انھین کا آزاد کردہ غلام تھا، زین الدین نے موصل اور بغداد مین بھی مدرسے بنوائے تھے، (روضتین)
مجاہدیہ	امیر مجاہد الدین	دمشق	مجاہد الدین امرائے نورالدین مین ایک

مدرسہ	بانی	مقام مدرسہ	کیفیت
			مین نائب مدرس رہ چکے تھے، اس مدرسہ کے مدرس اعظم مقرر ہوئے (ابن خلکان ترجمہ قطب الدین)،
عمادیہ	نور الدین محمود زنگی المتوفی ۵۶۹ھ،	حلب	نور الدین نے ۵۶۷ھ مین عماد کاتب کو اسکا مہتمم اور افسر مقرر کیا، اس وجہ سے یہ مدرسہ انھین کے نام سے مشہور ہو گیا، ۵۶۹ھ مین نور الدین نے عماد کاتب کے پاس مدرسہ کے دروازہ پر مینا کاری اور سنہری کام بنوانے کے لئے یاقوت وغیرہ اور سونا بھجوایا، (روضتین)
عزیہ	عز الدین نبیرۂ نور الدین المتوفی ۵۸۹ھ	موصل	یہ مدرسہ ایوان شاہی کے مقابل واقع ہے، شافعیہ وحنفیہ دونون فرقون کے لئے تھا، عمدہ اور مشہور مدرسہ ہے، عز الدین کی قبر بھی اسی کے احاطہ مین ہے، (ابن خلکان وروضتین)
سیفیہ عتیقیہ	سیف الدین غازی برادر نور الدین المتوفی ۵۴۴ھ	"	عالیشان اور مشہور مدرسہ ہے، سیف الدین اسی کے احاطہ مین مدفون تھے، حنفیہ وشافعیہ کے لئے تھا،

ہوگیا، ان مین سے بعض بڑے جاہ و اقتدار کے حکمران ہوئے۔ اور علم و فن کی نہایت قدردانی کی اس عہد مین مدرسون کو اور بھی ترقی ہوئی، جن کے چند اسباب تھے، مدارس کے تمام اخراجات اوقاف مین داخل ہو چکے تھے، اور اگر کوئی جانشین حکومت ان کو واپس لینا چاہتا تو گروہِ علما جن کا ملک پر بہت اثر تھا عموماً مخالف ہو جاتا جیسا کہ ایک بار ۸۰۸ھ مین واقع ہوا، یہ ترکی غلام جنکو کل تک لوگ بازارون مین بکتے ہوئے دیکھ چکے تھے، اگر خود بھی اس قسم کی فیاضیان نہ دکھاتے اور اہلِ علم ان کا ساتھ نہ دیتے تو ان کو تختِ حکومت پر بیٹھنا نصیب نہین ہو سکتا تھا، خاص کر حرمین مین اس خاندان نے جو علمی فیاضیان کین ان کی نظیر پچھلے زمانون مین نہین مل سکتی،

چراکسہ کے عہد مین مدرسون کی ترقی

اس عہد سے پہلے مکہ معظمہ مین بہت کم مدرسے تھے، ۵۷۹ھ مین امیر فخر الدین زنجیلی نے مکہ معظمہ مین ایک مدرسہ بنوایا، ۶۴۱ھ مین خلیفہ المستضی باللہ کی کنیز خاص طاب الزمان نے ایک مدرسہ قائم کیا جس مین دس فقہاے شافعی مدرس تھے، ۷۲۱ھ مین ایک اور مدرسہ تعمیر ہوا جس کا بانی الملک المنصور عمر بن علی والی یمن تھا، مصر کے ترک بادشاہون سے پہلے حرمین مین جو قابلِ اعتداد مدرسے موجود تھے، غالباً یہی دو تین تھے، لیکن ان ترکون کے عہد سے مکہ معظمہ بھی دوسرے شہرون کی طرح ایک بڑا دار العلم بن گیا،

عبد الباسط نے جو سلطان ظاہر ططر کی فوج مین ناظر تھا، مکہ معظمہ مین تین عمدہ مدرسے بنوائے، قاہرہ، غزہ، شام مین بھی اس نے بہت سے مدرسے قائم کئے تھے،

ملک اشرف قایتبائی نے جو خاندان چراکسہ مین سے تھا، اور ۸۷۲ھ مین تخت نشین ہوا، مکہ معظمہ مین چارون مذہب کے لئے نہایت عظیم الشان مدرسہ بنوایا، جس مین بہتر کمرے تھے اور بیچ مین جو نہایت وسیع کمرہ تھا اس کی چھت سنگ مرمر کی تھی، اور سونے کا کام کیا ہوا تھا، قایتبائی جب مکہ معظمہ گیا تو فوج و حشم کے ساتھ اسی مدرسے مین ٹھہرا، اور طلبا، فراش، بواب،

مدرسہ	بانی	مقام مدرسہ	کیفیت
			مین نائب مدرس رہ چکے تھے، اس مدرسہ کے مدرس اعظم مقرر ہوئے (ابن خلکان ترجمہ قطب الدین)
عمادیہ	نورالدین محمود زنگی المتوفی ۵۶۹ھ	حلب	نورالدین نے ۵۶۷ھ مین عماد کاتب کو اسکا مہتمم اور افسر مقرر کیا، اس وجہ سے یہ مدرسہ انھین کے نام سے مشہور ہو گیا، ۵۶۹ھ مین نورالدین نے عماد کاتب کے پاس مدرسہ کے دروازہ پر مینا کاری اور سنہری کام بنوانے کے لئے یاقوت وغیرہ اور سونا بھجوایا، (روضتین)
عزیہ	عزالدین نبیرۂ نورالدین المتوفی ۵۸۹ھ	موصل	یہ مدرسہ ایوان شاہی کے مقابل واقع ہے، شافعیہ وحنفیہ دونون فرقون کے لئے تھا، عمدہ اور مشہور مدرسہ ہے، عزالدین کی قبر بھی اسی کے احاطہ مین ہے، (ابن خلکان وروضتین)
سیفیہ عتیقیہ	سیف الدین غازی برادر نورالدین المتوفی ۵۴۴ھ	"	عالیشان اور مشہور مدرسہ ہے، سیف الدین اسی کے احاطہ مین مدفون تھے، حنفیہ وشافعیہ کے لئے تھا،

ہوئے تھے، اور ہر ایک کے درس کا الگ الگ وقت مقرر تھا، غیاث الدین نے اس کے سوا چار مدرسے اور وہان قائم کئے[1]،

نمونے کے طور پر ہم اتراک وچرا کسہ کے عہد کے چند مدرسون کا ذکر کرتے ہین، جو خاص اسکندریہ و قاہرہ مین موجود تھے، اور یون تو بلادِ مصر و شام مین سیکڑون ہزارون مدرسے قایم ہو چکے تھے، قاضی مجیر الدین حنبلی نے ۹۰۰ھ مین خاص شہر بیت المقدس کی جو تاریخ لکھی اس مین وہان کے ۳۸ ایسے مدرسون کی فہرست مع تاریخ تعمیر و اسماے بانیان درج کی ہے، جو اس کے عہد مین موجود تھے، یہ تاریخ جس کا نام انس الجلیل ہے ۱۲۸۳ھ مین بمقام مصر مطبع وہبیہ مین چھاپی گئی ہے،

نام مدرسہ	سنہ تعمیر یا افتتاح	بانی مدرسہ	بعض مدرسون کا نام	کیفیت
ظاہریہ قدیمہ[2]	۶۶۲ھ	الملک الظاہر بیبرس بندقداری المتوفی ۶۷۶ھ	علامہ تقی الدین بن رزین للشافعیۃ مجب الدین بن عبد الرحمن مدرس حنفی، حافظ شرف الدین دمیاطی، مدرس حدیث، کمال الدین قرشی مدرس قرأت،	ایک کتبخانہ بھی اس پر وقف تھا، الملک الظاہر نے یورپ و تتار پر چند بار فتحین حاصل کین اس کی فتوحات اور بہت سی عالی شان تعمیرات و مصارف سلطنت کو تتمہ ابن خلکان مین تفصیل کے ساتھ لکھا ہے،

[1] حرمین شریفین کے مدرسون کا ذکر اعلام و شفاء الغرام تاریخ مکہ مین اجمالاً و تفصیلاً لکھا ہے، [2] مدرسہ عبد الباسط کے سوا اور باقی مدرسون کا ذکر علامہ سیوطی نے اجمالاً و تفصیلاً کیا ہے، لیکن بہت سے زائد حالات مین نے تتمہ ابن خلکان و خود حسن المحاضرہ کے مختلف مقامات سے لکھے ہین،

نام مدرسہ	سنہ تعمیر یا افتتاح	بانی مدرسہ	بعض مدرسون کا نام	کیفیت
منصوریہ		ملک منصور قلاؤن المتوفی سنہ ۶۸۹ھ	ابوحیان برہان الدین ابن الدین شاگرد ابن الہمام،	یہ مدرسہ نہایت عظیم الشان تھا علامہ کتبی مصنف تتمہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ یہ مدرسہ اور اس مین جو ہسپتال تھا، بے نظیر خیال کئے گئے ہین، ملک منصور بڑی سطوت وجبروت کا بادشاہ تھا، اور اس کے خاندان نے اکثر یورپ پر فتحین حاصل کین،
ناصریہ	سنہ ۷۰۳ھ	ناصر محمد ولد قلاؤن المتوفی سنہ ۷۴۱ھ		اسمین چارون مذہب کا درس ہوتا تھا، یہ مدرسہ نہایت پر شوکت تھا، اور دروازے پر ہر وقت چوکی پہرہ رہتا تھا،
خانقاہ بیبرسیہ	سنہ ۷۰۶ھ	امیر رکن الدین بیبرس		قاہرہ مین اس سے بڑی کوئی خانقاہ نہین ہے، اسمین جو کنگورہ تھا، وہ بغداد کے ایوان خلافت سے نکال کر لایا تھا اور بطور یادگار فتح اسمین لگایا گیا تھا،

نام مدرسہ	سنہ تعمیر یا افتتاح	بانی مدرسہ	بعض مدرسوں کے نام	کیفیت
خانقاہ شیخو	۷۵۶ھ	امیر کبیر سیف الدین افسر امراے جمداریہ،	اکمل بن محمود بابرتی جنکا حاشیہ ہدایہ پر غنایہ کے نام سے مشہور ہے، مدرس حنفی تھے شیخ بہاء الدین بن علاء تقی الدین سبکی مدرس شافعی، شیخ خلیل مصنف مختصر مدرس مالکی قاضی القضاۃ موفق الدین مدرس حنبلی، جمال الدین عبداللہ بن رولی مدرس حدیث،	علامہ سیوطی نے بہت سے مدرسین کے نام لکھے ہین جو اس مین وقتاً فوقتاً فقہ و حدیث کے درس کے لئے مقرر ہوئے،
صرغتمشیہ	۷۵۷ھ	صرغتمش افسر امراے جمداریہ،	قوام اتقانی مدرس حنفی،	اس کی عمارت نہایت بلند اور پرتکلف تھی،
ظاہریہ جدیدہ	۷۸۸ھ	-	علاء الدین مدرس حنفی، اوحد الدین رومی مدرس شافعی شمس الدین بن تکین مدرس مالکی، صلاح بن الاعمی مدرس حنبلی، احمد زادہ عجمی	۱۲ رجب کو کھولا گیا شعرا نے اس کی شان مین قصیدے لکھے بادشاہ نے نہایت تکلف سے ایک عام دعوت کی جس مین تمام علما وغیرہ مدعو تھے علاء الدین سیرامی مدرس حنفی جب آئے

نام مدرسہ	سنہ تعمیر یا افتتاح	بانی مدرسہ	بعض مدرسون کے نام	کیفیت
			مدرس حدیث فخرالدین بن ضریر مدرس قرأت.	تو بادشاہ نے ان کا فرش اپنے ہاتھ سے بچھایا، علامہ ابن حجر لکھتے ہین کہ جتنے مدرس اس مین مقرر ہوئے کوئی شخص اس زمانے مین انکا ہمسر نہ تھا،
مدرسہ عبدالباسط	.	عبدالباسط بن خلیل بن ابراہیم الدمشقی		یہ سلطان ظاہر ططر المتوفی سنہ ۸۲۴ھ کا ناظر العساکر تھا،
مویدیہ	سنہ ۸۱۹ھ	الملک المؤید		اس کی عمارت پر چالیس ہزار اشرفیان صرف ہوئین،
اشرفیہ	سنہ ۸۲۹ھ	ملک اشرف سیف الدین ابو النصر الدقماقی جس نے قبرص فتح کیا،		یہ مدرسہ نہایت زر خطیر کے صرف سے تیار کرایا، اور بہت سی آمدنی اوس پر وقف کی، (اعلام صفحہ ۲۰۰)

اسکندریہ و قاہرہ کے یہ وہ مدرسے ہین کہ ہر ایک کو کالج بلکہ یونیورسٹی کہنا چاہیے علامہ سیوطی نے ان کو (بجز اخیر مدرسہ کے) امہات مدارس مین لکھا ہے، اور مصر کے اور بہت سے

مدرسون مثلاً فخریہ وفاضلیہ سیفیہ صغریہ مشہد نفیسی، مدرسہ قایتبائی جمالیہ، دارالماموں، عاشوریہ خشابیہ، کہاریہ وغیرہ کا ذکر چھوڑ دیا ہے، حالانکہ اکثر اُن کے مدرسین کے نام فقہاے مصر کے ذیل مین لکھے ہین،

تعلیم کے سلسلہ تاریخ مین سلاطین ترک کا زمانہ تمام پچھلے زمانون سے زیادہ نمایان اور تابندہ ہے، ترکی مدارس بہت سے خصوصیات مین اولیت کا دعوی کر سکتے ہین، اور اس بات کا جائز حق رکھتے ہین کہ تاریخ کے صفحون مین تمام پچھلے مدرسون کے سلسلے سے الگ لیکن ممتاز موقع پر جگہ لین، گذشتہ عہدون مین مدرسے آپس مین کوئی انتظامی تعلق نہین رکھتے تھے بلکہ بعض حالتون مین یہ کہنا چاہئے کہ وہ باہمی اختلاف کی ایک تحریک دلانے والی مثال تھی، لیکن ترکی مدارس ایک انتظامی رشتہ مین منسلک تھے، اور یہ کہنا چاہئے کہ ایک ہی خاندان کی اولاد تھے پچھلے عہد مین تمام مدرسے محض مذہبی مدرسے تھے، اگرچہ اُن مین اور علوم بھی پڑھائے جاتے تھے لیکن ترکون کا سررشتہ تعلیم پولیٹیکل حیثیت رکھتا تھا، وہ سلطنت کے لئے لایق لایق عہدہ دار پیدا کرتا تھا، تمام مدرسے ایک یونیورسٹی کے تابع تھے، اور طلبا و مدرسین درجہ بدرجہ ترقی حاصل کرتے تھے، مدرسین کے لئے پنشن کا حق جو ترکی حکومت مین نہایت فیاضانہ طور پر قائم کیا گیا تھا، اسلامی تاریخ مین غالباً پہلی ایجاد تھی، یہ تعجب ہے کہ اکثر حالتون مین پنشن اصل تنخواہ کے برابر ہوتی تھی، ترکون کے عہد مین تنخواہین بھی اکثر بیش قرار تھین[1]، بڑے بڑے مدرسون مین مدرس کو اکثر ساٹھ یا اسی درہم روزانہ ملتے تھے، اور بعض حالتون مین یہ تعداد سو بلکہ دو سو درہم یومیہ تک پہنچ جاتی تھی، ہم اس موقع پر تاریخ اٹومین کا کچھ انتخاب نقل کرتے ہین،

[1] ٹرکی کے سفر مین مجھ کو اس رائے سے رجوع کرنا پڑا، درہم جس چیز کا نام ہے، اس سے مراد وہ سکہ ہے جسکو آج کل قرش کہتے ہین، اور یہ کل ۲ر کا ہوتا ہے، اس حساب سے یہ تنخواہین بیش قرار نہین رہتین،

History of the ottomana Turks - By Sir Edward Creasy. M.A. late chief Justice of Ceylone London - Richard Bently & son

جس سے ترکی مدرسون کی نسبت ایک معقول رائے قایم کیجا سکتی ہے، یہ مورخ ترکی خاندان کے آئین ملکی اور عام انتظامات کہ ذیل مین لکھتا ہی، محمد ثانی سے جو بادشاہ پہلے ہوئے وہ اور اُن مین خاص کر ارخان کو مدرسے اور کالجون کے قیام کا ازحد شوق تھا، لیکن محمد ثانی ان سب سے بڑھ کر نکلا اور اس کے زمانے مین تعلیم کا بڑا چرچا ہوا، اور عالم لوگ بڑے بڑے عہدے پانے لگے قسطنطنیہ کا فاتح بخوبی جانتا تھا کہ سلطنت کے قیام اور درستی کے لئے علاوہ جوانمردی اور قواعددانی کے کچھ اور بھی ضروری ہے، چونکہ وہ خود پڑھا لکھا تھا، اس لئے اس نے اپنی رعایا کی تعلیم مین کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا، محمد نے علاوہ ابتدائی مدرسون کے جو مکتب کے نام سے مشہور ہین اور ہر گاؤن مین کثرت سے پائے جاتے ہین، بڑے بڑے مدرسون کی بنیاد ڈالی، طالب العلمون کو دس مختلف مضامین مین تعلیم ہوتی تھی، صرف، نحو، منطق، تاریخ، زبان، طرز تحریر، علم فصاحت و بلاغت، اقلیدس، ہیئت، جو طالب العلم ان دسون مضامین مین دستگاہ کامل حاصل کرتے تھے، دانشمند کا خطاب پاتے تھے، یہ بھی سب مضامین مثل اور مولوی فاضلون کے چھوٹے لڑکون کو پڑھاتے تھے، دانشمندون کو ابتدائی مدرسون کی اعلی مدرسی ملتی تھی، لیکن جماعت علما مین داخل ہونے کے لئے اون کو بہت کچھ قانون (فقہ سے مراد ہے) پڑھنا اور متواتر امتحان دینے ہوتے تھے، اور درجہ بدرجہ سند پاتے تھے، یہ تعلیم بے شبہہ اسی تعلیم کے مطابق ہے، جو پندرہوین صدی مین پیرس اور کیمبرج مین دیجاتی تھی، اور اس بات کا بہت خیال کیا جاتا تھا کہ علما مین صرف وہ لوگ داخل ہون جو ذی علم اور ذی لیاقت ہون، ان

لوگون کو بڑی عزت اور فیاضانہ مدد اور خاص حقوق ملتے تھے، اسی جماعتِ علما مین سے بڑے کالجون کے اعلیٰ مدرس، قاضی مفتی اور جج مقرر ہوتے تھے، مسجدون کے امام اور واعظ علما کے بعد ہین دنیا مین بجز ترکی کے کوئی ایسا ملک نہین جہان علماے مذہب ایسے ذی اختیار اور حکم شرع ایسا قوی ہو، عثمانی اس بات مین بڑے قابلِ عزت ہین کہ وہ لوگ مدرسون اور علما کی بڑی عزت کرتے ہین، جس کا نشان بھی عیسائی قومون مین نہین پایا جاتا،"

ترکون مین ارخان (لوپیع ۷۲۶ھ) پہلا فرمانروا تھا جس نے مدرسون کی بنیاد ڈالی، اسکا ازنیق کا مدرسہ نہایت نامور ہوا، داؤد قیصری جنکی شرح فصوص الحکم مشہور ہے اور علاء الدین شارح وقایہ وغیرہ مدرس تھے، سلطان مراد کے زمانے مین اس کے مدرس اعظم کی تنخواہ ماسٹھ ۱۳۰ درہم یومیہ تھی، ارخان کے جانشینون نے اس سلسلہ کو بہت ترقی دی، اور محمد خان فاتح کے عہد مین حدِ کمال کو پہنچ گیا، محمد خان نے بچپن مین عمدہ تعلیم حاصل کی تھی لیکن اُس کا علمی شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ حکومت کے زمانے مین بھی وہ طالب العلمی کرتا رہا، اور علامہ خواجہ زادہ علامہ ابن الخطیب وغیرہ علما خاص اس کے پڑھانے پر مقرر تھے،

محمد فاتح نے ۸۶۵ھ مین بمقام قسطنطنیہ ایک بڑی یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی جس کے ماتحت آٹھ کالج تھے، اور سب کے ساتھ جداگانہ بورڈنگ تھے، یہ عظیم الشان عمارت رجب ۸۷۵ھ مین تمام ہوئی علاء الدین طوسی خواجہ زادہ، ملا عبد الکریم، محمد بن مصطفےٰ، اور بہت سے علماء مدرس مقرر ہوئے جنین سے اکثر کی تنخواہ سو درہم یومیہ تھی، محمد خان خود بھی ان مدرسون مین درس کے وقت کبھی کبھی شریک ہوتا تھا، ایک بار علامہ علاء الدین طوسی کے درس مین حاضر ہوا، شرح عضدیہ، سید شریف کا درس ہو رہا تھا، علامہ کی حسن تقریر سے ایسا محظوظ ہوا کہ رہ رہکر کھڑا ہو جاتا تھا، سبق ختم ہوا تو دس ہزار درہم علامہ کو اور پانسو درہم طلبا کو صلہ دیا، علامہ علاء الدین

قوشجی کو مدرسۂ ابا صوفیہ کا مدرس اعظم کیا، اور دو سَو۲ درہم یومیہ تنخواہ مقرر کی، علامہ قوشجی کی شرح تجرید و خواجہ زادہ کے محاکمہ تہافتہ الفلاسفہ امام غزالی نے شہرت عام حاصل کی ہے، یہ محاکمہ بھی محمد خان کی فرمایش سے لکھا گیا تھا جس کے صلے مین اس نے دس ہزار درہم عنایت کیے تھے

بایزید خان نے جو ۸۸۶ھ مین تخت نشین ہوا، بہت سے مدرسے قائم کئے اُس زمانہ مین مدرسین کے علاوہ جتنے نامور علما تھے سب کی تنخواہین بشرح دس ہزار عثمانی سالانہ مقرر کر دین، اور جو لوگ شرح مفتاح سکاکی کا درس دیتے تھے ان کی تنخواہ چار ہزار سالانہ مقرر کی، حرمین شریفین کے فقہا کے لئے چودہ ہزار اشرفی سالانہ کا حکم دیا، سلطان سلیمان نے جو ۹۲۶ھ مین سریر حکومت پر بیٹھا علاوہ اور مدارس کے ۹۷۲ھ مین مکہ معظمہ مین چار بڑے بڑے مدرسے تعمیر کرائے، قاضی مکہ نے بنیاد کا پتھر رکھا اور تمام علما نے ان کی متابعت کی، ہر مدرس کی تنخواہ اس وقت ۵۰ عثمانی یومیہ پھر سَو عثمانی مقرر ہوئی، ان مدرسون مین طب و حدیث کا بھی درس ہوتا تھا، قسطنطنیہ مین بہت سے عمدہ مدرسے بنوائے اور چھ سَو طلبہ کا وظیفہ مقرر کیا (عقد المنظوم فی افاضل الروم) سلطان سلیم نے پچھلی کوششون مین اور بہت کچھ اضافہ کیا، مراد نے جو ۹۸۲ھ مین تخت نشین ہوا، مکہ معظمہ مین بہ مقام صفا ایک مدرسہ بنوایا جسمین ایک مدرس ایک معید اور بیس۲ دانش مند تھے[1]،

ترکون کی علمی تاریخ کا ہم نے نہایت چھوٹا حصہ اور وہ بھی نہایت اختصار کیساتھ ناظرین کے سامنے پیش کیا ہے، ترکون کی حکومت کو کم و بیش آج چھ سَو برس ہوئے، اس وسیع مدت مین بیسیون سلاطین سیکڑون وزرا ہزارون اہل منصب نے نہایت حوصلہ مندی

[1] ترکی مدارس کے متعلق جو کچھ مین نے لکھا ہے آثار الدول قرمانی و اعلام و شفاء الغرام ہر دو تاریخ مکہ و شقائق نعمانیۃ فی علماء الدولۃ العثمانیہ و عقد المنظوم فی ذکر افاضل الروم سے لکھا ہے،

لوگون کو بڑی عزت اور فیاضانہ مدد اور خاص حقوق ملتے تھے، اسی جماعت علما مین سے بڑے کالجون کے اعلیٰ مدرس، قاضی مفتی اور جج مقرر ہوتے تھے، مسجدون کے امام اور واعظ علما کے بعد ہین دنیا مین بجز ترکی کے کوئی ایسا ملک نہین جہان علماے مذہب ایسے ذی اختیار اور حکم شرع ایسا قوی ہو عثمانی اس بات مین بڑے قابلِ عزت ہین کہ وہ لوگ مدرسون اور علما کی بڑی عزت کرتے ہین جس کا نشان بھی عیسائی قومون مین نہین پایا جاتا"

ترکون مین ارخان (لوپیع ۷۲۶ھ) پہلا فرمانروا تھا جس نے مدرسون کی بنیاد ڈالی، اسکا ازنیق کا مدرسہ نہایت نامور ہوا، داؤد قیصری جنکی شرح فصوص الحکم مشہور ہے اور علاء الدین شارح وقایہ وغیرہ مدرس تھے، سلطان مراد کے زمانے مین اس کے مدرس اعظم کی تنخواہ ماہانہ ۱۳۰ درہم یومیہ تھی، ارخان کے جانشینون نے اس سلسلہ کو بہت ترقی دی، اور محمد خان فاتح کے عہد مین حدِ کمال کو پہنچ گیا، محمد خان نے بچپن مین عمدہ تعلیم حاصل کی تھی لیکن اُس کا علمی شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ حکومت کے زمانے مین بھی وہ طالب العلمی کرتا رہا، اور علامہ خواجہ زادہ علامہ ابن الخطیب وغیرہ علما خاص اس کے پڑھانے پر مقرر تھے،

محمد فاتح نے ۸۶۵ھ مین بمقام قسطنطنیہ ایک بڑی یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی جس کے ماتحت آٹھ کالج تھے، اور سب کے ساتھ جداگانہ بورڈنگ تھے، یہ عظیم الشان عمارت رجب ۸۷۵ھ مین تمام ہوئی علاء الدین طوسی خواجہ زادہ، ملا عبد الکریم، محمد بن مصطفےٰ، اور بہت سے علماء مدرس مقرر ہوئے جنین سے اکثر کی تنخواہ سو درہم یومیہ تھی، محمد خان خود بھی ان مدرسون مین درس کے وقت کبھی کبھی شریک ہوتا تھا، ایک بار علامہ علاء الدین طوسی کے درس مین حاضر ہوا، شرح عضدیہ، سید شریف کا درس ہو رہا تھا، علامہ کی حسن تقریر سے ایسا محظوظ ہوا کہ رہ رہکر کھڑا ہو جاتا تھا سبق ختم ہوا تو دس ہزار درہم علامہ کو اور پانپانسو درہم طلبا کو صلہ دیا، علامہ علاء الدین

نام مدرسہ	مقام مدرسہ	بانی	شرح تنخواہ مدرسین	کیفیت
حلبیہ	اورنہ	۰	ص ۵۰ ،	
محمودیہ	قسطنطنیہ	محمود پاشا وزیر اعظم	ص ۵۰	عرب زادہ
مرادیہ	"	مراد پاشا		
قلندریہ	"	۰	ص ۵۰	
مدرسہ ابی ایوب	"	۰	ن ۵۰ ،	
بایزیدیہ	"	بایزید خان	ما ،	
بایزیدیہ	اماسیہ	"	ن ۵۰	
ابراہیمیہ	قسطنطنیہ	ابراہیم پاشا	۰	
مدرسہ علی پاشا	"	علی پاشا	ص ۵۰	
مدرسہ مصطفی پاشا	"	مصطفی پاشا	ص ۵۰	
رستمیہ	"	رستم پاشا وزیر کبیر	ص ۵۰	شمس الدین خلف مفتی ابو السعود مفسر مدرس تھے یہ سترہ برس کے سن مین اس مدرسہ کے مدرس اعظم مقرر ہوئے سنہ ۹۰ھ مین وفات کی،
قاسمیہ	"	قاسم پاشا	ص ۵۰ ،	ملا محمد خلف مفتی ابو السعود متوفی سنہ ۹۷۱ھ
سلیمانیہ	"	سلطان سلیمان بن السلیم	ش ۶۰ ،	

لوگون کو بڑی عزت اور فیاضانہ مدد اور خاص حقوق ملتے تھے، اسی جماعتِ علما مین سے بڑے کالجون کے اعلیٰ مدرس، قاضی، مفتی اور جج مقرر ہوتے تھے، مسجدون کے امام اور واعظ علما کے بعد ہین دنیا مین بجز ترکی کے کوئی ایسا ملک نہین جہان علماے مذہب ایسے ذی اختیار اور حکم شرع ایسا قوی ہو، عثمانی اس بات مین بڑے قابلِ عزت ہین کہ وہ لوگ مدرسون اور علما کی بڑی عزت کرتے ہین، جس کا نشان بھی عیسائی قومون مین نہین پایا جاتا"

ترکون مین ارخان (لویح ۷۲۶ھ) پہلا فرمانروا تھا جس نے مدرسون کی بنیاد ڈالی، اسکا ازنیق کا مدرسہ نہایت نامور ہوا، داؤد قیصری جنکی شرح فصوص الحکم مشہور ہے اور علاء الدین شارح وقایہ وغیرہ مدرس تھے، سلطان مراد کے زمانے مین اس کے مدرس اعظم کی تنخواہ ماہانہ ۱۳۰ درہم یومیہ تھی، ارخان کے جانشینون نے اس سلسلہ کو بہت ترقی دی، اور محمد خان فاتح کے عہد مین حدِ کمال کو پہنچ گیا، محمد خان نے بچپن مین عمدہ تعلیم حاصل کی تھی لیکن اُس کا علمی شوق اتنا بڑھا ہوا تھا کہ حکومت کے زمانے مین بھی وہ طالب العلمی کرتا رہا، اور علامہ خواجہ زادہ علامہ ابن الخطیب وغیرہ علما خاص اس کے پڑھانے پر مقرر تھے،

محمد فاتح نے ۸۶۵ھ مین بمقام قسطنطنیہ ایک بڑی یونیورسٹی کی بنیاد ڈالی جس کے ماتحت آٹھ کالج تھے، اور سب کے ساتھ جداگانہ بورڈنگ تھے، یہ عظیم الشان عمارت رجب ۸۷۵ھ مین تمام ہوئی علاء الدین طوسی، خواجہ زادہ، ملا عبد الکریم، محمد بن مصطفیٰ، اور بہت سے علما مدرس مقرر ہوئے جنہین سے اکثر کی تنخواہ سو درہم یومیہ تھی، محمد خان خود بھی ان مدرسون مین درس کے وقت کبھی کبھی شریک ہوتا تھا، ایک بار علامہ علاء الدین طوسی کے درس مین حاضر ہوا، شرح عضدیہ، سید شریف کا درس ہو رہا تھا، علامہ کی حسن تقریر سے ایسا محظوظ ہوا کہ رہ رہکر کھڑا ہو جاتا تھا، سبق ختم ہوا تو دس ہزار درہم علامہ کو اور پانسو درہم طلبا کو صلہ دیا، علامہ علاء الدین

نام مدرسہ	مقام مدرسہ	بانی	شرح تنخواہ مدرسین	کیفیت
دار الحدیث	ادرنہ	۰	۱۰۰	ملا شمس الدین قاضی زادہ مدرس تھے،
احمدیہ	چورسے	احمد پاشا وزیر اعظم	۵۰	ملا کوسج امین،
سلیمانیہ	ازنیق	سلیمان پاشا	۵۰	
مدرسہ گکیوزہ	گکیوزہ	مصطفےٰ پاشا	۰	
افضلیہ	قسطنطنیہ	۰	۵۰	

اخیر مین مجھکو یہ بھی بتا دینا چاہئے کہ ترکی مدارس کو جو ترجیح ہے، اور جس کا مین اعتراف کرچکا ہون، وہ زیادہ تر سلسلۂ انتظام، اصولِ ترقی، انضباطِ قواعد، کثرتِ مصارف کی رو سے ہے، اور سب سے زیادہ یہ کہ وہان کے تعلیم یافتہ طلباء کو باقاعدہ ملکی عہدے ملتے تھے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس قدر پولیٹیکل پلہ بھاری ہوا، کمال علمی کا وزن کم ہوتا گیا، یہی بات ہے کہ چھ سو۶۰۰ برس کی مدت مین ان مدارس سے ایسے کم لوگ اٹھے جو حکیم یا محقق کا لقب حاصل کرسکے، علامہ ابن خلدون نے تو کلیۃً نفی کی ہے، لیکن اگر صاحب کشف الظنون کی فہرستِ حکماء تسلیم بھی کرلیجائے تاہم اس کا اختصار ترکون کے وسیع سلسلۂ حکومت سے موزون نسبت نہین پیدا کرسکے گا، حقیقت یہ ہے کہ ایشیا کی تاریخ مین کمال کو دنیوی جاہ و منصب کی خواہش سے کم تعلق رہا ہے،

ہمارے آرٹیکل کا یہ حصہ جس مین خاص قسم کے مدارس اور دار العلوم سے بحث ہے ختم کے قریب ہے اور صرف دو نامون کی جگہ اس مین اور خالی ہے، یعنی اندلس (اسپین) و ہندوستان اس بات کا ہم کو بھی افسوس ہے کہ اسپین جو تیغ و قلم دونون مین خلافتِ بغداد کا حریفِ مقابل تھا، اس خاص سلسلہ مین سب سے اخیر نمبر پر ہے، ہم قرطبہ (کارڈوا) غرناطہ (گرنیڈا) کی شہرت

اور عظمت کے منکر نہین ہین، قرطبہ کے نقشہ مین ہم ۳۸۳۷ مسجدین ۰۰ ۷ حمام ۰۰۰ ۳۱ ۱ مکانات رعایا کے مکانات دیکھتے ہین، قصر الزہرا، زکامل، مجدد، قصر السحائر، روضہ مبارک، قصر السرور، رشیق تاج بدیع کے بلند اور زیب و زینت سے معمور عمارتین بھی ہماری آنکھون کے سامنے ہین[1] لیکن اس تمام وسعت مین کسی کالج یا اسکول کا ہم کو نشان نہین ملتا، بے شبہہ قرطبہ کی علمی شہرت بغداد سے کم درجہ پر نہین ہے، بے شبہہ یورپ کی استادی کا فخر اسپین ہی کا خاص حصہ ہے، لیکن اس وقت اصطلاحی مدارس سے بحث ہے، جس کے معنی اتنے ہی تک محدود ہین کہ خاص درس و تدریس کی غرض سے کوئی عمارت تیار کی گئی ہو، اسپین کی بجا طرفداری علامہ مقری سے زیادہ کوئی شخص نہین کرسکتا جو اسپین کی ایک ایک خوبی کو تمام اور ممالک اسلامیہ کے سامنے اس دعوی سے پیش کرتا ہے، کہ "تم ایک کا بھی جواب لاسکتے ہو" تاہم اس محقق اور وسیع النظر مورخ نے صاف صاف اقرار کیا ہے، کہ "تمام اسپین مین ایک بھی مدرسہ نہ تھا، صرف مسجدون کے صحن تھے جن مین تمام علوم و فنون پڑھائے جاتے تھے"[2]

فوسٹر صاحب کی تاریخ اسپین و نظم الممالک و چیمبرس انسائیکلوپیڈیا وغیرہ مین اسپین کے مدرسون کا جہان اجمالاً ذکر کیا گیا ہے، غالباً اس سے اسی قسم کی عام درسگاہین مراد ہین،

ہندوستان

ہندوستان[3] کے تذکرے مین ہم کو بےخطر کہنا چاہیے کہ اس سرزمین پر شاید ایک بھی علمی عمارت نہین قایم ہوئی لیکن اس ملک کی عام علمی فیاضیون کا انکار نہین ہو سکتا، اکبر، جہانگیر، شاہجہان، عالمگیر کے خزانۂ شاہی سے عموماً اُن لوگون کے لئے جاگیرین اور وظیفے مقرر تھے جو

---

[1] یہ سب قرطبہ کے عالیشان ایوانات و باغات کے نام ہین [2] دیکھو نفح الطیب تاریخ اندلس مطبوعہ فرانس جلد اول صفحہ ۱۳۷ – [3] مین اس بات کا اعتراف کرتا ہون کہ میری یہ تحقیق صحیح نہین ثابت ہوئی ہندوستان مین بہت سے مدارس تعمیر ہوئے تھے، گو اب انکا نام و نشان باقی نہین رہا،

بطور خود درس و تدریس کرتے رہتے تھے، دولت ترکیہ اس قدر بے انتہا صرف اور سعی و اہتمام کیساتھ بھی اصل نتیجہ مین دولت تیموریہ سے کچھ فائق نہین ہے شمس الدین، فناری، قاضی زادہ خواجہ زادہ علامہ قوشجی، ابن المؤید وغیرہ کے مقابلہ مین جنکو صاحب کشف الظنون، حکما کا لقب دیتے ہین ہم ملا محمود جونپوری، ملا نظام الدین، محب اللہ بہاری، حمد اللہ، بحر العلوم، شاہ ولی اللہ صاحب کو کسی قدر ترجیح کے ساتھ پیش کر سکتے ہین،

جن مدرسون کے حالات ہم لکھ آئے ہین، اکثر مذہبی یا عقلی علوم کے درس کے لئے تھے، صنعتی مدارس کے متعلق ہماری واقفیت نہایت محدود ہے، اسلامی ملکون مین عمدہ صنعتون کے بہت سے آثار موجود ہین، مگر اُن کی تعلیم کے کسی مرتب سلسلہ کو ہم نہین معلوم کر سکے ہین فنون جنگ مین مسلمانون کی ترقی اب بھی دنیا کی موجودہ حالت و صورت سے عیان ہے، اور مسٹر ایڈورڈ کریسی صاحب نے یورپ مین ترکون کی فتوحات کو اسی امر سے منسوب کیا ہے لیکن ہم عبد المومن سلطان مراکو کے مدرسۂ حربیہ کے سوا اور کسی حربی تعلیم گاہ کے حالات سے نہین واقف ہین، چراکسہ کے عہد مین جو عمدہ فوجین تیار ہوئین، اس کا یہ طریقہ تھا کہ ترک اور چرکس غلام جو خرید کرکے آتے تھے اُن کو پہلے قرآن اور معمولی خط و کتابت اور کسی قدر حساب سکھایا جاتا تھا، پھر فقہ کی تعلیم ہوتی تھی اور بعض تیز طبع نوجوان معتدبہ لیاقت تک پہنچ جاتے تھے، اس کے بعد نیزہ بازی اور تیر اندازی اور پھر شہسواری سکھائی جاتی تھی، جو ان کی تعلیم کا انتہائی زینہ تھا، لیکن یہ طریقہ بھی کسی باقاعدہ ہیئت اجتماعی کی صورت نہین رکھتا تھا، اور غالباً تمام ممالک اسلامیہ مین حربی تعلیم کا یہی انداز تھا، خلیفہ عبد المومن بن علی کا مدرسۂ حربیہ خاصۃً قابل ذکر ہے، جس کی تفصیل ہسٹری آف ڈومنین آف اسپین، مصنفہ کانڈی[1] سے قریب قریب اس کے لفظون مین نقل کرتے ہین

---

[1] دیکھو تاریخ مذکور، جلد ثانی صفحہ ۴۷۵، مطبوعہ لندن ۱۸۲۰ء،

مدرسہ حربیہ

اس (عبدالمومن) نے ایک اسکول لڑکون کے لئے بنایا جس مین صرف علوم نہین بلکہ سپہ گری کے کام بھی سکھائے جاتے تھے، کیونکہ وہ یہ نہین چاہتا تھا کہ صرف پڑھے لکھے قاضی تیار ہون، بلکہ اُسکی خواہش تھی کہ لایق لائق گورنر ملکون کیلئے اور فائق گروہ قضاۃ شہرون کے انتظام کے لیے پیدا ہون، اور بڑے بڑے جنرل اور اچھے جنگ آور اس کے اسکول سے تعلیم پاکر نکلین، ان کالج اور اسکولون مین وہ مصامدہ اور دوسری قومون کے شریف خاندانون سے جو ان کے ملک مین رہتے تھے، لڑکے جمع کرتا تھا جن کی تعداد تین ہزار تھی اور جو قریب قریب ایک ہی عمر ہونے کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ایک ہی دن کے پیدا ہین، یہ لڑکے حافظ اور طالبین کہلاتے تھے، کیونکہ وہ موطا یا اصول المہدی حفظ یاد کرتے تھے، اور ایک دوسری کتاب بھی پڑھتے تھے جس کا نام تا طلبہ القاضی تھا، حافظین کو بادشاہ جمعہ کے دن الکوزر مین جمع کیا کرتا تھا جس دن کہ وہ ازالہ جایا کرتا تھا، وہ ان کو حکم دیتا تھا کہ ہفتے بھر کا پڑھا اس کے سامنے دوہرائین، ہفتہ مین ایک دوسرے دن ان کو حکم دیتا تھا کہ شہسواری ہتھیارون کے کرتب، نیزہ بازی گھوڑدوڑ، اور بہت سی مشقون کا جو سپاہیون کے لئے ضروری ہین، تماشا دکھلائین، تیسرے دن ان کی تیراندازی کی مشق دیکھتا تھا اور ایک اور دن ان کی شناوری کی استادیان ملاحظہ کرتا تھا، جس کے لئے اس نے اپنے باغ مین ایک بڑا وسیع تالاب بنوایا تھا، جو تین سو قدم لنبا اور اتنا ہی چوڑا تھا، تالاب مین مختلف قسم کی کشتیان اور اور قسم کی جو کہ خود اس نے ایجاد کی تھین اور اس وضع کی اس سے پہلے کبھی نہین دیکھی گئی تھین، پڑی رہتی تھین، وہ ان کشتیون پر حافظین کو سوار کراتا تھا جنمین بیٹھکر ایک دوسرے پر حملہ کرنے اور اپنے آپ کو بچانے مین وہ بڑی پھرتی اور چالاکیان دکھلاتے تھے، عبدالمومن خود ان کو کشتیون کے کھینے اور کسی خاص سمت لیجانے اور تمام ان اعمال کے طریقے بتاتا تھا جو سمندر مین جہازون کے استعمال کے لئے ضروری ہین، اس طرح پر ہفتہ کا ہر ایک دن کام مین لایا جاتا تھا اور ہر

کام کے لئے ایک خاص دن مقرر تھا، یہ لڑکے بڑے جوش سے اپنا کام کرتے تھے، بوجہ ان گران قدر انعامون کے جوکہ عبدالمومن کی طرف سے ان نوجوانون کو دیئے جاتے تھے، جنھون نے فتح حاصل کی ہے، یا اپنے فرائض مین زیادہ مشاق ہین، یہ سب خرچ عبدالمومن خود دیتا تھا، یہان تک کہ ہتھیار اور گھوڑے بھی اسی کے عنایت کئے ہوئے ہوتے تھے، ان حافظین مین ۱۳ لڑکے خود عبدالمومن کی اولاد تھے، جو ہتھیارون کے کام اور دوسری قسم کی مشاقیون مین نہایت چالاک تھے، اس کے علاوہ وہ ذاتی اخلاق مین بھی نہایت برگزیدہ اور ممتاز تھے،

یہ سب مدرسے وہ تھے جو ممالک اسلامیہ مین قائم ہوئے لیکن مسلمانون کی علمی فیاضی اس وسیع دائرے مین بھی محدود نہ تھی، انھون نے یورپ کے خاص شہرون مین بھی رصدخانے، صنعت گاہین، اور مدرسے قائم کئے جنمین سے مین ایک کا ذکر گبن صاحب کی تاریخ سے انھین کے الفاظ مین کرتا ہون، وہ رومن امپائر حصہ مسلمانان فتح سلرنو کی ذیل مین لکھتے ہین :" افریقہ اور ہسپانیہ اور سسلی مین جو عرب کی نوآبادیان تھین ان کو یونانی دواؤن سے واقفیت حاصل ہوئی اور بوجہ اجتماع جنگ و صلح علم کا پرتو سلرنو جیسے مشہور شہر مین چمکا ایک مدرسہ جو اول ہی اول فرنگستان کے زمانہ جہالت مین قائم ہوا وہ فن جراحی کے لئے مخصوص تھا، اس مفید اور صحت بخش پیشہ کے لئے پادریون اور راہبون کی منظوری لے لی گئی تھی، اور بہت سے نامی گرامی مریض دور دور مقامات کے سلرنو کے اطبا کے پاس رجوع کرتے تھے، یا ان کو طلب کرتے تھے، یہ اطبا نارمنڈی کی فتحمندیون کے ظلِ حمایت مین رہتے تھے، قسطنطین نام افریقہ کا ایک عیسائی انتیس[29] برس سفرِ حج مین رہکر اور زبان و علم عربی کی تحصیل کامل کرکے بغداد سے واپس آیا،

اسطرح بوعلی سینا کے شاگرد کے مطب اور ہدایات اور تحریرات سے سلرنو مالا مال ہوگیا،

یورپ مین اسلامی مدرسے

قدیم تعلیم

سنہ ۱۳۵ھ اور تعلیم، تعلیم کی وسعت اور اس کے اسباب، طرز تعلیم، انقلابات

مختلف ملکون کی خصوصیتین، تعلیم کا مذہبی و تمدنی اثر

سنہ ۱۳۵ھ تک یعنی جب تک تصنیف و تالیف نہین شروع ہوئی تھی جو تعلیم تھی وہ عرب کے مذاق و تخیل طرز زندگی کیلیے موزون تھی، علوم وہ تھے جنکو حافظہ سے زیادہ تر تعلق تھا بحث طلب مسائل بھی معمولی فہم کی دسترس سے باہر نہ تھے، اور طرز تعلیم تو بالکل وہی تھا (یعنی سند و روایت) جو قدیم زمانے سے ان مین رائج تھا لیکن سو برس کی مدت مین تمدن بہت کچھ ترقی کر گیا، اور اسی نسبت سے تعلیم بھی زیادہ وسیع اور مرتب و باقاعدہ ہو چلی، اس دور مین جن علوم کو رواج عام حاصل ہوا وہ نحو، معانی، لغت، فقہ، اصول، حدیث، تاریخ، اسماء الرجال، طبقات، اور ان کے متعلقات تھے عقلی علوم کا سرمایہ گو بہت کچھ جمع ہو گیا تھا، مگر رواج عام نہ حاصل کر سکا، جس کی وجہ یہ تھی کہ سلطنت نے اس کی اشاعت پر چندان زور نہین دیا، اور عام ملک کو کچھ ناواقفیت، کچھ مذہبی غلط فہمی کی وجہ سے فلسفہ و منطق کے ساتھ ہمدردی نہ تھی،

تعلیم کا دوسرا دور اور اسکی وسعت

تعلیم کا یہ دوسرا دور عجیب دلچسپیون سے بھرا ہے، دیکھو گنگس سے دریاے سندھ کے کنارے تک اسلام حکومت کر رہا ہے، حجازی فتوحات کا سیلاب اب رکتا چلا ہے مفتوحہ ممالک مین امن و انتظام کامل ہوتا جاتا ہے، سینکڑون قبیلے ریگستان عرب سے نکل کر دور دور

دراز ملکون مین آباد ہوتے جاتے ہین بہت سی نئی قومین دلی ذوق سے اسلام کے حلقے مین داخل ہورہی ہین لیکن ابتک اس وسیع دنیا مین سلطنت کی طرف سے نہ کوئی سررشتہ تعلیم ہے، نہ یونیورسٹیان ہین، نہ مدرسے ہین، عرب کی نسلین حکمران ہین، اگر حکومت ایسی بے تعلق اور اوپری ہے کہ ملک کے عام اخلاق، معاشرت، تمدن پر فاتح قوم کی تہذیب کا اثر چندان نہین پڑسکتا تاہم علوم پر عربی زبان کی مہر لگی ہے، ان سب باتون پر دیکھو کہ علوم و فنون کس تیزی اور وسعت سے بڑھتے جاتے ہین، مرو، ہرات، نیشاپور، بخارا، فارس، بغداد، مصر، شام، اندلس کا ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک گاؤن علمی صداؤن سے گونج اٹھا ہے، عام تعلیم کے لئے ہزارون مکتب قائم ہین جنمین سلطنت کا کچھ بھی حصہ نہین ہے، اور جو آج کل کے تحصیلی مدارس سے زیادہ مفید اور فیاض ہین، اوسط اور اعلیٰ تعلیم کے لئے مسجدون کے صحن، خانقاہون کے حجرے علما کے ذاتی مکانات ہین، لیکن ان سادہ اور بے تکلف عمارتون مین جس وسعت اور فیاضی کیساتھ علم کی تربیت ہورہی ہے بڑے بڑے عالیشان قصر و ایوان ہین بھی جو پانچوین صدی کے آغاز مین اس غرض سے تعمیر ہوئے، اس سے کچھ زیادہ نہ ہوسکی، اگرچہ اس وقت اس زمانہ کا کوئی رجسٹر نہین موجود ہے جس سے ہم حساب لگاسکین، کہ فیصدی کتنے آدمی تعلیمیافتہ تھے، لیکن تذکرے تراجم اسماء الرجال، طبقات کی سیکڑون ہزارون کتابین موجود ہین، جن سے ہم صحیح اندازہ کے قریب پہنچ سکتے ہین، اگرچہ متواتر انقلابات، تختگاہون کی بربادی اسپین کی تباہی، تاتاری عام غارت گری کے بعد ہمارے پاس جو کچھ رہ گیا ہے، وہ ہزارمین ایک بھی نہین ہے اور اس وجہ سے ہزارون لاکھون نامورون کی صورتین زمانہ کی تاریخی نگاہ سے چھپ گئی ہین، تاہم عہد بعہد مین ہم سیکڑون ماہرین و مجتہدین فن کا نشان دے سکتے ہین، صرف ہمعصر و ہموطن اہل کمال کی فہرست تیار کیجائے تو بھی بہت سی جلدین تیار ہوسکتی ہین، ڈاکٹر اسپرنگر صاحب تخمینہ کرتے

ہین، (شاید حسن ظن ہو) کہ مسلمانون کے اسمار الرجال مین پانچ لاکھ مشہور عالمون کا حال مل سکتا ہے"، اب اگر یہ قیاس لگایا جائے کہ تعلیمیافتہ گروہ مین کس نسبت سے ایک صاحب کمال پیدا ہوتا ہے، تو عام تعلیم کا ایک معقول اندازہ ہو سکتا ہے،

مشہور علما کے تعلیمی حالات پڑھو، ایک ایک استاد کے حلقۂ درس مین سیکڑون بلکہ ہزارون طالب العلم مشغول درس نظر آئین گے، علامہ ذہبی طبقات مین ابو التقی المتوفی ۲۵۱؁ھ کے ترجمے کے بعد لکھتے ہین کہ "اس زمانے کے بعض حلقۂ درس ایسے ہوتے تھے جن مین دس ہزار سے زائد دواتین رکھی جاتی تھین اور لوگ احادیث نبوی لکھتے تھے، اس بڑے مجمع مین دو سو امام حاضر ہوتے تھے، جو اجتہاد و فتوی دینے کی پوری قابلیت رکھتے تھے" خطیب مورخ بغداد علامہ ابو حامد اسفرائنی کے حلقے مین خود شریک تھا، اس کا بیان ہے کہ سات سو طلبہ درس مین حاضر تھے، فرار نحوی نے کتاب المعانی کا جب لکھ دیا (جسکو عربی زبان مین املا کہتے ہین) تو حاضرین مین سے ۸۰ صرف قاضی تھے[۱]، رضی الدین نیشاپوری کے حلقۂ درس مین چار سو فارغ التحصیل اہل علم حاضر ہوتے تھے، بصرہ کی جامع مسجد مین امام بخاری نے جب مجلس املا منعقد کی تو ہزار کے قریب محدثین، فقہار، حفاظ، اہل مناظرہ شامل ہوئے، خود امام بخاری سے جن لوگون نے صحیح بخاری کی سند حاصل کی ان کی تعداد تقریباً نوّے ہزار ہے[۲]، اس قسم کی سیکڑون مثالین ہین جنکا ہم استقصا نہین کر سکتے،

وسعت تعلیم

ہر قوم، ہر فرقہ، ہر طبقہ مین تعلیم کثرت سے جاری تھی، مصنفین و اہل فن کے حالات پڑھو، سیکڑون ہزارون اہل کمال ملین گے، جن کے باپ دادا، خیاط، اسکاف، جولاہے، حلوائی، طباخ، حدّاد، وغیرہ تھے، امرا کا عیش پسند گروہ بھی تعلیم سے مالا مال تھا، لوگ تعجب سے سنین گے کہ

---

[۱] ان لوگون کے تراجم دیکھو، [۲] دیکھو مقدمہ قسطلانی،

ابن المعتز عباسی المتوفی ۲۹۶ھ جو علم بدیع کا موجد اور شاعری مین ابونواس و بشار کا ہمسر تھا، اور ابوفراس جس پر عرب کی شاعری کا خاتمہ ہوگیا، والیان ملک تھے، اور حکیم بو علی سینا و محقق طوسی وزارت کے بلند منصب پر ممتاز تھے،

طرز تعلیم

اس دور مین تعلیم کا مستند طریقہ وہی تھا جو آج مہذب ملکون مین جاری ہے یعنی املا جس کو اردو مین لکچر دینا کہتے ہین، استاد ایک بلند مقام مثلاً کرسی یا منبر پر بیٹھ جاتا تھا، اور کسی فن کے مسائل زبانی بیان کرنا شروع کرتا تھا، طالب العلم جو ہمیشہ دوات و قلم لیکر بیٹھے تھے ان تحقیقات کو استاد کے خاص لفظون مین لکھتے جاتے تھے، اس طرح پر ایک مستقل کتاب تیار ہو جاتی تھی، اور امالی کے نام سے مشہور ہوتی تھی، امالی ابن درید و ثعلب وغیرہ اسی قسم کی تصنیفات ہین، جب معمول سے زیادہ طلبہ حلقۂ درس مین جمع ہوتے تھے تو استاد کے سامنے یا داہین بائین چند فاضل کھڑے ہوتے تھے، جو دور والون کو استاد کے خاص الفاظ سنا سکتے تھے، یہ لوگ مستملی کہلاتے تھے، یہ طریقہ تعلیم منقولی علوم کے ساتھ مخصوص نہین تھا، ابو بشر متی جو بغداد مین ارسطو کی کتاب المنطق کا درس دیتا تھا، اس کے لکچر مین سیکڑون طلبا شریک ہوتے تھے جن مین فارابی بھی تھا، اور اس نے کئی سو صفحے خود نقل کئے تھے،

اعلی تعلیم کے شرائط،

اعلی تعلیم کے لئے دور دور دراز مسافتون کا طے کرنا، اور متعدد اہل کمال کی خدمت مین پہنچکر فائدہ اٹھانا نہایت ضروری خیال کیا جاتا تھا، مشہور اہل فن کی لائف چھان ڈالو، ایک شخص بھی ایسا نہین ملیگا جس نے تکمیل تعلیم کے لئے دو چار سو میل کی مسافت نہ طے کی ہو، اس زمانے مین ایک مشہور فاضل جو سفر کی زحمت اٹھائے بغیر اپنے فن مین نامور ہوا، اس زمانے کے لوگ ہمیشہ اس کو حیرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، بغداد، نیشاپور، قرطبہ وغیرہ مین گو ہر فن کے کامل موجود تھے، مگر ان شہرون کے رہنے والے بھی مشرق و مغرب کی خاک چھانے بغیر نہین رہتے تھے

ہین، (شاید حسن ظن ہو) کہ مسلمانون کے اسمار الرجال مین پانچ لاکھ مشہور عالمون کا حال مل سکتا ہے"، اب اگر یہ قیاس لگایا جائے کہ تعلیمیافتہ گردہ مین کس نسبت سے ایک صاحب کمال پیدا ہوتا ہے، تو عام تعلیم کا ایک معقول اندازہ ہو سکتا ہے،

مشہور علما کے تعلیمی حالات پڑھو، ایک ایک استاد کے حلقۂ درس مین سیکڑون بلکہ ہزارون طالب العلم مشغول درس نظر آئین گے، علامہ ذہبی طبقات مین ابو التقی المتوفی ۲۵۱ھ کے ترجمے کے بعد لکھتے ہین کہ "اس زمانے کے بعض حلقۂ درس ایسے ہوتے تھے جن مین دس ہزار سے زائد دواتین رکھی جاتی تھین اور لوگ احادیث نبوی لکھتے تھے، اس بڑے مجمع مین دو سو امام حاضر ہوتے تھے، جو اجتہاد و فتوی دینے کی پوری قابلیت رکھتے تھے" خطیب مورخ بغداد علامہ ابو حامد اسفراینی کے حلقے مین خود شریک تھا، اس کا بیان ہے کہ سات سو طلبہ درس مین حاضر تھے، فرار نحوی نے کتاب المعانی کا جب لکھر دیا (جسکو عربی زبان مین املا کہتے ہین) تو حاضرین مین سے ۸۰ صرف قاضی تھے[۱]، رضی الدین نیشاپوری کے حلقۂ درس مین چار سو فارغ التحصیل اہل علم حاضر ہوتے تھے، بصرہ کی جامع مسجد مین امام بخاری نے جب مجلس املا منعقد کی تو ہزار کے قریب محدثین، فقہار، حفاظ، اہل مناظرہ شامل ہوئے، خود امام بخاری سے جن لوگون نے صحیح بخاری کی سند حاصل کی ان کی تعداد تقریباً نوّے ہزار ہے[۲]، اس قسم کی سیکڑون مثالین ہین جنکا ہم استقصاء نہین کر سکتے،

وسعت تعلیم

ہر قوم ہر فرقہ، ہر طبقہ مین تعلیم کثرت سے جاری تھی، مصنفین و اہل فن کے حالات پڑھو، سیکڑون ہزارون اہل کمال ملین گے، جن کے باپ دادا، خیاط، اسکاف، جولاہے، حلوائی، طباخ، حدّاد، وغیرہ تھے، امرا کا عیش پسند گروہ بھی تعلیم سے مالا مال تھا، لوگ تعجب سے سنین گے کہ

---

[۱] ان لوگون کے تراجم دیکھو، [۲] دیکھو مقدمہ قسطلانی،

بڑھتے قریبًا ہر علم وفن کو اپنے دائرہ مین لے لیا تھا، اب خیال کرو کہ ایک قوم جس مین اسلام کا جوش ابھی تازہ ہے جسکی رگون مین ہنوز عرب کا لہو ہے جس کی ہمتین بلند، ارادے مستقل حوصلے وسیع ہین، اور پیہم ملکی کامیابیون نے اس کے جوش کو زیادہ تیز کر دیا ہے جب کسی کام پر پوری توجہ سے مائل ہوگی تو کس حد تک پہنچا کر رہیگی، عرب کے سوا دوسری قومین جو اسلام قبول کر چکی تھین، مذہب نے انکو بھی انھین سرگرم جذبات سے بھر دیا تھا جو عرب کے ذاتی خاصے تھے، اور چونکہ وہ مدت سے تمدن و معاشرت کی آبادی مین بسر کرتے آئے تھے تعلیم کے معاملے مین انھون نے اپنے استاد (عرب) سے زیادہ کام دیا، یہی بات ہے کہ نحو، لغت، حدیث، اصول، فقہ، فلسفہ کے امام و پیشوا، قریبًا کل عجمی ہین، علامہ ابن خلدون نے اس پر مقدمۂ تاریخ مین ایک مستقل مضمون لکھا ہے جس کی سرخی یہ ہے "حملة العلم فی الاسلام اکثرہم العجم" یعنی اسلام مین علم کے حاملین اکثر عجم ہین، ہمارے اکثر اخوان جو عرب کی نسل سے ہین اس بات کو رشک اور تعجب سے سنین گے، مگر ان کو ہشام[۵] و عیسیٰ کی طرح صبر کرنا چاہیے،

(۲) تعلیم مسجدون اور علما کی خاص درسگاہون مین مقید نہ تھی، وزرا حکام، فوجی افسر اہل منصب، ہر طبقہ کے لوگ پڑھتے پڑھاتے رہتے تھے، وزارت کے کثیر الاشتغال وقت مین بھی بوعلی سینا کی خدمت مین مستعد طلبا کا ایک گروہ حاضر رہتا تھا،

---

[۵] ہشام بن عبد الملک دولۃ بنو امیہ کا نامور خلیفہ تھا، راوی کا بیان ہو کہ مجھ سے ہشام نے پوچھا کہ اس وقت مکہ مین علم کا سردار کون ہے، مین نے کہا عطا، (ہشام) وہ عربی الاصل ہے (مین) نہین، اسی طرح اس نے شام، مصر، جزیرۃ، خراسان، بصرہ کی نسبت پوچھا مین نے مکحول، یزید، میمون، ضحاک کے نام لئے، ہر نام پر پوچھا جاتا تھا کہ عربی الاصل ہے اور مجھ سے "نہین" کا لفظ سنکر پیچ و تاب کھاتا جاتا تھا، اخیر مین مین نے کہا کہ ابراہیم النخعی جو کوفہ کا امام ہے عربی الاصل ہے اس پر اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کہ "خیر اس سے کچھ تسکین ہوئی" (فتح المغیث صفحہ ۴۹۸) عیسیٰ کی نسبت بھی ایک اسی قسم کا واقعہ بیان کیا گیا ہے،

ہین، (شاید حسن ظن ہو) کہ مسلمانون کے اسماء الرجال مین پانچ لاکھ مشہور عالمون کا حال مل سکتا ہے" اب اگر یہ قیاس لگایا جائے کہ تعلیمیافتہ گروہ مین کس نسبت سے ایک صاحب کمال پیدا ہوتا ہے، تو عام تعلیم کا ایک معقول اندازہ ہو سکتا ہے،

مشہور علما کے تعلیمی حالات پڑھو، ایک ایک استاد کے حلقۂ درس مین سیکڑون بلکہ ہزارون طالب العلم مشغول درس نظر آئین گے، علامہ ذہبی طبقات مین ابو التقی المتوفی ۲۵۱ھ کے ترجمے کے بعد لکھتے ہین کہ "اس زمانے کے بعض حلقۂ درس ایسے ہوتے تھے جن مین دس ہزار سے زائد دواتین رکھی جاتی تھین اور لوگ احادیث نبوی لکھتے تھے، اس بڑے مجمع مین دو سو امام حاضر ہوتے تھے، جو اجتہاد و فتوی دینے کی پوری قابلیت رکھتے تھے" خطیب مورخ بغداد علامہ ابو حامد اسفراینی کے حلقے مین خود شریک تھا، اس کا بیان ہے کہ سات سو طلبہ درس مین حاضر تھے، فرار نحوی نے کتاب المعانی کا جب لکھر دیا (جسکو عربی زبان مین املا کہتے ہین) تو حاضرین مین سے ۸۰ صرف قاضی تھے[۱]، رضی الدین نیشاپوری کے حلقۂ درس مین چارسو فارغ التحصیل اہل علم حاضر ہوتے تھے، بصرہ کی جامع مسجد مین امام بخاری نے جب مجلس املا منعقد کی تو ہزار کے قریب محدثین، فقہار، حفاظ، اہل مناظرہ شامل ہوئے، خود امام بخاری سے جن لوگون نے صحیح بخاری کی سند حاصل کی ان کی تعداد تقریباً نوّے ہزار ہے[۲]، اس قسم کی سیکڑون مثالین ہین جنکا ہم استقصا نہین کر سکتے،

وسعت تعلیم

ہر قوم ہر فرقہ، ہر طبقہ مین تعلیم کثرت سے جاری تھی، مصنفین و اہل فن کے حالات پڑھو، سیکڑون ہزارون اہل کمال ملین گے، جن کے باپ دادا، خیاط، اسکاف، جولاہے، حلوائی طباخ حدّاد، وغیرہ تھے، امرا کا عیش پسند گروہ بھی تعلیم سے مالامال تھا، لوگ تعجب سے سنین گے کہ

---

[۱] ان لوگون کے تراجم دیکھو، [۲] دیکھو مقدمہ قسطلانی،

تقلید کی، مگر انھین بزرگون پر خاتمہ ہوگیا، جلال الدین سیوطی نے ارادہ کیا، مگر لوگون کی بے توجہی دیکھکر خود باز رہے،

مدرسون کا مذہبی اثر

یہ مدرسے اکثر مذہبی تھے اور کسی ایک مذہب کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے، دار العلوم نظامیہ صرف شافعیون کے لئے تھا، مستنصریہ وغیرہ مین چارون مذہب کا درس ہوتا، مگر مدرسین و نصاب تعلیم بالکل جداگانہ تھے، اس خصوصیت نے مذہب پر ایک نمایان اثر ڈالا، چوتھی صدی مین بلکہ اس سے پہلے تقلید مذہبی کی بنیاد پڑ چکی تھی، مگر ان مدرسون نے جو نکہ اس کو محسوس صورت مین دکھایا، قوم مین اس کا عام رواج ہوگیا اور نہایت سختی کے ساتھ ہوا، شاہ ولی اللہ صاحب نے تقلید شخصی کی ابتدا چوتھی صدی کے بعد قرار دی ہے،[1] ہر شخص بہ آسانی یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ ان مدرسون نے جو تقلید شخصی کے ہمزمان ہین، یا خود تقلید کو پیدا کیا ہوگا، یا کم سے کم اس کو ترقی اور استواری دی ہوگی، مدرسون کے ابتدائی زمانہ مین تو ایسے علما کثرت سے تھے جو اجتہاد کا حق رکھتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ تقلید کے عام رواج نے علوم اور ایجاد کی قوت کو اس قدر گھٹا دیا کہ گویا قوم سے اجتہاد کی قابلیت ہی جاتی رہی، شاہ ولی اللہ صاحب نے کتاب الانصاف مین نہایت سچ لکھا ہے کہ اس زمانے مین (یعنی پانچوین چھٹی صدی مین) تقلید ہی ضروری تھی،

تنزل تعلیم

تیسرے دور مین اس بات نے تعلیم کو نہایت ابتر کر دیا، کہ جو فن مقصود بالذات نہ تھے مثلاً نحو، صرف منطق و امثال ذلک، ان کی تعلیم مین وہ اہتمام اور موشگافیان ہونے لگین کہ عمر کا ایک بڑا حصہ انھین کے نذر ہوگیا، اور اتنا وقت نہ مل سکا کہ جن علوم کی تکمیل مقصود اصلی تھی ان پر پوری توجہ ہوسکتی،

[1] دیکھو حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۵۸،

تصانیف کی کثرت اور ان کا درس مین داخل ہونا"[1] اس بات نے بھی نہایت ضرر پہنچایا پہلے اور دوسرے دور مین زیادہ تر فن کی تعلیم ہوتی تھی لیکن تیسرے دور نے کتابی تعلیم کی بنیاد ڈالی جسمین اصلی مسائل سے زیادہ کتاب کی عبارت اور ان کے متعلقات سے بحث ہوتی تھی، ہمارے ہندوستان مین تو ضمیرون کی مرجع اور حیثیت تعلیلی و تقلیدی و بعدیت ذاتی و زمانی کی تنگ دائرے سے طلبا تو کیا اکثر علما بھی کبھی باہر نہین نکلے،

ان مدرسون مین (ترکی مدارس کے سوا) فلسفہ و منطق کی تعلیم کا بہت کم اہتمام تھا، اور اکثر نامور مدرسون مین تو ان علوم نے رسائی ہی نہین پائی لیکن اس کا الزام بانیان مدرسہ پر نہین ہے، بلکہ قوم کے ان بزرگوارون پر ہی جو دینی یا دنیوی حیثیت سے قوم پر حکمران تھے، ہم لکھ آئے ہین کہ مسلمانون مین علوم کی بنیاد مذہب کی زمین پر رکھی گئی، اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مذہبی پیشواؤن کی اجتہادی رائین جدھر رخ کرین علوم بھی ان کا ساتھ دین، اسی وجہ سے مملکت اسلامی کے ہر گوشے مین رہ رہ کر فلسفہ کو صدمے اٹھانے پڑتے تھے،

معتضد باللہ خلیفہ عباسی نے جو ۲۷۹ھ مین تخت نشین ہوا، پہلے ہی سال فرمان نافذ کیا کہ کتب فروش فلسفہ کی کتابین نہ بیچنے پائین[2] حکیم ابن رشد کو اپنی فلسفی تصنیفات سے اس لئے خود انکار کرنا پڑا کہ خاندان عبد المومن (سلاطین مراکو) نے اس جرم پر اس کو قید کر دیا تھا[3] اسی خاندان کے ایک فرمان روا نے جس کا نام مامون تھا حکیم بن حبیب کو قتل کرا دیا،[2] سلطنت عثمانیہ مین بھی ایک مفتی صاحب نے فلسفہ کا درس بند کرا دیا[4]. حافظ جلال الدین سیوطی نے

---

[1] علامہ ابن خلدون نے ان دونون باتون پر نہایت عمدہ بحث لکھی ہے، دیکھو مقدمہ تاریخ فصل ۶- کی فصل ۲۰ و فصل ۳۱، [2] تاریخ الخلفا خلافۃ معتضد باللہ [3] نفح الطیب تاریخ اسپین مطبوعہ فرانس جلد ثانی صفحہ ۱۲۵، [4] کشف الظنون، ذکر علم حکمت،

علم منطق کے ناجائز ہونے پر ایک کتاب ہی تصنیف کر ڈالی جس کا نام "القول المشرق فی تحریم الاشتغال بالمنطق" ہے، علامہ ابن الصلاح نے بھی اس مضمون کا ایک فتویٰ[1] لکھا، علامہ ابن تیمیہ مامون الرشید پر ہمیشہ ترس کھاتے رہے، کہ دیکھیے اس جرم پر (فلسفہ کا رواج دینا) خدا اس سے کیا مواخذہ کرتا ہے، اسپین میں امرا اور خواص فلسفہ کے حامی تھے، لیکن عوام کی برہمی کے خوف سے کبھی اس علم کو عام آزادی نہیں دی گئی[2]، تاہم مجھ کو اقرار کرنا چاہیئے کہ فلسفہ کے دوستوں کی تعداد (عوام کا ذکر نہیں) دشمنوں سے زیادہ تھی،

مذہب نے تعلیم پر جو بڑا نمایاں اثر دکھایا وہ یہ ہے کہ قدیم عربی زبان نہایت احتیاط سے محفوظ رہی، حالانکہ قدیم عربی ایک مدت سے نہ ملک کی زبان ہے، نہ حکومت کی، فارس و خراسان کی عام زبان فارسی تھی، عباسی جو بغداد میں خلیفہ کہلاتے تھے، انکا جاہ و جلال بغداد کی شہر پناہ تک محدود تھا، عنانِ حکومت دیلم یا سلجوق کے ہاتھ میں تھی جو زبان اور اصل دونوں اعتبار سے عجمی تھے، مصر و شام ایک مدت تک ایوبیہ، نوریہ، چراکسہ کے قبضہ میں رہے، اور یہ سب عجمی تھے، ممالک مغربی (مراکو، تونس وغیرہ) میں بربر و زناتہ کی عملداری تھی، خود عرب میں قدیم عربی کا رواج نہیں رہا تھا، غرض اس کے زندہ رہنے کا کوئی سہارا نہ تھا، لیکن صرف اس بات نے کہ قرآن پاک اور حدیث اسی زبان میں تھی، اس کہنہ زبان کو تیرہ سو برس کی عمر دی اور خدا سے امید ہے کہ قیامت تک اسکو قائم رکھے،

اس بات کا بے شبہہ افسوس ہے کہ اس یکطرفہ توجہ نے موجودہ زبان سے ہم کو بالکل محروم رکھا، آج چھ سو برس ہوئے کہ عرب کی زبان بالکل بدل گئی، سیکڑوں نئے الفاظ کا داخل ہو جانا، مختلف تصرفات و تبدیلیاں، نئے محاروں کا استعمال، یہ سب ایک طرف

---

[1] حسن المحاضرۃ ترجمہ حافظ جلال الدین سیوطی، [2] نفح الطیب جلد اول صفحہ ۱۳۶،

خود اعراب و ترکیب کی وہ حالت نہین رہی، موجودہ علم نحو اب سرے سے بیکار ہوگیا ہے، تقریبًا پانچو برس سے عربی نئی زبان مین شعر و قصائد لکھتے ہین، اسی زبان مین ان کے فصیح و بلیغ خطبے پائے جاتے ہین، لوگون کو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ یہ قصائد اگر اعراب کیساتھ پڑھے جائین تو موزون نہین رہتے، افسوس ہے کہ اس جدید مستقل زبان پر کسی نے توجہ نہ کی، اور ان اشعار و خطب کے سمجھنے کے لئے ہمارے پاس کوئی لغت موجود نہین ہے[1] کس قدر افسوس و شرم کی بات ہے کہ ان لغات بی بتہ کے لئے ہمکو عیسائی فاضلون کا دریوزہ گر ہونا پڑتا ہے، یعنی پروفیسر بطرس کا جس نے نہایت تحقیق سے محیط المحیط لکھی ہے، اور لین صاحب انگلشی کا جن کی کتاب مد القاموس کی ۷ جلدین لندن مین چھپ چکی ہین،

اسلام جس وسیع دنیا پر حکومت کر رہا تھا، اس مین جغرافی تقسیم کی حیثیت سے مختلف ملک شامل تھے، اور متعدد قومین آباد تھین، اسلامی اتحاد نے اگرچہ ہر حصہ مین یکسان طور پر علوم کی روشنی پھیلائی مگر ملکی و قومی خصوصیتون نے مختلف صورتین پیدا کین،

ملکی خصوصیتین

ایران نے منقولی علوم کے علاوہ عقلیات کو معراج کمال تک پہنچایا، مصر و شام مین فقہ حدیث و اسماء الرجال پر زیادہ توجہ ہوئی، حافظ جلال الدین سیوطی، مصر کی فضیلت کی ایک بڑی وجہ یہ قرار دیتے ہین کہ "وہان فلسفہ کا زور نہین ہے" اسپین مین زباندانی، شاعری، تاریخ کو زیادہ فروغ ہوا، یہان تک کہ لڑکون کو قرآن پڑھنے کے زمانہ سے اشعار و امثال یاد کرائے جاتے تھے، یہ اختلاف انھین ملکی خصوصیتون کا اثر تھا، ایرانیون کے ذہن کی لطافت، موشگافی، دقیقہ سنجی، فلسفہ و منطق کے بالکل مناسب تھی، مصر و شام

---

[1] علامہ ابن خلدون نے مقدمۂ تاریخ مین اس بحث پر متعدد مضمون لکھے ہین، بہت سے اشعار بھی نقل کئے ہین، جو اس نئی زبان مین شعرائے عرب نے لکھے، اور جنمین اعراب کا مطلق پتہ نہین،

عرب کے دامن مین تھے، اور اس وجہ سے قوت حافظہ کی عمدگی اور متوسط ذہانت نے حدیث و اسماء الرجال کو زیادہ پسند کیا، اسپین عرب ہونے کی حیثیت سے مصر و شام کا ہمپایہ تھا لیکن اتنی خصوصیت لئے کہ وہان مدت تک عرب خاندان حکومت کرتے رہے، جو شعر و شاعری پر جان دیتے تھے، اسپین مین ادب و شاعری کو زیادہ چمکایا، شام مین بھی آل حمدان کے زمانے مین جو عموماً سخنور تھے، شاعری کا پایہ نہایت بلند ہو گیا تھا،

انقلابات حکومت کا اثر،

انقلاباتِ حکومت جو کثرت سے ممالک اسلامی مین ہوا کئے، علمی مقاصد کے لئے اکثر مفید ثابت ہوئے، ایک خاندان گو کلیتہً برباد ہو جاتا تھا، مگر اُس کے علمی آثار اکثر محفوظ رہتے تھے، جو مواضع اور علاقے مدرسون پر پہلے وقف ہو چکے تھے، دوسری نئی حکومت اُن کو غصب نہین کر سکتی تھی، ہلاکو خان نے نہ صرف بغداد کو غارت کیا بلکہ تمام ممالک اسلامی کو برسون تک بے چراغ کر دیا، تاہم اوقاف مین کچھ تصرف نکر سکا، اوس نے بغداد وغیرہ کے تمام اوقاف محقق طوسی کے ہاتھ مین دیئے، جسکا بہت بڑا حصہ محقق موصوف نے رصد خانے کی تعمیر مین صرف کیا، ممالک اسلامی مین جب کوئی نئی حکومت قائم ہوتی تھی تو اس کو استحکام سلطنت اور عظمت و جلال قایم رکھنے کے لئے ضرور تھا کہ مدرسون کی تعمیر اور علم کی اشاعت مین پچھلی حکومت سے زیادہ فیاضیان دکھاتے، اس بات سے تعجب اور افسوس دونون ہوتا ہی کہ پچھلی تعلیم جس کا اثر ہوا تھا کہ اب بھی ہندوستان مین موجود ہے، پولیٹیکل آوازے سے بالکل خالی تھی،

پولیٹیکل تعلیم نہین تھی،

نصاب تعلیم مین ایسی کوئی کتاب داخل نہ تھی، تاریخ کی کتابین اگر پڑھائی جاتی تھین، تو تاریخی حیثیت سے نہین بلکہ فن انشا کے اعتبار سے، طالب العلمون کی سادہ اور مفلسانہ طرز زندگی، دنیوی خواہشون سے مبرا اور بے غرض شوق، کمالات علمی کے لئے جس قدر زیادہ مفید تھا، اسی قدر ان کو معاملات ملکی سے الگ رکھتا تھا ہم کو تو جرأت نہین ہو سکتی، مگر علامہ ابن خلدون فرماتے ہین کہ گو

بیان سبب مین ہم سے مختلف ہین کہ ان العلما من بین البشر ابعد الامم عن السیاستہ[۱] یعنی نوع بشر مین عالم لوگ انتظامات ملکی سے بہت دور ہین؛

ہم نے اس آرٹیکل مین کسی قدر تفصیل کے ساتھ مدرسون کے حالات لکھے ہین، مگر ہم بتا دینا چاہتے ہین کہ اسلامی تعلیم کے اندازہ کرنے کا یہ نہایت چھوٹا پیمانہ ہے، ہماری علمی فیاضیون اور ایجادات و صنائع کو مدرسون کے احاطہ سے باہر ڈھونڈھنا چاہیے، مدرسون کی کثرت اور عالمگیر رواج نے بھی پرایویٹ تعلیم گاہون کی تعداد کو کم نہین کیا، ۷۴۹ھ مین جبکہ مصر مدرسون اور دار العلوم سے معمور تھا، خود مصر کی ایک جامع مسجد مین چالیس سے زائد حلقۂ درس تھے جنمین ہر قسم کے علوم و فنون پڑھائے جاتے تھے[۲]

مین نے اس آرٹکل مین اس بات سے قصداً پرہیز کیا ہے، کہ سلف کے کارنامے زیادہ آب و تاب سے لکھون، قوم کی آج یہ حالت ہے کہ جتنا لکھا گیا یہ بھی اس کے چہرے پر نہین کھلتا، سلف کے مفاخر کا ہم کیا ذکر کر سکتے ہین، ہم نے جب خود کچھ نہین کیا، تو اس سے کیا حاصل کہ سلف نے بہت کچھ کیا تھا،

مولف

گر فتم کز حریفان پیش پا کم می توان گفتن ॥ ز دست تا چہ آمد آخر انہم می توان گفتن

---

[۱] دیکھو مقدمہ ابن خلدون فصل نوکی فصل ۳۵ [۲] حسن المحاضرہ جلد ثانی ص ۱۸۱،

ملا نظام الدین علیہ الرحمہ

بانی درسِ نظامیہ

آج تمام ہندوستان میں عربی تعلیم کا جو نصاب ہے، وہ نظامیہ کے نام سے مشہور ہے، لیکن یہ سخت تعجب ہے کہ اکثر لوگوں کو معلوم نہیں کہ یہ نصاب کب بنا؟ اور کس نے بنایا؟ حال کی ایک تصنیف میں اس کو نظام الملک وزیرِ دولتِ سلجوقیہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، پرانے تعلیمیافتہ اس قدر جانتے ہیں کہ اس کے بانی ملا نظام الدین صاحب لکھنوی ہیں، لیکن اس سے زیادہ ان کو بھی واقفیت نہیں،

ملا نظام الدین صاحب جس رتبہ کے شخص تھے، اور خصوصاً اس نصاب کے قائم کرنے سے ان کو جو شہرت حاصل ہوئی، اس کے لحاظ سے میں ایک مدت سے اس بات کا آرزومند تھا کہ ان کے مفصل حالات دریافت کروں، لیکن چونکہ ہمارے ملک میں بیوگرفی (سوانحِ عمری) لکھنے کا طریقہ بہت کم تھا، اس لئے اس آرزو کے پوری ہونے کی بہت کم امید ہوسکتی تھی، میر غلام علی آزاد نے سبحۃ المرجان میں مختصر طور پر ان کا تذکرہ کیا ہے، جو بالکل ناکافی ہے، بڑے تلاش سے ایک رسالہ ہاتھ آیا جو مولانا ولی اللہ صاحب فرنگی محلی (محشی صدرا) کی تصنیف ہے اور خاص ملا صاحب مرحوم کے حالات میں ہے لیکن اس میں اصلی حالات نہایت کم ہیں، البتہ ان کی کرامتوں اور

خرق عادات کا ایک بڑا دفتر ہے، وہ اس زمانہ کے کام کا نہین،

تاہم بمصداق ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ مین ایک مختصر سا خاکہ ان کی سوانحمری
کا ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہون،

خاندان کا حال لکھنؤ کے اطراف مین جو مردم خیز بستیان ہین، ان مین ایک مشہور قصبہ سہالی ہے
جو لکھنؤ سے اٹھائیس میل ہے، یہان مسلمانون کے دو مشہور خاندان آباد تھے، انصاری جو حضرت
ابو ایوب انصاریؓ کی اولاد سے تھے، عثمانی یعنی حضرت عثمانؓ کی اولاد سے، ملا صاحب اسی قصبہ
کے رہنے والے تھے، اور انصاری خاندان سے تھے ان کے والد ملا قطب الدین بہت بڑے مستند
عالم تھے، اور ان کا حلقۂ درس تمام مشرقی ممالک کا قبلہ گاہ تھا، عثمانیون اور انصاریون مین قدیم
سے عداوت چلی آتی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن عثمانی ملا صاحب کے گھر چڑھ آئے، اور انکو
قتل کر کے گھر مین آگ لگا دی، یہ واقعہ سنہ ۱۱۰۳ھ مین پیش آیا، چونکہ وہ بیگناہ قتل کئے گئے تھے، قوم
نے ان کو شہید کا لقب دیا، چنانچہ کتب علمیہ مین جہان انکا نام آتا ہے، اسی لقب کے ساتھ
آتا ہے، ملا قطب الدین صاحب کے چار فرزند تھے، بڑے صاحبزادے اس وقت دلی مین
عالمگیر بادشاہ کے دربار سے تعلق رکھتے تھے، یہ شیخ محمد سعید، شیخ محمد اسعد اور ملا نظام الدین مکان
پر تھے، ملا قطب الدین صاحب کی شہادت کے بعد یہ لوگ بیکسی کی وجہ سے سہالی سے نکل کر لکھنؤ
چلے گئے، لیکن یہان رہنے کا کوئی ٹھکانا نہ تھا، سلطنت تیموریہ کے زمانے مین چونکہ واقعہ نگاری
کا صیغہ نہایت وسعت کے ساتھ قائم تھا، اور ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ دربار شاہی تک پہنچتا رہتا
تھا، لکھنؤ کے واقعہ نگار نے فوراً دربار کو اطلاع دی، اور وہان سے فرمان صادر ہوا کہ ملا صاحب
کے صاحبزادون کو فرنگی محل کے محلہ مین ایک قطعہ مکان مع عمارات متعلقہ عنایت کیا جائے،
اطلاع کی تاریخ ۱۴ر شعبان ۴۳ سنہ جلوس والا مطابق ۱۱۰۵ھ اور فرمان صادر ہونے کی تاریخ

۱۱ شوال سنہ ۳۱ جلوس والا ہے، اس فرمان کی کچھ عبارت ہم آگے نقل کرینگے،

لکھنؤ مین آباد ہونے کا سبب

ملا نظام الدین صاحب جن کا ہم تذکرہ لکھ رہے ہین، اس وقت پانزدہ سالہ تھے، اس لئے فرمان مین ان کا نام نہین ہے، بلکہ ان کے دونون بڑے بھائیون کا ہے، یہ فرمان اب تک اس خاندان مین موجود ہے، اور مین نے ایک دفعہ لکھنؤ مین اس کی زیارت کی تھی، چنانچہ ہم اس کے ضروری الفاظ اس موقع پر درج کرتے ہین، پیشانی پر عالمگیر کی مہر ہے،

عالمگیر کا فرمان

دامن مین یہ عبارت ہے:-

"درین وقت میمنت اقتران فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ یک منزل حویلی فرنگی محل با متعلقۂ آن واقع بلدہ لکھنؤ، مضافات بہ صوبہ اودھ کہ از امکنۂ نزولی است برای بودن شیخ محمد اسعد و محمد سعید پسران ملا قطب الدین شہید حسب الضمن مقرر فرمودیم، باید کہ حکام و عمال و متصدیان مہمات حال و استقبال و جاگیرداران وکروریان آنرا بنام مشار الیہما معاف و مرفوع القلم دانستہ بوجہ من الوجوہ مزاحم و معترض نہ شوند، و اندرین باب سند مجدد نہ طلبند"

مرقوم غرہ ذیقعدہ سال سی و ہفتم جلوس والا نوشتہ شد

فرمان کی پشت پر جو عبارت ہے، اس کا پہلا فقرہ یہ ہے:-

"شرح یادداشت واقع بتاریخ روز پنجشنبہ ۱۳ شعبان المعظم سنہ ۳۱ جلوس والا موافق سنہ ۱۱۰۵ مطابق مرداد ماہ برسالہ صدارت و مشیخت پناہ فضیلت و کمالات دستگاہ سزاوار مرحمت و احسان صدر منیع القدر فاضل خان و نوبت واقعہ نویسی کمترین بندگان درگاہ خلایق پناہ حسام الدین حسین قلی میگردد کہ بعرض مقدس معلی رسید کہ شیخ محمد اسعد و محمد سعید پسران ملا قطب الدین شہید ساکن قصبہ سہالی بسبب شہادت پدر خود قصبۂ مذکور را گذاشتہ علاوطن

گردیدندو کدام مکانہا سکونت ندارند الخ"

طالب علمی۔ جس وقت ملا قطب الدین کا خاندان لکھنؤ مین آباد ہوا، ملا نظام الدین صاحب کی عمر پندرہ برس کی تھی، اور شرح جامی پڑھتے تھے، اگرچہ اس وقت تک اطمینان کی معقول صورت نہین پیدا ہوئی تھی، تاہم ملا صاحب نے فراغ خاطر کا انتظار نہ کیا اور علوم کی تحصیل جاری رکھی، غلام علی آزاد نے سبحۃ المرجان مین لکھا ہے کہ ملا صاحب نے پورب کا سفر کیا، اور مختلف شہرون مین تحصیل کی، اخیر مین لکھنؤ واپس آکر شیخ غلام نقشبند لکھنوی سے بقیہ کتابین پڑھین اور انھین سے سند فضیلت حاصل کی، لیکن مولوی ولی اللہ صاحب نے جو مستقل رسالہ ان کی سوانحعمری مین لکھا ہے، اس مین لکھا ہو کہ "ابتدائی کتابین دیوا مین اور اور قصبات مین جاکر پڑھین، لیکن انتہائی کتابین بنارس مین جاکر حافظ امان اللہ بنارسی سے ختم کین" فرنگی محل مین آج جو روایت مشہور ہے، وہ بھی اسی کی موید ہے،

فراغ تحصیل کے ساتھ ہی ملا صاحب اپنے والد بزرگوار کے مسند درس پر متمکن ہوئے اور تھوڑے ہی دنون مین ان کا آستانہ تمام مشرقی ہندوستان کا مرجع بنگیا،

تصوف، علوم ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہوکر ملا صاحب نے علوم باطنی کی طرف توجہ کی، اس وقت حضرت شاہ عبد الرزاق صاحب بانسوی کے فیوض و برکات کا تمام ہندوستان مین غلغلہ تھا، ملا صاحب ان کے آستانے پر حاضر ہوئے، اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی، شاہ صاحب موصوف علوم رسمیہ سے ناآشنا تھے، اس لئے تمام لوگون کو استعجاب ہوا، یہان تک کہ علماے فرنگی محل نے علانیہ ملا صاحب سے شکایت کی، ملا صاحب کے تلامذہ مین سے ملا کمال علوم عقلیہ مین بڑی دستگاہ رکھتے تھے، اور چونکہ بے انتہا ذہین اور طباع تھے، کسی کو خاطر مین نہ لاتے تھے، ملا صاحب کی بیعت پر دوبدو گستاخانہ عرض کیا، کہ آپ نے ایک جاہل کے ہاتھ

پر کیون بیعت کی؟ اس پر بھی قناعت نہ کر کے شاہ صاحب کی خدمت مین پہنچے اور فلسفہ کے چند مشکل مسئلے سوچ کر گئے، کہ شاہ صاحب سے پوچھین گے اور ان کو الزام دین گے مشہور ہے کہ شاہ صاحب نے خود ان مسائل کو چھیڑا، اور ملا کمال کی خاطر خواہ تسکین کر دی، چنانچہ اسیوقت ملا کمال اور ان کے ساتھ بہت سے علماء شاہ صاحب کے قدمون پر گرے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی،

شاہ صاحب نے ۱۱۳۶ھ مین رحلت فرمائی، ان کی وفات کے بعد ملا نظام الدین نے ان کے خلیفہ سید اسمٰعیل بلگرامی سے باطنی فیوض حاصل کئے،

بیماری اور وفات، ملا صاحب کو ابتدا سے قرحہ کا مرض تھا، لیکن کبھی معالجہ کی طرف توجہ نہ کی، اور اخیر عمر مین جبکہ سن شریف ۷۵ برس کو پہنچ گیا، نہایت ضعیف ہو کر صاحب فراش ہو گئے اور زنانخانہ مین رہنے لگے، لیکن چونکہ نہایت کثرت سے لوگ بیمار پرسی کو جاتے تھے، اور بار بار پردہ کرانے مین گھر والون کو تکلیف ہوتی تھی، ملا احمد عبد الحق صاحب نے عرض کیا کہ حضور اگر دیوانخانہ مین تشریف رکھتے تو بہتر ہوتا، ملا صاحب نے کچھ جواب نہ دیا، دوسرے دن شاہ عبد الغنی صاحب عیادت کو آئے تو ملا صاحب نے یہ مصرعہ:-

"ہر روز بینم تنگ تر سوراخ این غربالہا"

پڑھکر فرمایا کہ اچھا میان عبد الحق ہی کی مرضی پر عمل کرو، چنانچہ دیوانخانہ مین اٹھکر تشریف لائے اور وہین وفات کی،

ملا صاحب کی دو بیویان تھین، دوسری شادی غالباً اس غرض سے کی تھی کہ پہلی سے اولاد نہین ہوتی تھی، بیماری کا جب اشتداد ہوا تو زوجہ اولیٰ ملا صاحب کی خدمت مین حاضر ہوئین اور کہا کہ مجھ سے جو تقصیر ہوئی ہو معاف فرمائیے، فرمایا تم نے کوئی تقصیر نہین کی، البتہ مجھ سے

گردیدند وکدام مکانہا سکونت ندارند الخ"

طالب علمی۔ جس وقت ملا قطب الدین کا خاندان لکھنؤ مین آباد ہوا، ملا نظام الدین صاحب کی عمر پندرہ برس کی تھی، اور شرح جامی پڑھتے تھے، اگرچہ اس وقت تک اطمینان کی معقول صورت نہین پیدا ہوئی تھی، تاہم ملا صاحب نے فراغ خاطر کا انتظار نہ کیا اور علوم کی تحصیل جاری رکھی، غلام علی آزاد نے سبحۃ المرجان مین لکھا ہے کہ ملا صاحب نے پورب کا سفر کیا، اور مختلف شہرون مین تحصیل کی، اخیر مین لکھنؤ واپس آکر شیخ غلام نقشبند لکھنوی سے بقیہ کتابین پڑھین اور انھین سے سند فضیلت حاصل کی؛ لیکن مولوی ولی اللہ صاحب نے جو مستقل رسالہ ان کی سوانحعمری مین لکھا ہے، اس مین لکھا ہے کہ "ابتدائی کتابین دیوا مین اور اور قصبات مین جاکر پڑھین، لیکن انتہائی کتابین بنارس مین جاکر حافظ امان اللہ بنارسی سے ختم کین" فرنگی محل مین آج جو روایت مشہور ہے، وہ بھی اسی کی موید ہے،

فراغ تحصیل کے ساتھ ہی ملا صاحب اپنے والد بزرگوار کے مسند درس پر متمکن ہوئے اور تھوڑے ہی دنون مین ان کا آستانہ تمام مشرقی ہندوستان کا مرجع بنگیا،

تصوف۔ علوم ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہوکر ملا صاحب نے علوم باطنی کی طرف توجہ کی، اس وقت حضرت شاہ عبد الرزاق صاحب بانسوی کے فیوض و برکات کا تمام ہندوستان مین غلغلہ تھا، ملا صاحب ان کے آستانے پر حاضر ہوئے، اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی، شاہ صاحب موصوف علوم رسمیہ سے ناآشنا تھے، اس لئے تمام لوگون کو استعجاب ہوا، یہان تک کہ علماے فرنگی محل نے علانیہ ملا صاحب سے شکایت کی، ملا صاحب کے تلامذہ مین سے ملا کمال علوم عقلیہ مین بڑی دستگاہ رکھتے تھے، اور چونکہ بے انتہا ذہین اور طباع تھے کسی کو خاطر مین نہ لاتے تھے، ملا صاحب کی بیعت پر دو بدو گستاخانہ عرض کیا، کہ آپ نے ایک جاہل کے ہاتھ

ذرا انتظار فرمائین تو مین بھی حاضر ہو کر حضور کی اقتدار کا شرف حاصل کر سکون، ملا صاحب نے ایک ذرا دیر انتظار فرمایا پھر کہا کہ "نماز خدا کے لئے ہے، اہل دنیا کے لئے نہین ہے" یہ کہہ کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے،

بے نفسی، لیکن یہ بے نیازی اور بد دماغی امرا اور جاہ پرستون کے لئے مخصوص تھی ورنہ مزاج مین مسکینی اور تواضع تھی، ایک دن ایک ایرانی ابو المعالی نام ملا صاحب کا شہرہ سنکر ملاقات کے لئے آیا، ملا صاحب درس گاہ مین چٹائی پر بیٹھے درس دے رہے تھے، اس نے ایرانی علما کا جاہ وجلال دیکھا تھا، ملا صاحب کی طرف اس کا خیال نہ جاسکا، لوگون سے پوچھا ملا نظام الدین کہان تشریف رکھتے ہین، آپ نے فرمایا مولانا کا حال تو مین نہین جانتا، لیکن نظام الدین میرا ہی نام ہے، اس نے چند فقہی مسائل پیش کئے کہ اہل حق (یعنی شیعہ مذہب والون) کے نزدیک اس کا کیا جواب ہے، ملا صاحب نے اس کا منشا سمجھ کر شیعون کی روایتون کے مطابق جواب دیا نہایت پسند کیا اور کہا کہ انھین مسئلون کو اہل ضلالت (سنیون) کے مذہب کے موافق بیان فرمائیے، ملا صاحب نے سنیون کی روایتین بیان کین، وہ غش غش کر گیا، اور کہا کہ جس قدر سنا تھا اس سے زیادہ پایا،

علما کی نسبت عام شکایت ہے کہ علمی مباحثات سے ہمیشہ ان کو فخر اور امتیاز مقصود ہوتا ہے، اور اس لئے وہ کبھی حریف کے مقابلہ مین سکوت اختیار نہین کرتے، لیکن ملا صاحب اس عیب سے بالکل پاک تھے، ایک دفعہ ایک صاحب ان سے بحث کرنے کے لئے تشریف لائے، ملا صاحب نے مسئلہ کی تحقیق بیان فرمائی، انھون نے اعتراض کیا، ملا صاحب چپ ہو گئے انھون نے مشہور کرنا شروع کیا کہ مین نے ملا نظام الدین کو بند کر دیا، ملا صاحب کے تلامذہ کو ناگوار گذرا اور ایک شاگرد نے جاکر ان صاحب کو زور تقریر سے بالکل ساکت کر دیا، ملا صاحب

گردیدند و کدام مکانہا سکونت ندارند الخ"

طالب علمی۔ جس وقت ملا قطب الدین کا خاندان لکھنؤ مین آباد ہوا، ملا نظام الدین صاحب کی عمر پندرہ ۱۵ برس کی تھی، اور شرح جامی پڑھتے تھے، اگرچہ اس وقت تک اطمینان کی معقول صورت نہین پیدا ہوئی تھی، تاہم ملا صاحب نے فراغ خاطر کا انتظار نہ کیا اور علوم کی تحصیل جاری رکھی، غلام علی آزاد نے سبحۃ المرجان مین لکھا ہے کہ ملا صاحب نے پورب کا سفر کیا، اور مختلف شہرون مین تحصیل کی، اخیر مین لکھنؤ واپس آکر شیخ غلام نقشبند لکھنوی سے بقیہ کتابین پڑھین اور انھین سے سندِ فضیلت حاصل کی؛ لیکن مولوی ولی اللہ صاحب نے جو مستقل رسالہ ان کی سوانحمری مین لکھا ہے، اس مین لکھا ہے کہ "ابتدائی کتابین دیوا اور قصبات مین جاکر پڑھین، لیکن انتہائی کتابین بنارس مین جاکر حافظ امان اللہ بنارسی سے ختم کین" فرنگی محل مین آج جو روایت مشہور ہے، وہ بھی اسی کی موید ہے،

فراغِ تحصیل کے ساتھ ہی ملا صاحب اپنے والد بزرگوار کے مسندِ درس پر متمکن ہوئے اور تھوڑے ہی دنون مین ان کا آستانہ تمام مشرقی ہندوستان کا مرجع بنگیا،

تصوف، علوم ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہوکر ملا صاحب نے علوم باطنی کی طرف توجہ کی، اس وقت حضرت شاہ عبد الرزاق صاحب بانسوی کے فیوض و برکات کا تمام ہندوستان مین غلغلہ تھا، ملا صاحب ان کے آستانے پر حاضر ہوئے، اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی، شاہ صاحب موصوف علوم رسمیہ سے ناآشنا تھے، اس لئے تمام لوگون کو استعجاب ہوا، یہانتک کہ علماے فرنگی محل نے علانیہ ملا صاحب سے شکایت کی، ملا صاحب کے تلامذہ مین سے ملا کمال علوم عقلیہ مین بڑی دستگاہ رکھتے تھے، اور چونکہ بے انتہا ذہین اور طباع تھے کسی کو خاطر مین نہ لاتے تھے، ملا صاحب کی بیعت پر دو بدو گستاخانہ عرض کیا، کہ آپ نے ایک جاہل کے ہاتھ

ملا مبین، مولانا ظہور اللہ، مولانا ولی اللہ، مفتی محمد یوسف، مولانا عبد الحلیم، مولانا عبد الحئی صاحب مرحوم جو ہمارے زمانہ مین موجود تھے۔ ان کی تصنیفین تمام ملک مین پھیلی ہوئی ہین، آج جہان جہان علوم عربیہ کا نام و نشان باقی ہے، اسی خاندان کا پرتو فیض ہے، ہندوستان کے کسی گوشہ مین جو شخص تحصیل علم کا احرام باندھتا ہے، اس کا رخ فرنگی محل کی طرف ہوتا ہے، مین نے ۱۸۹۶ء مین جب ملا نظام الدینؒ کے آستانہ کی زیارت کی اور ان کی درس گاہ کو جو ایک مختصر سا بالاخانہ تھا، دیکھا تو عجب عبرت ہوئی، اللہ اکبر، ہمارے ہندوستان کا کیمبرج یہی ہے، یہی خاک ہے، جس سے عبد العلی بحر العلوم اور ملا کمال پیدا ہوئے، افسوس اب یہ کعبہ ویران ہوتا جاتا ہے، یادرفتگان صرف ایک مقدس بزرگ مولانا نعیم صاحب باقی ہین، جو عبد العلی بحر العلوم کے پرپوتے ہین، اور جن کو ہماری سرکار نے شمس العلماء کا خطاب دیا ہے،

درس نظامیہ کی خصوصیتین | ملا صاحب کے حالات مین سب سے زیادہ قابل توجہ انکا مقرر کردہ نصاب ہے، جو نظامیہ کے نام سے مشہور ہے، اس نصاب کے خصوصیات یہ ہین:۔

(۱) نصاب مین ہندوستان کی علماء کی متعدد کتابین داخل ہین، مثلاً نور الانوار، سلم، مسلم، رشیدیہ، شمس بازغہ، حالانکہ اس سے پہلے یہان کی ایک تصنیف بھی درس مین داخل نہ تھی،

(۲) ہر فن کی وہ کتابین لی ہین جن سے زیادہ مشکل اس فن مین کوئی کتاب نہ تھی،

(۳) منطق و فلسفہ کی کتابین تمام علوم کی نسبت زیادہ ہین،

(۴) حدیث کی صرف ایک کتاب ہے یعنی مشکوٰۃ،

(۵) ادب کا حصہ بہت کم ہے،

اس نصاب مین سب سے زیادہ مقدم خصوصیت جو ملا صاحب کو پیش نظر تھی

گردیدند و کدام مکانہا سکونت ندارند الخ"

طالب علمی۔ جس وقت ملا قطب الدین کا خاندان لکھنؤ مین آباد ہوا، ملا نظام الدین صاحب کی عمر پندرہ برس کی تھی، اور شرح جامی پڑھتے تھے، اگرچہ اس وقت تک اطمینان کی معقول صورت نہین پیدا ہوئی تھی، تاہم ملا صاحب نے فراغ خاطر کا انتظار نہ کیا اور علوم کی تحصیل جاری رکھی، غلام علی آزاد نے سبحۃ المرجان مین لکھا ہے کہ ملا صاحب نے پورب کا سفر کیا، اور مختلف شہرون مین تحصیل کی، اخیر مین لکھنؤ واپس آکر شیخ غلام نقشبند لکھنوی سے بقیہ کتابین پڑھین اور انھین سے سند فضیلت حاصل کی؛ لیکن مولوی ولی اللہ صاحب نے جو مستقل رسالہ ان کی سوانحعمری مین لکھا ہے، اس مین لکھا ہے کہ "ابتدائی کتابین دیوا مین اور اور قصبات مین جاکر پڑھین، لیکن انتہائی کتابین بنارس مین جاکر حافظ امان اللہ بنارسی سے ختم کین"، فرنگی محل مین آج جو روایت مشہور ہے، وہ بھی اسی کی موید ہے،

فراغ تحصیل کے ساتھ ہی ملا صاحب اپنے والد بزرگوار کے مسند درس پر متمکن ہوئے اور تھوڑے ہی دنون مین ان کا آستانہ تمام مشرقی ہندوستان کا مرجع بنگیا،

تصوف۔ علوم ظاہری کی تکمیل سے فارغ ہوکر ملا صاحب نے علوم باطنی کی طرف توجہ کی، اس وقت حضرت شاہ عبد الرزاق صاحب بانسوی کے فیوض و برکات کا تمام ہندوستان مین غلغلہ تھا، ملا صاحب ان کے آستانے پر حاضر ہوئے، اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی، شاہ صاحب موصوف علوم رسمیہ سے نا آشنا تھے، اس لئے تمام لوگون کو استعجاب ہوا، یہان تک کہ علمائے فرنگی محل نے علانیہ ملا صاحب سے شکایت کی، ملا صاحب کے تلامذہ مین سے ملا کمال علوم عقلیہ مین بڑی دستگاہ رکھتے تھے، اور چونکہ بے انتہا ذہین اور طباع تھے کسی کو خاطر مین نہ لاتے تھے، ملا صاحب کی بیعت پر دوبدو گستاخانہ عرض کیا، کہ آپ نے ایک جاہل کے ہاتھ

کوئی تصنیف نصاب مین داخل نہین کی، حالانکہ ان کا کوئی معاصر ان کی ہمسری نہین کرسکتا،

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے، کہ موجودہ درس جو نظامیہ کے نام سے مشہور ہی، دراصل درس نظامیہ نہین ہے، اس مین بہت سی کتابین ایسی اضافہ ہوگئی ہین جو ملا نظام الدین صاحب کے عہد مین موجود بھی نہ تھین، مثلاً ملاحسن، حمد اللہ، حاشیۂ غلام یحییٰ، قاضی مبارک اگرچہ ہمارے نزدیک ضروریاتِ زمانہ کے لحاظ سے درسِ نظامیہ مین بہت کچھ ترمیم واضافہ کی ضرورت ہے، لیکن اس مضمون مین ہم اس بحث کو نہین چھیڑتے اور اسی تحریر پر بس کرتے ہین،

(معارف علی گڈہ فروری سنہ ۱۹۰۶ء)

درسِ نظامیہ[1]

فرنگی محل یا نظامیۂ بغداد

یا ہندوستان کا کیمبرج،

ہماری قدیم طرزِ تعلیم اور آج کل کی مغربی تعلیم مین اس قدر فرق ہے کہ چند روز کے بعد لوگون کو قدیم تعلیم کی صحیح تصویر ذہن نشین کرانی مشکل ہوگی، جس طرح آج سلطنتِ تیموریہ کے اصولِ حکمت اور طریقۂ انتظام کا خاکہ لوگون کے ذہن مین نہین آتا، ایک شان دار عظیم الشان عمارت، ماہرانِ فن کا ایک گروہ، لکچرون کا ایک سلسلہ، چند محدود گھنٹے (جس کے بعد وہ عمارت قالبِ بیجان رہجاتی ہے) یہ چیزین یکجا ہوجائین تو یہ ایک یونیورسٹی یا کالج ہے لیکن قدیم اصطلاح مین کالج ایک شخص کے وجودِ خاص کا نام تھا۔ وہ جہان بیٹھ جاتا تھا کالج بن جاتا تھا، اس کے گرد مستفیدون کی ایک جماعتِ کثیر جمع ہوجاتی تھی، اس کے فیض کا بادل ہر وقت برستا رہتا تھا، دن رات جس وقت جو کچھ بولتا تھا علمی لکچر ہوتا تھا، اس کے حرکات سکنات نشست برخاست، وضع قطع، طور طریقے سب خاموش عملی لکچر تھے

---

[1] اس مضمون کی ماخذ حسبِ ذیل کتب ہین (۱) رسالہ قطبیہ درحال ملا قطب الدین شہید از ملا عبد الاعلیٰ فرزند مولوی عبد العلی بحر العلوم (۲) اغصان اربعہ مولوی ولی اللہ محشی صدرا (۳) عمدۃ الوسائل مولوی ولی اللہ صاحب موصوف الصدر درحال ملا قطب الدین و شاہ عبد الرزاق بانسوی (۴) اغصان الانساب مصنفہ رضی الدین محمود انصاری تصنیف ۱۲۶۰ھ؁ ہجری کل تین
اس موقع پر مجھ کو جناب مولوی عبد الباری کا شکریہ ادا کرنا بھی فرض ہے جنھون نے یہ کتابین مجھ کو دیکھنے کیلئے عنایت کین

شاگردون کا سلسلہ درسلسلہ پھیلتا جاتا تھا یہانتک کہ چند دن کے بعد یہ ذی روح کالج، یونیورسٹی یا جامعۂ اعظم بنجاتا تھا، آج لوگ کالج کی طرف منسوب ہوتے ہین مثلاً آکسن لیکن اس زمانہ مین شخص کی طرف منسوب ہوتے تھے، نظامیۂ بغداد سے ہزارون ارباب کمال تعلیم پاکر نکلے، لیکن اسماے رجال مین جہان کہین انکا حال لکھا جاتا ہے، نظامیہ کا نام نہین آتا بلکہ ان استاتذہ کا آتا ہی جن سے انھون نے تعلیم پائی تھی، آج کل کی یونیورسٹیان یا کالج صرف بڑے بڑے شہرون مین قائم کیے جا سکتے ہین، لیکن اس وقت کے ذی روح کالج ہر قصبہ، ہر گاؤن، ہر جھونپڑے مین قائم ہو سکتے تھے، دلی اور لکھنؤ پاے تخت تھے لیکن علمی فیض رسانی مین سہالی، دیوا، گوپامئو، بلگرام جیسے دیہات ان دارالسلطنتون سے بجا ہمسری کا دعوٰی کر سکتے تھے، ملا نظام الدین جنکے پرتو فیض سے آج تمام ہندوستان روشن ہی، ملا محب اللہ بہاری جن کے سلم اور مسلم نے آدھا حصہ درس کا دبالیا ہے، قاضی مبارک جنکی تصنیف کا سمجھنا نہایت استعداد سمجھا جاتا ہی، یہ اہل کمال انھین دیہات نے پیدا کیے تھے،

اس قسم کے زندہ کالج، اگرچہ ہندوستان کے ہر گوشہ مین موجود تھے، لیکن نسبتہً اودھ کا صوبہ تمام اور صوبہ جات سے ممتاز تھا، اس صوبہ مین دس دس پانچ پانچ میل پر شرفا اور نجبا کے دیہات آباد تھے جنمین اچھے اچھے نامور فضلا درس دیتے تھے، اور دور دور سے تحصیل علم کے لئے طلبہ آتے تھے، سلاطین وقت کی طرف سے ان درسگاہون کے لیے دیہات معاف تھے، مولوی غلام علی آزاد نے مآثر الکرام مین اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے، ہم اس موقع کا اقتباس نقل کرتے ہین:-

"اگرچہ جمیع صوبہ جات ہند بوجود علماء عظام تفاخر دارند اما صوبہ اودھ و الہ آباد خصوصیتے دارد کہ در ہیچ صوبہ نتوان یافت، چہ در تمام صوبۂ اودھ و اکثر صوبہ الہ آباد بفاصلہ پنج کروہ

نہایت دہ کردہ آبادی شرفا، و نجبا رہست کہ از سلاطین و حکام، وظائف وزمین مدد معاش

داشتہ اند و مساجد و مدارس و خانقاہات بنا نہادہ و مدرسان عصر در ہر جا ابواب علم

بر روے دانش پژدہان کشادہ و طلبۂ علم خیل خیل میرسند، و ہر جا موافقت دست بہم داد

بہ تحصیل مشغول میشوند و صاحب توفیقان ہر معمورہ طلبۂ علم را نگاہ میدارند، و خدمت این

جماعہ را سعادت عظمیٰ میدانند صاحبقران ثانی شاہجہان انار اللہ برہانہ می گفت پورب

شیراز مملکت ماست ۱ھ"

یہ نظام ۱۱۳۰ھ تک قایم رہا جب برہان الملک سعادت خان نیشا پوری اودھ کے

صوبہ دار ہوئے، تو تمام معافیان ضبط کرلین، علماء فضلاء کی اولاد کسب معاش کی ضرورت

سے پڑھنا پڑھانا چھوڑ کر سپہگری مین مصروف ہوئی، مدرسے ویران ہوگئے اور علمی صحبتین درہم برہم

ہوگئین ۱۱۵۹ھ مین الہ آباد کا صوبہ بھی اس خاندان کے قبضہ مین آگیا اور صفدر جنگ صوبہ دار

مقرر ہوئے، انھون نے رہی سہی معافیان بھی ضبط کرلین، احمد شاہ کے زمانہ مین صفدر جنگ

کو وزارت ملی، ان کے نائب نے وظیفہ دارون کو اور بھی زیادہ تنگ پکڑا اور اس طرح وہ

تمام علمی بستیان اجڑ گیئن ۲ھ

غرض انھین زندہ کا نجون مین ایک سہالی بھی تھی، جس نے آگے چل کر فرنگی محل

کا قالب اختیار کیا، یہ لکھنؤ سے ۳۲ میل پر ایک چھوٹا سا گاؤن ہے جو کسی زمانہ مین بہت بڑا

قصبہ تھا، درس نظامیہ کا سنگ بنیاد اسی سرزمین پر رکھا گیا،

درس نظامیہ ہندوستان کی علمی تاریخ اور علمی زبان کا سب سے زیادہ نمایان لفظ ہے، ہندوستان

مین آج کلکتہ سے پیشاور تک جس قدر تعلیمی سلسلے پھیلے ہوئے ہین سب اسی درس کی شاخین

۱ھ کتاب مذکور تذکرہ ملا نظام الدین ۲ھ یہ پوری تفصیل مآثر الکرام مین ہے،

ہین، کوئی عالم عالم نہین مانا جا سکتا جب تک ثابت نہ ہو کہ اس نے اسی طریقہ درس کے موافق تعلیم حاصل کی ہے، جس طرح کھوٹا سکہ ٹکسال باہر کہلاتا ہے، اسی طرح کسی کتاب کا درس نظامیہ سے خارج ہونا اس بات کی شہادت ہے، کہ وہ نصاب تعلیم مین داخل ہونے کی قابلیت کا دعویٰ نہین کر سکتی، درس نظامیہ اگرچہ خاص ہندوستان کا کارنامہ فخر ہے لیکن نظام الملک نے بغداد مین جو مدرسہ **نظامیہ** کے نام سے قائم کیا تھا، اس کی عالمگیر شہرت نے اس قدر دست درازی کی کہ اس سلسلہ کو بھی اس کے فہرست اعمال مین داخل کرنا چاہا، چنانچہ ہمارے زمانہ کے اکثر ناواقفون کو دھوکا ہو گیا، یہان تک کہ ایک اردو تصنیف مین صراحتہً یہ دعویٰ کیا گیا،

درس نظامیہ اگرچہ ملا نظام الدین صاحب کی طرف منسوب ہے، لیکن درحقیقت اسکی تاریخ ایک پشت اوپر سے شروع ہوتی ہے، یعنی ملا نظام الدین کے والد سے جنکا نام ملا **قطب الدین** شہید تھا، اور اس لئے ان علمی لوگون کے طغرا ہی قرار پا سکتے ہین، تمام ہندوستان مین بلکہ انصاف یہ ہے کہ تمام دنیا ے اسلام مین یہ بات صرف اسی مقدس ذات کو حاصل ہو کہ پورے دوسو برس تک متواتر اور بلا فصل ان کی نسل سے علما ہوتے چلے آئے اور آج بھی یہ سلسلہ قائم ہے، ہندوستان کی علمی تاریخ مین یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہو کہ اس ملک مین تاریخ اور رجال کا مذاق کم تھا، لیکن اس سلسلہ نے خاص اپنے خاندان کا حال اس استقصا کیساتھ لکھا کہ اس کی نظیر نہین مل سکتی، چنانچہ ہم کو اس مضمون کے لکھنے مین تاریخی معلومات کی حیثیت سے کوئی دقت نہین پیش آئی،

اسلام جب عرب سے نکل کر دور دور ممالک مین پھیلا تو اکثر عرب کے خاندان ہجرت کر کے ان ممالک مین چلے آئے، ان مین سے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی نسل سے ایک

نہایت دہ کردہ آبادی شرفا، و نجبا رہست کہ از سلاطین و حکام، وظائف و زمین مدد معاش داشتہ اند و مساجد و مدارس و خانقاہات بنا نہادہ و مدرسان عصر در ہر جا ابواب علم بر روے دانش پژوہان کشادہ و طلبۂ علم خیل خیل میر وند، و ہر جا موافقت دست ہم داد بتحصیل مشغول میشوند و صاحب توفیقان ہر معمورہ طلبۂ علم را نگاہ میدارند، و خدمت این جماعہ را سعادت عظمیٰ میدانند صاحبقران ثانی شاہجہان انار اللہ برہانہ می گفت پورب شیراز مملکت ماست[۱]"

یہ نظام ۱۱۳۰ھ تک قایم رہا جب برہان الملک سعادت خان نیشاپوری اودھ کے صوبہ دار ہوئے، تو تمام معافیان ضبط کرلین، علما و فضلا کی اولاد کسب معاش کی ضرورت سے پڑھنا پڑھانا چھوڑ کر سپہگری مین مصروف ہوئی، مدرسے ویران ہوگئے اور علمی صحبتین درہم برہم ہوگئین ۱۱۵۹ھ مین الہ آباد کا صوبہ بھی اس خاندان کے قبضہ مین آگیا اور صفدر جنگ صوبہ دار مقرر ہوئے، انھون نے رہی سہی معافیان بھی ضبط کرلین، احمد شاہ کے زمانہ مین صفدر جنگ کو وزارت ملی، ان کے نائب نے وظیفہ دارون کو اور بھی زیادہ تنگ پکڑا اور اس طرح وہ تمام علمی بستیان اجڑ گئین[۲]،

غرض انھین زندہ کا بجون مین ایک سہالی بھی تھی، جس نے آگے چل کر فرنگی محل کا قالب اختیار کیا، یہ لکھنؤ سے ۳۲ میل پر ایک چھوٹا سا گاؤن ہے جو کسی زمانہ مین بہت بڑا قصبہ تھا، درس نظامیہ کا سنگ بنیاد اسی سرزمین پر رکھا گیا،

درس نظامیہ ہندوستان کی علمی تاریخ اور علمی زبان کا سب سے زیادہ نمایان لفظ ہے، ہندوستان مین آج کلکتہ سے پشاور تک جس قدر تعلیمی سلسلے پھیلے ہوئے ہین سب اسی درس کی شاخین

---

[۱] کتاب مذکور تذکرہ ملا نظام الدین [۲] یہ پوری تفصیل مآثر الکرام مین ہے،

قاضی گھانسی سے علوم حاصل کئے جو بہت بڑے صوفی اور حضرت محب اللہ الہ آبادی کے خلیفہ اور جانشین تھے، اس زمانہ مین قصبہ دیوا جو لکھنؤ کی نواح مین ہے مولانا عبدالسلام کے درس کی وجہ سے علم وفضل کا مرکز تھا، ملا صاحب نے وہان بھی جاکر علم کی تحصیل کی، مولانا عبدالعلی بحرالعلوم کے خلف اکبر مولوی عبدالاعلی اپنے رسالۂ قطبیہ مین لکھتے ہین کہ "ان کی تصنیفات مین سے صرف شرح حکمۃ العین کا حاشیہ اور رسالۂ امور عامہ کے مسودہ کے کچھ اجزاء میرے والد کے کتبخانہ مین موجود ہین، تلویح کا حاشیہ بھی ملا نظام الدین کے زمانہ تک موجود تھا مگر اب مفقود ہے۔"

ملا صاحب کا معمول یہ تھا کہ دن کو درس دیتے تھے، شب کو عبادت مین مصروف ہوتے تھے، اور سہ شنبہ اور جمعہ کے دن تصنیف کرتے تھے[۱]۔

ملا صاحب کے فضل وکمال کا شہرہ ہوا تو عالمگیر نے ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی لیکن ملا صاحب نے اپنے اسلاف کے طریقہ کے موافق گوشۂ عزلت کا چھوڑنا گوارا نہ کیا[۲]،

ملا صاحب نے درس کا ایک خاص طریقہ اختیار کیا تھا جو خود ان کا قایم کردہ تھا، وہ ہر فن کی صرف ایک جامع اور مستند کتاب پڑھاتے تھے، کہ شاگرد کو تمام مسائل پر مجتہدانہ عبور ہوجاتا تھا، رسالۂ قطبیہ مین ہے،

"مولانائے شہید (ملا قطب الدین) از ہر فن یک یک کتاب میخوانیدند وشاگردان محقق می شدند"

ملا نظام الدین اور مولانا بحرالعلوم نے اس پر اضافہ کیا چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے،

[۱] رسالۂ قطبیہ از مولانا عبدالاعلی درحال ملا قطب الدین شہید [۲] گلزار اعظم،

نہایت دہ کردہ آبادی شرفا، وتجار ہست کہ از سلاطین وحکام، وظائف وزمین مدد معاش داشتہ اند ومساجد ومدارس وخانقاہات بنا نہادہ ومدرسان عصر در ہر جا ابواب علم برروے دانش پژوہان کشادہ وطلبۂ علم خیل خیل میروند، وہر جا موافقت دست ہم داد بہ تحصیل مشغول میشوند وصاحب توفیقان ہر معمورہ طلبۂ علم را نگاہ میدارند، وخدمت این جماعہ را سعادت عظمیٰ میدانند صاحبقران ثانی شاہجہان انار اللہ برہانہ می گفت پورب شیراز مملکت ماست[۱]"

یہ نظام ۱۱۳۰ھ تک قایم رہا جب برہان الملک سعادت خان نیشاپوری اودھ کے صوبہ دار ہوئے، تو تمام معافیان ضبط کرلین، علما وفضلا کی اولاد کسب معاش کی ضرورت سے پڑھنا پڑھانا چھوڑ کر سپہگری مین مصروف ہوئی، مدرسے ویران ہوگئے اور علمی صحبتین درہم برہم ہوگئین ۱۱۵۹ھ مین الہ آباد کا صوبہ بھی اس خاندان کے قبضہ مین آگیا اور صفدر جنگ صوبہ دار مقرر ہوئے، انھون نے رہی سہی معافیان بھی ضبط کرلین، احمد شاہ کے زمانہ مین صفدر جنگ کو وزارت ملی، ان کے نائب نے وظیفہ دارون کو اور بھی زیادہ تنگ پکڑا اور اس طرح وہ تمام علمی بستیان اجڑ گیئن[۲]

غرض انھین زندہ کاجون مین ایک سہالی بھی تھی، جس نے آگے چل کر فرنگی محل کا قالب اختیار کیا، یہ لکھنؤ سے ۳۲ میل پر ایک چھوٹا سا گاؤن ہے جو کسی زمانہ مین بہت بڑا قصبہ تھا، درس نظامیہ کا سنگ بنیاد اسی سرزمین پر رکھا گیا،

درس نظامیہ ہندوستان کی علمی تاریخ اور علمی زبان کا سب سے زیادہ نمایان لفظ ہے، ہندوستان مین آج کلکتہ سے پشاور تک جس قدر تعلیمی سلسلے پھیلے ہوئے ہین سب اسی درس کی شاخین

---

[۱] کتاب مذکور تذکرہ ملا نظام الدین [۲] یہ پوری تفصیل مآثر الکرام مین ہے،

ہوئین لیکن ملا صاحب نے جاکر بیچ بچاؤ کیا، اور دونون طرف کی فوجین واپس گئین،
موقع پاکر خانزادے کئی سو آدمی کے ساتھ سہالی مین آئے اور عثمانیون کو جاکر بھڑکایا
کہ ہم ساتھ ہین آپ حملہ کیجئے، سب ملکر چودھری محمد آصف کے گھر پر چڑھ آئے چودھری
صاحب ملا صاحب کے مکان پر بتقریب ولادت کی مبارکباد دینے گئے تھے[1] ظالمون نے
جاکر ملا صاحب کے گھر کا محاصرہ کرلیا، دیوارون مین نقب لگاکر گھس گئے، ایک نازک
اور کمزور جسم کے لئے ہلکا سا ایک وار کافی تھا لیکن ظالمون نے تمام آلاتِ جنگ استعمال
کئے، پہلے تیر پھر بندوق، اور آخر تلوار کے ساتھ وارون نے ملکر اس پیکر روحانی کو برباد
کرنا چاہا، اور اپنے اعتقاد کے مطابق کامیاب بھی ہوئے لیکن،

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را | ہر زمان از غیب جانے دیگرست

اس واقعہ کی تاریخ روز دوشنبہ رجب ۱۱۰۳ھ ہے،

ملا صاحب کے ساتھ چند طلبا نے بھی جو مشغولِ درس تھے وفات پائی، ظالمون
نے خونریزی سے فارغ ہوکر، گھر کا مال و اسباب لوٹا اور ملا صاحب کا ذخیرۂ علمی، جس مین
سات سو کتابین تھین جلاکر برباد کردیا، ملا صاحب کی لاش، اور چودھری آصف کا سر
ساتھ لے گئے، تین چار دن کے بعد ملا صاحب کے دونون ہاتھ کاٹ کر رکھ لئے اور لاش
سہالی بھیجدی، چنانچہ ۲۷ رجب کو نماز جنازہ پڑھکر تجہیز و تکفین کی،

اس واقعہ مین ملا صاحب کے صاحبزادون مین سے تین صاحب موجود تھے، ملا سعید

---

[1] یہ تفصیل گلزار انصار سے ماخوذ ہے، محضر نامہ مین نہین ہے، اغصان الانساب اور رسالۂ قطبیہ مین ہے کہ مخالفون نے پہلے چودھری آصف کے گھر پر حملہ کیا، وہ ملا صاحب کے پاس اعانت و مشورت کے لئے آئے، مخالفون نے تعاقب کیا اور ان کے ساتھ ملا صاحب کو بھی شہید کیا،

نہایت دہ کردہ آبادی شرفا، و نجبا رہست کہ از سلاطین و حکام، وظائف و زمین مدد معاش

داشتہ اند و مساجد و مدارس و خانقاہات بنا نہادہ و مدرسان عصر در ہر جا ابواب علم

بر روے دانش پژوہان کشادہ و طلبۂ علم خیل خیل میروند، و ہر جا موافقت دست بہم داد

بہ تحصیل مشغول میشوند و صاحب توفیقان ہر معمورہ طلبۂ علم را نگاہ میدارند، و خدمت این

جماعہ را سعادت عظمیٰ میدانند صاحبقران ثانی شاہجہان انار اللہ برہانہ می گفت پورب

شیراز مملکت ماست[۱]"

یہ نظام ۱۱۳۰ھ تک قایم رہا جب برہان الملک سعادت خان نیشاپوری اودھ کے

صوبہ دار ہوئے، تو تمام معافیان ضبط کرلین، علما و فضلا کی اولاد کسب معاش کی ضرورت

سے پڑھنا پڑھانا چھوڑ کر سپہگری مین مصروف ہوئی، مدرسے ویران ہوگئے اور علمی صحبتین درہم برہم

ہوگیئن ۱۱۵۹ھ مین الٰہ آباد کا صوبہ بھی اس خاندان کے قبضہ مین آگیا اور صفدر جنگ صوبہ دار

مقرر ہوئے، انھون نے رہی سہی معافیان بھی ضبط کرلین، احمد شاہ کے زمانہ مین صفدر جنگ

کو وزارت ملی، ان کے نائب نے وظیفہ دارون کو اور بھی زیادہ تنگ پکڑا اور اس طرح وہ

تمام علمی بستیان اجڑ گیئن[۲]

غرض انھین زندہ کاجون مین ایک سہالی بھی تھی، جس نے آگے چل کر فرنگی محل

کا قالب اختیار کیا، یہ لکھنؤ سے ۲۳ میل پر ایک چھوٹا سا گاؤن ہے جو کسی زمانہ مین بہت بڑا

قصبہ تھا، درس نظامیہ کا سنگ بنیاد اسی سرزمین پر رکھا گیا،

درس نظامیہ ہندوستان کی علمی تاریخ اور علمی زبان کا سب سے زیادہ نمایان لفظ ہی، ہندوستان

مین آج کلکتہ سے پشاور تک جس قدر تعلیمی سلسلے پھیلے ہوئے ہین سب اسی درس کی شاخین

---

[۱] کتاب مذکور تذکرہ ملا نظام الدین [۲] یہ پوری تفصیل مآثر الکرام مین ہے،

رو رسانیدہ شہید ساختند و شیخ غلام محمد نبیرہ زبدۃ الاولیاء بندگی شیخ نظام الدین ساکن
امیٹھی و دیگر شیخ شرف اللہ ساکن سندیلہ کہ بخواندن فاتحۃ الفراغ در خدمت بودند نیز از دست
طلبہ مذکورین شہید شدند و محمد آصف چودھری پرگنہ سہالی کہ برائے مدد مولوی رسیدہ با ہمراہیان
خود شہید شدند، بندہ محمد سعید و جمعے از طلبہ و شیخ فضل اللہ برادر نائب قاضی عبد اللہ
قاضی پرگنہ سہالی وغیرہ زخمی شدند پس از آنکہ طلبہ مذکورین از قتل و نکل فارغ شدند بہ نہب
اموال و امتعہ کہ در حویلی بود پرداختند چنانچہ اثرے ازان نگذاشتند و کتب مولوی وغیرہ از
مردم کہ قریب نہصد جلد مجتمع بود اکثرے ازان آتش دادہ سوختند و در آن میان مصحف مجید
چہار جلد و مشکوٰۃ وغیرہ از کتب حدیث و مصنفات مولوی حاشیہ تلویح و شرح عقائد نسفیہ
و تعریفات بزدوی و حاشیہ مطول وغیرہ کتب کہ کثیر الحجم مشتمل بر فوائد جمیلہ بودند ہمہ سوختہ شد
و ہمہ را برداشتہ بردند با مستوران مولوی و برادران بانواع ہتک حرمت پیش آمدند ازان
بر خانہ شیخ حسام الدین برادر عمزاد حقیقی مولوی وغیرہ برادران و مردم غربا سکنہ قصبہ سہالی
بر ریختند، مال و متاع ہرچہ بود بغارت بردند، چون وقت دوپہر از کارہائے مسطور فارغ شدند،
و مراجعت بمسکن خود کہ موضع بینی پور معمولہ پرگنہ فتحپور دلوا وغیرہ باشد نمودند، بندہ نظام الدین
پسر خورد مولوی را اسیر کردہ ہمراہ گرفتند، و نعش مولوی و سر محمد آصف چودھری نیز با خود با
موضع مذکور بردند، بعد از سہ چہار روز از الحاح و عجز بعضے شرفاء فتحپور و دیوا بندہ نظام الدین
را خلاص نمودند، و سر محمد آصف دادند و نعش مولوی را جا بجا مدفون میکردند و می برآوردند،
آخر بعد شدرد زہر دو دست بریدہ گرفتند و نعش بہ قصبہ سہالی فرستادند، چنانچہ جمعے از مسلمین نماز جنازہ
خواندہ بتاریخ بست و ہفتم شہر مذکور در قصبہ سہالی مدفون ساختند"

تذکروں میں دشمنوں کی مخالفت کی کوئی خاص وجہ ملا صاحب سے نہیں ہے، اگر

نہایت دہ کردہ آبادی شرفاء و نجبا رہست کہ از سلاطین وحکام، وظائف وزمین مدد معاش داشتہ اند ومساجد و مدارس وخانقاہات بنا نہادہ و مدرسان عصر در ہر جا ابواب علم برروے دانش پژوہان کشادہ وطلبۂ علم خیل خیل میروند، وہر جا موافقت دست بہم داد بتحصیل مشغول میشوند وصاحب توفیقانِ ہر معمورہ طلبۂ علم را نگاہ میدارند، وخدمت این جماعہ را سعادت عظمیٰ میدانند صاحبقران ثانی شاہجہان انار اللہ برہانہ می گفت پورب شیراز مملکت ماست۔[۱]"

یہ نظام ۱۱۳۰ھ تک قایم رہا جب برہان الملک سعادت خان نیشاپوری اودھ کے صوبہ دار ہوئے، تو تمام معافیان ضبط کرلین، علمار فضلار کی اولاد کسبِ معاش کی ضرورت سے پڑھنا پڑھانا چھوڑ کر سپہگری مین مصروف ہوئی، مدرسے ویران ہوگئے اور علمی صحبتین درہم برہم ہوگئین ۱۱۵۹ھ مین الہ آباد کا صوبہ بھی اس خاندان کے قبضہ مین آگیا اور صفدر جنگ صوبہ دار مقرر ہوئے، انھون نے رہی سہی معافیان بھی ضبط کرلین، احمد شاہ کے زمانہ مین صفدر جنگ کو وزارت ملی، ان کے نائب نے وظیفہ دارون کو اور بھی زیادہ تنگ پکڑا اور اس طرح وہ تمام علمی بستیان اجڑ گئین۔[۲]

غرض انھین زندہ کا بجون مین ایک سہالی بھی تھی، جس نے آگے چل کر فرنگی محل کا قالب اختیار کیا، یہ لکھنؤ سے ۲۲ میل پر ایک چھوٹا سا گاؤن ہے جو کسی زمانہ مین بہت بڑا قصبہ تھا، درس نظامیہ کا سنگ بنیاد اسی سرزمین پر رکھا گیا،

درس نظامیہ ہندوستان کی علمی تاریخ اور علمی زبان کا سب سے زیادہ نمایان لفظ ہے، ہندوستان مین آج کلکتہ سے پشاور تک جس قدر تعلیمی سلسلے پھیلے ہوئے ہین سب اسی درس کی شاخین

---

[۱] کتاب مذکور تذکرہ ملا نظام الدین ص ۳ [۲] یہ پوری تفصیل مآثر الکرام مین ہے،

"درین وقت میمنت اقتران والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ کمینرل حویلی فرنگی محل باستعلقہ آن واقع بلدہ لکھنؤ مصاف بہ صوبہ اودھ کہ از امکنۂ نزولی ست برائے بودن شیخ محمد اسعد و محمد سعید پسران ملا قطب الدین شہید حسب الضمن مقرر فرمودیم، باید کہ حکام و عمال و متصدیان مہمات حال و استقبال و جاگیر داران و کروریان آنرا بنام مشار الیہما معاف و مرفوع القلم وانستہ بوجہ من الوجوہ مزاحم و متعرض نہ شوند، و اندرین باب سند مجدد نہ طلبند، مرقوم غرہ ذیلقعدہ سال سی و ہفتم جلوس والا نوشتہ شد"

فرمان کے پشت پر جو عبارت ہے اس کا پہلا فقرہ یہ ہے:۔

"شرح یادداشت واقع بتاریخ روز پنجشنبہ ۱۴ ار شعبان المعظم ۳۷ جلوس والا موافق ۱۱۰۵ھ مطابق فرداد ماہ برسالہ صدارت و مشیخت پناہ فضیلت و کمالات دستگاہ سزاوار مرحمت و احسان، صدر رفیع القدر فاضل خان و نوبت واقعہ نویسی کمترین بندگان درگاہ خلائق پناہ حسام الدین حسین قلمی می گردد، کہ بعرض مقدس و معلی رسید کہ شیخ محمد اسعد و محمد سعید پسران ملا قطب الدین شہید ساکن قصبہ سہالی بسبب شہادت پدر خود قصبۂ مذکور را گذاشتہ جلاوطن گردیدند و کدام مکان ہا سکونت ندارند" الخ،

ملا صاحب کی شہادت ۱۱۰۳ھ مین ہوئی اور فرمان کی تاریخ تحریر شعبان ۱۱۰۵ھ ہے چونکہ عالمگیر اس زمانہ مین دکن مین تھا، اس لئے ملا سعید کو وہان پہنچنے اور حکم صادر ہوتے ہوتے دو برس کا زمانہ گذرا، غرض فرمان کے بعد سارا خاندان لکھنؤ مین آگیا، اور فرنگی محل دار العلم و العمل بن گیا،

اس محلہ کی وجہ تسمیہ یہ مشہور ہے کہ فرانس کا ایک سوداگر اس محلہ مین آکر تجارت کے تعلق سے رہا تھا، وہ وطن چلا گیا، تو اس کے مکانات سرکاری قبضہ مین آگئے اور

وہی اسلامی علوم کی یونیورسٹی بن گئی،

بہ بین کرامت بتخانۂ مرا اے شیخ — کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد

ملا صاحب کے چار صاحبزادے تھے، ملا اسعد، ملا سعید، ملا نظام الدین، ملا رضا،
ملا اسعد سب مین بڑے تھے اور بہت بڑے عالم تھے، حاشیہ قدیمہ پر حاشیہ لکھا تھا، ملا جیون
سے مناظرہ مین فتح حاصل کی، مزاج امیرانہ تھا، اس لئے دربار مین توسل پیدا کیا، اور ہمیشہ
عالمگیر کے ہمرکاب رہتے تھے، شاہ عالم کے زمانہ مین وفات پائی[1]، ملا حسن جو مشہور عالم گذرے
ہین، انھین کے پوتے تھے،

دوسرے صاحبزادے ملا سعید باپ کے ساتھ زخمی ہوئے تھے، اچھے ہوکر دکن گئے،
اور فرنگی محل کی معافی کا فرمان لائے عنفوانِ شباب مین وفات کی، ملا احمد عبد الحق جو
مشہور صوفی اور مصنف گذرے ہین، انھین کے صاحبزادے ہین، مولوی مبین شارحِ سلم
انھین کے فرزند تھے،

تیسرے صاحبزادے ملا نظام الدین تھے، ان کا حال تفصیل سے آتا ہے،

چوتھے صاحبزادے ملا محمد رضا ملا نظام الدین سے سات برس چھوٹے تھے، یہ بھی
بڑے عالم تھے، مسلم پر شرح لکھی، لیکن اخیر مین درس و تدریس کا سلسلہ چھوڑ کر شاہ عبد الرزاق
بانسوی کے ہاتھ پر مرید ہوئے اور تارک الدنیا ہوگئے،

ملا نظام الدین کی عمر باپ کی شہادت کے وقت ۱۴ برس کی تھی، اور شرح
ملا جامی تک پڑھ چکے تھے، لکھنؤ مین آکر طالب العلمی مین مشغول ہوئے، ابتدائی کتابین
دیوا مین جاکر پڑھین، جو آج حاجی وارث علی صاحب مرحوم کے انتساب سے مشہور ہے،

---

[1] رسالہ تعلیم،

اور اس زمانہ مین مولانا عبد السلام کا درس گاہ تھا، پھر اکثر کتابین جالس مین جا کر ملا علی قلی سے پڑھین، امورِ عامہ مولانا امان اللہ بنارسی سے پڑھا، توشیحہ کی تحصیل ملا نقشبند گورکھپوری سے کی[1] مولوی غلام علی آزاد سبحۃ المرجان مین لکھتے ہین کہ آخری کتابین ملا غلام نقشبند سے لکھنؤ مین پڑھین، زمانہ کا انقلاب دیکھو آج جالس اور دیوا معمولی دیہات مین ایک زمانہ تھا کہ وہ ملا نظام الدین کے قبلہ مقصد تھے، غرض ملا صاحب نے ۱۴ برس کی عمر مین تمام علوم و فنون سے فراغت حاصل کی،

سلسلۂ تعلیمیہ مین یون تو سیکڑون علما پیدا ہوگئے لیکن ملا نظام الدین کے نام کو خدا نے وہ عزت دی کہ آج سب کا نام انھین کے نام سے روشن ہے، اور ہندوستان کا تمام سلسلۂ درس انھین کے نام سے منسوب ہے، مولوی غلام علی آزاد مآثر الکرام مین لکھتے ہین " امروز علماے اکثر قطر ہندوستان نسبت تلمذ بہ مولوی دارند و کلاہ گوشۂ تفاخر می شکنند و کسیکہ سلسلۂ تلمذ بہ او رساند بین الفضلاء بعلم امتیاز می افرازد "، وہ علم و فضل کے ساتھ زہد و قناعت، صبر و رضا، تقدس اور ایثارِ نفس کے وجود مجسم تھے، ان کی تصنیفات بھی کثرت سے ہین، لیکن یہ بھی ان کا ایثارِ نفس ہے کہ سلسلۂ درس مین اپنی ایک تصنیف بھی نہین رکھی، بلکہ اپنے استاد بھائی، ملا محب اللہ بہاری کی کتابین سلم و مسلم درس مین داخل کین، جس کی بدولت آج ان کتابون کا نام آفتاب و ماہتاب کی طرح روشن ہے،

ملا صاحب نے چالیس برس کی عمر مین شاہ عبد الرزاق بانسوی کے ہاتھ پر بیعت کی، اور پھر تصوف کا رنگ ان پر غالب آگیا۔ ملا صاحب کا بالاخانہ جس پر بیٹھکر درس دیا کرتے تھے آج بھی موجود ہے مین نے ۱۸۹۹ء مین اسکی زیارت کی تھی، ۹ جمادی الاولی ۱۱۶۱ھ مین سنگ مثانہ کی بیماری مین وفات پائی،

[1] یہ تفصیل اغصان الانساب مین ہے۔

وہی اسلامی علوم کی یونیورسٹی بن گئی،

بہ بین کرامت بتخانۂ مرا اے شیخ | کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد

ملا صاحب کے چار صاحبزادے تھے، ملا اسعد، ملا سعید، ملا نظام الدین، ملا رضا،

ملا اسعد سب مین بڑے تھے اور بہت بڑے عالم تھے، حاشیہ قدیمہ پر حاشیہ لکھا تھا، ملا جیون سے مناظرہ مین فتح حاصل کی، مزاج امیرانہ تھا، اس لئے دربار مین توسل پیدا کیا، اور ہمیشہ عالمگیر کے ہمرکاب رہتے تھے، شاہ عالم کے زمانہ مین وفات[1] پائی، ملا حسن جو مشہور عالم گذرے ہین، انھین کے پوتے تھے،

دوسرے صاحبزادے ملا سعید باپ کے ساتھ زخمی ہوئے تھے، اچھے ہوکر دکن گئے، اور فرنگی محل کی معافی کا فرمان لائے عنفوان شباب مین وفات کی، ملا احمد عبدالحق جو مشہور صوفی اور مصنف گذرے ہین، انھین کے صاحبزادے ہین، مولوی مبین شارح سلم انھین کے فرزند تھے،

تیسرے صاحبزادے ملا نظام الدین تھے، ان کا حال تفصیل سے آتا ہے،

چوتھے صاحبزادے ملا محمد رضا ملا نظام الدین سے سات برس چھوٹے تھے، یہ بھی بڑے عالم تھے، مسلم پر شرح لکھی، لیکن اخیر مین درس و تدریس کا سلسلہ چھوڑ کر شاہ عبدالرزاق بانسوی کے ہاتھ پر مرید ہوئے اور تارک الدنیا ہوگئے،

ملا نظام الدین کی عمر باپ کی شہادت کے وقت ۱۴ برس کی تھی، اور شرح ملا جامی تک پڑھ چکے تھے، لکھنؤ مین آکر طالب العلمی مین مشغول ہوئے، ابتدائی کتابین دیوا مین جاکر پڑھین، جو آج حاجی وارث علی صاحب مرحوم کے انتساب سے مشہور ہے،

---

[1] رسالہ قطبیہ،

اس وقت ان کا سن ۱۷ سال کا تھا، اسی زمانہ مین ملا صاحب نے ان کی شادی قصبہ کاکوری
مین کردی، ملا صاحب کی وفات کے بعد بحر العلوم نے ملا کمال سے استفادہ کیا، جو
ملا نظام الدین کے شاگردون مین سب سے ممتاز تھے،

آغاز شباب تھا کہ ایک ناگوار واقعہ پیش آیا جس کی وجہ سے ان کو وطن چھوڑنا پڑا،
تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سید نور الحسن خانصاحب بلگرامی ایک بزرگ شیعی مذہب تھے
وہ اس زمانہ مین بیمار تھے، اور مولوی محب اللہ صاحب کے مکان پر جو مولوی مبین
شارح سلم کے والد تھے مقیم تھے، محرم کا زمانہ آیا، تو بیماری کی وجہ سے خود تعزیہ کی زیارت
کو نہ جا سکے، اور کہلا بھیجا کہ تعزیہ کو اسی طرف سے لیجائین، تاکہ مین یہین سے زیارت
کر لون، مولانا بحر العلوم کا مدرسہ سر راہ تھا، اور اتفاق یہ کہ اس وقت مولانا محرم کے
شربت پر فاتحہ دیرہے تھے، ان کو معلوم نہ تھا کہ بلگرامی صاحب کے حسب طلب
تعزیہ آیا ہے، چونکہ فاتحہ مین مصروف تھے، زبان سے نہ بولے، ہاتھ سے اشارہ کیا کہ
ادھر سے راستہ نہین، طلبہ موجود تھے، سمجھے تعزیہ کے توڑنے کا حکم دیا، اٹھکر تعزیہ توڑ پھوڑ
ڈالا، یہ نوابان اودھ کا زمانہ اور شیعیت کا زور تھا، غل پڑ گیا کہ مولانا نے بغاوت کی، قاضی
غلام مصطفیٰ جو شیعی مذہب تھے، بلوہ عام کرکے مولانا کے گھر پر چڑھ آئے، مولانا نے بھی
سیکڑون ہزارون آدمی جمع کر لئے اور مقابلہ کی تیاری کی، یہ سامان دیکھکر قاضی صاحب
نے صلح کی درخواست کی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا، لیکن یہ محض دفع الوقتی تھی، قاضی صاحب
چاہتے تھے کہ بے خبری مین مولانا کو قتل کرادین، مولانا نے اہل خاندان سے مشورت کی جنکو
کسکا مقابلہ کون کرسکتا تھا، لوگون نے کہا مصلحت یہ ہے کہ آپ کچھ دنون کے لئے ٹل جائین،
لیکن مولانا کے احباب نے کہا کہ ملا نظام الدین صاحب کی نشستگاہ سے نکلنا ٹھیک نہین،

آپ یہین رہین ہم لوگ سینہ سپر ہون گے لیکن خاندان کے لوگ خود مولانا کا عروج نہین دیکھ سکتے تھے، اور چاہتے تھے کہ یہ پتھر سینہ سے ٹل جائے، ان لوگون نے کہا آپ اپنے ساتھ ہم کو نہ برباد کرائیے، مولانا کے رفقاء اب بھی راضی نہ تھے لیکن مولانا چھپکر گھر سے نکلے، اور شاہجہان پور چلے آئے، یہان حافظ رحمت خان کی حکومت تھی، اس نے بڑی تعظیم و تکریم کی، مولانا نے ۲۰ سال تک یہان قیام کیا[۵]

حافظ رحمت خان نے مولانا کے مصارف کے لئے معقول رقم مقرر کر دی، اور ان کے طلبہ کے وظائف مقرر کرا دیئے، نواب عبداللہ خان رئیس شاہجہان پور نے قلعہ مین لیجا کر اپنے مکان مین اتارا، دور دور سے طلبہ مولانا کا نام سنکر آنے لگے، اور بہت بڑی درسگاہ قائم ہوگئی، بہت سے لوگ فارغ التحصیل ہو کر نکلے، یہان مولانا نے بہت سی کتابین تصنیف کین،

حافظ رحمت خان نے جب شہادت پائی تو یہ اطراف نواب شجاع الدولہ کی حکومت مین آگئے تو مولانا نے یہان سے نکلنے کا ارادہ کیا، اس زمانہ مین رامپور کی ریاست پر نواب فیض اللہ خان حکمران تھے، وہ خود آکر مولانا کو ساتھ لے گئے، چند روز تک مولانا نے یہان قیام کیا لیکن نواب موصوف مولانا کے گروہ طلبہ کی کفالت نہ کر سکے، اور مولانا نے یہان سے بھی نکلنے کا ارادہ کیا، اس زمانہ مین منشی صدر الدین خان نے بوہار مین جو کلکتہ کے نواح مین ہے، ایک مدرسہ قائم کیا تھا، مولانا کے پاس زادِ راہ بھیجکر تشریف لانے کی درخواست کی، مولانا سو شاگردون کے ساتھ بوہار کو روانہ ہوئے، قریب پہنچے تو منشی صدر الدین خان خود استقبال کر کے لائے، چار سو تنخواہ مقرر کی اور مولانا کے تمام شاگردون کے وظائف مقرر کر دیئے

یہ واقعات اغصان اربعہ سے منقول ہین، لیکن رسالہ قطبیہ مین ہے، کہ مولانا کو رام پور مین کچھ شکایت کی وجہ نہین پیدا ہوئی تھی، لیکن منشی صدر الدین خان کے سخت اصرار کی وجہ سے

[۵] یہ پوری تفصیل رسالہ قطبیہ مین ہے، اور چونکہ یہ خود مولانا کے خلف اکبر کی تحریر ہے، اسلئے اس سے زیادہ قابل اعتماد اور کوئی شہادت نہین ہوسکتی

مجبور ہوگئے، قطبیہ مین یہ بھی لکھا ہے، کہ منشی صدر الدین خان نے افسران انگریزی کی سفارشین بھی نواب فیض اللہ خان کے پاس بھجوائین کہ وہ مولانا کو ادھر روانہ کردین،

بہر حال مولانا نے بوہار مین کچھ زمانہ تک قیام کیا، یہ وہ زمانہ ہے کہ مدراس مین نواب والاجاہ محمد علی خان والئ ارکاٹ کی حکومت تھی، وہ خاص قصبۂ گوپامئو کے رہنے والے تھے، اس تعلق سے مولانا کے ہم وطن تھے، مولانا بعض اسباب کی وجہ سے بوہار سے دل برداشتہ ہوگئے تھے، یہ خبر نواب کو پہنچی، فوراً درخواست بھیجی، مولانا بوہار سے روانہ ہوئے، مدراس کے قریب پہنچے تو نواب نے، اعزہ خاندان اور امراے دربار کو ایک منزل آگے استقبال کے لئے بھیجا، شہر مین داخل ہوئے، تو سب امراء جلو مین ساتھ ساتھ تھے، ڈیوڑھی کے قریب پالکی پہنچی تو نواب مع تمام مقربین کے پیادہ پا نکلا، مولانا نے پالکی سے اترنا چاہا، نواب نے دوڑ کر پالکی مین کاندھا دیا، اور اسی طرح مکان کے صحن تک لایا، دربار مین جہان خود اس کی نشست تھی مولانا کو اس جگہ بٹھایا اور مولانا کے قدم چومے اور کہا اللہ اکبر یہ نصیب کہان تھے کہ حضور کا قدم میرے گھر مین آتا،[1]

اغصان الانساب مین لکھا ہے کہ مولانا بوہار سے اٹھکر پہلے کلکتہ مین آئے یہان نظام حیدر آباد اور سلطان حیدر (ٹیپو سلطان کا باپ) کی متعدد عرضیان آئین کہ یہان قدم رنجہ فرمایئے لیکن چونکہ ہموطنی کا واسطہ تھا اس لئے مولانا نے مدراس کو ترجیح دی،

نواب محمد علی خان نے مولانا کو ایک نہایت عمدہ محل رہنے کو دیا، اور روزانہ اپنے باورچیخانہ سے کھانا بھجواتا تھا جب کبھی مولانا اس کے ملنے کو جاتے تھے تو اسی پہلے دستور کے موافق استقبال اور تعظیم کرتا، چند روز کے بعد ایک بڑا مدرسہ تعمیر کرایا، مولانا کی تنخواہ قرار

---

[1] یہ پوری تفصیل اغصان اربعہ مین ہے،

تنخواہ مقرر کی، طلبہ کے وظیفے مقرر کئے، مولانا اب اسی مدرسہ مین طلبہ کے ساتھ رہنے لگے،

نواب محمد علی خان کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے عمدۃ الامرا مسند نشین ہوئے خاندان مین مسند نشینی کے متعلق نزاع کا احتمال تھا، لیکن مولانا نے جب ان کو لیجا کر مسند پر بٹھایا تو سب نے گردن اطاعت خم کر دی، عمدۃ الامرا نے باپ سے بھی زیادہ عزت وحرمت کی، مولانا کے علاوہ ان کے خاندان کے لئے الگ ماہوارین مقرر کین، عمدۃ الامرا کے مرنے کے بعد لوگون نے ان کے بیٹے کو مسند نشین کیا، لیکن چونکہ مولانا اس کے عقائد اور مذہب کی طرف سے مطمئن نہ تھے، خود اس رسم مین شریک نہ ہوئے، چونکہ اس نے اہل خاندان کے ساتھ اچھا برتاؤ نہین کیا، لوگون نے شکایت کی، بالآخر چھ مہینے کے بعد انگریزون نے اسکو معزول کردیا اور عظیم الدولہ کو جو نواب محمد علی خان کے بڑے بیٹے تھے، مسند نشین کیا، عظیم الدولہ مولانا کے شاگرد خاص تھے، عظیم الدولہ کی نوابی برائے نام تھی، کیونکہ گورنمنٹ انگریزی نے ملک اس کے قبضہ سے نکال کر روزینہ مقرر کر دیا تھا، لیکن عظیم الدولہ نے مولینا کی ماہوار جاری رکھی،

اب مولانا کی عمر ۸۳ برس کی ہو چکی تھی، اور ضعف غالب آتا جاتا تھا، یہان تک کہ ۸ رجب ۱۲۲۵ھ مین مرض الموت مین گرفتار ہوئے، چار دن تک یہ حالت رہی کہ کبھی کبھی ہوش آجاتا تھا، پھر غشی طاری ہو جاتی تھی، ہوش کی حالت مین چند بار فرمایا کہ نفی واثبات کی حقیقت اب معلوم ہوئی، خدا کے سوا کوئی چیز موجود نہین، ۱۲ رجب کو انتقال کیا،[۱]

مولانا کے اخلاق وعادات کی سب سے نمایان صفت، فیاضی اور دریا دلی تھی،

---

[۱] اغصان اربعہ،

ہمیشہ نہایت فارغ البال رہے، لیکن جو کچھ آتا تھا، احباب اور فقرا کو تقسیم کر دیتے تھے، اس وجہ سے اہل و عیال نہایت تنگی سے بسر کرتے تھے، لکھنؤ سے بار بار اپنی عسرت اور تنگ حالی کی شکایت لکھتے تھے، لیکن مولانا کچھ خیال نہین کرتے تھے، کبھی کبھی نواب کو خبر ہو جاتی تھی تو وہ براہ راست بھیجدیتا تھا،

مزاج مین اپنے والد کے خلاف ادعا اور تمکنت تھی، کسی سے دبتے نہ تھے، مناظرہ کے بہت شایق تھے، ان سے زیادہ سن و سال کے جو علما رہتے، ان سے مباحثہ کرتے تھے لکھنؤ مین جب شیعون نے ان کے مقابلہ مین بلوہ کرنا چاہا تو ایک گروہ کثیر ساتھ لے کر مقابل ہوئے، اور آخر حریف کو ہٹ جانا پڑا، تصنیفات مین بھی انداز طبیعت کی جھلک نظر آتی ہے،

مولانا کے تین صاحبزادے تھے، ان کے حالات بتفصیل سے لکھے جاسکتے ہین لیکن یہ مضمون ایک کتاب بنجائیگی،

سلسلۂ نظامیہ کی علمی حالت پر ایک عام اجمالی نظر	اس خاندان نے علم و فن کے ترقی دینے مین جو جو کام کئے ان کی تفصیل کے لئے ایک دفتر درکار ہے، مین مختصراً بعض

اہم باتین لکھتا ہون :-

۱- سب سے پہلے یہ کہ اتفاق سے یہ خاندان کثیر الافراد تھا، ملا قطب الدین شہید کے چار صاحبزادے تھے، ان سب سے خاندان پھیلے، اور ہر طبقہ مین کثرت اولاد رہی، مولوی عبد الباری صاحب نے ایک رسالہ آثار الاول نام لکھا ہے، جو شایع ہو چکا ہے، وہ گویا اس خاندان کی انسائیکلوپیڈیا ہے، اس مین سیکڑون بزرگون کے نام اور مختصر حالات لکھے ہین، ان بزرگون مین اکثر صاحب علم اور صاحب تصنیفات تھے، یہان تک کہ اگر

تنخواہ مقرر کی، طلبہ کے وظیفے مقرر کئے، مولانا اب اسی مدرسہ مین طلبہ کے ساتھ رہنے لگے،

نواب محمد علی خان کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے عمدۃ الامرا مسند نشین ہوئے خاندان مین مسند نشینی کے متعلق نزاع کا احتمال تھا، لیکن مولانا نے جب ان کو لیجا کر مسند پر بٹھایا تو سب نے گردن اطاعت خم کردی، عمدۃ الامرا نے باپ سے بھی زیادہ عزت و حرمت کی، مولانا کے علاوہ ان کے خاندان کے لئے الگ ماہوارین مقرر کین، عمدۃ الامرا کے مرنے کے بعد لوگون نے ان کے بیٹے کو مسند نشین کیا، لیکن چونکہ مولانا اس کے عقائد اور مذہب کی طرف سے مطمئن نہ تھے، خود اس رسم مین شریک نہ ہوئے، چونکہ اس نے اہل خاندان کے ساتھ اچھا برتاؤ نہین کیا، لوگون نے شکایت کی، بالآخر چھ مہینے کے بعد انگریزون نے اسکو معزول کر دیا اور عظیم الدولہ کو جو نواب محمد علی خان کے بڑے بیٹے تھے، مسند نشین کیا، عظیم الدولہ مولانا کے شاگرد خاص تھے، عظیم الدولہ کی نوابی برائے نام تھی، کیونکہ گورنمنٹ انگریزی نے ملک اس کے قبضہ سے نکال کر روزینہ مقرر کر دیا تھا، لیکن عظیم الدولہ نے مولینا کی ماہوار جاری رکھی،

اب مولانا کی عمر ۸۳ برس کی ہو چکی تھی، اور ضعف غالب آتا جاتا تھا، یہان تک کہ ۸ رجب ۱۲۲۵ھ مین مرض الموت مین گرفتار ہوئے، چار دن تک یہ حالت رہی کہ کبھی کبھی ہوش آجاتا تھا، پھر غشی طاری ہو جاتی تھی، ہوش کی حالت مین چند بار فرمایا کہ نفی و اثبات کی حقیقت اب معلوم ہوئی، خدا کے سوا کوئی چیز موجود نہین، ۱۲ رجب کو انتقال کیا،[۱]

مولانا کے اخلاق و عادات کی سب سے نمایان صفت، فیاضی اور دریا دلی تھی،

---

[۱] اغصان اربعہ،

الہ آباد مین شاہ محمد افضل صاحب کا دائرہ، بہار مین ملا محب اللہ جونپور مین ملا محمود جونپوری، بلگرام مین عبدالجلیل بلگرامی، غلام علی آزاد، یہ سب خاندان دو دو تین تین پشت سے زیادہ نہ چلے، یعنی وہ علمی حیثیت قائم نہ رہی، لیکن فرنگی محل کا خاندان دو سو برس تک ایک حیثیت سے قائم رہا، اور سیکڑون علما و فضلا پیدا ہوئے،

۲- آج تمام ہندوستان مین جو نصاب تعلیم جاری ہے، اس مین اکثر کتابین اسی علمی سلسلہ کی تصنیفات ہین، سلم ملا محب اللہ بہاری کی تصنیف ہے، جو ملا قطب الدین کے شاگرد تھے، اس کی تین شرحین داخلِ درس ہین، وہ سب اسی خاندان کی یا ان کے شاگردون کی تصنیف ہین، میر زاہد پر غلام یحییٰ کا حاشیہ درس مین داخل ہے، وہ بیک واسطہ ملا کمال کے شاگرد تھے،

۳- ایک مدت سے درس کا جو طریقہ چلا آتا تھا اس خاندان نے اس کو بدل دیا، اور اس مین مناسب اصلاح کی، اس خاندان سے پہلے ہر فن مین متعدد اور کثرت سے کتابین درس مین داخل تھین، ملا قطب الدین شہید نے یہ طریقہ قایم کیا کہ ہر فن کی صرف ایک مختصر اور جامع کتاب مقرر کی، ملا نظام الدین نے ایک ایک کتاب کا اضافہ کیا، یعنی ہر فن کی دو دو کتابین لین، اس طرح ایک بڑا طومار کم ہوگیا، مثلاً پہلے منطق مین شرح مطالع پڑھاتے تھے، ملا صاحب نے بجائے اس کے قطبی رکھی جو اس سے بہت مختصر ہے، حاشیہ قدیمہ و جدیدہ وغیرہ جس کو ملا فتح اللہ نے ہندوستان مین رواج دیا تھا، سب اٹھا دیا،

یہ امر خاص طور پر اظہار کے قابل ہے کہ آج جس چیز کو لوگ درس نظامیہ کہتے ہین، اور اس نام کی وجہ سے نہایت سختی کے ساتھ اس پر اڑے ہوئے ہین، اس کا بڑا حصہ درسِ نظامیہ سے کوئی تعلق نہین رکھتا، مثلاً حمد اللہ، ملا حسن آج درس مین داخل ہین،

یہ کتابین ملا نظام الدین صاحب کے زمانہ مین تصنیف بھی نہین ہوئی تھین، قاضی مبارک بھی درس مین داخل نہ تھی، غلام یحییٰ کا مطلق پتہ نہ تھا۔ اس کے علاوہ متعدد کتابین جو اس وقت درس مین داخل تھین، اب اڑا دی گئین، مولوی عبد الاعلیٰ (خلف اکبر مولانا بحر العلوم) نے اپنے زمانہ کا جو سلسلۂ درس بتایا ہے، اس مین شرح حکمۃ العین داخل ہے، حالانکہ آج کل بالکل متروک ہے، اسی طرح انھون نے فن موسیقی کو بھی داخلِ درس رکھا ہے، حالانکہ آج اس فن کا نام لینا بھی گناہ ہے،

درس نظامیہ کا اصول کیا تھا، درسِ نظامیہ مین اصولِ ذیل ملحوظ رکھے گئے،

۱۔ اختصار یعنی ہر فن کی ایک دو مختصر کتابین لے لی گئین،

۲۔ اختصار کے اصول پر اکثر کتابین، ناتمام درس مین رکھی گئین یعنی صرف اس قدر حصہ لیا گیا جو ضروری خیال کیا گیا، مثلاً میر زاہد ملا جلال، صدرا شمس بازغہ، مسلم، تلویح، ان سب کتابون کے کچھ کچھ حصے درس مین داخل ہین،

۳۔ ہر فن مین وہی کتاب رکھی ہے، جو اس فن کی سب سے مشکل کتاب ہے، اس سے مقصد یہ تھا کہ غور کی قوت پیدا ہو جائے کہ پھر جس کتاب کو چاہے دیکھ کر سمجھ سکے،

۴۔ منطق جو پہلے بالکل سادہ تھی، یعنی اس مین کسی اور فن کی آمیزش نہ تھی، ملا محب اللہ نے اس مین فلسفہ کے مسائل ملا دیئے، اور اس کا عام انداز بدل دیا، یہ کتاب ملا نظام الدین صاحب نے درس مین داخل کی، پھر ملا صاحب کے شاگردون نے اس پر شرحین لکھین، اور ان مین فلسفہ کا اور زیادہ اضافہ ہوتا گیا، یہ سب کتابین درس مین داخل ہوتی گئین، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج منطق کی بہت سی کتابین پڑھکر بھی منطق نہین آتی، کیونکہ جس کو منطق سمجھتے ہین، وہ منطق نہین بلکہ فلسفہ ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج دو عالم جو باہم بحث کرتے ہین، تو انکی

تقریر منطقی قواعد سے بالکل الگ رہتی ہی، اسی طرح اصول فقہ کا فن فلسفہ سے بالکل الگ تھا، ملا محب اللہ نے اسمین بھی فلسفہ کا رنگ پیدا کیا، اور اب اصول بھی گویا فلسفہ ہے،

ہندوستان مین علم و فن کا رواج گو چھ سو برس سے ہے لیکن زیادہ تر منقولات کا رواج تھا، منطق و فلسفہ صرف قطبی تک پڑھاتے تھے، سب سے پہلے مولانا عبد اللہ تلمی المتوفی ۹۲۲ھ نے معقولات کی ترویج کی[1] ان کے بعد قطب الدین شہید، اور ان کے خاندان نے معقولات کو ترقی دی، اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ علما مین وہ سختی کم ہو گئی جو فقہا مین عموماً ہوتی ہے، فتاوی عالمگیری مین تکفیر کا باب اٹھا کر دیکھو، اس کے مقابلہ مین مولانا بحر العلوم نے ارکان اربعہ مین امامت کی بحث مین جو کچھ لکھا ہے اس کا مقابلہ کرو، تو زمین و آسمان کا فرق نظر آئیگا،

(الندوہ ج ۷ نمبر ۱۲ دسمبر سنہ ۱۹۱۰ء)

---

[1] مآثر الکرام،

یہ کتابین ملا نظام الدین صاحب کے زمانہ مین تصنیف بھی نہین ہوئی تھین، قاضی مبارک بھی درس مین داخل نہ تھی، غلام یحییٰ کا مطلق پتہ نہ تھا، اس کے علاوہ متعدد کتابین جو اس وقت درس مین داخل تھین، اب اڑا دی گئین، مولوی عبد الاعلیٰ (خلف اکبر مولانا بحر العلوم) نے اپنے زمانہ کا جو سلسلۂ درس بتایا ہے، اس مین شرح حکمۃ العین داخل ہے، حالانکہ آج کل بالکل متروک ہے، اسی طرح انھون نے فن موسیقی کو بھی داخلِ درس رکھا ہے، حالانکہ آج اس فن کا نام لینا بھی گناہ ہے،

درس نظامیہ کا اصول کیا تھا، درسِ نظامیہ مین اصولِ ذیل ملحوظ رکھے گئے،

۱۔ اختصار یعنی ہر فن کی ایک دو مختصر کتابین لے لی گئین،

۲۔ اختصار کے اصول پر اکثر کتابین، ناتمام درس مین رکھی گئین یعنی صرف اس قدر حصہ لیا گیا جو ضروری خیال کیا گیا، مثلاً، میر زاہد ملا جلال، صدرا، شمس بازغہ، مسلم، تلویح، ان سب کتابون کے کچھ کچھ حصے درس مین داخل ہین،

۳۔ ہر فن مین وہی کتاب رکھی ہے، جو اس فن کی سب سے مشکل کتاب ہے، اس سے مقصد یہ تھا کہ غور کی قوت پیدا ہو جائے کہ پھر جس کتاب کو چاہے دیکھ کر سمجھ سکے،

۴۔ منطق جو پہلے بالکل سادہ تھی، یعنی اس مین کسی اور فن کی آمیزش نہ تھی، ملا محب اللہ نے اس مین فلسفہ کے مسائل ملا دیئے، اور اس کا عام انداز بدل دیا، یہ کتاب ملا نظام الدین صاحب نے درس مین داخل کی، پھر ملا صاحب کے شاگردون نے اس پر شرحین لکھین، اور ان مین فلسفہ کا اور زیادہ اضافہ ہوتا گیا، یہ سب کتابین درس مین داخل ہوتی گئین، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج منطق کی بہت سی کتابین پڑھکر بھی منطق نہین آتی، کیونکہ جس کو منطق سمجھتے ہین، وہ منطق نہین بلکہ فلسفہ ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج دو عالم جو باہم بحث کرتے ہین، تو انکی

اس لئے یہ لوگ اس کے پڑھانے سے عاجز ہین، اور چونکہ اپنی عجز کا تسلیم کرنا کسر شان ہے اسلئے
یہ کہتے پھرتے ہین کہ اس قسم کی کتابون سے کافی استعداد پیدا نہین ہوتی، بہرحال سال
حال مین یہ قطعی فیصلہ کیا گیا کہ جو کچھ ہو جدید نصاب، جاری کردیا جائے، اس کے اجرا کیساتھ
فوراً ایک مدرس صاحب نے استعفا دیا، اور اب اخبارات وغیرہ مین مضامین شایع کئے
جارہے ہین کہ جدید نصاب، درس کے قابل نہین، بے شبہہ اس نئے راستہ کے اختیار کرنے
مین نہایت مشکلات پیش آئین گی، لیکن اگر ندوہ مین اس قدر بھی ہمت اور حوصلہ نہین کہ
وہ ان مشکلات کا مقابلہ کرے، تو اس کو سرے سے اصلاحِ نصاب کا نام لینا نہ چاہئے،
یہ سخت بد دیانتی ہے کہ تمام دنیا مین اصلاحِ نصاب کا غل مچایا جائے، اور ایک ذرہ اصلاح
نہ کیجائے،

ہم نے اسی خیال سے اصلاحِ نصاب کے متعلق، ایک سلسلہ وار مضمون شروع
کیا ہے، جس کا پہلا نمبر آج کے پرچے مین درج ہے،

نصابِ تعلیم

یہ ایک نہایت اہم سوال ہے کہ ہندوستان مین ہمارے علمی تنزل کا اصلی سبب کیا ہے
اس کے مختلف جواب دیئے جاتے ہین،

عام جواب تو یہ ہے کہ تقدیر، لیکن یہ جواب صرف اسی سوال کا نہین، بلکہ دنیا کے
تمام سوالون کا جواب ہے، اور ہم کو ایسے جواب کی ضرورت ہے، جس کو اس سوال سے
بھی کوئی خاص خصوصیت ہو، بعضوں کا خیال ہے کہ انقلابِ سلطنت، لیکن اسلامی سلطنتون
کی نسبت کیا کہا جائیگا، خاص قسطنطنیہ مین کم سے کم بیس ہزار طلبار علوم عربیہ کی تعلیم

پاتے ہین لیکن مدتون سے ایک شخص بھی صاحبِ کمال نہین پیدا ہوا، اور سچ یہ ہے کہ مصر و شام و روم کا علمی معیار ہندوستان سے بھی گھٹا ہوا ہی اس سوال کا صحیح جواب صرف یہ ہے کہ، نصابِ تعلیم کا نقص، اس کی تفصیل آگے آئیگی لیکن تفصیل سے پہلے بعض ظاہر الورود اعتراضات کا ذکر کرنا اور ان کا جواب دینا ضرور ہے،

اس جواب پر عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسی نصاب نے عبد العلی بحر العلوم حمد اللہ محب اللہ بہاری، قاضی مبارک شاہ ولی اللہ، ملا حسن جیسے اشخاص پیدا کئے تھے، اس لئے اگر نصابِ تعلیم کا قصور ہوتا تو اس سے اس درجہ کے کامل الفن کیونکر پیدا ہوتے،

اس اعتراض کا سرسری جواب تو یہ ہے کہ جو نصاب اب ہے وہ ان بزرگون کے زمانہ مین کہان تھا، شرح سلم حمد اللہ، شرح سلم ملا حسن، حاشیہ بحر العلوم، قاضی غلام یحییٰ، ہدیہ سعیدیہ، وغیرہ یہ کتابین اس زمانہ مین کہان تھین لیکن اس اعتراض کا حقیقی جواب یہ ہے کہ کسی چیز کی خرابی کا اثر عموماً ابتدا مین ظاہر نہین ہوتا بلکہ یہ اثر پہلے پیدا ہوتا ہی پھر آہستہ آہستہ بڑھتا ہے، یہان تک کہ بالآخر علانیہ ظاہر ہو جاتا ہے، موجودہ نصاب کی خرابی کا اثر پہلے ہی دن شروع ہو گیا تھا، جس کی بدیہی دلیل یہ ہے کہ جس دن سے یہ نصاب جاری ہوا ٹھیک اسی وقت سے علم کا تنزل شروع ہو گیا، جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے یعنی جس درجہ کے علما اس وقت تھے، ان کے شاگرد ان سے کم درجہ کے نکلے، شاگرد کے شاگرد ان سے بھی کم پھر ان سے بھی کم یہان تک کہ یہ زمانہ آگیا جس مین کمال کا نام و نشان بھی نہ رہا، پہلے طبقون کا تنزل ہم کو اس لئے محسوس نہین ہوتا کہ گو وہ لوگ علم و فضل مین اگلون سے کم تھے، تاہم آج کی حالت کے لحاظ سے نہایت بلند رتبہ تھے، لیکن جب تنزل کی رفتار روز بروز تیز ہوتی گئی اور اب یہ نوبت پہنچی کہ تمام ہندوستان مین اس سرے سے اس سرے

تک ایک بھی صاحب فن نظر نہین آتا تو کون شبہہ کر سکتا ہے، کہ یہ نتیجہ اسی تخم کا ثمرہ ہے جو سو برس پہلے بویا گیا تھا ہم اس دعویٰ کے ثابت کرنے کے لئے امارات و قراین پر اکتفا نہین کرتے، بلکہ قطعی طریقہ سے ثابت کرتے ہین، کہ موجودہ نصاب تعلیم، نہایت ناقص اور ابتر ہے، سب سے پہلے ہم کو چند مقدمات اصول موضوعہ کے طور پر ذہن نشین کر لینے چاہئین اور وہ یہ ہین :-

۱- تعلیم سے مقصود یہ ہے کہ نفس فن حاصل کیا جائے،

۲- ہر فن کے حاصل کرنے کا یہ عمدہ طریقہ ہے کہ اس کے مسائل کو منفرداً، اور بہ استقلال حاصل کیا جائے تاکہ اس فن کی طرف کافی توجہ ہو سکے، بجائے اس کے اگر چند فنون کے مسائل کو مخلوط کر کے حاصل کیا جائے گا، تو کسی فن کی اچھی طرح تکمیل نہ ہو گی،

۳- متعدد علوم و فنون کی تحصیل مین الاقدم فالاقدم کا خیال ضرور ہے یعنی یہ کہ جو فنون مقصود بالذات ہین، ان کے حاصل کرنے مین زیادہ وقت صرف کیا جائے، جو مقصود بالعرض ہین، ان مین کم اسی طرح علوم مقصود بالذات مین بھی بلحاظ اہمیت کے فرق مراتب کرنا چاہئے، یعنی جو علوم زیادہ مہتم بالشان اور ضروری ہین، وہ زیادہ توجہ کے قابل ہین،

۴- ہر علم کی تحصیل مین سب سے مقدم یہ پیش نظر رکھنا چاہئے، کہ اس فن کی جو غایت ہے، وہ حاصل ہو،

مذکورہ بالا اصول کی صحت سے کسی کو انکار نہین ہو سکتا، اب ان اصول کی بنا پر ہم موجودہ نصاب سے بحث کرتے ہین،

۱- موجودہ نصاب مین اکثر کتابین ایسی ہین جنمین نفس مسائل کے علاوہ نہایت کثرت سے لفظی مباحث ہوتے ہین جنکا مدار کسی کتاب کے خاص الفاظ پر ہوتا ہے، یعنی اگر اصل

مسئلہ کو دوسرے الفاظ مین بیان کیا جائے تو وہ تمام مباحث بیکار ہو جائین، مثلاً شمسیہ مین یہ عبارت تھی کہ العلم اما تصور فقط وھو الخ قطبی مین اس کے متعلق ایک بڑی بحث اسی بنا پر چھیڑ دی گئی کہ ھو کی ضمیر تصور کی طرف پھرتی ہے، یا تصور فقط کی طرف، اس بحث مین قطبی اور میر کے کئی صفحے صرف ہو گئے لیکن اگر مصنف ضمیر کے بجائے خود مرجع کو ذکر کر دیتا تو یہ تمام بحثین رائگان جاتین، اس طرح بجائے اس کے کہ اصل مسئلہ پر وقت صرف کیا جائے مصنف کے ایک خاص لفظ، اور اس کے منشار پر بے فائدہ وقت صرف کرنا پڑتا ہے،

نصاب موجودہ کی اکثر کتابون کی یہی حالت ہے، یعنی جس قدر اصل فن کے مسائل ہین ان کے قریب بلکہ ان سے زیادہ یہ فضول لفظی مسائل ہین،

اس موقع پر یہ بات بتا دینا بھی ضروری ہو کہ قدما کے زمانہ مین شرح اور حاشیہ کا طرز نہ تھا، بوعلی سینا کے بعد سے یہ طریقہ پیدا ہوا لیکن اس وقت تک شرح مین بھی مصنف کی خاص عبارت اور الفاظ سے بحث نہین کرتے تھے، بلکہ اصل مسئلہ کی توضیح اور تشریح کرتے تھے اس کے بعد یہ طریقہ پیدا ہوا کہ اصل فن سے چندان غرض نہین رہی بلکہ تمامتر توجہ اس پر صرف ہوتی تھی کہ مصنف کی عبارت کا کیا مطلب ہے؟ کس لفظ سے کیا خاص فائدہ ہے؟ کون سی ضمیر کس طرف پھرتی ہے؟ مصنف کی عبارت کا اورون نے جو مطلب سمجھا ہے غلط ہے، فلان جگہ مصنف نے دفع دخل مقدر کیا ہے، مصنف کی عبارت پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے، وغیرہ وغیرہ، جس وقت سے یہ طریقہ جاری ہوا وہ علمی تنزل کا پہلا دن تھا،

علامہ ابن خلدون نے مقدمۂ تاریخ مین ایک مضمون لکھا ہے، جس کی سرخی یہ ہے فی ان کثرۃ التالیف فی العلوم عایقۃ عن التحصیل، اس مضمون کا ماحصل یہ ہے، چنانچہ

وہ مثلاً فن فقہ کی بہت سی کتابون کا نام لکھکر لکھتے ہین :-

وهی کلها متکررة والمعنی واحد والمتعلم مطالب باستحضار جمیعها وتمییز ما بینها والعمر ینقضی فی واحد منها ولو اقتصر المعلمون بالمتعلمین علی المسائل المذهبیة فقط لکان الامر دون ذلک بکثیر وکان التعلیم سهلا،

یہ تمام عبارتین مکرر ہین، اور مطلب ایک ہے، اور شاگرد پر لازم کیا جاتا ہے کہ وہ تمام عبارتون کو یاد کرے، اور عمر ایک ہی کے محفوظ رکھنے مین صرف ہو جاتی ہے، اس لئے اگر مدرسین صرف مسائل مذہبی پر اکتفا کرتے تو تعلیم نہایت سہل ہوتی اور بہت کم زمانہ صرف ہوتا،

عجیب بات یہ ہے کہ علامہ ابن خلدون کے زمانہ مین بھی وہی حالت تھی، جواب ہے، یعنی باوجود اس طریقے کی خرابی کے لوگ اس کو ترک نہین کر سکتے تھے، کیونکہ یہ طریقہ لوگون کے لئے بجائے طبیعت ثانیہ کے ہو گیا تھا، چنانچہ علامہ موصوف عبارت مذکورہ کے بعد لکھتے ہین

ولکنه داء لا یرتفع لاستقرار العوائد علیه فصارت کالطبیعة،

لیکن یہ ایک مرض بنگیا ہے، جو دفع نہین ہو سکتا، کیونکہ معمول عام ہو جانے کی وجہ سے وہ بجائے طبیعت کے ہو گیا ہی،

۲۔ سب سے بڑی خرابی نصاب موجودہ کی یہ ہے کہ اس مین اکثر ایسی کتابین داخل ہین، جنمین متعدد فن مخلوط ہین، اس خلط مبحث کی وجہ سے طالب العلم کا ذہن پریشان ہوتا ہے، یہان تک کہ اس کو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے کہ وہ کون سا فن حاصل کر رہا ہے، ملا حسن، حمد اللہ، قاضی مبارک، منطق کی کتابین ہین، لیکن ان مین اکثر مباحث الہیات اور مابعد الطبیعہ کے ہین، مثلاً علم باری، جعل بسیط وجعل مرکب، کلی طبعی کا وجود فی الخارج، وجود ذہنی وغیرہ وغیرہ،

ملا جلال فن منطق مین بڑے معرکہ کی کتاب سمجھی جاتی ہی، لیکن جس قدر درس مین ہی اسکا بڑا حصہ دیباچہ کی شرح مین ہے، جو صرف اس خاص عبارت سے متعلق ہی، جو مصنف نے حمد و نعت مین لکھی ہے، ان کتابون کے درس کا جو زمانہ رکھا گیا ہے، اس وقت تک میبذی کے سوا فلسفہ کی اور کوئی کتاب پڑھائی نہین جاتی، اس لئے الٰہیات کے مباحث طالب العلم کو بالکل اجنبی اور سخت نامانوس معلوم ہوتے ہین،

۳- بہت بڑی غلطی یہ ہے کہ جو علوم مقصود بالعرض ہین ان کو مقصود بالذات بنا لیا گیا ہے، اور زمانہ تحصیل کا بڑا حصہ انہین کے حاصل کرنے مین صرف کر دیا جاتا ہے، مثلاً نحو، صرف، منطق مقصود بالعرض ہین، لیکن کتب درسیہ زیادہ تر انہی فنون کے متعلق ہین، منطق کا مقصود یہ ہے کہ فلسفہ مین کام آئے لیکن منطق کی درسی کتابین فلسفہ کے اعتبار سے اضعافاً مضاعفہ ہین، صغریٰ، کبریٰ، میزان منطق تہذیب شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، ملا حسن، ملا جلال، میرزاہد، ملا جلال، حمداللہ، قاضی مبارک، یہ انبار کا انبار منطق مین ہے، اور درس مین داخل ہے لیکن فلسفہ کی صرف تین کتابین درس مین داخل ہین، جن مین سے میبذی پوری پڑھائی جاتی ہے، باقی کے جستہ جستہ مقامات۔

اسی طرح نحو و صرف مین برسون اوقات صرف کیجاتی ہے، اور جو اس کی غرض و غایت ہے یعنی علم ادب اس مین بہت کم زمانہ صرف ہوتا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ سیکڑون ہزارون طلبا مین سے ایک بھی صاحب فن نہین پیدا ہوتا،

علامہ ابن خلدون نے اس خرابی پر نہایت تفصیل سے بحث کی ہے، چنانچہ لکھتے ہین:

واما العلوم التی هی آلة لغیرها مثل	باقی وہ علوم جو دوسرے علمون کا آلہ ہین مثلاً
العربیة والمنطق وامثالها فلا ینبغی	عربیت اور منطق وغیرہ تو ان کو صرف اسی حیثیت

ان ینظر فیہا الا من حیث ھی آلۃ لذلک الغیر فقط ولا یوسع فیہا الکلام ولا تفرع المسائل لان ذلک مخرج لہا عن المقصود . . . .

سے دیکھنا چاہیے، کہ وہ فلان علم کا آلہ ہین، ان مین نہ کلام کو وسعت دینی چاہیے، نہ مسائل کی تفریع کرنی چاہیے، کیونکہ ایسا کرنا اس کو اصل مقصد سے خارج کر دیتا ہے،

فیکون الاشتغال بہذہ العلوم الآلیۃ تضییعا للعمر وشغلا بما لا یعنی وھذا کما فعل المتاخرون فی صناعۃ النحو وصناعۃ المنطق واصول الفقہ لانہم اوسعوا دایرۃ الکلام فیہا . . .

تو ان علوم آلیہ مین مشغول ہونا عمر کا ضایع کرنا ہے، اور لایعنی کام مین مشغول ہونا ہے، جیسا کہ متاخرین نے نحو اور منطق اور اصول فقہ کے متعلق کیا یعنی کلام کے دائرہ کو بہت وسیع کر دیا،

فھی من نوع اللغو وھی ایضا مضرۃ بالمتعلمین علی الاطلاق . . . . .

یہ تو ایک قسم کی لغویت ہے، اور وہ طالب العلمون کو بھی عموماً مضر ہے،

فاذا قطعوا العمر فی تحصیل الوسائل فمتی یظفرون بالمقاصد . . . .

کیونکہ جب وہ وسائل مین عمر ضایع کر دین گے تو اصل مقصد تک کب پہنچین گے،

(الندوہ ج ۱ نمبر ۲ جمادی الثانی سنہ ۱۳۲۲ھ)

فن نحو کی مروجہ کتابین

ابن حاجب نے کافیہ مین مسائل نحویہ کو جس طریقہ سے مدوّن کیا وہ اس قدر مقبول ہوا کہ اس کے بعد جس قدر کتابین اس فن مین لکھی گیئن، گویا اسی کی عکسی تصویرین تھین، ایک مدت کی ممارست اور انس کی وجہ سے اب یہ خیال بھی نہین آتا کہ اس طریقہ مین کوئی نقص ہوگا، لیکن آؤ تقلید کے دائرہ سے نکل کر دیکھین کہ کیا ایسا ہی ہے،

علوم فنون کی تدوین مین عمدگی کا جو معیار قرار دیا جاسکتا ہے، وہ حسب ذیل ہے

۱۔ مسائل کی ترتیب اصول عقلی کے بنا پر ہو،

۲۔ جو اصطلاحات قائم کئے جائین ان کے لغوی اور مصطلح معنی مین نمایان تناسب ہو، تاکہ لغوی معنی سے اصطلاحی معنی کی طرف خیال جلد منتقل ہوسکے،

۳۔ قواعد کلیہ کی تعداد اس قدر کم ہو کہ اس سے کم نہ ہو سکتی ہو،

سب سے پہلے ہم اس پر بحث کرتے ہین کہ موجودہ ترتیب کہان تک اصول عقلی پر مبنی ہے، اس کے لئے پہلے ہم کو نحو کی حقیقت اور ماہیت پر غور کرنا چاہئے،

نحو کی تعریف متاخرین نے یہ کی ہے، علم باصول یعرف بھا احوال اواخر الکلم لیکن اگر نحو کی یہی حقیقت ہے، تو جن زبانون مین اعراب نہین ہے، ان کے لئے نحو کا فن بالکل بیکار ہوگا، کیونکہ اس تعریف کی رو سے نحو کا یہ مقصد ہے کہ الفاظ کا اعراب معلوم کیا جائے اس لئے جن زبانون مین سرے سے اعراب نہین، مثلاً موجودہ فارسی

یا اہل زبان کی عربی جس مین تمام الفاظ ساکن الاواخر ہوتے ہین، اور عوامل کے آنے سے ان مین کوئی تغیر نہین پیدا ہوتا، وہ نحو کے دائرہ سے باہر ہونگی،

حقیقت یہ ہے کہ ہر زبان مین ادائے مطلب کے لئے الفاظ کی ترتیب کا خاص طریقہ ہے، یہ طریقے بعض مشترک ہوتے ہین بعض اور کسی دوسری زبان مین بھی پائے جاتے ہین، اور بعض غیر مشترک جو خاص ایک ہی زبان کے ساتھ مخصوص ہین، انھین طریقون کے جزئیات کا نام نحو ہے اور نحو کی تدوین کے یہ معنی ہین کہ ان تمام جزئیات کا استقصا کر کے ان کو کلیات کے تحت مین لایا جائے،

علامہ ابن خلدون نے نحو کی تعریف ان جامع الفاظ مین کی ہے، بتبیین اصول المقاصد بالدلالۃ اس تعریف سے ثابت ہوگا کہ نحو کا اصلی مقصد ادائے معانی سے متعلق ہے یعنی جب ہم ایک مطلب ادا کرنا چاہین تو ہم کو فاعل، مفعول، متعلقات فعل وغیرہ کو کس ترتیب سے لانا چاہیے، باقی یہ امر کہ الفاظ پر ان تراکیب کا کیا اثر پڑتا ہے، اور اواخر حروف کو کس حالت مین کون سا اعراب ہوتا ہے، یہ ایک ضمنی مسئلہ ہے، البتہ چونکہ نحو کی تدوین اصل مین علمائے عجم نے کی، اور ان کے لئے اعراب کی صحت بھی ایک امر اہم تھی اس لئے رفتہ رفتہ اعراب کی حیثیت اس قدر اہم ہوگئی کہ متاخرین نے اس کو عین نحو سمجھ لیا،

جب یہ امر ثابت ہوگیا کہ نحو کا اصلی تعلق الفاظ کی ترتیب، اور تقدیم و تاخیر سے ہے، تو نحو کی ترتیب یہ ہونی چاہئے کہ کلام کے جو اجزا سب سے مقدم ہین، ان کا حال پہلے بیان کیا جائے، پھر ان سے کم درجہ کے اجزاء کا حال، پھر ان سے کم کا، اس لحاظ سے پہلے مسند الیہ کا حال بیان کرنا چاہیے، پھر مسند کا، پھر متعلقات کا، پھر توابع کا، اس بنا پر، مبتدا، فاعل، حروف مشبہ کے اسماء، افعال ناقصہ کی خبر، و امثال ہذہ کا حال ایک عنوان کے نیچے لکھنا

چاہیئے، لیکن متاخرین نے اس معنوی حیثیت کو چھوڑ کر، صرف اعراب کا لحاظ رکھا، اور مرفوعات، منصوبات اور مجرورات کے لحاظ سے ترتیب قایم کی، اس اعراب پرستی کی وجہ سے بہت سے مسائل کی حیثیت بدل گئی، اور ان کے موقع ترتیب مین فرق آگیا چنانچہ ہم چند مثالین ذیل مین درج کرتے ہین :۔

۱۔ مفعول لہ معنی کے لحاظ سے مجرور باللام ہے: ضربتہ تادیباً اور ضربتہ للتادیب مین معناً کسی طرح کا فرق نہین، لیکن صرف اس وجہ سے کہ اس کو فتحہ ہوتا ہی، اس کے لئے زبردستی ایک نیا نام ایجاد کیا گیا، اور اس کو مفعول کے اقسام مین شمار کیا گیا،

یہی کیفیت مفعول معہ کی ہے، خوب غور سے دیکھو معنی کے اعتبار سے مفعول معہ اور معطوف بالکل ایک ہین، صرف اعراب کی بنا پر اس کو مفعول کا لقب دیا گیا، حالانکہ یہ نہایت آسان بات تھی کہ اس کو واو عاطفہ کے تحت مین بیان کیا جاتا، اور اس قدر اضافہ کر دیا جاتا کہ بعض موقعون پر معطوف کو فتحہ ہوتا ہے، اس کے ساتھ مفعول معہ کے خصوصیات بیان کر دیے جاتے،

۲۔ حروف مشبہ کی اسماء مسند الیہ ہین اور اس لحاظ سے ان کو فاعل اور مبتدا کیساتھ بیان کرنا چاہیئے، لیکن اعراب کے لحاظ سے وہ منصوبات مین داخل کیے گئے، اس قسم کی اور بہت سی مثالین ہین،

ایک بڑا نقص موجودہ نحو مین یہ ہے کہ کلمات کے بہت سے اقسام اور اصطلاحات بے فائدہ بنائے گئے ہین، چنانچہ ہم چند مثالین درج ذیل کرتے ہین :۔

۱۔ مفعول مالم یسم فاعلہ کو ایک خاص اصطلاح قرار دینا اور اس کے مسائل جداگانہ لکھنا محض بیکار ہے، مفعول مالم یسم فاعلہ کوئی الگ چیز نہین، بلکہ فعل مجہول کے فاعل

کا نام ہے، فاعل کے لئے یہ ضرور نہین کہ اس سے فعل کا ارتکاب ہوا ہو، بلکہ اصطلاحِ نحو مین فاعل کے لئے صرف اس قدر کافی ہے کہ وہ فعل یا شبہ فعل کا مسند الیہ ہو، یہ ظاہر ہے کہ ضُرِبَ زَیدٌ مین مضروبیت کی اسناد زید کی طرف ہے، اس بناء پر وہ بھی اسی طرح فاعل ہے، جس طرح "ضرب زیدٌ" مین زید،

۲- افعال ناقصہ کو تمام افعال سے جداگانہ قرار دینا اور اس کے معمول کے لئے بالکل ایک نئی اصطلاح اسم و خبر کے نام سے قایم کرنا محض لغو ہے، یہ غلطی اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ افعال ناقصہ کو فعل لازم سمجھا ہے، حالانکہ وہ درحقیقت متعدی ہین، چنانچہ اس کا بیان آگے آئیگا،

۳- افعال مقاربت کی جداگانہ اصطلاح قایم کرنا بے فائدہ ہی، افعالِ مقاربت مین جس چیز کو اسم کہتے ہین، وہ درحقیقت فاعل ہے، اور جس کو خبر کہتے ہین وہ مفعول ہے، ان افعال مین بھی فعل تنہا فاعل پر تمام نہین ہوتا، بلکہ ایک اور چیز کا محتاج رہتا ہے، اور وہی مفعول ہی،

۴- اسی طرح افعال مدح و ذم کی اصطلاح کی بھی ضرورت نہین نعم الرجل زید مین الرجل فاعل ہے اور زید بدل اور یہ معمولی ترکیب ہی،

متعدی کی تعریف کافیہ وغیرہ مین یہ کی ہی، ما یتوقف فہمہ علی متعلق اس بنا پر افعال ناقصہ عموماً متعدی ہین کیونکہ انکا مفہوم تنہا فاعل سے سمجھ مین نہین آتا، علامہ رضی نے تصریح کی ہی کہ اس تعریف کی بنا پر قرب وغیرہ متعدی ہین، چنانچہ لازم و متعدی کی بحث مین لکھتے ہین، وعلی ما حد ینبغی ان یکون نحو قرب وبعد وخرج ودخل متعدیا اذ لا یفہم معانیہا الا بمتعلق اس بنا پر افعال ناقصہ کے اسم و خبر درحقیقت فاعل اور مفعول ہین،

(الندوہ ج ۱ نمبر ۶ شوال ۱۳۲۲ھ)

تعلیم قدیم و جدید

کیا ان مین سے کوئی غیر ضروری ہے ؟ کیا ان دونون مین تعارض ہے ؟ کیا ان مین
کسی اصلاح کی ضرورت ہے ؟ دونون مل کر کیونکر کام کر سکتے ہین ؟

اگرچہ یہ سوالات قومی مسئلہ کے متعلق اہم اور ضروری سوالات ہین لیکن قوم نے کبھی ان سوالات پر مستقل حیثیت سے بحث نہین کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت جو دنیوی اور دینی درسگاہین یا انجمنین ملک مین قایم ہین ان کو جو کامیابی اس وقت حاصل ہے، وہ اسپر قانع تھین، اس لئے ان مسائل کے حل کرنے کی ان کو ضرورت معلوم نہین ہوئی، مثلاً اسلامی کالجون مین سیکڑون ہزارون بچے تعلیم پاتے ہین، ہر سال سیکڑون ایم اے اور بی اے ہو کر نکلتے ہین، سیکڑون فارغ شدہ طلبہ نے معقول نوکریان حاصل کین، سیکڑون وکالت کر رہے ہین، سیکڑون اپرنٹس اور امیدوار ہین، ان باتون کے ہوتے ان کو اس بات کی کیا ضرورت ہے، کہ وہ قدیم تعلیم کی ضرورت اور اس کے نتایج اور ترمیم و اصلاح کا سودا مول لین،

کار دنیا کسے تمام نہ کرد
ہرچہ گیرید مختصر گیرید

اس کے مقابلہ مین عربی مدارس دیکھ رہے ہین کہ ان کے تعلیم یافتہ مساجد مین

پھیلے ہوے ہین، ہزارون مولوی تیار ہوگئے ہین، ہر ہر ضلع مین عربی کے چھوٹے چھوٹے مدرسے قائم ہوتے جاتے ہین، ہر جگہ واعظون کی مانگ ہے، ان باتون کے ساتھ انکو کیا غرض ہے کہ وہ جدید تعلیم کی ضرورت اور نتائج پر غور کرنے کی زحمت اٹھائین،

لیکن اب اس سکوت مین کچھ جنبش پیدا ہو چلی ہے، کیونکہ اب ہر گروہ جس قسم کی تعلیم کا حامی ہے، چاہتا ہے کہ تمام ملک مین وہی تعلیم پھیل جائے، اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ دونون گروہون مین تقابل مسابقت اور محاسدہ پیدا ہو، چنانچہ ایسا ہوا، صرف یہ امتیاز باقی رہا کہ پست حوصلہ لوگون نے علانیہ اپنے حریف مدارس اور انجمنون کی برائی شروع کی، اور تہذیب حضرات نے دل آزاری اور بدگوئی سے احتراز کیا،

اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کے چھ کروڑ مسلمانون سے دونون کو بہ قدر کافی اپنے کام کے لئے مدد مل سکتی ہے، لیکن واقعی اب اس کا وقت آگیا ہے کہ تمام قوم ملکر ایک وسیع خاکہ تیار کرے جسمین تمام درسگاہون اور انجمنون کی نسبت طے کر دیا جائے کہ کون کون ضروری ہین ؟ کس حد تک ضروری ہین ؟ اور مجوزہ نقشہ مین ہر ایک کی جگہ کہان ہے ؟ تاکہ جو کام ہو رہے ہین، سب مل کر ایک کام بنجائین، اور ایک کام دوسرے کام مین خلل انداز نہ ہونے پائے، ورنہ دو طرفہ کشمکش مین ہزارون لاکھون مسلمان فیصلہ نہ کرسکین گے کہ وہ کس رخ اور کدھر جائین،

اس غرض سے سوالات ذیل پر نظر ڈالنی چاہئے،

جدید تعلیم ضروری ہے یا نہین ؟

قدیم تعلیم ضروری ہے یا نہین ؟

دونون مین اصلاح کی ضرورت ہے، یا نہین ؟

تعلیم قدیم و جدید

کیا ان مین سے کوئی غیر ضروری ہے؟ کیا ان دونون مین تعارض ہے؟ کیا ان مین
کسی اصلاح کی ضرورت ہے؟ دونون مل کر کیونکر کام کر سکتے ہین؟

اگرچہ یہ سوالات قومی مسئلہ کے متعلق اہم اور ضروری سوالات ہین لیکن قوم نے کبھی ان سوالات پر مستقل حیثیت سے بحث نہین کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت جو دنیوی اور دینی درسگاہین یا انجمنین ملک مین قایم ہین ان کو جو کامیابی اس وقت حاصل ہے، وہ اسپر قانع تھین، اس لئے ان مسائل کے حل کرنے کی ان کو ضرورت معلوم نہین ہوئی، مثلاً اسلامی کالجون مین سیکڑون ہزارون بچے تعلیم پاتے ہین، ہر سال سیکڑون ایم اے اور بی اے ہوکر نکلتے ہین، سیکڑون فارغ شدہ طلبہ نے معقول نوکریان حاصل کین، سیکڑون وکالت کر رہے ہین، سیکڑون اپرنٹس اور امیدوار ہین، ان باتون کے ہوتے ان کو اس بات کی کیا ضرورت ہے، کہ وہ قدیم تعلیم کی ضرورت اور اس کے نتائج اور ترمیم و اصلاح کا سودا مول لین،

کار دنیا کسے تمام نہ کرد
ہرچہ گیرید مختصر گیرید

اس کے مقابلہ مین عربی مدارس دیکھ رہے ہین کہ ان کے تعلیم یافتہ مساجد مین

ہین، اس لئے انکو علانیہ نظر آتا ہی کہ اصلاح کی ضرورت نہین، تاہم جدید گروہ بہ آسانی اپنے خلاف نکتہ چینی سننے پر آمادہ ہوسکتا ہی، اس لئے پہلے ہم انھین سے خطاب کرتے ہین،

اس قدر مسلم ہونے کے بعد کہ تعلیم جدید کے ساتھ کسی قدر مذہبی تعلیم ضروری ہی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ اس ضرورت کی مقدار کیا ہے ؟ اور اس کا کیا طریقہ ہے ؟

یہ ظاہر ہے کہ انگریزی تعلیم یافتہ لوگون سے ہمکو مذہبی خدمات یعنی امامت، وعظ، افتا کا کام لینا نہین ہے، بلکہ غرض یہ ہے کہ وہ خود بہ قدر ضرورت مسائل اسلام اور تاریخ اسلام سے واقف ہون، اس کیلیئے صرف ایک مختصر اور جامع ومانع سلسلۂ کتب دینیات کی ضرورت ہے، جسمین سلسلہ بسلسلہ اسکول سے کالج کلاسون تک کے قابل کتابین ہون، اس سلسلہ مین تین قسم کی کتابین ہونی چاہئین، فقہ، عقائد، تاریخ اسلام، فقہ اور تاریخ کے متعلق مصر مین عمدہ کتابین تیار ہوگئی ہین، ان کا ترجمہ کافی ہوگا، عقائد کی نسبت البتہ مشکل ہے، کیونکہ ہندوستان مین جو کتابین آجکل لکھی گئی ہین، ان پر ابھی تمام لوگون کا اتفاق نہین ہوسکتا، اور مصر وغیرہ کی جدید تصانیف ناکافی اور ناقابل درس ہین، اس لئے یہ بہتر ہوگا کہ اسکول کلاسون مین صرف فقہ، اور تاریخ اسلام اور سادہ عقائد کی تعلیم ہو، اور کالج کلاسون مین امام غزالی اور ابن رشد اور شاہ ولی اللہ صاحب کی چیدہ تصنیفات خود عربی ہی زبان مین پڑھائی جائین، اور ان سب کی مجموعی ضخامت سو دو سو صفحون سے زیادہ نہ ہو،

لیکن نہایت مقدم امر یہ ہے کہ کالجون مین صرف کتابی تعلیم سے مذہبی اثر نہین پیدا ہوسکتا، بلکہ اس بات کی ضرورت ہے کہ طلبہ کے چارون طرف، مذہبی عظمت کی تصویر نظر آئے، دینیات کے نتائج امتحان کو انگریزی تعلیم کے نتائج کی طرح لازمی قرار دیا جائے، مذہبی علما بیش قرار مشاہرہ کے مقرر کئے جائین، وعظ کے موقعون پر اکثر ارکان کالج تا

ارکان شریک ہون، مذہبی پابندی کی بنا پر طلبہ کی خاص تو قیر او رتحسین کیجائے، اور سب سے مقدم یہ کہ دو چار طلبہ کو گران بہا وظائف دیکر ڈگری حاصل کرنے کے بعد مذہبی اعلیٰ درجہ کی تعلیم دلائی جائے،

یہ امر اگرچہ بدیہی ہے کہ قدیم تعلیم یافتہ [illegible] ضرورت ہے، لیکن افسوس ہے کہ بڑے بڑے مقدس علما اب تک اس [illegible] کے قائل نہین، اس لئے ہم ان سے سوالات ذیل کے جواب چاہتے ہین،

(۱) یورپ کے مصنفین، مذہب پر جو حملے کر رہے ہین [illegible] واقف ہونے کی ضرورت ہے یا نہین ؟

۲- اگر علما خود ان خیالات سے واقف نہ ہون گے تو کیا انگریزی خوان مسلمانون مین ان خیالات کا شایع ہونا کوئی روک سکتا ہے ؟

۳- مذہب پر عموماً اور مذہب اسلام پر جو اعتراضات یورپ کے لوگ کر رہے ہین، انکا جواب دینا کس کا فرض ہے ؟

۴- علما جب تک ان خیالات سے واقف نہ ہون گے، جواب کیونکر دے سکین گے ؟

۵- کیا علماے سلف نے یونانیون کا فلسفہ نہین سیکھا تھا، اور ان کے اعتراضات کے جواب نہین دیئے تھے ؟

۶- اگر اس وقت اس زمانے کے فلسفہ کا سیکھنا جائز تھا تو اب کیون جائز نہین ؟

ان سوالات کا اگرچہ خود بخود یہ جواب ہو گا کہ تعلیم قدیم کے ساتھ جدید خیالات سے واقف ہونے اور انگریزی زبان اور انگریزی علوم پڑھنے کی ضرورت ہے، لیکن باینہمہ اس بات کی ضرورت نہین کہ ہم ان علما کو جو کسی قسم کی اصلاح کی ضرورت نہین خیال

کرتے اصلاح پر مجبور کرین، اس کی وجہ ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنا ضروری سمجھتے ہین،

مذہبی کامون کا دائرہ بہت وسیع ہے، مثلاً دیہات کے جاہل مسلمانون مین احکام اسلام کا پھیلانا اتنا بڑا وسیع کام ہے جس کے لئے سیکڑون ہزارون مولویون اور واعظون کی ضرورت ہے، اسی طرح مساجد کی امامت اور فتویٰ وغیرہ بہت سے کام ہین جو محض خالص قدیم تعلیم یافتہ حضرات انجام دیسکتے ہین، اس لئے تقسیم عمل کی رو سے یہ کام اس گروہ کے ہاتھ مین دیدینے چاہئین اور ہر طرح پران کی تائید واعانت اور احترام کرنا چاہئے، اس نقطۂ خیال کو اگر پیش نظر رکھا جائے، تو جو لوگ قدیم عربی مدارس کو بیکار بتاتے ہین، وہ بھی تسلیم کرلین گے کہ دنیا مین کوئی چیز بیکار نہین ہے، صرف ہم کو ان کا استعمال صحیح طور سے کرنا چاہئے، صحابہ مین حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بھی تھے جو لاکھون روپئے کے مالک تھے، اور حضرت ابوذرؓ بھی تھے جن کا قول تھا کہ صاحب المال کافر (جس کے پاس روپیہ ہو وہ کافر ہے) یا [illegible] اسلام کو دونون کی ذات سے نفع پہنچتا تھا، کیونکہ دونون سے مختلف کام لئے جاتے تھے، لیکن [illegible] قسم کے قدیم [illegible] حضرات اس قسم کی تربیت پر اصرار کرنا چاہئے جس سے تعصب، سخت دلی، تنگ خیالی نہ پیدا ہو جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ پرانے مولوی اور جدید تعلیمیافتہ ایک صحبت مین بسر نہین کرسکتے، اور ہر موقع پر دونون دو حریف کی صورت مین نظر آتے ہین، ان لوگون کو دربار نبوی کا نمونہ پیش نظر رکھنا چاہئے جہان کافرون اور منافقون تک کو بار ملتا تھا، اور ان کی بھی خاطرداری کیجاتی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے، تو ان کو حکم ہوا کہ فقولا لہ قولا لینا یعنی فرعون سے نرمی سے بات کرنا،

دونون گروہ اب قوم کے ضروری اجزا ہین، اس لئے دونون کو آپس مین دست و بازو ہو کر کام کرنا چاہئے،

لیکن علما کے جس گروہ نے جدید ضرورتون کا اندازہ کیا ہے، اور اس کے موافق مذہبی تعلیم مین اصلاح و اضافہ کرنا چاہتے ہین، وہ ان اصول کے سوا اور کیا اختیار کر سکتے ہین جو ندوہ نے اختیار کیا ہے، اور جو عملی صورت مین ظاہر ہو رہا ہے،

اگر قوم ان واقعات کو پیشِ نظر رکھے، تو آج کل قوم کی کوششون کی پراگندگی کا جو عام مرض ہے، وہ اٹھ جائے، اور لوگ اطمینان اور سکون اور بے تعصبی کے ساتھ اپنی اپنی حدود مین محدود رہکر اپنے کامون کو انجام دین،

(الندوہ ج ۷، نمبر ۹)

ستمبر ۱۹۱۰ء

ہوا کا رُخ دُوسری طرف

مشرقی کانفرنس

ندوۃ العلما کے متعلق ایک فریق وہ ہے، جس کی منفصلہ رائے یہ ہے کہ یہ ایک بے معنی بلکہ مضر کام ہے، لیکن جو لوگ اس کو اصولاً مفید بھی سمجھتے تھے، وہ بھی ہمیشہ مجھ سے کہتے تھے کہ ہوا کا رخ دوسری طرف ہے اس لئے ندوہ کامیاب نہین ہو سکتا،

میرا اصول عمل یہ ہے کہ اگر ایک کام قوم اور مذہب کے لئے ضروری ہے، تو ہمارا فرض اس کے لئے کوشش کرنا ہے، کامیابی یا ناکامیابی سے ہم کو بحث نہین، ہم ان لوگون مین ہین جن کا قومی نعرہ یہ تھا،

اذا ھم القی بین عینیہ عزمہ ونکب عن ذکر العواقب جانبا

جب قصد کرتا ہو تو اپنے عزم کو آنکھوں کے سامنے رکھ لیتا ہے اور اس سے کچھ بحث نہین کرتا کہ انجام کیا ہوگا؟

سمندر مین جب کوئی کشتی شکستہ ڈوبنے لگتا ہے تو اس کو نظر آتا ہو کہ کوسون تک کنارہ کا پتہ نہین کوئی سہارا نہین، اس کی شناوری، سمندر کے عرض و طول کا مقابلہ نہین کر سکتی، تاہم کیا وہ دیدہ و دانستہ ہاتھ پاؤن مارنا چھوڑ دیتا ہے، اور قصداً ڈوب جاتا ہے؟

ہمارا اسی قدر فرض ہے، فرض کا ادا کرنا ہی کامیابی ہے کسی اور کامیابی کی ہم کو ضرورت نہین لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ہمیشہ ہاتفِ غیب کی دھیمی اور آہستہ آواز بھی میرے کانون مین آیا کرتی تھی کہ ممکن ہے کہ خود ہوا کا رخ بدل جائے، مشرقی کانفرنس اسی خواب کی تعبیر ہے،

مشرقی تعلیم کی تحریکین اس سے پہلے بھی ہوئین، ڈاکٹر لائیٹنر کی سرگرم کوششون سے پنجاب مین تعلیم مشرقی کی ایک شاخ یونیورسٹی مین قائم ہوئی، الہ آباد یونیورسٹی مین ملا و فاضل کے امتحانات اسی خیال کے ناتمام خاکے ہین، سرسید مرحوم نے ہمیشہ ان کوششون کی سخت مخالفت کی، پنجاب یونیورسٹی پر ان کے تین پرزور آرٹکل، قلعہ شکن توپین تھین جنکے صدمہ نے مشرقی تعلیم کو چکنا چور کر دیا، الہ آباد یونیورسٹی جب بن رہی تھی، اور بظاہر نظر آتا تھا کہ اس مین بھی مشرقی تعلیم کی شاخ کھولی جائیگی، تو سرسید نے متعدد آرٹکل اس زور کے لکھے کہ اس تجویز کے پرخچے اڑ گئے، سرسید کی مخالفت اس پر مبنی تھی، کہ وہ سمجھتے تھے کہ مشرقی تعلیم کی یہ کوشش، مغربی تعلیم کی ترقی کو روک دیگی، جو ملک کے لئے نہایت ضرررسان کام ہے،

اس مین ایک ذرہ شبہہ نہین کہ اگر ہم کو یقین ہو کہ مشرقی تعلیم کی کسی تجویز سے، مغربی تعلیم مین ذرہ بھر بھی کمی ہوگی تو ہمارا فرض ہے کہ اس تجویز سے علانیہ نفرت کا اظہار کر دین،

مسلمان، اس وقت، "کشمکش زندگی" کے میدان مین ہین، ان کی ہمسایہ قومین مغربی تعلیم ہی کی بدولت ان سے اس میدان مین بڑھ رہی ہین، اگر خدانخواستہ مسلمان مغربی تعلیم کی کوشش مین ذرا بھی پیچھے رہجائین، تو ان کی ملکی اور قومی زندگی، دفعتہً

برباد ہوجائے گی،

لیکن اب وہ حالت نہین ہے، مسلمانون نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے، کہ ان کی دنیوی ترقی صرف اس بات پر موقوف ہے کہ ان کا ایک ایک بچہ انگریزی مین تعلیم یافتہ ہوجائے لیکن باوجود اس کے یہ ممکن ہے کہ قدیم تعلیم کے لئے بھی جگہ نکل سکے، ترقی یافتہ قومون کی مثال ہمارے سامنے موجود ہے، یورپ سب کچھ کر رہا ہے، تاہم ان مین ایک وسیع گروہ موجود ہے جو اپنی مذہبی تعلیم اور مذہبی لٹریچر کا محافظ ہے، خود ہماری ہمسایہ قومون کا کیا حال ہے، آریہ انگریزی تعلیم مین اس تیزی سے ترقی کر رہے ہین کہ مسلمان ان کی گرد کو بھی نہین پہنچتے، تاہم وہ گروکل بھی قائم کر رہے ہین، جو سنسکرت کی تعلیم کے لئے مخصوص ہے، اور جس کا مقصد صرف اپنے مذہب اور اپنے لٹریچر کی اشاعت ہے اس گروکل مین جو لڑکے داخل ہوتے ہین، ان سے عہد لیا جاتا ہے کہ دنیا کا کوئی کام نہین کرینگے، ۲۴ برس کی عمر تک ان کو تعلیم دیجاتی ہے، ان کو نہایت سادی اور خشک غذا دیجاتی ہے، سونے کو لکڑی کا تختہ ملتا ہے، اپنے ہاتھ سے سب کام کرنا پڑتا ہے، اس جفاکشی اور دنیاوی بے تعلقی کے ساتھ تین سو دولتمندون نے اپنے بچے اس مین بھیجدیئے ہین اور للعہ ۲۴ ماہوار ایک ایک بچہ کا خرچ دیتے ہین، ہر سال اس مدرسہ کے لئے لاکھون کا چندہ جمع ہوجاتا ہے اور اس کی شاخین جابجا قائم ہوتی جاتی ہین،

کیا اس مدرسہ نے آریون مین انگریزی تعلیم کو کم کر دیا ہے؟ کیا انگریزی تعلیم پر کوئی برا اثر ڈالا ہے؟ بلکہ سچ یہ ہے کہ اس کے تعلیم یافتہ مدرسہ سے نکل کر تمام قوم مین انگریزی تعلیم اور دنیاوی ترقی کی روح پھونک دین گے، تیرانداز اپنی جگہ پر رہتا ہے لیکن تیر کوسون نکل جاتا ہے، رجز خوان خود نہین لڑتے لیکن ہزارون لڑنے والے

پیدا کر دیتے ہین،

غرض، اگر یورپ کو بہ این دنیا طلبی، پادریون کی حاجت ہے، اگر آریون کو بہ این انگریزی خوانی گروکل کی ضرورت ہے، تو مسلمانون کو بھی عربی تعلیم اور مذہبی تعلیم کی ضرورت ہے، اور یہ ضرورت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک مسلمانون کی قوم کا باقی رہنا ضرور ہے،

انھین اسباب سے باوجود تمام مخالفتون کے ندوہ قائم ہوا، اور باوجود تمام مزاحمتون کے اس نے اپنا وجود قائم رکھا، یہ سوال پہلے ہی دن پیدا ہوا کہ ندوہ کے تعلیم یافتہ کیا کھائین گے؟ اس کا جواب آسان تو یہ تھا کہ اب تک عام مولوی کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی بسر کر رہے ہین، اور علم الاعداد سے نظر آتا ہے کہ عربی مدرسون کی تعداد گھٹتی نہین بلکہ بڑھتی جاتی ہے، جب ہم اس کو روک نہین سکتے، تو اس مین کیا ہرج ہے کہ اس گروہ کو زیادہ بکار آمد بنا دیا جائے،

لیکن اس کا اصلی اور صحیح جواب یہ ہے کہ مسلمان بہت جلد اس بات کا احساس کرینگے کہ ان کو اپنی قومیت اور مذہب کے بقا کے لئے مشنری (یعنی مبلغین اسلام) قایم کرنے کی ضرورت ہے، یورپ اس قدر دنیوی تعلیم مین منہمک ہے، تاہم صرف لندن مین، مشنری پر ڈو کرور روپیہ سالانہ خرچ کر رہا ہے، جب اسلامی مشنری قائم ہوگی، تو اس کے موزون اور صحیح کارکن صرف ندوہ مہیا کر سکے گا،

لیکن چونکہ ابھی تک اسلامی مشنری کا باقاعدہ طریقہ نہین قائم ہوا اس لئے اس سوال کے جواب دینے کے لئے اور اور پہلوون پر بھی نظر پڑتی تھی، انھین مین ایک یہ بھی تھا، کہ ندوہ کے تعلیم یافتہ، کیا گورنمنٹ کے بھی کچھ کام آسکتے ہین،

گورنمنٹ کی تعلیمی پالیسی اتک یہ تھی کہ وہ مذہبی تعلیم سے بالکل الگ تھی، اور مشرقی تعلیم بھی اس مین محض برائے نام تھی، لیکن ملک کی عام رائے یہ تھی کہ مذہبی تعلیم کے بغیر اخلاق اور تربیت کا شیرازہ قائم نہین رہ سکتا، اس کے ساتھ یہ بھی خیال تھا کہ عربی اور سنسکرت زبانون کی اعلیٰ تعلیم بھی سلسلۂ تعلیم کا ایک ضروری حصہ ہے، یہ کہنا مشکل ہے کہ گورنمنٹ نے بھی مذہبی تعلیم کی ضرورت کا احساس کیا یا نہین، لیکن یہ صاف نظر آتا ہو کہ گورنمنٹ نے اس بات کو ضروری خیال کیا کہ مشرقی تعلیم کو قدر وعزت کی نگاہ سے دیکھا جائے، حال مین گورنمنٹ نے جو مشرقی کانفرنس شملہ مین قائم کی، اس کے مقاصد مین سے بعض مقاصد یہ تھے :۔

(۱) مشرقی ومغربی تعلیم مین اتحاد پیدا کرنا،

(۲) علم الآثار (ارکیالوجی) کی تعلیم دینا، اور جدید طریقۂ تحقیقات آثار قدیمہ سے واقف کرنا،

(۳) اعلیٰ طریقہ پر قدیم وقلمی کتبخانون کی فہرست سازی (کٹیلوگنگ) کی تعلیم دینا،

(۴) اعلیٰ مشرقی تعلیم کے لئے بیش قرار وظائف مقرر کرنا،

(۵) دیسی زبانون کو ترقی دینا، اور ان کے لئے امتحانات قائم کرنا،

(۶) علمی مشرقی تعلیم یافتون کے لئے کالجون مین پروفیسری، مدرسون مین ٹیچری، عجائب خانون مین تحقیقات آثار قدیمہ، اور قدیم کتب خانون مین ترتیب فہرست کیلئے عہدے قائم کرنا،

(۷) کلکتہ کی مشرقی درسگاہون کو متفق ومتحد کرنا،

(۸) افسرون کی زبان دانی کا امتحان لینا،

(۹) کلکتہ مین اغراض بالا کے لئے ایک عظیم الشان مشرقی درسگاہ قائم کرنا،

پیدا کر دیتے ہین،

غرض، اگر یورپ کو باین دنیا طلبی، پادریون کی حاجت ہے، اگر آریون کو باین انگریزی خوانی گرو کل کی ضرورت ہے، تو مسلمانون کو بھی عربی تعلیم اور مذہبی تعلیم کی ضرورت ہے، اور یہ ضرورت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک مسلمانون کی قوم کا باقی رہنا ضرور ہے،

انھین اسباب سے باوجود تمام مخالفتون کے ندوہ قائم ہوا، اور باوجود تمام مزاحمتون کے اس نے اپنا وجود قائم رکھا، یہ سوال پہلے ہی دن پیدا ہوا کہ ندوہ کے تعلیم یافتہ کیا کھائین گے؟ اس کا جواب آسان تو یہ تھا کہ اب تک عام مولوی کسی نہ کسی طرح اپنی زندگی بسر کر رہے ہین، اور علم الاعداد سے نظر آتا ہے کہ عربی مدرسون کی تعداد گھٹتی نہین بلکہ بڑھتی جاتی ہے، جب ہم اس کو روک نہین سکتے، تو اس مین کیا ہرج ہے کہ اس گروہ کو زیادہ بکار آمد بنا دیا جائے،

لیکن اس کا اصلی اور صحیح جواب یہ ہے کہ مسلمان بہت جلد اس بات کا احساس کرین گے کہ ان کو اپنی قومیت اور مذہب کے بقا کے لئے مشنری (یعنی مبلغین اسلام) قایم کرنے کی ضرورت ہے، یورپ اس قدر دنیوی تعلیم مین منہمک ہے، تاہم صرف لندن مین، مشنری پر ڈو کرور روپیہ سالانہ خرچ کر رہا ہے، جب اسلامی مشنری قائم ہوگی، تو اس کے موزون اور صحیح کارکن صرف ندوہ مہیا کر سکے گا،

لیکن چونکہ ابھی تک اسلامی مشنری کا باقاعدہ طریقہ نہین قائم ہوا اس لئے اس سوال کے جواب دینے کے لئے اور اور پہلوون پر بھی نظر پڑتی تھی، انھین مین ایک یہ بھی تھا، کہ ندوہ کے تعلیم یافتہ، کیا گورنمنٹ کے بھی کچھ کام آسکتے ہین،

کے عربی علوم کی تحصیل مین مشغول تھا، اب کسی قدر ذریعۂ معاش حاصل ہونے کی صورت مین امید ہے کہ اپنا کام زیادہ مستعدی اور زیادہ وسعت حوصلہ سے انجام دے، ہم لوگ اگر عربی علوم اور مذہبی علوم کے جان دادہ اور جان نثار ہین، تو اس قدر معاوضہ ہمارے لئے بالکل کافی ہے، اور کوئی غیر گورنمنٹ اس سے زیادہ اور کیا کر سکتی ہے،

(الندوہ، جلد ۸ نمبر ۸)
اگست ۱۹۱۱ء
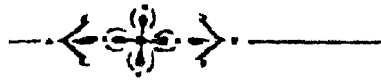
ریاست حیدرآباد
کی
مشرقی یونیورسٹی

معلوم نہین مسلمانون مین کون سی مبارک ساعت مین تقلید کی بنیاد پڑی تھی کہ زمانے کے سیکڑون ہزارون انقلابات کے ساتھ بھی اس کی بندشین اب تک کمزور نہین ہوئین، تعجب اور سخت تعجب یہ ہے کہ جدید تعلیم یافتہ فرقہ جو اجتہاد اور جدت کا دعویدار رہے اور درحقیقت جدید تعلیم کا یہی اثر ہونا چاہئے تھا، وہ بھی اسی طرح بے سمجھے بوجھے، ایک عام راستے پر پڑ لیا ہے اور کچھ نظر نہین آتا کہ ہم کہان جا رہے ہین، جس تعلیم اور نتائج تعلیم کا اس قدر شور و غل ہے، وہ کیا ہے ؟ کالجون کی ڈگریان اور نوکریان و دیگر ہیچ، شاید کہا جائے کہ اس کے سوا ہم اور کیا کر سکتے ہین، اور اسی لئے تو ہم اپنی خاص یونیورسٹی چاہتے ہین کہ اپنی ضرورتون کے موافق اپنی تعلیم کا سامان بہم پہنچائین، لیکن مجبوری یہ ہے کہ اس قدر روپیہ بہم نہین پہنچتا کہ یونیورسٹی بن سکے، لیکن سوال یہ ہے کہ جہان یونیورسٹی بن سکتی ہے وہان کیا ہو رہا ہے؟ حیدرآباد مین عنان تعلیم انھین لوگون کے ہاتھ مین رہی ہے، جو ہندوستان مین یونیورسٹی بنانے کے محرک اور جان دادہ ہین، یونیورسٹی کے لئے دس لاکھ روپیہ مانگا جا رہا ہے، حیدرآباد مین ایک منٹ مین یہ رقم مل سکتی ہے، حیدرآباد مین صرف ایک کالج

ڈیڑھ لاکھ روپیہ صرف ہو رہا ہے، حیدر آباد کو اس بات کی کچھ پروا نہین ہو سکتی کہ اگر وہ اپنی یونیورسٹی بنائے، تو اس کے تعلیم یافتہ انگریزی گورمنٹ مین نوکریان نہ پائین گے، کیونکہ حیدر آباد، خود ایسی وسیع ریاست ہے کہ وہان کے تعلیم یافتہ دوسری جگہ نوکری کرنے کے محتاج نہین لیکن تقلید پرستی کی یہ حالت ہے کہ انگریزی تعلیم مین کسی قسم کی اصلاح درکنار ایک طرف، خاص مشرقی تعلیم مین بھی جس کے لئے وہان ایک دار العلوم ہے، پنجاب یونیورسٹی کے مشرقی امتحانات کے بیہودہ نصاب کی آج تک، تقلید کی گئی، پنجاب نے مولوی فاضل اور مولوی عالم وغیرہ کے جو امتحانات مقرر کئے ہین، وہ دنیا کے کام کے ہین نہ دین کے تاہم آج تک اسی کی محکومی کی گئی، اور اس وقت تک آزادی کا خیال نہ آیا جب تک خود یونیورسٹی نے یہ قاعدہ نہین بنایا کہ ہم دوسرے ممالک کے لوگون کو اپنے امتحانات مین شریک نہین کر سکتے:

دو سہ بار بار تو گفتم کہ مرا ہیچ بستان　　　　نشد اتفاق، شاید کہ بہ این بہا گرانم

بہر حال خوبی تقدیر سے پنجاب یونیورسٹی نے حیدر آباد کے طلباء کو اپنے امتحانات مین شامل کرنے سے روکا۔ اب اگر یہ ممکن ہوتا کہ یہ سب طلبہ، وہان کے انگریزی اسکولون مین داخل ہو جاتے تو پھر اسی تقلید پرستی کے دام مین گرفتار ہو جاتے، ع

از دام جستہ باز سوے دام میرود

لیکن سات سَو طلبہ جو انگریزی کے ایک حرف سے واقف نہ تھے، اور جنہین سے اکثر انگریزی پڑھنا بھی نہین چاہتے تھے، وہ کیونکر ایک نئی زندگی اختیار کر سکتے تھے؛ غرض اب یہ خیال ہوا کہ دار العلوم کا نصاب یہان کی ضرورتون کے لحاظ سے خود تیار کیا جائے، نواب عماد الملک بہادر بلگرامی سی، ایس، آئی، ممبر انڈیا کونسل اس وقت ناظم تعلیمات تھے؛ انھون نے سرکار مین یہ تجویز پیش کی، اور منظور ہوئی؛ اس کے بعد نواب صاحب موصوف

نے میرے نام ایک سرکاری مراسلہ بھیجا جس کا اقتباس حسب ذیل ہے:-

"اس وقت باعث تصدیع یہ امر ہوا کہ مین نے اس حادثہ (میرے پاؤن کے زخمی ہونے کی طرف اشارہ ہے) کے چند ہی روز پہلے سرکار مین یہ تجویز پیش کی تھی کہ چونکہ ہمارے دار العلوم کا تعلق اب پنجاب یونیورسٹی سے منقطع ہو گیا ہے، پس مناسب ہوگا کہ ہم اپنے لئے خود ہی مناسب انتظام کرین یعنی عربی و فارسی نصاب تعلیم مرتب کرنے کی غرض سے ایک کمیٹی جلد مقرر کیجائے جس مین ایک رکن آپ ہون، اور نصاب تعلیم زمانہ حال کی ضرورتون کے لحاظ سے مرتب ہو تاکہ جو لوگ اس مدرسہ مین تعلیم پاکر امتحان مین کامیابی حاصل کرین، وہ سرکاری خدمات ادا کرنے کے اہل پائے جائین،

اس امر کے اطلاع دینے سے میرا یہ منشا نہین کہ آپ سے فوراً تکلیف گوارا کرنے کی خواہش کرون بلکہ محض اس قدر اطمینان حاصل کرنا منظور ہے کہ کامل صحت کے بعد آیا یہ امر ممکن ہوگا کہ آپ یہان تشریف لائین، ایسے قومی کامون مین آپ ہمیشہ تکلیف گوارا کرتے رہے ہین، اگر آپ کا تشریف لانا ممکن نہ ہو، تو کیا آپ نصاب تعلیم پنجاب یونیورسٹی پر نظر غائر ڈال کر ایک جدید نصاب وہین مرتب فرما سکتے ہین، تاہم نصاب مین چند ابواب مدنظر رہین، تو بہتر ہے،

(۱) اصلاح نصاب موجودہ پنجاب یونیورسٹی بہ لحاظ مقتضائے وقت و زمانہ و ضروریات خدمات حکومتی،

(۲) تکمیل تحصیل علوم شرقیہ،

مد دوم کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ پنجاب کی اورینٹل تعلیم ناقص ہے، بہت سے علوم جن سے تکمیل فضیلت کی ہوتی ہے، اس تعلیم مین متروک ہین، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے

کہ جماعت مولوی فاضل سے بالاتر اوّل مرتبہ دو جماعتین ہون جنمین تحصیل کی تکمیل ہو سکے۔
میری رائے ناقص مین اگرچہ سلسلہ نظامیہ کی پابندی ضرور نہین ہو، مگر تکمیل تحصیل کے لئے
بہت کچھ اضافہ کتب درسیہ کی ضرورت ہی"

نواب صاحب موصوف کا یہ خط اس وقت پہنچا جب مجھ پر پاؤن کے زخمی ہونے کا واقعہ گذر چکا تھا، اور مین صاحب فراش تھا، جب اس سے صحت ہوئی، تو مولوی عزیز مرزا صاحب ہوم سکرٹیری حیدر آباد نے نواب عماد الملک بہادر کی تحریر کی بنا پر مجھ کو پھر طلب کیا، اور مین جون ۱۹۰۰ء مین حیدر آباد گیا، وہان چند روز رہکر ایک نصاب تیار کیا، اور اس کے متعلق ایک یادداشت لکھی جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نصاب کن اصول پر تیار کیا گیا ہے، یادداشت مذکور کی نقل درج ذیل ہے،

رپورٹ

متعلق

اصلاحِ نصاب دار العلوم حیدر آباد،

بموجب مراسلہ ناظم صاحب سابق نواب عماد الملک بہادر و مراسلہ ناظم صاحب حال مورخہ ۳۔ ماہ الٰہی ۱۳۱۷ھ ہجری نشان (۱۲۲۳) دار العلوم کی نصاب اور مدتِ تعلیم مین جو تغیر اور اصلاح مین نے کی ہے، اور جس کا نقشہ اس یادداشت کے ساتھ منسلک ہے اس کی نسبت مین ایک علیحدہ مفصل یادداشت پیش کرتا ضروری سمجھتا ہون، جس سے یہ ظاہر ہوگا کہ ترمیم اور اصلاح کن اصولون پر کی گئی ہی، اور ترمیم اور اصلاح کی مہمات امور کیا ہین،

نصابِ دارالعلوم کی ترتیب دینے کے وقت سب سے پہلے یہ امر پیش نظر ہونا چاہئے کہ دارالعلوم کا اصلی مقصد کیا ہے، اور کس قسم کے لوگ، اس سے پیدا کرنے مقصود ہین،

دارالعلوم جب تک پنجاب یونیورسٹی سے متعلق رہا، اس کی غرض صرف ایسے لوگون کا پیدا کرنا تھا، جو سرکاری دفاتر مین کام کرنے کے لایق ہون، اور اس مقصد مین دارالعلوم نمایان طور پر کامیاب رہا، لیکن اب جبکہ دارالعلوم خودمختار اور آزاد ہوگیا ہے، اس کے مقاصد زیادہ وسیع ہوگئے ہین، اس کی غرض اب ایسے اشخاص کو پیدا کرنا ہے، جو نہ صرف سرکاری دفاتر مین کام کرنے کے قابل ہون، بلکہ اس سے ایسے اشخاص بھی پیدا ہون جو شرعی خدمات انجام دینے کے قابل ہون، جو علوم دینیہ مثلاً تفسیر، حدیث، فقہ، ادب مین کمال رکھتے ہون، جو ملک مین مذہبی عالم کی حیثیت سے تسلیم کئے جاسکتے ہون اور اس بنا پر ان کی ہدایت اور تلقین کا عامۂ اہل اسلام پر اثر پڑسکے، اور وہ عوام مین عمدہ اخلاق اور مذہبی خیالات پھیلا سکین، جو علوم قدیمہ کے ساتھ جدید علوم و فنون اور جدید خیالات سے بھی آشنا ہون تاکہ جدید تعلیم یافتہ گروہ پر اُن کا اثر پڑسکے،

یہ امر بھی خاص طور پر توجہ کے قابل ہے کہ اس وقت تک جو تعلیم جدید تمام ہندوستان مین جاری ہے، اس کی نسبت تمام اہل الرائے نے تسلیم کرلیا ہے کہ وہ ہماری ضرورتون کے لئے کافی نہین، لیکن چونکہ بغیر اس طریقۂ تعلیم کے سرکاری نوکریان حاصل نہین ہوسکتین اس لئے چار و ناچار، اسی طریقہ کو اختیار کرنا پڑتا ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس طریقۂ تعلیم مین ہماری مذہبی اور قومی خصوصیات کا کوئی انتظام نہین، اس مین نہ مذہبی تعلیم ہے، نہ قومی تاریخ سے کچھ واقفیت ہوسکتی ہے، نہ اسلامی اخلاق، اور مسائل اخلاق کا علم ہوسکتا ہے، اس کا یہ نتیجہ ہے کہ ایک شخص گو بی اے اور ایم اے کی ڈگری حاصل کرلے لیکن اسلامی

مسائل اسلامی تاریخ، اسلامی اخلاق کے متعلق، اس کی واقفیت، اور اس کا پوزیشن اس سے کچھ زیادہ نہین ہو سکتا، جو ایک عامی مسلمان کا ہو سکتا ہی،

باایں ہمہ ہندوستان مین اس مشکل کا کچھ علاج نہین ہو سکتا، اس لئے کہ یونیورسٹی کا نصاب تعلیم، اس قدر وقت اور فرصت نہین دے سکتا، کہ دوسری چیزون کے حاصل کرنے کیلئے موقع ہاتھ آئے،

لیکن چونکہ ریاست نظام ایک وسیع مملکت ہے، اور اس وقت تک اس نے سرکاری نوکریون کے لئے یونیورسٹی کی ڈگریون کی قید لازمی نہین قرار دی ہے، اس لئے اس کو موقع ہے، کہ موجودہ طریقۂ تعلیم کے علاوہ، ایک ایسا خاص سلسلۂ تعلیم بھی قائم کرے جس مین انگریزی تعلیم کے ساتھ اسلامی علوم اور اسلامی تاریخ بھی شامل ہو اور جس کے تعلیمیافتہ گویا دونون قسم کی تعلیم کا مجموعہ ہون، اس قسم کی تعلیم کا انتظام دار العلوم مین ہو سکتا ہی اور ہم کو موجودہ نصاب کے مرتب کرنے مین اس پہلو کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے،

اغراض مذکورۂ بالا کے لحاظ سے نصاب موجودہ مین، جو تغیر اور اضافہ کیا گیا ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(۱) ہر فن کی تعلیم کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ ایسی کتابین درس مین رکھی جائین جنمین تمام مسائل نہایت سادہ، صاف اور واضح طریقے سے بیان کئے گئے ہون تاکہ طالب العلم بہ آسانی تمام مسائل پر حاوی ہو جائے، اس بنا پر وہ کتابین جو معما اور چیستان کے طور پر اس قدر مختصر اور مغلق لکھی گئی ہین کہ ایک ایک سطر مین ایک ایک صفحے کے مطالب کھپا دیئے گئے ہین، وہ خارج کر دی گئین،

(۲) قدیم نصاب مین اکثر ایسی کتابین ہین جنمین دوسرے علوم کے مسائل مخلوط کر دیئے گئے،

ہین، اس لئے غلط بحث کی وجہ سے طالب العلم، اس فن کے مسائل سے دور پڑ جاتا ہے،
مثلاً ملا حسن، میر زاہد، قاضی مبارک وغیرہ کہ یہ کتابین دراصل منطق مین ہین لیکن ان مین
فلسفہ اور امور عامہ کے دقیق مسائل اس قدر شامل کر دیے ہین کہ اصل فن کے مسائل پر گویا
پردہ پڑ گیا ہے، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ تمام کتابین پڑھ کر بھی طالب العلم کو خاص منطقی مسائل
کی مشق نہین ہوتی اور یہ نہین کر سکتا کہ تقریر اور مناظرے مین اپنے دعوون کو اشکال منطقی
کے ذریعے سے ثابت کر سکے،

اس بنا پر نصاب حال مین ہر فن مین وہی کتابین رکھی گئی ہین جنمین خالص اسی
فن کے مسائل استیعاب کے ساتھ مذکور ہین،

(۳) قدیم نصاب مین، قرآن مجید کی تعلیم کا حصہ، نہایت کم ہے، قرآن مجید کا متن
تک درس مین نہین تفسیرون مین صرف دو تفسیرین درس مین داخل ہین ایک جلالین
جس کے الفاظ اور قرآن مجید کے الفاظ عدد مین برابر برابر ہین اور دوسری بیضاوی
جس کے صرف ڈھائی پارے پڑھائے جاتے ہین، جو کتاب کا پندرھوان حصہ بھی
نہین، اس لئے قرآن مجید کی تعلیم کا حصہ زیادہ وسیع کیا گیا ہے،

(۴) قدیم نصاب مین ادب اور لٹریچر کا حصہ نہایت کم ہے، حالانکہ ادب کے بغیر
تفسیر، حدیث، اصول فقہ کسی چیز مین کمال نہین حاصل ہو سکتا، اس بنا پر، ادب کا نصاب
بہت بڑھا دیا گیا ہے،

(۵) یہ عام شکایت ہے کہ عربی خوان، سب کچھ پڑھ جاتے ہین، لیکن چند سطرین صحیح
عربی نہین لکھ سکتے، اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ادب کی تعلیم کم تھی، دوسری یہ کہ انشا پردازی
اور مضمون نگاری کی مشق نہین کرائی جاتی تھی، اس لئے نصاب حال مین انشا پردازی

کے لئے خاص گھنٹے مقرر کئے گئے،

(۶) عقائد و علم کلام مین صرف ایک کتاب اور وہ بھی معمولی درجہ کی درس مین تھی، یعنی شرح عقاید نسفی، حالانکہ یہ فن، تمام اسلامی فنون پر مقدم، ورسب کا اصل الاصول ہے، اس لئے اس فن مین متعدد اور بلند پایہ کتابین نصاب مین رکھی گئین،

(۷) تاریخ اسلام اور عام تاریخ کی ایک کتاب بھی نہ تھی، اس لئے اس فن کی کتابین بھی داخل کی گئین،

(۸) علوم جدیدہ کی بعض کتابین جو عربی مین ترجمہ ہوگئی ہین نصاب مین شامل کی گئین، لیکن اس موقع پر یہ ظاہر کردینا ضرور ہے کہ ان کے پڑھانے کا انتظام مشکل ہے ہمارے علما ان کتابون کو پڑھا نہین سکتے، اور انگریزی خوان، عربی زبان سے آشنا نہین، یہ ہوسکتا تھا کہ اردو مین جو کتابین موجود ہین، وہ داخل نصاب کردیجائین، لیکن جہان تک مجھ کو معلوم ہے طبعیات کی جو کتابین اردو مین موجود ہین، وہ مڈل کے رتبہ سے زیادہ نہین، اس کے سوا عربی خوان طلبا اردو زبان کی کتاب کو وقعت کی نظر سے نہین دیکھ سکتے، اس کی تدبیر صرف یہ ہے کہ ایسے پروفیسر مقرر کئے جائین جنھون نے بی اے مین سائنس لیا ہو اور عربی زبان ان کی سکنڈ لینگویج رہی ہو،

(۱۰) انگریزی زبان بطور سکنڈ لینگویج کے لازمی قرار دی گئی ہے، مین انگریزی زبان سے واقف نہین ہون، اس لئے مین نے انگریزی کتابون کا نام نہین لکھا ہے لیکن اس قدر سمجھ جانتا ہون کہ موجودہ نصاب مین اس قدر گنجائش ہے کہ انگریزی زبان دانی کی کتابین، انٹرنس تک کی اس مین شامل کیجا سکتی ہین، اور درجہ فاضل کے بعد، دو برس اس غرض سے رکھے گئے ہین کہ جو شخص چاہے دو برس تک صرف انگریزی زباندانی کی تعلیم

حاصل کرے جس سے وہ انگریزی زبان پر بخوبی قادر ہو سکتا ہے،

(۱۰) نصاب سابق مین ابتدا سے اخیر تک مدت تعلیم ۱۹ برس تھی، لیکن یہ مدت بہت زیادہ تھی، اس لئے گھٹا کر کل مدت ۱۴ برس قرار دی گئی ہی،

(۱۱) نصاب مرتبہ کی ترتیب یہ ہے کہ ابتدائی تعلیم کی مدت ۵۔سال قرار دی گئی ہے، اور یہ فرض کیا گیا ہے کہ لڑکا ساتوین برس کے سن سے دار العلوم کی ابتدائی جماعتون مین لیا جائیگا، یہ تعلیم پانچ برس مین تمام ہوگی، اور اس مین اُردو اور ابتدائی فارسی اور حساب اور کسی قدر انگریزی کی تعلیم ہوگی،

اس درجہ کے بعد، دو الگ شاخین شروع ہون گی یعنی منشی اور عالم، اور طالب العلم کو اختیار ہوگا کہ ان دونون شاخون مین سے جس شاخ کو چاہے اختیار کرے،

منشی کے ۳ سال، اور منشی عالم کے ۲ سال اور منشی فاضل کا ایک سال مقرر کیا گیا ہے، منشی فاضل تک طالب العلم کو فارسی زبان مین عمدہ مہارت اور عربی کی سواد خوانی اور انگریزی بقدر عام ضرورت آجائیگی،

عربی کے دو درجے قرار دیئے گئے،

عالم، اس کی مدت تعلیم ۶ برس ہے، یہ درجہ بی اے، کے برابر ہے، اس مین تمام علوم متداولہ عربی اور بعض علوم جدیدہ اور انگریزی زباندانی انٹرنس کے درجہ تک آجائیگی، یہ میری خاص رائے ہے لیکن اگر یہان کے حالات کے لحاظ سے ضروری ہو تو بیچ مین ایک اور درجہ مولوی یا ملا کے نام سے قائم کیا جائے، اور یہ درجہ پانچوین سال تک تمام ہو جائے، اس کے بعد تین برس عالم کے سلئے رکھے جائین،

فاضل، اس کی مدت تعلیم دو برس ہے، اور یہ درجہ ایم اے کے برابر ہے، اسمین

کسی ایک خاص فن کی پوری تعلیم ہوگی، اور طالب العلم اس خاص فن کی تکمیل کریگا،
اور اسی فن کے انتساب سے موسوم ہوگا، مثلاً مفسر، ادیب، فقیہ وغیرہ،

عالم یا فاضل کے درجے کے بعد ضرور ہے کہ چند طلبا کو دو برس تک خاص انگریزی
زبان سکھائی جائے تاکہ انگریزی زبان مین تحریرا اور تقریرًا ملکہ ہو، اور ایسے علما پیدا ہون
کہ یورپ کی علمی تحقیقات کو اسلامی علوم مین اضافہ کرسکین، اور انگریزی دان جماعت کے
مجمع مین انھین کی زبان اور خیالات مین اسلامی عقائد اور مسائل پر تقریر کرسکین،

(۱۳) نصاب تعلیم کے نقشے کے ملاحظے سے چونکہ ہر فن کی کتابین یکجائی طور پر پیش نظر
نہ ہون گی، اس لئے اس موقع پر ہر فن کی الگ الگ کتابین یکجا لکھدی جاتی ہین جس سے
بیک نظر اس بات کے اندازہ کرنے کا موقع ملے گا، کہ ہر فن مین کس پایہ کی، اور کس قدر
کتابین نصاب مین تجویز کی گئی ہین،

ادب ومعانی وبیان

اخوان الصفا، اطباق الذہب عبد المومن اصفہانی، سبعہ معلقہ، مجموع الادب، حسن التوسل
الی صناعۃ الترسل، مختصر المعانی، متنبی، یتیمۃ، ابن المقفع، مقامات حریری، حماسہ، نقد الشعر ابن قدامۃ،
نہج البلاغۃ، اسرار البلاغۃ عبد القاہر الجرجانی، کتاب الصناعتین ابو ہلال عسکری،

فقہ واصول فقہ

قدوری، سراجی، در مختار، ارکان اربعہ مولانا بحر العلوم، ہدایہ، نور الانوار، تحریر ابن
الہمام، مسلم الثبوت، توضیح وتلویح، رسالہ امام شافعی،

قرآن مجید وتفسیر

الہدایۃ الی الصراط المستقیم، فوز الکبیر فی اصول التفسیر، جلالین، بیضاوی، احکام القرآن

ابو بکر رازی،

فلسفہ

ہدیہ سعیدیہ، شرح ہدایۃ الحکمت از خیر آبادی، شرح اشارات رازی وطوسی، شرح حکمۃ الاشراق، شمس بازغہ، دروس الاولیہ فی العلوم الجدیدہ، ہیأت جدیدہ،

کلام و اسرار الدین

رسالۃ التوحید، معالم امام رازی، حجۃ اللہ البالغہ،

اس یادداشت اور نصاب پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی قرار پائی، جس کا اجلاس شعبان ۱۳۲۶ھ مین قرار پایا، لیکن چونکہ عین اسی زمانہ مین ندوہ کی خاص ضرورت سے مجھکو لکھنؤ واپس آنا پڑا، اس لئے وہ اجلاس ملتوی ہو گیا اس کے بعد مین ۲۳ جنوری ۱۹۰۹ء کو پھر حیدرآباد آگیا، اور ایک کمیٹی مین نصاب مرتبہ پیش کیا گیا، اس کمیٹی مین مولوی عزیز مرزا صاحب معتمد عدالت و افسر تعلیمات شمس العلما مولوی سید علی صاحب بلگرامی، مولوی انوار اللہ صاحب استاد حضور نظام، سید ابوبکر شہاب یمنی، مولوی عبدالحلیم صاحب شرر مددگار ناظم تعلیمات اور دیگر اصحاب شریک تھے، لیکن چونکہ اس کمیٹی مین کچھ مراتب باقی رہ گئے تھے، اس لئے ۷ فروری ۱۹۰۹ء کو اس کا پھر ایک اجلاس ہوا جس کے پریسیڈنٹ جناب نواب فخر الملک بہادر وزیر عدالت تھے، اور جس مین نواب عماد الملک بہادر، اور ڈاکٹر سید سراج الحسن ناظم تعلیمات بھی بہ حیثیت رکن کے شریک تھے،

دونون کمیٹیون مین آزادی سے ہر پہلو پر بحث ہوئی اور کسی قدر تغیر اور ترمیم کیساتھ نصاب مرتبہ منظور کیا گیا،

نواب عماد الملک بہادر کی رائے تھی کہ علوم عربیہ کے ساتھ انگریزی کی تعلیم نہین

ہو سکتی، اس لئے اس کو نصاب سے خارج کر دینا چاہئے، لیکن یہ جب ظاہر کیا گیا کہ علوم عربیہ مین بہت سی فضول کتابین جو منطق و فلسفہ کی شامل تھین خارج کر دی گئی ہین، اس لئے کافی گنجایش ہو سکتی ہے، تو نواب صاحب موصوف نے بھی اتفاق ظاہر کیا،

ہم کو اس پر کسی قدر تعجب ہوا کہ اس کمیٹی مین نہایت متقشف اور پرانے خیال کے علما بھی شریک تھے تاہم انگریزی کے داخل کرنے سے کسی نے انکار نہین کیا، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حیدر آباد مین، ہندوستان کی بہ نسبت، روشنخیالی کا اثر زیادہ ہوتا ہے،

نصاب کے طے پانے کے بعد، اسی کے موافق، دار العلوم مین جدید اسٹاف قایم ہوگا اس کے ساتھ ایک مجلس بطور سینٹ کے قائم ہوگی اور اسی کے لئے فیلو منتخب ہون گے اس طرح ایک مشرقی یونیورسٹی کی بنیاد قائم ہو جائیگی،

نہایت مسرت کی بات ہے کہ اس وقت افسران تعلیم، نواب فخر الملک بہادر وزیر عدالت اور مولوی عزیز مرزا صاحب معتمد عدالت اور سید سراج الحسن صاحب ناظم تعلیمات ہین، اس لئے ہر طرح پر امید ہے کہ یونیورسٹی عمدہ اور مستحکم اصول پر قایم ہوگی،

یہ ہم نے بار بار کہا ہے اور اب پھر کہتے ہین کہ ہم مسلمانون کے لئے نہ صرف انگریزی مدرسون کی تعلیم کافی ہے، نہ قدیم عربی مدرسون کی، ہمارے درد کا علاج ایک معجون مرکب ہے، جس کا ایک جز مشرقی اور دوسرا مغربی ہے،

در کفے جام شریعت، در کفے سندان عشق — ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

(الندوہ، ج ۶ نمبر ۲، مارچ سنہ ۱۹۱۹ء)

احیاء علوم عربیہ اور ایک ریڈیکل

ضبط کرون مین کب تک آہ		چل رے خامہ بسم اللہ

جدید تعلیم کے فرزندانِ رشید مین سے ایک صاحب نے جو اپنے آپ کو "ریڈیکل" کہتے ہین، علی گڈھ منتھلی مین ایک مضمون "احیاء علوم عربیہ" کے عنوان سے لکھا ہے، مضمون کا شانِ نزول وہ تحریک ہے جس کا منشا یہ ہے، کہ علی گڈھ مین علوم عربیہ کی تعلیم کا انتظام کیا جائے، یہ تحریک ایک انگریزی پروفیسر کی طرف سے پیش ہوئی تھی، جس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے، کہ خود گورنمنٹ کے ایما کا بھی اس مین شائبہ تھا،

ہمارے قومی لیڈرون نے نہایت دلیری، نہایت آزادی، نہایت استقلال سے اس تجویز کی مخالفت کی، اور دنیا پر ثابت کر دیا، کہ ایسے ضروری موقع پر جب کہ احتمال تھا کہ مسلمانون کی قوم اس تجویز سے دفعۃً برباد ہو جائے، نکتہ چینون کو یہ اعتراض واپس لینا پڑیگا کہ ہمارے لیڈر کسی انگریز افسر کی تحریک کی مخالفت نہین کر سکتے،

لیکن اس وقت تک مخالفت کی جو وجہ ارکانِ کالج یعنی نواب محسن الملک اور مولوی نذیر احمد صاحب نے اپنے پرزور آرٹیکلون مین ظاہر کی، وہ صرف یہ تھی، کہ ابھی یہ وقت نہین آیا کہ مسلمانون کو انگریزی تعلیم سے ایک منٹ کے لئے بھی دوسری چیزون

کی طرف متوجہ ہونے کی اجازت دیجائے،

اگرچہ یہ امر کچھ کم تعجب انگیز نہ تھا، کہ ایسا کالج جس کے نام کے ساتھ اورنٹیل کا لفظ شامل ہے، جو ہمیشہ تحریرون اور تقریرون کے ذریعہ سے مسلمانون کی قومی اور مذہبی تعلیم کے مرکز ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، جو اپنے مہمات کو ایران تک وسیع کرکے وہان کے لوگون کو اپنے دائرۂ اثر مین لانا چاہتا ہے، جس کی مجوزہ یونیورسٹی کی ایک بڑی خصوصیت علوم مذہبی کا احیاء ہے، عربی تعلیم کی طرف سے صریح ایسی بے اعتنائی کا اعلان کرے کیونکہ یہ بالکل ممکن تھا کہ انگریزی تعلیم کو بغیر کسی قسم کے نقصان پہنچانے کے عربی تعلیم کا بھی بقدر ضرورت انتظام کیا جاتا، تاہم ان بزرگون نے نفس علوم عربیہ پر کوئی حملہ نہین کیا تھا، جس کی وجہ شاید یہ تھی کہ علوم عربیہ کے پڑھنے سے (جیسا کہ ریڈیکل صاحب نے بیان کیا ہے) طبیعت مین آزادی اور دلیری نہین پیدا ہوتی، اور بزرگان ممدوح علوم عربیہ ہی کے تعلیمیافتہ ہین،

لیکن ریڈیکل صاحب تعلیم جدید کے یادگار ہین، اس لئے وہ نہایت آزادی اور دلیری سے آگے بڑھے اور اصل راز کا پردہ اٹھا دیا یعنی یہ کہ علوم عربیہ خود اس قابل نہین کہ ان کی تعلیم پر وقت ضائع کیا جائے، ان کے مقتبس فقرے بعینہ حسب ذیل ہین:—

"بہر صورت ہمین اس رائے سے بالکل اختلاف ہے کہ عربی مین ایسے علوم موجود ہین جن کی تعلیم ہمارے دماغون مین روشنی، دلون مین صفائی، خیالات مین پاکیزگی، ارادون مین بلندی اور طبیعتون مین استقلال پیدا کریگی"

"ہم جہان تک سمجھتے ہین، عرب ہمیشہ ایک نہایت جاہل اور وحشی قوم رہے ہین، شائستگی اور تہذیب سے ان کو بہت کم حصہ ملا ہے، لھذا ان کی زبان مین علوم و فنون کے کسی عمدہ

ذخیرہ کا موجود ہونا بعید از قیاس ہے"!!!

(صدقنا وآمنا)

ایسی حالت مین جبکہ رسول کا نواسہ تشنہ لب کربلا مین شہید کیا جائے صحابہؓ کی داڑھیان نوچی جائین، اور مسجد نبوی مین گھوڑے کی لید ڈالی جائے، علوم وفنون کی کیا خاک اشاعت وتدوین ہوسکتی ہے"

"زمانۂ جاہلیت کا کل نظم کا ذخیرہ عربون کی خانہ جنگیون اور خونریزی کے قصص یا اونٹنی کی لمبی اور کھجور کی خاردار شاخ کی تعریف اور توصیف سے پر ہے، کسی قسم کے علمی مضامین کا اس مین پتہ نہین"

"پچھلے زمانہ کے کلام مین سوائے عیش پرست خلفاء اور اُن کے مہ جبین معشوقون کی تعریف اور شراب وکباب کی توصیف کے کیا رکھا ہے؟ ایسی گندہ اور بیکار نظم کو پڑھنے سے بجز تخریب اخلاق کے کیا فائدہ ہوسکتا ہے؟"

"کہا جاتا ہے کہ فن تاریخ مین عربون نے بہت ترقی کی تھی، وہ تاریخین مپنیز تو عمدہ دیباچون اور حواشی کے اضافہ کے ساتھ یورپ کی زبانون مین ترجمہ ہوگئی ہین، ان کا مطالعہ اصل عربی کتابون سے بہت زیادہ مفید ہے"!

(یہان تک ریڈیکل صاحب کے فقرون کا اقتباس تھا)

سب سے پہلے قابل لحاظ یہ امر ہے کہ احیاء علوم عربی کے مسئلہ پر ریڈیکل صاحب کو اس پہلو سے بحث کرنے کی کوئی ضرورت بھی تھی یا نہین؟

ہم ریڈیکل صاحب اور تمام مخالفین عربی سے پوچھتے ہین کہ اگر تھوڑی دیر کیلئے بفرض محال یہ تسلیم کرلیا جائے کہ عربی مین قابل قدر ذخیرۂ علمی موجود ہے، تو وہ کیا عربی تعلیم

کو جائز رکھیں گے؟ مسٹر ہارسین نے عربی کے ساتھ ساتھ جدید سائنس کی تعلیم کی اسکیم بھی پیش کی تھی، کیا مخالفین عربی نے اس اسکیم کی تائید کی؟ کیا سائنس بھی عربی کی طرح قابل التفات نہیں ہے؟ یہ امر قابل لحاظ ہے کہ کیا جدید گروہ علم کو علم کے لئے پڑھتا ہے، کیا اگر انگلش تعلیم سرکاری ملازمت کا ذریعہ نہ ہے، تو ایک شخص بھی کسی کالج کے احاطہ مین نظر آئیگا؟ کیا کالج سے نکلنے کے بعد بھی انگریزی کے ذخائر علمی کو اس گروہ کے دربار مین باریابی کی عزت ملتی ہے؟

جب یہ حالت ہے تو احیار عربی کی تجویز سے انکار کے لئے صرف یہ وجوہ کافی تھے کہ ہماری زندگی اور ہماری تعلیم کا مقصد سرکاری ملازمت اور نوکری ہے، اور یہ عربی علوم سے حاصل نہین ہوسکتی، یہ بالکل بجا استدلال تھا جس سے کوئی شخص انکار نہین کرسکتا تھا،

ریڈیکل صاحب کی غرض اگر بالذات علوم عربیہ کی تنقیص اور تحقیر تھی، تو اس کیلئے مستقل عنوان اختیار کرنا تھا، احیار علوم عربیہ کے مسئلہ سے اس کو کوئی تعلق نہ تھا،

شاید ریڈیکل صاحب کو یہ خیال ہو کہ اگر علوم عربی کی فضیلت ثابت ہوگی، تو ممکن ہے کہ کچھ طلبا اس طرف بھی متوجہ ہوجائین، لیکن ہم اُن کو پورا اطمینان دلاتے ہین، کہ جدید گروہ ایک عاقبت اندیش اور عملی گروہ ہے، اس نے اپنا راستہ متعین کرلیا ہے اور وہ ہرگز اس فریب مین نہین آسکتا، کہ علم کو علم کے لئے سیکھنا چاہیئے،

اب ہم ریڈیکل صاحب کے ان جملون کی طرف متوجہ ہوتے ہین جو انھون نے علوم عربی کی نسبت ارشاد فرمائے ہین، لیکن ہم حیران ہین کہ اُن کے مقابلہ مین طریقۂ استدلال کیا ہوگا، یورپ کے اہل فن جو زبان عربی سے ماہر ہونے کی وجہ سے اس مسئلہ کے

فیصلہ کرنے کا سب سے زیادہ حق رکھتے ہین، مثلاً پروفیسر سیدیو، پروفیسر لیبیان، پروفیسر رینان، پروفیسر مونک (فرنچ کے مشہور مصنف ہین) پروفیسر براؤن، ہنری لوئس، پروفیسر زخاؤ (جرمن کا مشہور عربی دان فاضل ہے) وغیرہ وغیرہ، ان کی نسبت ریڈیکل صاحب کو بدگمانی ہے، کہ وہ قصداً مسلمانون کو نشۂ غفلت مین مخمور رکھنے کے لئے مداح ہین،

ہم خود اگر مسلمانون کے علمی کمالات اور ایجادات کی مثالین پیش کرین تو مشکل یہ ہے کہ ریڈیکل صاحب عربی نہین جانتے، اور تاریخ دانی کا یہ حال ہی، کہ فرماتے ہین کہ "خلیفۂ اول و دوم کے وقت تک قرآن مجید بھی مرتب نہین ہوا تھا"!!

ریڈیکل صاحب کے استدلال کا سنگ بنیاد یہ ہے کہ "عرب ایک وحشی قوم ہے، اسلئے ان کی زبان مین عربی ذخیرہ کا ہونا بعید از قیاس ہے" لیکن اگر عرب کا وحشی ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے تو اس سے اس دعویٰ کو کچھ مدد نہین پہنچتی، عربی زبان مین جن لوگون نے علمی ذخیرے مہیا کئے، وہ عجمی تھے، مثلاً فارابی، بوعلی سینا، رازی، غزالی، محقق طوسی، قطب الدین شیرازی وغیرہ اور عجم کو غالباً ریڈیکل صاحب بھی وحشی کا خطاب دینا پسند نہین کرتے،

پروفیسر رینان نے جو اسلام کے ساتھ تعصب رکھنے مین مشہور ہے، فرانس کے اکاڈیمی مین ایک لکچر دیا تھا، جس کا موضوع یہ تھا کہ "اسلام اور علم دونون جمع نہین ہوسکتے" اس لکچر مین جہان مجبوراً اس کو مسلمانون کی علمی اور فلسفی تحقیقات کا ذکر کرنا پڑا، اس نے یہ کہا "ہان فلسفہ عربی زبان مین ہے، لیکن عربون مین نہین ہے"،

رینان نے اگرچہ اہل عرب کے فلسفہ دانی سے انکار کیا، لیکن اس سے انکار نہ کرسکا، کہ عربی زبان فلسفہ کا مخزن ہے، لیکن ریڈیکل صاحب یہ بھی گوارا نہین کرسکتے

کہ عربی مین علوم وفنون کا ذخیرہ موجود ہو،

"ریڈیکل" صاحب فرماتے ہین کہ "لٹریچر مین عربون کے پاس نثر مین تو کوئی عمدہ ذخیرہ ہی نہین، اور نظم کی یہ کیفیت ہے کہ زمانہ جاہلیت کی نظم، اونٹنی کی لمبی گردن اور زمانہ اسلام کے مہ جبین معشوقون کی توصیف پر محدود ہے" یہ بالکل اسی قسم کی بات ہے کہ پرانے مولوی یورپ کے علوم وفنون کی نسبت کہتے ہین کہ "یہ لوگ بجز اس کے کہ لوہارون اور نجارون کی طرح کچھ کلین بنالین، یا جراحون کی طرح کچھ چیر پھاڑ لین، اور کیا جانتے ہین"

افسوس!

اے آنکہ خوب مانہ شناسی ززشتِ ما　　　از رد وہم قبولِ تو فارغ نشستہ ایم

عرب کے فلسفہ اور علوم وفنون کی تحقیر کا تو کوئی ضعیف پہلو نکل بھی سکتا تھا، لیکن عرب کی فصاحت وبلاغت شاعری اور زبان آوری سے انکار کرنا، آفتاب کی روشنی سے انکار کرنا ہے، شاعری کی جو اصل حقیقت ہے یعنی مناظرِ قدرت، اور جذباتِ انسانی کو اس طرح ادا کرنا، کہ دلون پر اصلی حالت کا اثر چھا جائے، صرف عرب کی شاعری مین پائی جاتی ہے، عرب کا ایک ایک بدوی یہ قدرت رکھتا تھا، کہ اپنے زورِ کلام سے جمِ غفیر کو جس ارادہ سے چاہتا تھا روک لیتا تھا، اور جدھر چاہتا تھا جھونک دیتا تھا، خلفاے بنو امیہ دمشق مین نہایت جاہ وجلال سے سلطنت کرتے تھے، لیکن اپنے بچون کو صرف اس لئے عرب کے صحرا مین بھیج دیتے تھے، کہ بدؤن مین رہ کر ان کو قوتِ تقریر اور زبان آوری کا ملکہ حاصل ہو جائے، عرب کا ایک ایک شعر قوم کی قوم مین جوش پیدا کر دیتا تھا، آج گلیڈ اسٹون اور برک کی اسپیچین وہ کام نہین کر سکتین جو عمرو بن کلثوم کے ایک قصیدہ نے قبیلہ تغلب مین سیکڑون برس تک شرافت اور تو لیٹی کا جوہر قایم رکھا، چنانچہ یہ قصیدہ اس قبیلہ کے

ایک ایک بچہ کو یاد کرایا جاتا تھا، اس قصیدہ کا ایک شعر یہ تھا، ۵

اذا بلغ الفطام لنا صبی　　　تخرلہ الجبابر ساجد ینا

جس دن ہمارے خاندان کا بچہ دودھ چھوڑ دیتا ہے　　　تو بڑے بڑے جبار اس کے سجدہ کرنیکو گر پڑتے ہین

عرب ہی کو شاعری مین یہ فخر حاصل تھا، کہ وہ جو کہتے تھے سچ کہتے تھے، عرب ہی کو یہ فخر حاصل ہے کہ کسی کی مدح کرنا عار اور ننگ سمجھا جاتا تھا، اور جب اخیر زمانۂ جاہلیت مین مدح کی ابتدا ہوئی، تو یہ التزام تھا کہ سچی اور واقعی باتون کے سوا اور کچھ نہین کہتے تھے، ایک بادشاہ نے جب ایک شاعر سے کہا کہ میری مدح کرو تو اس نے صاف کہا کہ "افعل حتی اقول" یعنی "پہلے تم کچھ کر دکھاؤ تو مین کہون" زہیر بن ابی سلمی کو جب ہرم بن سنان نے ایک قصیدہ پر صلہ دیا، تو اس نے معمول کر لیا، کہ جب دربار مین آتا تھا تو کہتا تھا کہ "مین سب کو سلام کرتا ہون بہ استثنا ہرم بن سنان کے" یعنی بادشاہ کو سلام کرنا بھی ایک قسم کی خوشامد ہے، جو عرب کے شاعر کو زیبا نہین،

افسوس ہے کہ رِیڈیکل صاحب اور اکثر ان کے ہم فن عربی زبان نہین جانتے، ورنہ ہم ان کو عربی زبان مین شاعری کے تمام انواع کے ایسے اعلیٰ درجہ کے نمونے دکھاتے جس کی نظیر ان کو بہت مشکل سے مل سکتی، مناظرِ قدرت مثلاً سبزہ زار، کوہستان، دریا، جنگل، گرمی کی شدت، جاڑون کی ٹھنڈ، ابروباران وغیرہ، یا جذباتِ انسانی، مثلاً رنج وغم، غیظ وغضب، فخروجوش، شجاعت ودلیری، ذوق ومحبت وغیرہ کو جس خوبی سے عرب نے ادا کیا، ایشیا مین کون قوم اس کی مثال پیش کر سکتی ہے،؟

اخلاق کے متعلق ہم دو چار مثالین صرف ایک کتاب (حماسہ) سے سرسری طور پر انتخاب کرکے پیش کرتے ہین، اگر ریڈیکل صاحب کے نزدیک یہ شاعری کا عمدہ نمونہ

ہو تو ہم اس قسم کے اشعار کا دریا بہا دینے کو موجود ہیں،[۵]

(۱) اذا ما اتت من صاحب لك زلة ۔۔۔ فكن انت محتالا لزلته عذرا

(۲) وللكف عن شتم اللئيم تكرما ۔۔۔ اضر له من شتمه حين يشتم

(۳) ان من الحلم ذلا انت عارفه ۔۔۔ والحلم عن قدرة فضل من الكرم

(۴) لهم جل مالي ان تتابع لي غنى ۔۔۔ وان قل مالي لم اكلفهم رفدا

(۵) واني لعبد الضيف ما دام نازلا ۔۔۔ وما شيمة لي غيرها تشبه العبدا

(۶) انا لنرخص يوم الروع انفسنا ۔۔۔ ولو نسام بها في الامن اغلينا

[۵] چونکہ ہمارے دوست مسٹر ریڈیکل زبان عربی سے نابلد ہیں لہذا ان کی آسانی کی غرض سے ان اشعار کا ترجمہ نمبر وار درج ذیل کیا جاتا ہی، لیکن ہمیں ڈر ہے کہ چونکہ ان اشعار میں کھجور کی خاردار شاخ اور دشمن کی لمبی گردن کی طرف اشارہ نہیں ہی اسلئے کہیں وہ یہ دعوی نہ کر بیٹھیں کہ ترجمہ غلط ہی،

(۱) اگر تمھارے دوست سے کوئی خطا ہو جائے تو تم کو خود اسکی طرف سے کوئی عذر گڑھ لینا چاہیے۔

(۲) ذلیل آدمی کے برا کہنے سے باز رہنا اسکو گالی دینے سے زیادہ تکلیف دہ ہی،

(۳) بعض موقع پر بردباری ذلت ہی، لیکن قدرت کے ہوتے بردباری کرنا شرافت ہی،

(۴) میرا مال میرے بھائیوں کا مال ہی، اور اگر میں غریب ہو جاؤں تو میں انکو تکلیف نہ دونگا،

(۵) میں مہمان کا غلام ہوں، لیکن اس معاملہ کے سوا مجھ میں غلامی کی کوئی ادا نہیں،

(۶) ہم لڑائی کے دن اپنی جانیں ارزان کر دیتے ہیں لیکن امن کی حالت میں ہماری جانوں کی قیمت بہت گران ہی،

(۷) انی لمن معشر أفنی اوائلھم
قول الکماۃ الا این المحامونا"

(۸) لو کان فی الالف منا واحد فدعوا
من فارس؟ خالھم ایاہ یعنونا

(۹) اذا الکماۃ تنحوا ان یصیبھم
حد الظباۃ وصلناھا بایدینا

---

(۱۰) اذا المرء لم یدنس من اللؤم عرضہ
فکل رداء یرتدیہ جمیل

(۱۱) تعیرنا أنا قلیل عدیدنا
فقلت لھا أن الکرام قلیل"

(۱۲) تسیل علی حد الظبات نفوسنا
ولیست علی غیر الظبات تسیل

(۱۳) اذا سید منا خلا، قام سید
قؤل لما قال الکرام فعول

(۷) مین اُس قبیلہ کا آدمی ہون جن کے اسلاف کو اس آواز نے فنا کر دیا کہ " آج کون پناہ دینے والا ہے"

(۸) اگر ہمارے قبیلہ کا ایک آدمی ہزارون کے مجمع مین ہو اور کوئی شخص پکارے کہ شہسوار کون ہے؟ تو ہمارے قبیلہ کا آدمی سمجھ جائیگا کہ میری ہی طرف اشارہ ہے،

(۹) جب بہادر لوگ تلوار کی دھار سے کترا جاتے ہین، تو ہم بڑھکر تلوار کو اُن تک پہنچا دیتے ہین،

(۱۰) اگر آدمی دنارت سے اپنی آبرو مین داغ نہ لگائے، تو جو لباس وہ پہنے گا اسکو زیب دیگا،

(۱۱) وہ ہمکو عیب لگاتی ہے کہ ہمارے آدمی کم ہین، مین نے اس سے کہا کہ " شرفا تھوڑے ہی ہوتے ہین"

(۱۲) ہماری جان تلوارون کے دھار پر بہتی ہے، لیکن اور کسی چیز پر نہین بہتی،

(۱۳) ہم مین کا جب ایک سردار اٹھ جاتا ہے، تو دوسرا پیدا ہوتا ہے، جو وہی کہتا ہے اور کرتا ہے جو اور سردارون نے کہا تھا اور کیا تھا

(۱۴) معودۃ ان لا تسل نصالها فتغمد حتی یستباح قبیل

"ریڈیکل" صاحب فرماتے ہین کہ عربی تاریخین، مفید حواشی کے ساتھ یورپ کی زبانون مین ترجمہ ہو گئی ہین، ان کا مطالعہ اصل عربی کتابون سے زیادہ مفید ہے،

ہم "ریڈیکل" صاحب سے پوچھتے ہین، کہ یورپ کی زبانون سے کیا مراد ہے؟ اگر انگریزی مراد ہے تو مدعی سست...... کی مثال ہے، تمام انگریزی مصنفین تسلیم کرتے ہین، کہ عربی زبان کا سرتا انگریزی مین بہت کم ہے، دو چار معمولی اور متداول کتابون کے سوا انگریزی مین اس قسم کے تراجم بالکل ناپید ہین، ہم ایک نقشہ درج کرتے ہین جس سے ظاہر ہو گا کہ یورپ کی زبانون مین عربی تاریخ کی کس قدر کتابین ترجمہ ہو چکی ہین، اور ان مین انگریزی کا کس قدر حصہ ہے،

نمبر	نام کتاب	کس زبان مین ترجمہ ہوا	سنہ و مقام طبع	
۱	تاریخ حمزہ اصفہانی	لاطینی	لیپزگ	سنہ ۱۸۴۰ء
۲	مسعودی	فرنچ	پیرس	سنہ ۱۸۷۷ء
۳	ابو الفداء	لاطینی	کانبھگن	سنہ ۱۷۹۴ء
۴	تاریخ الدول الاسلامیہ	"	البسلا	سنہ ۱۸۴۶ء
۵	رسالہ افادۃ والاعتبار	فرنچ	پیرس	سنہ ۱۸۱۰ء
۶	سیرۃ سلطان صلاح الدین	لاطینی	لیڈن	سنہ ۱۸۵۵ء
۷	تاریخ ابن خلکان	انگریزی		
۸	کتاب الاعتبار لاسامۃ بن منقذ	فرنچ		
۹	تاریخ کلبی	جرمن	ڈسٹین فیلڈ	سنہ ۱۸۵۷ء

(۱۴) ہماری تلوارون کو عادت ہے کہ جب میان سے باہر آئین تو جب تک ایک قبیلہ برباد نہ ہو جائے وہ میان مین نہین آتین

مختصر الدول اور تاریخ المکین و ابن البطریق کا ترجمہ بھی یورپ کی زبانون مین ہوگیا ہے، لیکن ان کتابون کے مصنف عیسائی تھے، اس لئے ہم ان کتابون کو عرب مورخین کے تصنیفات مین شمار نہین کرتے،

اس نقشہ سے واضح ہوا ہوگا کہ ایک دو کتابون کے سوا باقی کا ترجمہ انگریزی مین نہین ہوا، بلکہ لاطینی وغیرہ مین ہوا ہے، ان سے متمتع ہونے کا طریقہ ریڈیکل صاحب کیا قرار دیتے ہین؟ کیا وہ اس بات پر راضی ہین، کہ علی گڈھ کالج مین لاطینی اور فرنچ وغیرہ کی تعلیم کی شاخ کھولی جائے؟ اگر ان کا ایسا ارادہ ہو تو ہم خوشی سے عربی تعلیم کی تحریک کو واپس لیتے ہین،

لیکن اصلی سوال یہ ہے کہ کیا مذکورۂ بالا کتابون کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے، کہ عربی تاریخ کا سرمایہ یورپ کی زبانون مین منتقل ہوگیا ہے، عربی کی نایاب اور غیر مطبوعہ تاریخین تو ایک طرف مشہور متداول کتابون کا بھی ترجمہ نہین ہوا، ابن خلدون، ابن اثیر، طبری کو بچہ بچہ جانتا ہے، ان کا ترجمہ کس زبان مین ہوا؟ اور کیا ان کتابون کے ترجمہ کے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے، کہ یورپین زبانون مین عربی کا سرمایہ منتقل ہوگیا ہے، کشف الظنون مین جس قدر عربی تاریخون کے نام مذکور ہین، ان کی تعداد تیرہ سو ۱۳۰۰ ہے، کیا اس خزانہ مین سے پانچ سات تاریخی کتابون کے ترجمہ کی بنا پر عربی سے بے نیازی کا دعوی کیا جا سکتا ہے؟ عربی تاریخ کا جو اصلی خزانہ ہے، یعنی محدثین کی تصنیفات، اس تک ابھی یورپ کی نگاہ ہی نہین پہنچی، "تا بہ ترجمہ چہ رسد" رجال و تراجم کی سیکڑون ہزارون کتابون مین سے کس کتاب کا یورپین زبانون مین ترجمہ ہوا ہے؟

یورپ مین عربی تاریخ کی کتابین نہایت کثرت سے شایع ہوئی ہین، لیکن ترجمہ

نہین، بلکہ یورپ نے ان کو اصل زبان ہی مین پڑھنا پسند کیا، اور ریڈیکل صاحب کی اس رائے پر عمل نہین کیا، کہ ترجمون کے ذریعہ سے ان پر نظر ڈالنی چاہئے، ریڈیکل صاحب فرماتے ہین کہ "عربی زبان مین ایسے معلومات نہین جن سے ارادون مین بلندی اور طبائع مین استقلال پیدا ہو"

آزادی اور استقلال زیادہ تر تاریخی معلومات کا خاصہ ہے، جب ہم کسی ملک کی تاریخ مین آزادی اور استقلال کی مثالین پڑھتے ہین، تو طبیعت مین خود بخود ان جذبات کی تحریک ہوتی ہے، عرب کی تاریخ اس قسم کی مثالون سے لبریز ہے، آزادی عرب کا مایۂ خمیر ہے، بلندخیالی، دلیری، آزادی، حوصلہ مندی کی جو مثالین تاریخ عرب کے ہر صفحہ مین ملتی ہین، آج بھی یورپ اس قسم کے واقعات پیش نہین کرسکتا،

آزادی کی اس سے بڑھکر کیا مثال ہوگی، کہ صحابہ جس قدر آنحضرت صلعم کا ادب واحترام کرتے تھے، اس سے زیادہ امکان مین نہ تھا تاہم ہر موقع پر اس آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے، کہ آج ہم کو ان کے بیان کرنے مین تامل ہوتا ہے ہند (امیر معاویہ کی مان) جب اسلام قبول کرنے کے لئے آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئی، اور آپ نے اس سے بیعت لینے کے وقت یہ فرمایا، کہ "عہد کرو کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کروگی" تو اس نے یہ الفاظ کہے "یا محمد انا ربیناھم صغیرًا وقتلتھم کبیرًا یوم بدر فانت وھم اعلم" اے محمدؐ! ہم نے تو اپنے بچون کو پال پوس کر بڑا کیا تھا، اور تم نے بدر کی لڑائی مین ان کو قتل کردیا، تو تم اور وہ سمجھ لو"

حضرت عمرؓ کا رعب وجلال دنیا کو معلوم ہے، لیکن ایک عام عرب سر دربار ان سے اس طرح خطاب کرتا تھا، کہ کوئی شخص اپنے برابر والے کے ساتھ بھی نہین

کرسکتا، خالد سیف اللہ نے روم کی غارت مین فخریہ اظہار کیا تھا کہ ہم نے جس کو بادشاہ بنا رکھا ہے، (یعنی حضرت عمر فاروقؓ) وہ کسی بات مین ہم سے ترجیح کا برتاؤ نہین کرسکتا وہ اگر غلط بولے، تو ہم اسکو ٹوک دین، چوری کرے، تو اس کے ہاتھ کاٹ ڈالین، خلاف انصاف کرے تو معزول کردین،

امیر معاویہؓ کے حکم سے جب ان کے عامل نے مدینہ منورہ کی مسجد مین یزید کی خلافت کا اعلان کیا اور یہ کہا کہ سنۃ ابی بکر و عمرؓ یعنی جانشین سلطنت کرنا ابوبکرؓ و عمرؓ کا طریقہ ہے، تو وہین ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا:- کذبت لا بل سنۃ کسریٰ وقیصر " تو جھوٹ بولتا ہے، یہ کسریٰ اور قیصر کا طریقہ ہے"

اس قسم کے سیکڑون ہزارون واقعات ہین، کیا ان مثالون سے آزادی اور استقلال کے جذبات کو تحریک نہین ہوتی؟

حقیقت یہ ہے کہ جو گروہ علم کو صرف نوکری کی غرض سے پڑھتا ہے، جس نے معاش کے سیکڑون اسباب (تجارت، حرفت، صنعت) مین سے صرف نوکری پر قناعت کرلی ہے، جو یورپ مین علوم و فنون مین سے بجز چند سطحی باتون کے کچھ نہین جانتا، جس کو ذوق علمی سے کچھ مس نہین، جس نے اعلیٰ تعلیم کے لفظ کو بالکل بیجا استعمال کیا ہے، اس کو اس بحث مین پڑنے سے کیا فائدہ کہ عربی زبان مین علوم و فنون ہین یا نہین، اگر علوم و فنون ہوتے بھی تو اس گروہ کے کس کام کے تھے، ارکان کالج سے ایک بڑا نکتہ جو فروگذاشت ہوا اور ہو رہا ہے، وہ یہ ہے کہ موجودہ طریقہ سے وہ صرف ان لوگون کو انگریزی تعلیم کی طرف متوجہ کرسکے، اور کرسکتے ہین، جنکو معاش کی ضرورت نے انگریزی تعلیم پر مجبور کر رکھا ہے، اور امرا اور رؤسا جنکو معاش کی فکر نہین، وہ انگریزی کے واسطے آنکھ

اٹھا کر بھی نہین دیکھتے لیکن اگر انگریزی تعلیم کے ساتھ پورے طور سے عربی اور مذہبی تعلیم کا بھی بندوبست ہوتا، تو علی گڈھ کالج کے احاطہ مین تعلقہ داران اودھ اور اہالیان ملک کے خاندان کی یادگار بھی نظر آتین،

خاتمۂ سخن مین یہ کہنا ضرور ہے کہ میری ہرگز یہ رائے نہین کہ مسلمانون کو انگریزی تعلیم سے ہٹا کر عربی کی طرف متوجہ کیا جائے، ایسا کرنا بے شبہہ قوم کے ساتھ دشمنی ہے، لیکن اس بحث مین خواہ مخواہ علوم عربیہ کی تحقیر، ارکان کالج کا اس قسم کے فقرے استعمال کرنا کہ "ہم سے ہرگز یہ توقع نہین رکھنی چاہیے کہ ہم عربی تعلیم پر ایک حبہ بھی صرف کرینگے" نہایت ظلم اور ناانصافی ہے، اور اس سے ظاہر ہوسکتا ہے کہ ان لوگون کے دل مین کیا جذبات پوشیدہ ہین،؟

یہ کہنا کہ عربی زبان ہماری مذہبی زبان نہین ہے، اور ہے تو صرف قرآن پڑھ لینا کافی ہے، ایک عامیانہ فریب دہی بلکہ بے ہودہ ڈپلومیسی ہے، صاف کہنا چاہیئے کہ ہم کو قرآن کی بھی ضرورت نہین، یا یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ قرآن کا سمجھنا بغیر عربی کی اعلی تعلیم کے ممکن نہین،

بہرحال عربی کی مخالفت جس طریقہ سے کی گئی وہ جس حد تک صحیح بھی ہو، لیکن اسکی نسبت یہ مصرعہ صادق آتا ہے، ع،

کہتے تو ہین بھلے کی ولیکن بُری طرح

عربی کی تحقیر نے ثابت کر دیا کہ قوم واقعی ذلت کے اخیر درجہ پر پہنچ گئی ہے" کیونکہ کوئی قوم اس وقت تک ذلیل نہین ہوتی جب تک وہ خود اپنے آپ کو ذلیل نہ سمجھے اور یہ درجہ اب قوم نے حاصل کر لیا۔ دکن ریویو۔ مئی ۱۹۰۴ء

مولانا شبلی کے مجموعۂ مضامین کی دوسری جلد

فہرست مضامین

لکھائی چھپائی اعلیٰ، قیمت : ۱۲ر

"منیجر"

(طابع و ناشر محمد اویس وارثی)